ماہنامہ
کرن
دسمبر 2014
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
WWW.PAKSOCIETY.COM
اس شمارے کے ساتھ
کرن کتابچہ
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
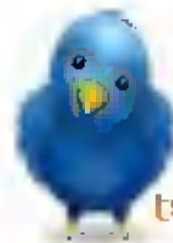
انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
پاکستان (سالانہ) ---------- 700 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ ---------- 5000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ---------- 6000 روپے

خط و کتابت کا پتہ
کرن
37- اردو بازار کراچی

دسمبر 2014
جلد 37 شمارہ 9
قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی
Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

مدیر کا

دسمبر کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

2014ء اختتام پذیر ہے۔ سال گزشتہ اگر کچھ دکھ دے کر گیا ہے تو خوشیاں بھی ہمارے دامن میں ڈال گیا ہے۔

ملک کے حالات اس سال بھی غیر یقینی ہی رہے۔ بہت سارے مسائل کے ساتھ دھرنوں اور جلسوں نے بے یقینی میں اضافہ اور حکومت کو غیر مستحکم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اجتماعی اور انفرادی طور پر ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیں۔ وقت تیزی سے ہاتھ سے نکلتا جا رہا ہے۔

سال کے اختتام پر اپنا احتساب کریں۔ جو کمی رہ گئی ہے، اسے دور کرنے کا عزم کریں۔ تب ہی ہماری زندگی میں، معاشرے میں اور ملک میں تبدیلی آ سکتی ہے۔ اگر عزائم پختہ ہوں تو ہم اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہو سکتے ہیں۔ صرف ارادے بلند، حوصلے اور یقین محکم کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آنے والا سال ہم سب کے لیے ڈھیروں خوشیاں لے کر آئے۔ (آمین)

اس شمارے میں،

- اداکارہ "مریم انصاری" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- اداکار "راشد فاروقی" کہتے ہیں "میری بھی سنیے"،
- "آواز کی دنیا سے" اس ماہ مہمان ہیں "شعیب احمد"،
- اس ماہ "مشعل حرا" کے مقابل ہے آئینہ،
- "اک ساگر ہے زندگی" نفیسہ سعید کا سلسلے وار ناول،
- "ردائے وفا" فرحین اظفر کا نیا سلسلے وار ناول،
- "پھول، خوشبو اور برساتیں" بشریٰ گوندل کا مکمل ناول،
- "آبرو" مبشرہ انصاری کا مکمل ناول،
- "عشق سفر کی دھول" لبنیٰ جدون کے ناولٹ کا دوسرا اور آخری حصہ،
- "ساس در ساس" ام طیفور کا ناولٹ،
- "خالہ، سالا اور اوپر والا" فاخرہ گل کی دلچسپ مزاحیہ تحریر
- ام ثمامہ، شبانہ شوکت، رابعہ افتخار، نگین، نجمہ وسیم اور ندا حسنین کے افسانے،
- اور مستقل سلسلے،

تحفہ،

اس شمارے کے ساتھ کرن کتاب "موسم سرما اور آپ" کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے۔

تُو ہے معبود، تُو ہی داور ہے!
تیری رحمت کی ہم پہ چادر ہے

رزق دیتا ہے سب کو بے مانگے
ذکر تیری عطا کا گھر گھر ہے

بے کسوں کی پکار ہے سُنتا
جو ہیں مظلوم اُن کا یاور ہے

تُو نے بھیجا ہے رحمتِ عالمؐ
کتنا پیارا ترا پیمبر ہے

ساری دُنیا نے ہم کو ٹھکرایا
آخری آسرا ترا در ہے!

اک نگاہِ کرم ہو اس پر بھی
تیرا منگتا یہ پھول احقر ہے!

تنویر پھول

نعت رسول مقبول ﷺ

جو تمہیں بھی میری طرح کہیں نہ سکونِ قلب نصیب ہو
مری بات مانو تو میں کہوں میرے ساتھ سوئے حرم چلو

تمہیں ہمسفر کی ہے جستجو مجھے راہبر کی تلاش ہے
چلو ایک ساتھ چلے چلیں میرا ہاتھ، ہاتھ میں تھام لو

وہ جو گھر ہے میرے حضورؐ کا وہ جو در ہے نکہت و نور کا
اسی آستاں پہ پڑے رہو اسی در پہ عمر گزار دو

جو دوا بھی ہیں جو شفا بھی ہیں جو شفیع روزِ جزا بھی ہیں
جنہیں جانِ لطف و عطا کہو عین جود و سخا کہو

وہی غم زدوں کے کفیل ہیں وہی عاصیوں کے وکیل ہیں
وہ مغفرت کی سبیل ہیں بس انہی کا ذکر کیا کرو

مگر ایک بات نہ بھولنا کہ حضورؐ کس کے حبیب ہیں
کبھی وردِ صلِ علیٰ کرو، کبھی ذکرِ ربُّ العلیٰ کرو

اقبال عظیم

مریم انصاری سے ملاقات

شاہین رشید

شوخ و چنچل اور پیاری سی مریم انصاری کو آپ آج کل ڈرامہ سیریل "شناخت" اور "میرا سسرال" میں دیکھ رہے ہیں اور کم وقت میں اس فنکارہ نے جگہ بنائی ہے اور بہت جلد اپنی پہچان کروائی ہے۔

* "جی مریم انصاری کیا حال ہیں آپ کے؟ اور کیا کر رہی تھیں؟"

☆ "جی حال ٹھیک ہیں اور شوٹ پہ جانے کی تیاری ہو رہی تھی اور بس دن اسی طرح گزر جائے گا۔"

* "ہوں... کیا کیا آن ایر ہے اور کیا کیا انڈر پروڈکشن ہے؟"

☆ "جی جو آج کل آن ایر ہیں ان میں" اگر تم نہ ہوتے " "سسرال میرا" اور "شناخت" شامل ہیں دو تین پروجیکٹ جو یا تو دسمبر میں شروع ہوں گے یا پھر نئے سال میں شروع ہوں گے۔ آج کل ان کی شوٹ چل رہی ہیں۔ جو انڈر پروڈکشن ہیں وہ چار سیریلز ہیں۔"

* "رولز کیا ہیں' لیڈنگ رول ہیں' پوزیٹو ہیں یا نگیٹو؟"

☆ "ان کے بارے میں تو ابھی نہیں بتا سکتی۔ مگر بہت اچھے ہیں اور لیڈنگ ہیں ایک سرپرائز کے ساتھ آؤں گی ناظرین کے سامنے کسی کو گمان بھی نہیں ہوگا کہ "مریم" اتنا اچھا رول بھی کر سکتی ہے اور جناب دو پوزیٹو ہیں ایک کامیڈی ہے اور ایک نگیٹو تو کر لیا ہے میں نے۔"

* "اچھا... کس میں؟"

☆ "سسرال میرا" میں۔ آپ آگے کی اقساط دیکھیں میرا کردار نگیٹو ہو جائے گا... اسی لیے میں چاہ رہی ہوں کہ اب زیادہ تر پوزیٹو رول کروں۔"

* "آپ کے کردار بڑے شوخ و چنچل قسم کے ہوتے ہیں تو عام زندگی میں کیسی ہیں؟"

☆ "ایسی ہی ہوں اور ایسے کردار میرے لیے بہت آسان ہوتے ہیں۔ اور مجھے یاد ہے کہ جب اس سوپ کی ڈائریکٹر صائمہ وسیم مجھے بتا رہی تھیں کہ یہ کردار ہے اور بڑا مشکل ہے تو کیا آپ کر لیں گی تو میں نے کہا صائمہ جی پتا نہیں آپ دیکھ لیں کہ میں کر سکوں گی کہ نہیں اور جب کیا تو ہنسنے لگیں کہ تمہارے لیے تو یہ مشکل ہی نہیں ہے کیونکہ تم بھی ایسی ہی ہو۔ مگر جب نگیٹو پہ آجاؤں گی تو پھر وہ رول میری نیچر سے بالکل

مختلف ہو گا۔"

* "شناخت" میں بنیادی کہانی حجاب پر ہے تو یہ بتائیں کہ اصل زندگی میں بھی پابندی عائد ہو جائے کہ حجاب کرنا ہے تو؟"

☆ "دیکھیں سب کی اپنی پسند اور اپنا فیصلہ ہوتا ہے اور مجھ پر کوئی پابندی تو نہیں لگا سکتا۔ لیکن اگر مجھے خود سے خواہش ہوئی تو میں ضرور کروں گی اور اگر سسرال ایسا ملا تو جیسا کہ آپ کہہ رہی ہیں تو ڈراموں سے بہت کچھ سیکھ لیا ہے پھر شادی ہی نہ کرو۔"

* "باتیں تو ہوتی رہیں گی۔۔۔ کچھ اپنے بارے میں بتائیں؟"

☆ "جی میرا پورا نام مریم کمال انصاری ہے میری امی مجھے پیار سے بےبی بلاتی ہیں اور میرے ابو میرے چاچا اور میرے بھائی مجھے میمو بلاتے ہیں میرے خاندان والے تھوڑے بر کرے ہیں اس لیے وہ مجھے میمو کہتے ہیں میرا جنم دیس سعودی عرب ہے اور یکم مارچ 1991ء۔۔۔ اور میرے ابو بزنس مین ہیں جبکہ امی فیشن ڈیزائنر ہیں میرے ابو کا نام طارق کمال انصاری اور امی کا ثمینہ کمال ہے۔

میرا ایک ہی بھائی ہے جو بہت مشہور وی جے رہ چکے ہیں ان کا نام علی انصاری ہے اور ہم دو ہی بہن بھائی ہیں اور بس دو ہی کافی ہیں۔۔۔ میرے بھائی ہی میرا بہترین دوست ہیں۔ ہم بنیادی طور پر پنجابی ہیں امی لاہور کی ابو آدھے حیدرآباد آدھے پنجابی ہیں اور میں نے A لیول مکمل کر لیا ہے مزید تعلیم کے لیے نیویارک جاؤں گی اور وہاں "فلم میکنگ" پڑھوں گی اور ان شاء اللہ اپنی پڑھائی مکمل کر کے واپس آ جاؤں گی۔۔۔ ابھی چونکہ ڈراموں میں مصروف ہوں تو جا نہیں سکی اس لیے میں نے ایک سال کا گیپ لے لیا تھا۔"

* "شادی؟"

☆ "ابھی تو بالکل بھی نہیں۔۔۔ دور دور تک ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے ابھی تو کچھ بننا چاہتی ہوں۔"

* "شادی کس سے کرنی چاہیے 'جو آپ کو پسند کرتا ہو یا جس کو آپ پسند کرتی ہوں؟"

☆ "بھئی دونوں کی پسند ہونی چاہیے۔ ایسا تو نہیں کہ وہ پسند کرے اور میں نہ کروں اور میں کروں تو وہ نہ کرے۔۔۔ وہ تو پھرتا نہیں اپنے آپ کو کیا سمجھے گا اور میں پیچھے پیچھے پھرتی رہوں کہ مجھے بھی ایک نظر دیکھ لو۔۔۔ بلکہ ماں باپ کا فیصلہ قبول کرنا چاہیے وہ زیادہ بہتر سمجھتے ہیں ہمارے لیے۔"

* "اس فیلڈ میں آمد کیسے ہوئی؟"

☆ "میرا بھائی علی انصاری بہت لیمس آر جے تھے ایف ایم 96 پہ جب میں دس سال کی تھی تو انہوں نے مجھے ریڈیو پہ لگا دیا اور میں نے بچوں کے

پروگرام کی میزبانی کی دو سال تک FM-96 میں پھر مجھے تھوڑا شوق ہوا ٹی وی اسکرین پہ نظر آنے کا تو میں آگ چینل پہ وی جے بن گئی۔ اس وقت میرا بھائی بھی "آگ" پر وی جے تھا۔ دو سال تقریباً "آگ" پہ کام کیا پھر "آکسیجن" والوں نے بلا لیا اور اس چینل پہ تقریباً ڈیڑھ سال وی جے رہی۔۔۔۔

اداکاری کا شوق ہوا تو سوچا کہ پہلے ایک آدھ کمرشل ٹرائی کیا جائے۔ ایک دو کمرشلز کیے پھر ماڈلنگ بھی چھوڑ دی کیونکہ نہ مجھے شوق تھا اور نہ ہی مجھے مزا آیا۔۔۔ ہاں اداکاری کا بہت شوق تھا مگر کیسے آؤں۔ کس کو کہوں اس کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم تھا۔ تو پھر میں نے رخ کیا "تھیٹر" کا "ٹائم بیکن ہیری" کے نام سے کامیڈی پلے تھا۔ مجھے تھیٹر کے ڈائریکٹر دیکھتے گئے اور کاسٹ کرتے گئے اور پھر جاوید سعیدی کے ساتھ تین چار پلے کیے تو ڈراموں کے ڈائریکٹرز نے دیکھا میں مول پروڈکشن گئی۔

تو مجھے کام آفر ہوا اور یوں پہلا سیریل "بنٹی آئی لو یو" تھا اس کے بعد کامران اکبر کا "دل کا دروازہ" کیا یہ سوپ تھا سرمد کھوسٹ کی ٹیلی فلم "آئینہ" میں بھی کام کیا امین اقبال کی ڈائریکشن میں "میری زندگی ہے تو" کیا پھر "شناخت" "اگر تم نہ ہوتے" "سسرال میرا" کیا اور اب تو سلسلہ چل پڑا ہے۔"

* "شہرت کس سیریل نے دی۔ گو کہ جن کے آپ نام لے رہی ہیں وہ سب ہی ہٹ ڈرامے ہیں؟"

☆ "جی شہرت تو مجھے "بنٹی آئی لو یو" سے ہی مل گئی کیونکہ نہ صرف سیریل بہت مقبول ہوا بلکہ تمام فنکاروں کے کام کو پسند کیا گیا۔"

* "پیسہ ملا؟"

☆ "ہاں جی پیسہ ملا اور میں تو بہت چھوٹی عمر سے کما رہی ہوں جیسا کہ آپ کو بتایا کہ دس سال کی تھی تو ریڈیو پہ کام شروع کر دیا تھا اور پہلا چیک کڈ شو کا تھا۔ مہینے میں چار شو ہوتے تو مہینے کے بعد چار ہزار ملتے تھے۔"

* "اتنی عمر کی لڑکیوں میں تو عقل ہی نہیں ہوتی اور آپ ریڈیو پہ آ گئیں؟"

☆ "ارے میں بڑی اسمارٹ گرل تھی بہت تیز طرار تھی۔ میرے بھائی کہتے تھے کہ اسے اس فیلڈ میں آنا چاہیے۔ 10 سال کی تھی مگر شکل سے دس سال کی نہیں لگتی تھی بڑی لگتی تھی۔۔۔ اور میں اتوار کے دن صبح کے وقت کڈ شو کرتی تھی۔۔۔ آہستہ آہستہ ترقی کرتی گئی۔ لوگوں کو آواز اچھی لگتی تھی۔۔۔ پھر یہ بھی سب کو معلوم تھا کہ علی انصاری کی چھوٹی بہن ہے سب کو ایکسائٹمنٹ ہوتی تھی کہ دونوں بہن بھائی کام کر رہے ہیں۔"

* "گھر والے خوش ہوتے تھے؟"

☆ "ہاں اس وقت تو ہوتے تھے مگر اب تنگ پڑ گئے ہیں کہ بس کر دے لڑکی کہ بہت کما لیا۔ بہت کام کر لیا اب تم شادی کر لو۔ ابو تو نہیں کہتے مگر امی بہت فورس کرتی ہیں۔۔۔ میں امی سے کہتی ہوں کہ آپ میری فکر نہیں کریں سارے کام اللہ کے ہاتھ میں ہیں اور پھر جو

نصیب میں لکھا ہے وہ خود بخود سامنے آجائے گا۔ ہم کون ہوتے ہیں فیصلہ کرنے والے اور ہاں میں آپ کو بتا رہی تھی کہ مجھے چار شو کے چار ہزار ملتے تھے تو جب پہلا چیک ملا تو میں نے کیش کروا کے امی کے ہاتھ میں پیسے رکھے تو وہ بہت خوش ہوئیں انہوں نے گلے سے لگایا' بہت پیار کیا۔ اس کے بعد میں سب کو ڈنر پہ لے گئی۔۔۔ دعوت کے بعد مجھے میرے ابو نے پیسے واپس کر دیے کہ بیٹیوں سے نہیں لیتے۔"

* "اتنی کم عمری سے کام کر رہی ہیں' کچھ کہیں گی اس فیلڈ کے بارے میں؟"

☆ "ہاں کیوں نہیں۔۔۔ اب تو ہماری انڈسٹری بہت ترقی کر رہی ہے الحمدللہ۔ اب تو پیک پہ جا رہی ہے مجھے نہیں لگتا کہ یہ خدانا خواستہ زوال پزیر ہوگی۔ اب تو جو بھی نیا ٹیلنٹ ہے اسے آگے آنا چاہیے مقابلہ بازی نہ کریں بلکہ اپنا کام کرتے جائیں اچھے سے اچھا بس پھر دیکھیں اللہ تعالیٰ کتنی ترقی دے گا۔"

* "سیاست ہے؟"

☆ "سیاست تو ہر جگہ ہوتی ہے۔ ہمارے ملک میں بھی سیاست ہے۔"

* "لوز ٹمپر ہیں؟"

☆ "نہیں میں شارٹ ٹمپر نہیں ہوں۔ مجھے غصہ جلدی نہیں آتا میں کنٹرول کر لیتی ہوں لیکن جب مجھے کوئی تیلی لگا دے تو پھر مجھے غصہ آجاتا ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے خلاف میں کچھ نہیں سن سکتی اگر ان کے خلاف کوئی بولے تو میرا میٹر گھوم جاتا ہے۔"

* "تنقید برداشت ہو جاتی ہے؟"

☆ "میرے خیال سے کسی کے کام پر تنقید کرنا فنکار کی توہین ہے۔ مگر یہ بھی ہے کہ تنقید سے ہی انسان سیکھتا ہے۔ میرے ساتھ تو اللہ کا شکر ہے کہ ابھی تک ایسا نہیں ہوا کہ کسی نے تنقید کی ہو سب تعریف ہی کرتے ہیں۔"

* "کوئی سین' کوئی ڈائیلاگ جو مشکل سے ادا ہوئے ہوں؟"

☆ "میرا پہلا سوپ "چادر" تھا اس کے رائٹر خدا بخش اور ڈائریکٹر شفقت معین الدین تھے۔ اس کا ایک ڈائیلاگ تھا "پچھتاوے کے پتھر سے ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گرنے سے پہلے لوٹ آؤ احمد' یہ نہ ہو کہ پلٹ کر دیکھو تو نہ میں ہوں اور نہ ہی تمہاری ماں کی ممتا" میرے لیے یہ ایک مشکل لائن تھی کیونکہ اس وقت

مجھے ٹھیک طرح سے اردو بھی نہیں آتی اس ڈائیلاگ کی ادائیگی میں مجھے سات آٹھ ری ٹیکس دینے پڑے۔ جو کہ بہت ہوتے ہیں۔"

* "سیریل لیتے وقت کیا چاہتی ہیں کہ کون کون سے فنکار ہوں؟"

☆ "نہیں ایسا کچھ نہیں چاہتی' نہ سوچتی ہوں۔ مجھے تو سب کے ساتھ کام کرنا ہے۔"

* "اور کردار کے لیے بھی کوئی خواہش نہیں ہے کیا؟"

☆ "نہیں کردار کے لیے تو میری خواہش ہے کہ میں ایک غنڈی کا کردار ادا کروں۔ ایسی غنڈی جو فائٹر ہے یا بوکسر ہے تو وہ کیسے اپنے مقصد کو پاتی ہے.... جیسے "رام سیلا" میں "دپیکا" کی ماں نے جو رول کیا تھا.... تو وہ بہت اچھا کردار تھا اور سٹ کام کی بات نہیں کروں گی کیونکہ وہ تو پھر فنی ہو جاتے ہیں.... مجھے تو زندگی کے قریب والے کردار کرنے کا شوق ہے۔"

* "کام میں ہنکچول ہیں؟"

☆ "الحمد و للہ .... وقت کی پابندی کا بہت خیال رکھتی ہوں۔"

* "فیوچر پلاننگ؟"

☆ "فیوچر پلاننگ یہ ہے کہ میری خواہش ہے اور میری کوشش ہے کہ میں ایک بہت ہی اچھی اور مشہور ڈائریکٹر بنوں اور ان شاء اللہ اچھی تعلیم حاصل کر کے اس انڈسٹری کو بھی کچھ دوں.... وسیع فیلڈ ہے' محدود نہیں کرنا چاہتی اپنے آپ کو۔"

* "کبھی دھرنے میں جانے کا اتفاق ہوا؟"

☆ "مجھے دھرنے پہ جانے کا اتنا شوق ہے کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتی۔ لیکن کیا کروں کہ اسلام آباد جانا مشکل ہے اور جب کراچی میں دھرنا ہوا تھا تو امی نے جانے نہیں دیا کہ کہیں بلاسٹ نہ ہو جائے اور میرا بہت دل ہے سیاست میں آنے کا تو ہو سکتا ہے میں کوئی پارٹی جوائن کر لوں۔"

* "آپ ماشاء اللہ بہت اچھا بولتی ہیں.... تو پارٹی جوائن کر سکتی ہیں؟"

☆ قہقہہ' ہاں مجھے لگتا ہے کہ میری بری عادت یہ ہے کہ میں بولتی بہت ہوں اور اتنا بولتی ہوں کہ کوئی نیا بندہ مجھ سے ملتا ہو گا تو وہ تنگ آجاتا ہو گا اور کوئی مجھے کہے کہ اتنا مت بولو چپ ہو جاؤ تو مجھے بہت برا لگتا ہے اور پھر میں سوچتی رہتی ہوں کہ اب بات نہیں کروں گی .... مگر پھر دوسرے دن جا کر ڈبل سر کھاتی ہوں اس کا جو کہتا ہے کہ تم زیادہ بولتی ہو۔"

* "کبھی سوچا کہ کاش میں اس فیلڈ میں نہیں ہوتی؟"

☆ "نہیں یہ تو نہیں سوچی کہ کاش میں اس فیلڈ میں نہ ہوتی۔ کیونکہ یہ فیلڈ مجھے بہت پسند ہے ہاں جب کبھی اپنی فیملی کو اور اپنی دوستوں کو ٹائم نہیں دے پاتی تب سوچتی ہوں کہ کاش میں نے کام کم لیا ہوتا۔"

* "فلم میں کام کرنے کا ارادہ ہے.... کیونکہ سب کی خواہش ہوتی ہے؟"

☆ "جی بالکل ان شاء اللہ لالی ووڈ میں کام کرنے کا زیادہ شوق ہے کیونکہ میں پکی محب وطن پاکستانی ہوں پہلے اپنی فلموں میں جگہ بناؤں گی اور پھر کہیں اور۔"

* "گھر میں ہوتی ہو تو زیادہ وقت کہاں گزارتی ہیں؟"

☆ "اپنے گھر کے باغ میں.... ہمارا ماشاء اللہ بہت بڑا باغ ہے اور بہت خوب صورت پھول لگے ہوئے ہیں۔ تو بس جب گھر پہ ہوتی ہوں تو اپنے ہی باغ میں ہوتی ہوں۔"

* "گھریلو امور سے دلچسپی ہے؟"

☆ "جی بالکل ہے دلچسپی.... اور کڑاہی اچھی پکا لیتی ہوں خواہ وہ چکن کی ہو یا پھر گوشت کی ہو۔ تو اچھا لگتا ہے گھر کے کاموں میں امی کا ہاتھ بٹانا۔"

* "اور کچھ کہنا چاہیں گی اس انٹرویو کے حوالے سے؟"

☆ "جی یہ کہنا چاہتی ہوں کہ آپ مجھے سپورٹ کرتے رہیں گے' میری حوصلہ افزائی کرتے رہیں گے تو میں بھی آپ کو مایوس نہیں کروں گی بلکہ کچھ کر کے ان شاء اللہ دکھاؤں گی۔"

☆ ☆

آواز کی دنیا سے

شعیب احمد

شاہین رشید

انٹرنیٹ، فیس بک اور دنیا جہاں کی مصروفیات کے باوجود ریڈیو وہ واحد تفریح ہے جو لوگ آج بھی انجوائے کرتے ہیں۔ اچھی آواز، اچھی گفتگو اور روح کی غذا میوزک ایک ساتھ میسر آجائیں تو پھر وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا۔ "آواز کی دنیا" سے آج ایک ملاقات اور۔۔۔ شعیب احمد جن کو آپ ایف ایم 105 سے سنتے ہیں۔

★ "جی کیسے ہیں شعیب صاحب؟"

* "میں ٹھیک ٹھاک۔۔ اللہ کا شکر ہے اور موسم بڑا اچھا ہو رہا ہے اس سال موسم میں تبدیلی ذرا جلدی آ گئی ہے۔"

★ "آپ کے خیال میں تبدیلی آگئی ہے؟"

* قہقہہ۔ "جی جی بالکل مگر تبدیلی نہیں آئی سردی آگئی ہے۔"

★ "تبدیلی آ بھی نہیں سکتی کہ جب تک سسٹم نہیں بدلے گا تبدیلی نہیں آئے گی۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک پر رحم کرے؟"

* "تبدیلی کی باتیں کرنا آسان کام ہے۔ تبدیلی لانا مشکل کام ہے پہلے ہمیں خود تبدیل ہونا پڑے گا۔"

★ "ہم تو اتنے بھی تبدیل نہیں ہوتے کہ اپنے گھر کا کوڑا باہر گلی میں ڈال دیتے ہیں بجائے اس کے کہ ایک عدد جمعدار لگوالیں اور کوڑا ڈیسٹ بن میں ڈال دیں۔۔۔ ہم اتنا بھی تبدیل ہو جائیں تو بہت بڑی بات ہے؟"

* "جی بالکل۔"

★ "خیر اب بتائیں کہ آج کل کیا مصروفیات ہیں آپ کی؟"

* "مصروفیات میڈیا سے ہی تعلق رکھتی ہیں۔ ریڈیو ایف ایم 105 سے پہلے میں ایف ایم 103 میں تھا 2004ء میں جوائن کیا اور گزشتہ سال نومبر میں ایف ایم 105 کو جوائن کیا۔ 10 سال کام کیا پھر طبیعت کچھ سیر ہوگئی تو چینل بدل لیا۔۔۔ ورنہ تو میڈیا میں تو لوگ آج اس چینل پہ ہیں تو کل کسی اور میں۔۔۔ اور ہم نے سوچا کہ کوئی بے وفائی کا الزام نہ لگائے ایک ہی ایف ایم سے وابستہ رہا۔۔۔ اور اس چینل کا ماحول بہت اچھا تھا اور بہت کچھ سیکھنے کا موقع بھی ملا۔ بہت اچھا تجربہ رہا ایف ایم 103 میں کام کر کے اس کے

علاوہ دو سال "نیو" میں بھی رہا 2005ء اور 2006ء میں ' وہاں میں "آگ" ٹی وی پہ تھا بہ حیثیت وی جے اور کریٹو کے پھر 2009ء میں پی ٹی وی سے وابستگی رہی بہ حیثیت فری لانس ہوسٹ کے اور کافی پروگرام کیے میں نے اور بہت اچھے پروگرام کیے ... 2012ء تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ پھر کچھ عرصہ اے آر وائی کے کچھ پروجیکٹ کیے۔

وائس اوور کے شعبے سے بھی وابستہ ہوں اور ہمارے یہاں کی خواتین میں جو ترکش ڈرامے مشہور ہیں ان ڈراموں میں میری آواز ہوتی ہے۔ بے شک خواتین کو چہرے ترکش پسند ہیں مگر آواز اپنوں کی ہی

ہوتی ہیں تو اس تجربے کو دیکھتے ہوئے ادارے نے بھی بہت ساتھ دیا اور تقریباً" دو ہفتے وہاں رہا... اور مجھے اکثر لوگوں نے کہا کہ وہاں "امن" میں کوئی نہیں جاتا اور تم "جنگ" میں چلے گئے۔

★ "یہ سب کچھ آپ نے ایف ایم 105 کے پلیٹ فارم سے کیا یا کچھ تعاون 103 کا بھی تھا؟"

✱ "103 ایف ایم کے ساتھ سلسلہ یہ تھا کہ ان کی طرف سے کھلی چھوٹ تھی کہ اگر آپ کو کوئی آؤٹ ڈور سلسلہ کرنا ہے اور اس کام کے لیے پورے ادارے کا تعاون حاصل ہوتا ہے یہاں پر بھی جو "سی او" ہیں ان سے پرانا تعلق 103 سے تھا تو وہ میرا مزاج

چاہیے ہوتی ہے۔

پھر فیلڈ جرنلزم بھی میں نے کافی کی ہیں۔ جیسے سوات آپریشن تھا' زلزلہ' سیلاب بھر" کی اسٹوری اس سال کافی ٹریولنگ رہی اس سلسلے میں وزیرستان آپریشن تھا 2014ء میں... وہاں تو ٹی وی والے بھی نہیں گئے اور مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں گیا ریڈیو کی طرف سے چونکہ ایک وار war کور کر چکا ہوں کہ کس قسم کے مسائل ہوتے ہیں کس قسم کی اسٹوریز

سمجھتے تھے لہٰذا انہوں نے بھی بہت سہولتیں بھی دیں اور تعاون بھی کیا کیونکہ پھر این جی اوز بھی' بھی تعلق بن جاتا ہے تو کہنے کو چلیں تو آپ اکیلے رہے ہوتے ہیں لیکن آپ کے پیچھے کافی لوگوں کا سپورٹ سسٹم بھی چل رہا ہوتا ہے۔

★ "آپ نے دس سال ایف ایم 103 میں کام کیا۔ انہوں نے آپ کو فری ہینڈ بھی دیا' آپ نے سیکھا بھی بہت کچھ... پھر کیوں چھوڑا آپ نے اس

ادارے کو؟"

✽ "جی ایف ایم 103 کے احسانات اپنی جگہ' لیکن 10 سال میں تو میاں بیوی بھی اکتا جاتے ہیں تو پھر یہ تو جاب تھی۔"

★ "لوگ تو کہتے ہیں کہ جہاں مسلسل کام کیا جائے پھر وہ اپنا گھر لگنے لگتا ہے اور آپ اکتانے کی بات کر رہے ہیں؟"

✽ "آج بھی اپنا گھر جیسا لگتا ہے۔ مگر کچھ اندرونی حالات اور مینجمنٹ کے فیصلے ایسے تھے کہ جن سے مجھے اختلاف تھا اور دو تین سال تک رہے اور پھر جب ادارے کی ساکھ پر بات آنے لگی اور اس کا احساس مالکان کو بھی ہوا مگر ان کی عقل میں کوئی بات نہیں آ رہی تھی اور پروگرامز کا معیار بدلا تو ادارے کو بھی بڑا نقصان ہوا۔ پھر چھوڑنا پڑا۔ پہلے ریڈیو ایف ایم 103 پہلے نمبر پر تھا اب شاید نویں نمبر پر یا دسویں نمبر پر ہے اور میں نے بہت کوشش کی ادارے کی بہتری کے لیے 'لیکن جب آپ کی بات نہ سنی جائے آپ کو اہمیت نہ دی جائے اور نقصان ہو رہا ہو تو پھر راستے جدا کر دینے چاہئیں۔"

★ "یہاں سب سہولتیں ہیں آپ کو 105 میں ۔۔۔ اور بے شک آپ دیگر کام بھی کر رہے ہیں 'لیکن اوڑھنا بچھونا آپ کا ریڈیو ہی ہے؟"

✽ "جی جی۔۔۔ الحمد للہ اس ادارے نے بھی حیرت انگیز طور پر مجھے ویلکم کیا اور دس سال کا ریکارڈ ان کے سامنے ہے انہیں اندازہ ہو گیا کہ میں کس مزاج کا بندہ ہوں اور بالکل ٹھیک کہا آپ نے کہ اوڑھنا بچھونا میرا ریڈیو اور میڈیا ہے۔"

★ "میڈیا میں آمد کیسے ہوئی؟"

✽ "میں یہاں کراچی میں اکیلا رہتا تھا اور عموماً جب گھر کاٹ کھانے کو دوڑ رہا ہوتا تو ٹی وی چلا دیا جاتا ہے کہ کسی کی آواز تو آئے۔ مگر گھر کے کچھ کارنر ایسے تھے جہاں ٹی وی کی آواز نہیں آتی تھی۔۔۔ پھر میں نے ریڈیو سیٹ آن کیا تو تچل ایف ایم کے نام سے سوچ ہوا اور میرے گھر کے پاس تچل گوٹھ ہے اور مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ ہمارے یہاں اتنی ترقی ہو گئی ہے کہ ایک چھوٹے سے گاؤں کا اپنا ریڈیو اسٹیشن ہے تو وہ رابطے کے لیے اپنا نمبر بھی بتا رہے تھے۔ اسی زمانے میں میں نے اپنی گریجویشن بھی مکمل کی تھی اور یہ بات ہے 2004ء کی میں فارغ تو تھا ہی۔۔۔ میں نے کال کی تو جتنی دلچسپی سے میں نے کال کی اس سے کہیں زیادہ دلچسپی سے فون ریسیو کرنے والے نے ظاہر کی اور اسی کی بنیاد پر انہوں نے مجھے آڈیشن دینے کا مشورہ دے دیا ۔۔۔ اپنے دوست کے ساتھ وہاں گیا تو اکبر شہباز صاحب نے آڈیشن کیا۔ مجھے لگا کہ انہوں نے کچھ امپروف کیا ہے پھر تقریباً" دو ہفتوں کے بعد انہوں نے مجھے کال کی اور کہا کہ ایک آڈیشن آپ کا اور کرنا ہے آپ آجائیں اور پھر ایک دو دن کے اندر ہی میں آن ایئر ہو گیا اور میں نے سوچا بھی نہیں تھا اور میرا انتخاب ہو گیا اور میں مریم علوی کے ساتھ پروگرام کرنے لگا۔۔۔ مارننگ شوز کے لیے پھر ویک اینڈ شوز کیے اور پھر جب انہوں نے یہ کہا کہ آپ اپنے ساتھیوں کو بھی بتائیں کہ وہ آپ کا پروگرام سنیں تو تب خیال آیا کہ اچھا یہ کوئی ایسا کام ہے کہ جس میں لوگ سنتے بھی ہیں۔ تو پھر میں نے اپنی کزنز سے کہا کہ میرا پروگرام سنیں۔ یوں یہ سفر شروع ہوا اور یوں آہستہ آہستہ آگے بڑھتا گیا۔

چھ' آٹھ مہینے ہو گئے جب پروگرام کرتے ہوئے تو اپنے ایک پروگرام میں میں نے "چوڑیوں" کا ذکر کر دیا۔ تو جب میں شو کر کے نکلا تو اکبر شہباز صاحب نے جو پہلی بار مجھے کمپلیمنٹ دیا وہ کہ آپ نے جو چوڑیوں کی بات کی مجھے بڑا اچھا لگا ایسا لگا کہ جیسے شادیوں کا سیزن ہے اور بہت اچھا پروگرام آپ نے کیا ۔۔۔ یہ پہلی تعریف تھی جو مجھے ملی۔ اور بڑا خوب صورت انداز تھا ان کا اور آپ یقین کریں کہ چوڑیوں کے پروگرام کے بعد مجھے یوں لگا کہ جیسے میں خواتین کا پسندیدہ آر جے بن گیا ہوں۔ لیکن میں کچھ اور بھی کرنا چاہتا تھا۔۔۔ اور ہمارا تعلق شروع شروع میں بی بی سی اردو سروس سے تھا تو امبر خیری' مسعود عالم اور شفیع نقی جامعی کی خبریں سنتے تھے تو ان کا تلفظ ہمیں بڑا متاثر کرتا

تھا۔ تو ابھی مجھے کام کرتے ہوئے چھ مہینے ہی گزرے تھے کہ بی بی سی سے ایک ٹیم آئی جن میں شفیع نقی جامعی بھی شامل تھے تو ایک دن میں کھڑے ہو کر پروگرام کر رہا تھا تو انگریزی اسٹائل میں ایک شخص خاموشی سے اسٹوڈیو کی دیوار کے ساتھ خاموشی سے کھڑے ہو گئے میرا پروگرام ختم ہوا تو پھر وہ باہر چلے گئے اور جب شو کر کے باہر نکلا تو مجھے ٹیم سے ملایا گیا اور جب بتایا کہ یہ شفیع نقی جامعی ہیں تو مجھے اندر سے خوشی ہوئی کہ جن کی ہم خبریں سنتے ہیں وہ ہمارے سامنے ہیں ... پھر ہماری نیوز کی ٹریننگ ہوئی تو کرنٹ افیر سے دلچسپی ہوئی ... اور اندازہ ہونا شروع ہوا کہ اس ملک کی حکومت تو خیر جمہوری ہے تو 2005ء میں میں نے اور ادارے نے محسوس کیا کہ تھوڑا چینج لانا چاہیے چنانچہ میں نے خود بھی ارادہ کیا کہ مکمل طور پر کرنٹ افیئرز سائیڈ پہ چلا جاؤں ... مگر چونکہ میں کئی سالوں سے انٹرٹینمنٹ کے پروگرام کر رہا تھا تو ایک دم سے اپنے پروگرام کو خشک بھی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے پروگرام میں تفریح اور سیاست دونوں کو شامل کر لیا اور انہی دنوں نیوز چینلز بھی آنا شروع ہو گئے تو ان کی پروگرامنگ میں بھی ہمیں شامل کیا جاتا تھا۔"

★ "اتنا کچھ کرتے ہیں آپ کیمرے کے پیچھے رہ کر تو آپ کیمرے کے سامنے کیوں نہیں آتے؟"

✱ "سچ بتاؤں آپ کو کہ ٹی وی ابھی اس قابل نہیں ہوا کہ میں اس میں کام کروں... بس میرا اختلاف ہے ٹی وی سے۔ میں بہت کچھ کر سکتا تھا اور کر سکتا ہوں اور میں نے اپنے دروازے کبھی کسی کے لیے بند نہیں کیے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے پی ٹی وی کے لیے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ لیبر ڈے شو 'قائداعظم ڈے شو' سب میں نے کیے اور بہت کچھ سیکھا ہے پی ٹی وی سے اور اس کی مثال ہی میں آپ کو یہ دے سکتا ہوں کہ پی ٹی وی کا جو کیمرہ مین ہے وہ آج کے دیگر چینلز کے 10 سال پرانے پروڈیوسرز سے بھی زیادہ تجربہ کار ہوں گے کیونکہ پی ٹی وی صحیح معنوں میں ایک ادارہ ہے تو پی ٹی وی پہ میں نے 2009ء سے 2002ء تک تقریباً 14' 15 شوز کیے ہوں گے۔ بس مستقل طور پہ جوائن نہیں کیا۔"

★ "آفرز تو دیگر چینلز سے آتی ہوں گی؟"

✱ "بالکل آتی ہے اور میں آپ کو بتاؤں کہ مجھے ایک نیوز چینل والوں نے بلایا اور کہا کہ سوشل مسائل کے اوپر آپ کو کام کرنا ہوگا... تو انہوں نے مجھے ایک اسائنمنٹ دیا کہ ایک خاتون جیل میں ہیں تین سال سے اور ان تین سالوں میں ان کے دو بچے بھی ہو گئے تو میں نے کہا کہ میں لعنت بھیجتا ہوں ایسے پروگرام پر جس کو دیکھنے کی اجازت میں اپنے گھر والوں کو بھی نہ دوں اور معاشرہ یہ ہے کہ اس کی عکاسی کی جائے۔ کراچی میں دو کروڑ لوگ رہتے ہیں کیا ان کی زندگی یہی ہے؟ ہمارے معاشرے کے اور بھی بہت سے مسائل ہیں ایسے گندے اور سنسنی خیز چیزوں پر پروگرام کر کے ہم کیا بتانا چاہ رہے ہیں لوگوں کو۔"

★ "ایف ایم 105 پہ آج کل آپ کے پروگرام کی ٹائمنگ کیا ہے اور آپ کے پروگرام کا فارمیٹ کیا ہے؟"

✱ "پیر' منگل' بدھ اور جمعرات شام چھ سے آٹھ بجے تک خبروں کی تخریب کاریاں کرتا ہوں اور 10 سال سے میری آرزو تھی کہ میں رات کا بھی ایک شو کروں کیونکہ رات کے شو تھوڑے رومانوی' افسانوی اور شاعری پر مبنی ہوتے ہیں اور ایف ایم 105 والوں

نے میری یہ خواہش پوری کی اور میں جمعہ کو رات 2 بجے سے لے کر چار بجے تک اپنے سامعین سے بات کرتا ہوں۔۔۔ اس میں لائیو کالز نہیں لیتا بلکہ SMS لیتا ہوں یہ ایک ایسا شو ہے کہ میں اس میں دو گھنٹے بولتا ہوں اور دنیا جہاں کی باتیں کرتا ہوں۔"

★ "چلیں جی باتیں تو بہت ہیں۔۔۔ اب ذرا فیملی بیک گراؤنڈ بتائیے؟"

✽ "میرے والد صاحب کا تعلق بلوچستان سے ہے اور والدہ کا تعلق راجستھان سے ہے تو دونوں طرف سے پیچھے صحرا ہی ہے میری پیدائش میرے ننھیال میں ہوئی تھی "نواب شاہ" میں میرے والدین شادی کے فوراً" سعودی عرب چلے گئے والد تو پہلے سے ہی سعودی عرب میں تھے اور چونکہ میں خاندان کی پہلی اولاد تھا تو سب نے کہا کہ ننھیال میں ہو گی تو امی کو پاکستان میں آنا پڑا اور یوں 21 مارچ 1981ء میں پیدا ہوا۔۔۔ اور میری زندگی بھی صحرا میں ہی گزری۔

1995ء میں میں پاکستان شفٹ ہوا گلف وار کی وجہ سے اور جب میں نے دیکھا کہ مکہ اور مدینہ کے راستے میں پاکستانی فوج ہے تو پتا نہیں کیوں میرا بھی دل چاہا کہ میں فوج میں جاؤں۔ اس چکر میں میں پنوں عاقل شفٹ ہوا وہاں آرمی کا ایک کالج تھا گھر سے 35'40 کلومیٹر کے فاصلے پہ وہاں ہماری خالہ پرنسپل ہوا کرتی تھیں انہوں نے مجھے کتابچہ بھیجا اور جب میں نے پڑھا تو بڑا متاثر ہوا۔ اس وقت میری عمر 14'15 سال کی تھی تو اس شوق میں جب پنوں عاقل شفٹ ہوئے تو پتا چلا کہ گرم سرد کیا ہوتا ہے دنیا کیا ہوتی ہے اور ماں باپ ساتھ نہ ہوں تو کتنی مشکل ہوتی ہے۔ میرے پرنسپل نے بھی ابو سے کہا کہ اس کے مزاج سے لگ رہا ہے کہ اس کا آرمی میں داخلہ نہیں ہو گا۔ اس کو آپ واپس لے جائیں۔ پھر انٹر سعودی عرب جا کر کیا پھر کراچی آیا 1999ء میں اس سال میں نے ایک سال کا ڈپلومہ کیا کمپیوٹر میں۔ کیونکہ چاروں طرف سے یہی آوازیں سنائی دیں کہ کمپیوٹر کا دور ہے کمپیوٹر پڑھ لو۔ گرافکس میں ڈپلومہ کیا۔ بہت ہی دلچسپ اور کلر فل فیلڈ لگی مجھے۔ پھر گریجویشن کیا اور اس کے بعد پھر کلر فل دنیا یعنی میڈیا میں آ گیا اور باقاعدہ طور پر پریکٹیکل لائن میں 2005ء آیا تو مجھے احساس ہوا کہ میڈیا کی فیلڈ بہت اچھی فیلڈ ہے اور یہاں کوئی ٹائی گلے میں باندھ کر 9 سے 5 بجے والی ڈیوٹی نہیں دینی نہ کمر توڑنی ہے بلکہ یہاں اپنی صلاحیتیں استعمال کرنی ہیں۔ یہاں مزدوروں کی طرح دھاڑیاں بہت ہیں۔"

★ "بہن بھائی؟۔۔۔ شادی؟"

✽ "میرے چھوٹے دو بھائی ہیں اور دونوں کی شادی ہو گئی ہے اور سب سے چھوٹی بہن ہے اور وہ گریجویشن کر رہی ہے انگریزی ادب میں۔۔۔ اور میں نے ابھی تک شادی نہیں کی میں ان دونوں کے راستے سے ہٹ گیا تھا اور کہا کہ بھئی جس کو جلدی ہے وہ پہلے کر لے۔۔۔ تو ایک بھائی کی تو ساڑھے تین سال کی بیٹی بھی ہے اور دوسرے بھائی کی شادی کو ایک سال ہوا ہے اور میں اتنا مصروف رہا کہ مجھے شادی کرنے کا خیال ہی نہیں آیا۔"

★ "مزاج کے کیسے ہیں۔۔۔ گرم یا نرم؟"

✽ "میرے مزاج میں گرمی سردی اور نرمی دونوں ہیں۔۔۔ بہت اچھا بھی ہوں اور کبھی بہت سخت بھی ہوں اور سمجھتا ہوں کہ میرے مزاج میں ایک بیلنس ہے اور یہی بیلنس ہوتا ہے کہ اتنے میٹھے نہ بنو کہ کوئی کھا جائے اور اتنے کڑوے نہ بنو کہ کوئی تھوک دے اور دوستوں کی محفلوں میں اور گھر کی محفلوں میں موڈ ہو تو پوری محفل کو سر پر اٹھایا ہوا ہوتا ہے ہنس رہے ہیں بول رہے ہیں اور اگر موڈ اچھا نہیں ہے اور کوئی چیز پسند نہیں آ رہی تو دل میں نہیں رکھتا بول دیتا ہوں اور شاید اسی وجہ سے شاید لوگ میرے لیے کہتے ہیں کہ بڑے موڈ کا اور مزاج کا سخت آدمی ہے۔"

اور اس انٹرویو کا اختتام ہم نے شکریے کے ساتھ کیا کہ انہوں نے ہمیں ٹائم دیا۔

☼ ☼

میری بھی سنیے

راشد فاروقی

شاہین رشید

1 "پورا نام؟"
"راشد فاروقی۔"

2 "پیار کا نام؟"
"کافی ہیں۔ جس کو جس طرح پیار آتا ہے وہ اسی انداز میں بلا لیتا ہے کوئی مخصوص نام نہیں ہے۔"

3 "نام جو مجھے پسند ہیں؟"
"مجھے تو اپنا ہی نام بہت پسند ہے کیونکہ یہ نام میرے ماں باپ کا دیا ہوا ہے اور اس نام نے مجھے پہچان دی ہے۔"

4 "میری سالگرہ کا مہینہ؟"
"اپریل۔۔۔ یہی میری شادی کا مہینہ بھی ہے۔"

5 "مہینہ جو مجھے پسند ہے؟"
"ستمبر' کیونکہ اس میں میری بیٹی کی سالگرہ ہوتی ہے۔"

6 "میری دیرینہ خواہش؟"
"کہ میں بالی ووڈ اور ہالی ووڈ میں کام کروں۔"

7 "شوبز میں کس طرح جگہ بنانی چاہیے؟"
"دوسروں کو خوش کرنے کا فن آتا ہو تب' اور آپ میں ٹیلنٹ ہو تو جگہ بنانا مشکل نہیں ہے۔"

8 "طبیعتاً" کیسا ہوں؟"
"بہت ہنس مکھ اور ملنسار۔"

9 "میرا روٹین ورک؟"
"صبح جلدی اٹھنا' بیڈ ٹی پینا' ایکسر سائز کے لیے جانا اور پھر دیکھنا کہ آج شوٹ کا کیا شیڈول ہے اس حساب سے گھر سے نکلتا ہوں۔"

10 "کس وجہ سے لوگ مجھے پسند کرتے ہیں؟"
"میں ظریف مزاج ہوں۔ محفل میں کسی کو بور نہیں ہونے دیتا اور صاف گو بندہ ہوں' اچھائی برائی'

گلے شکوے، کو منہ پر کہہ دیتا ہوں۔ کوئی بات دل پہ نہیں رکھتا۔"

11 "اپنی ہی ایک عادت جو پریشان کرتی ہے؟"
"کہ میں سگریٹ بہت پیتا ہوں۔ کبھی کبھی اس کی زیادتی مجھے پریشان کرتی ہے۔"

12 "بے ساختہ مسکرانے لگتا ہوں؟"
"جب میں کسی کی جھوٹی تعریف کرتا ہوں اور وہ خوش ہو جاتا ہے۔۔۔ کبھی کبھی افسوس بھی ہوتا ہے کہ میں نے اس کو خوامخواہ بے وقوف بنا دیا۔"

13 "لڑکیوں کے بارے میں میرے تاثرات؟"
"مجھے لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔ اس لیے میں ان کی خامیوں کو نظر انداز کر دیتا ہوں اور لڑکیوں کو اپنے آپ کو سنبھال کر رکھنا چاہیے۔ کیونکہ یہ بہت نازک بھی ہوتی ہیں۔"

14 "کن چیزوں کو بھول جانے پہ دوبارہ گھر آتا ہوں؟"
"سب سے اہم نظر کا چشمہ، اپنا والٹ، موبائل اور ایک دو اور چیزیں جن کے بغیر گزارہ نہیں ہے۔"

15 "سیاست داں جو ملک کے لیے بوجھ ہیں؟"
قہقہہ۔۔۔ "سب ہی بوجھ ہیں کس کس کا نام لوں۔"

16 "گزرے سیاست دان جو پسند تھے؟"
"ہیں ایک دو جو بہت پسند ہیں۔ میں انہیں دنیا کے بہترین سیاست دان کہتا ہوں۔"

17 "کن سیاست دانوں سے ملنے کی خواہش ہے؟"
"بانکی مون سے اور امریکہ کے صدر سے خواہ کوئی بھی ہو، موجودہ ہو یا جو رہ چکے ہوں۔"

18 "گھر میں کہاں سکون ملتا ہے؟"
"جی گھر میں ہی سکون ملتا ہے۔۔۔ ویسے میں سمجھ گیا آپ کے سوال کو۔۔۔ گھر میں ہوتا ہوں تو سکون ہی سکون ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی اپنے بیڈ روم میں رہنا اچھا لگتا ہے۔"

19 "موسم اچھا ہو تو انجوائے کرتا ہوں؟"
"گھر میں ہوتا ہوں تو بیگم اور بیٹی کے ساتھ گھر کی چھت پر بارش یا اچھا موسم انجوائے کرتا ہوں اور ادھر ادھر ہوں تب کوشش کرتا ہوں کہ جلد گھر پہنچ جاؤں

تاکہ انجوائے کر سکوں۔"

20 "ہر مرد کی کامیابی میں عورت کا ہاتھ ہوتا ہے؟"
"جی ہوتا ہے۔۔۔ میری کامیابی میں میری ماں اور پھر میری بیگم کا ہاتھ ہے۔"

21 "میرے اپنے پسندیدہ ڈرامے؟"
"لمبی فہرست ہے کیونکہ میں کرتا ہی انہی ڈراموں پر فارم ہوں جس کے کردار مجھے پسند آتے ہیں۔ میں اپنی مرضی سے کردار لیتا ہوں۔ اس لیے نام نہیں لے سکتا۔"

22 "مجھے ایوارڈ ملا؟"
"رام چند پاکستانی" میں بہترین پرفارمنس پہ۔"

23 "ایک کردار جو کرنا چاہتا ہوں؟"
"ایک؟۔۔۔ بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ ابھی تو کچھ کیا ہی نہیں ہے میرے لیے ہر کردار نیا ہوتا ہے۔"

24 "ہم سے بعد میں وجود میں آنے والے کن ممالک سے متاثر ہوں؟"
"مجھے چین اور بنگلہ دیش کی ترقی نے بہت متاثر کیا ہے۔ بنگلہ دیش تو بہت ہی کم عمر ہے مگر ہم سے زیادہ ترقی کی ہے۔"

25 "اگر ساری دنیا سو جائے تو؟"

"میں بھی سو جاؤں گا۔ مجھے کیا کرنا ہے جاگ کر' نہ کوئی بات کرنے والا نہ کوئی حال احوال پوچھنے والا۔"

26 "رنگ جو مجھے پسند ہیں؟"

"رنگ تو سب ہی اچھے لگتے ہیں' لیکن لباس کے معاملے میں دو ہی رنگوں کو ترجیح دیتا ہوں۔ سفید اور بلیو رنگوں کو۔"

27 "24 گھنٹوں میں میرے پسندیدہ وقت؟"

"علی الصباح کا وقت جسے آپ فجر کا وقت بھی کہہ سکتی ہیں اور شام کا وقت جو سورج غروب ہو رہا ہوتا ہے۔"

28 "کن کھانوں سے ہاتھ کھینچنا مشکل ہو جاتا ہے؟"

"پراٹھے بریانی' دال گوشت' اور چائنیز سامنے آجائیں تو اپنے آپ کو روک نہیں سکتا۔"

29 "سات دنوں میں میرا پسندیدہ دن؟"

"ایک دن پسند نہیں ہے چھٹی کا دن خواہ وہ کوئی سا بھی ہو۔ ویسے ویک اینڈ زیادہ پسند ہے اور پیر کا دن کہ نیا دن ہوتا ہے ہفتے کا۔ تو نئی امید کے ساتھ اس کو ویلکم کرتا ہوں۔"

30 "نوجوان لڑکوں کے لیے ایک نصیحت؟"

"حقیقت کی دنیا میں رہا کریں۔ کچھ کر کے دکھانے کی لگن پیدا کریں اور ہر بات میں جذبات سے کام نہ لیا کریں یعنی جوش سے کام لینے کی بجائے ہوش سے کام لیا کریں۔"

31 "والٹ میں کیا چیزیں لازمی رکھتا ہوں؟"

"اے ٹی ایم کارڈ اور آئی ڈی کارڈ۔۔۔ اور کچھ تھوڑا کیش۔"

32 "میں ڈرتا ہوں؟"

"بیوی کے غصے سے۔"

33 "موڈ خراب ہو جاتا ہے؟"

"اگر کوئی میرے منہ پر جھوٹ بولے اور مجھے پتا ہو کہ یہ بندہ جھوٹ بول رہا ہے۔"

34 "کھانے کی ٹیبل پہ کیا ہونا لازمی ہے؟"

"بس کھانا مزے دار ہونا چاہیے۔ بھوک کے وقت سب کچھ اچھا لگ رہا ہوتا ہے۔ اس لیے کسی چیز کی کوئی خاص طلب نہیں ہوتی۔"

35 "تقریبات میں جاتے وقت کن باتوں کا خیال رکھتا ہوں؟"

"ایک تو یہ کہ وقت پر پہنچ جاؤں اور دوسری بات یہ کہ میرا لباس صاف ستھرا اور شکنوں سے پاک ہو اور فیشن کے مطابق ہو۔"

36 "شاپنگ کے لیے پسندیدہ جگہ؟"

"مجھے تو شاپنگ کرنا ہی پسند نہیں' تو جگہ کیا پسند ہو گی۔ کبھی کبھار بیوی' اور بیٹی کی خواہش پہ ساتھ چلا جاتا ہوں۔ ورنہ میرا دل نہیں چاہتا۔"

37 "مذہب سے لگاؤ؟"

"مذہب سے بہت لگاؤ ہے مگر نماز کا چور ہوں۔"

38 "تعریف کھلے دل سے کرنی چاہیے یا۔۔۔؟"

"میں تو بہت کھلے دل سے کرتا ہوں۔ کیونکہ اگر کوئی تعریف کے قابل ہے تو ضرور کریں۔۔۔ میں تو ویسے بھی دل رکھنے کے لیے بھی تعریف کر دیتا ہوں۔" قہقہہ۔

39 "کرکٹ سے میری دلچسپی؟"

"بہت زیادہ ہے۔ کرکٹ ٹورنامنٹ جیسے ورلڈ کپ' T20 ورلڈ کپ کبھی نہیں چھوڑتا اور ایک زمانے میں مجھے برائن لارا اور سچن ٹنڈولکر کی بیٹنگ بہت پسند تھی اور موجودہ دور میں مجھے محمد حفیظ اور شاہد آفریدی پسند ہیں۔"

40 "مجھے رشک آتا ہے؟"

"دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کی قسمت پر بہت رشک آتا ہے مگر دو شخصیات تو ایسی ہیں جنہیں ہم نے خود ایک دم عروج میں آتے دیکھا ہے ان میں علی ظفر اور دوسری ثانیہ مرزا ہیں واہ کیا قسمت پائی ہے۔"

41 "رسمی جملے جو ہر ایک سے بولتا ہوں؟"

"آپ خیریت سے ہیں۔"

42 "معافی مانگ لیتا ہوں؟"

"اگر میری کوئی غلطی ہوتی ہے تو معافی مانگنے میں

بالکل بھی شرم سے یا بخل سے کام نہیں ہوتا۔ انسان کی بڑائی ایسے میں ہے کہ وہ اپنی غلطی کی معافی مانگ لے۔"

43 "زندگی میں سب سے زیادہ کس کو چاہا؟"
"ماں، بیگم اور بیٹی۔۔۔ ان سے زیادہ عزیز ترین ہستیاں کوئی میری زندگی میں نہیں آئیں۔"

44 "کن کے ایس ایم ایس کے جواب فوراً" دیتا ہوں؟"
"گھر والوں کے تو خیر دیتا ہی ہوں۔ لیکن اگر کسی نے کوئی ضروری بات پوچھی ہو تو اس کا جواب بھی فوراً" دیتا ہوں۔"

45 "مجھے غصہ آجاتا ہے اگر؟"
"کوئی کہے کہ آپ وقت کی پابندی نہیں کرتے' حالانکہ ایسا نہیں ہے مجھے وقت کی پابندی کا بہت خیال رہتا ہے۔"

46 "وعدے کا پاس کرتے ہیں؟"
"بالکل کرتا ہوں۔ اگر نہیں کر سکتا تو پھر وعدہ ہی نہیں کرتا۔"

47 "دنیا گھومنا چاہتا ہوں؟"
"بالکل گھومنا چاہتا ہوں لیکن صرف اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ' تیسرا کوئی نہ ہو بس۔"

48 "دل کب ٹوٹتا ہے؟"
"جب کوئی غلط بیانی سے کام لے اور جھوٹ بولے۔"

49 "پسندیدہ تاریخی ادوار جس میں میں خود ہوتا؟"
"اگر میں قیام پاکستان کے وقت ہوتا تو کیا ہی اچھی بات ہوتی کہ میں خود اپنی آنکھوں سے پاکستان کو بنتے ہوئے دیکھتا اور ویسے تو بہت سے تاریخی ادوار ہیں جو مجھے پسند ہیں۔"

50 "بیگم کب ناراض ہوتی ہے؟"
قہقہہ۔۔۔ "جب وہ کوئی کام کہے اور میں انکار کر دوں۔"

51 "شادیوں میں شوق سے شرکت کرتا ہوں؟"
"شرکت تو کرتا ہوں۔۔۔ مگر شوق سے نہیں کہ مجھے

شادی کی رسومات پسند نہیں ہیں۔"

52 "شدید پیاس میں کون سا مشروب پیتا ہوں؟"
"کوئی مشروب نہیں صرف اور صرف پانی پسند ہے۔"

53 "بیرونی ملک جا کر گھومتا ہوں یا شاپنگ کرتا ہوں؟"
"شاپنگ۔۔۔ جبکہ مجھے شاپنگ سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ مگر شاپنگ اس لیے کرتا ہوں کہ اگر خالی ہاتھ گیا تو بیگم اور بیٹی۔۔۔ آگے آپ خود ہی سمجھ جائیں۔"

54 "اپنے لیے قیمتی چیز جو خریدنا چاہتا ہوں؟"
"گھر اور گاڑی۔۔۔ مگر نہ جانے کب۔"

55 "پسندیدہ ریسٹورنٹ؟"
"کوئی خاص نہیں۔۔۔ بس جہاں کھانا اچھا اور گرم مل جائے۔"

56 "کیڑے مکوڑوں سے ڈرتا ہوں؟"
"بالکل ڈرتا ہوں۔۔۔ کیونکہ بری طرح کاٹ لیتے ہیں۔ بچھو سے بہت ڈر لگتا ہے اور دیواروں پہ بھاگتی دوڑتی چھپکلیوں سے بھی۔"

57 "دکھ بانٹتا ہوں؟"
"اپنے دوستوں سے۔۔۔ جو میرے ساتھ مخلص ہیں۔"

58 "ڈراموں کے لیے میرے پسندیدہ چینل؟"
"جس میں میرے ڈرامے آرہے ہوں۔۔۔" قہقہہ

✿ ✿

مقابل ہے آئینہ

مشعل حرا

ادارہ

س : "آپ کا پورا نام.... گھر والے پیار سے کیا پکارتے ہیں؟"

ج : "میرا پورا نام "مشعل حرا" ہے پیار سے حرا پکارتے ہیں۔"

س : "کبھی آئینے نے آپ سے یا آپ نے آئینے سے کچھ کہا؟"

ج : "جی! میں جب بھی آئینہ دیکھتی ہوں اپنی آنکھوں میں ضرور دیکھتی ہوں اور سوچتی ہوں کیا یہی وہ آنکھیں ہیں جن میں اتنے خوابوں کا بسیرا ہے۔"

س : "آپ کی سب سے قیمتی ملکیت؟"

ج : "میری سب سے قیمتی ملکیت میری پیاری امی اور میری بہنوں کی بے پناہ محبت ہے۔"

س : "اپنی زندگی کے دشوار لمحے بیان کریں؟"

ج : "بہت سے ہیں۔ لیکن دشوار ترین لمحے جنہیں الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں وہ تھے جب میرے ہنستے مسکراتے، اچھلتے کودتے، شرارتیں کرتے چھوٹے بھائی پر اچانک ایک خطرناک بیماری کا حملہ ہوا اور وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا۔"

س : "آپ کے لیے محبت کیا ہے؟"

ج : "میرے لیے محبت عزت، حفاظت اور اعتماد ہے۔"

س : "مستقبل قریب کا کوئی منصوبہ جس پر عمل کرنا ہے؟"

ج : "اپنی تعلیم مکمل کرنا (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔"

س : "پچھلے سال کی کوئی کامیابی جس نے آپ کو مطمئن و مسرور کیا ہو؟"

ج : "کوئی خاص نہیں۔ لیکن ہاں میری دونوں بہنوں کی شادی بہت خوش اسلوبی سے سرانجام پائی اس بات سے میں کافی مطمئن اور مسرور ہوں۔"

س : "آپ اپنے گزرے کل، آج اور آنے والے کل کو ایک لفظ میں کیسے واضح کریں گی؟"

ج : "امید اور اپنے اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین۔"

س : "آپ اپنے آپ کو بیان کریں؟"

ج : "

جس نے ہمیں ہو دیکھنا اندر مارے جھات
ہم نے کچھ نہ باہر رکھا، اندر اپنی ذات
جب سے خود کو دیکھا سو نہ سکے رات دن
دل کی عمارت کچی اور آنکھوں میں برسات

خطرناک حد تک معصوم اور بے وقوف۔ خاموش، خوش اخلاق، پرامید لیکن کبھی کبھار انتہائی ڈپریسڈ۔"

س : "کوئی ایسا ڈر جس نے آج بھی اپنے پنجے آپ میں گاڑے ہوئے ہیں؟"

ج : "بہت چھوٹے ہوتے امی جان کو ابو سے مار کھاتے دیکھا کرتی تھی پھر ان میں علیحدگی ہو گئی تو بہت اندر یہی خوف پنجے گاڑے ہوئے ہے کہ اگر میری زندگی میں شامل ہونے والا بھی خدانخواستہ مار دھاڑ، لڑائی اور سختی کرنے کا عادی ہوا تو.... میں تو سخت لہجہ بھی برداشت نہیں کر سکتی۔"

س : "آپ کی کمزوری.... آپ کی طاقت کیا ہے؟"

ج : "میری کمزوری میری امی، بہنیں، بھائی اور میری طاقت میرا ہمہ وقت چلتا رہنے والا قلم۔"

س : "آپ کے نزدیک دولت؟"
ج : "ضروریات زندگی پوری کرنے کے لیے اہم مگر بے تحاشا دولت بعض لوگوں میں تکبر پیدا کرتی ہے۔"
س : "آپ خوش گوار لحات کس طرح گزارتی ہیں؟"
ج : "اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں' نفل بھی پڑھتی ہوں۔"
س : "گھر آپ کی نظر میں؟"
ج : "مرد کی منزل' عورت کا فخر۔ مجموعی طور پر جائے مسکن۔"
س : "کیا آپ بھول جاتی ہیں اور معاف کر دیتی ہیں؟"
ج : "جی معاف کر دیتی ہوں۔ مگر بھلا نہیں پاتی۔"
س : "کامیابی کیا ہے آپ کے لیے؟"
ج : "عاجزی اختیار کرنے اور اللہ کے قریب ہونے کا موقع' مزید آگے بڑھنے کی خواہش کا ذریعہ۔"
س : "سائنسی ترقی نے ہمیں مشینوں کا محتاج کر کے کاہل کر دیا ہے یا واقعی یہ ترقی ہے؟"
ج : "بلاشبہ یہ ترقی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ انسان بہت کاہل اور بے حس ہو گیا ہے۔ "فطرت" ختم ہو رہی ہے۔"
س : "کوئی عجیب خواہش یا خواب؟"
ج : جو بھی ہو فقط " اپنی ذات " سے ہو
آگہی کر نہیں غفلت ہی سہی
س : "برکھا رت کو کیسے انجوائے کرتی ہیں؟"
ج : "تواتر سے گرتی ہوئی بوندوں کو دیکھتی رہتی ہوں۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا کرتی ہوں کہ وہ ہم سب پر رحم فرمائے (آمین)۔"
س : "آپ جو ہیں وہ نہ ہوتیں تو کیا ہوتیں؟"
ج : "ہوں۔۔۔ میں اب بھی کچھ نہیں یہ نہ ہوتی تو پھر بھی کچھ نہ کچھ ہوتی۔"

س : "آپ بہت اچھا محسوس کرتی ہیں جب؟"
ج : "خود ضرورت مند ہونے کے باوجود جب میں کسی کی مدد کرتی ہوں۔ جب اپنے بہت پیارے رشتے کے لیے پیسے جمع کرکے کوئی گفٹ خریدتی ہوں تو بے تحاشا خوشی، سکون اور اطمینان محسوس کرتی ہوں۔ نفلی روزہ رکھ کے بھی بہت اچھا محسوس ہوتا ہے۔"
س : "آپ کو کیا چیز متاثر کرتی ہے؟"
ج : "بچوں کی شرارتیں، کسی کی نرم مسکراہٹ، مردکی جھکی ہوئی نظریں۔"
س : "آپ مقابلے کو انجوائے کرتی ہیں یا خوف زدہ ہو جاتی ہیں؟"
ج : "کبھی لاپروا ہو جاتی ہوں، کبھی خوف زدہ، انجوائے نہیں کرتی۔"
س : "متاثر کن کتاب، مصنف، مووی؟"
ج : "متاثر کن کتاب "نبوت کی سنہری شعاعیں" مصنف "نسیم حجازی" اور مووی "مائی نیم از خان""
س : "آپ کا غرور؟"
ج : "کوئی نہیں، کچھ نہیں۔ مجھے غرور سوٹ نہیں کرتا۔"
س : "کوئی ایسی شکست جو آج بھی اداس کر دیتی ہے؟"
ج : "میڈیکل میں داخلہ نہ ہونا میری شکست تھی۔ جواب بھی اداس کرتی ہے۔"
س : "کیا آپ نے زندگی میں وہ سب پالیا جو آپ پانا چاہتی تھیں؟"
ج : "نہیں بہت کچھ کرنا باقی ہے۔"
س : "اپنی ایک خامی یا خوبی جو آپ کو مطمئن یا مایوس کرتی ہے؟"
ج : "میری خوبی جو مجھے مطمئن کرتی ہے وہ یہ کہ میں ماحول کے مطابق خود کو ڈھال لیتی ہوں۔ سمجھوتہ کرنے کی عادت ہو گئی ہے۔ اور خامی جو مایوس کرتی ہے وہ یہ کہ کبھی کبھار وجود پر عجیب سی اداسی اور بے زاریت چھا جاتی ہے۔ کچھ سمجھ نہیں آتا کیوں؟"
س : "کوئی ایسا واقعہ جو آپ کو شرمندہ کردیتا ہے؟"
ج : "جب بھی میں اپنے جواب سے کسی کو مطمئن نہیں کرپاتی تو بعد میں شرمندہ ہو جاتی ہوں۔"
س : "کوئی شخصیت یا کسی کی حاصل کی ہوئی کامیابی جس نے آپ کو حسد میں مبتلا کیا ہو؟"
ج : "نہیں! اگر کبھی ایسا ہو بھی تو اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتی ہوں کہ وہ مجھے اس کیفیت سے بچائے۔"
س : "مطالعہ کی اہمیت آپ کی نظر میں؟"
ج : "مطالعہ تنہائی کا بہترین ساتھی، معلومات کا ذریعہ اگر عمل ہو تو شخصیت کی تعمیر میں اہم سنگ میل۔"
س : "آپ کے نزدیک زندگی کی فلاسفی؟ کیا ہے؟ جو آپ اپنے علم، تجربہ، مہارت میں استعمال کرتی ہیں؟"
ج : "زندگی کے تجربات حاصل کرنے کے لیے خود اس بھٹی میں جلنا ہی پڑتا ہے۔ تب ہی سمجھ میں آتا ہے زندگی کیا ہے اور تب تک وہ گزرنے کو ہوتی ہے۔"
س : "آپ کی پسندیدہ شخصیت؟"
ج : "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے نانا ابو۔"
س : "ہمارا پورا پاکستان خوب صورت ہے آپ کا خاص پسندیدہ مقام؟"
ج : "بھکوار۔"
س : "اپنی کامیابیوں میں کسے حصے دار ٹھہراتی ہیں؟"
ج : "اللہ تعالیٰ کو۔"

☆ ☆

نفیسہ سعید

ملک صاحب اپنے گھر والوں کو بے خبر رکھ کر اپنے کم سن بیٹے ایشال کا نکاح کر دیتے ہیں جبکہ ایشال کی دلچسپی اپنی کزن عریشہ میں ہے۔

حبیبہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے حیدر آباد سے کراچی آئی ہے۔ شاہ زین کے والد نے اسے اپنے آفس میں اپائنٹ کر لیا شاہ زین حبیبہ میں دلچسپی لینے لگا۔

فرہاد تین بھائی ہیں۔ فرہاد کے دونوں بھائی معاشی طور پر مستحکم ہیں اور دونوں اپنی بیوی بچوں کی ضروریات کو دل کھول کر پورا کرتے ہیں جبکہ فرہاد اپنی بیوی زینب اور بچیوں کی ضروریات پوری کرنے میں بے حد کنجوسی سے کام لیتا ہے۔ جو زینب کو بالکل پسند نہیں۔

فرہاد کے بڑے بھائی کی بیوی فضہ زینب کی خوب صورتی سے حسد کرتی ہیں اور آئے دن اس حسد کا اظہار کرتی رہتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

چھٹی قسط

شاہ زین جیسے ہی اپنے آفس کے ہال میں داخل ہوا دروازے کے قریب ہی ٹھٹک کر رک گیا کرن نے اپنے نکاح کی خوشی میں رکھی جانے والی اس چھوٹی سی تقریب کے حوالے سے ہال کو خاصا اچھا ڈیکوریٹ کر رکھا تھا اس نے ستائشی انداز میں یہاں سے وہاں تک ایک نظر دوڑائی اس سیکشن کے تمام ہی لوگ ہال میں موجود تھے سوائے ایک ہستی کے جس کی خاطر آج وہ بڑے نک سک سے تیار ہو کر آیا تھا' حبیبہ پورے ہال میں کہیں موجود نہ تھی۔

"کہیں وہ آج پھر اپنے گاؤں نہ چلی گئی ہو۔"

یہ خیال دل میں آتے ہی وہ ایک عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا۔

"ارے سر اندر آئیں نا آپ یہاں کیوں رک گئے۔"

اسے ہال کے دروازے کے قریب پریشان سی کیفیت میں گھرا دیکھ کر کرن تیزی سے اس کی جانب آئی۔

"دیکھ رہا تھا آج تو یہ ہال ہمارے آفس کا حصہ ہی نہیں لگ رہا۔" اس نے بڑے دل سے ہال کی سجاوٹ کو سراہا۔

"یہ سب حبیبہ کا کمال ہے دراصل اکاؤنٹنٹ کے ساتھ ساتھ وہ ایک اچھی انٹیریئر ڈیکوریٹر بھی ہے اور آپ کی طرح اس کی یہ صلاحیت مجھ پر بھی آج ہی آشکار ہوئی ہے۔"

شاہ زین کی حیرت کو بھانپتے ہی وہ ہنس دی۔

"اچھا ویسے آپس کی بات ہے میں تو آج تک اسے ایک خشک مزاج سی اکاؤنٹنٹ ہی سمجھتا رہا۔"

شاہ زین نے ہنستے ہوئے ہاتھ میں پکڑا بکے اس کی جانب بڑھایا۔

"تھینک یو سر۔"

کرن نے اس کے ہاتھ سے پھولوں کا بکے تھاما ہی تھا کہ یک دم اس کی نگاہ اپنے کیبن سے باہر نکلتی حبیبہ پر پڑی سلک کی بلیک پرنٹڈ لانگ شرٹ کے ساتھ وہ ہمیشہ سے زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی یا شاید ہر گزرتے دن کے ساتھ شاہ زین کی بڑھتی ہوئی محبت نے اس کے دیکھنے کا انداز بھی تبدیل کر دیا تھا ہر گزرتے دن اسے محسوس ہوتا حبیبہ پہلے سے زیادہ خوبصورت ہوتی جا رہی ہے وہ ابھی بھی اپنی جگہ مبہوت سا کھڑا اسے تکے گیا جب اچانک کرن کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"ایسا محسوس ہو رہا ہے سر جیسے آپ دونوں نے یہ بلیک کلر ایک دوسرے کے ساتھ باہمی مشورے سے پہنا ہے۔"

وہ شاہ زین پر ایک نظر ڈالتے ہوئے شرارتاً مسکرائی۔

"کاش ایسا ہی ہوتا مگر آپ جانتی ہیں کہ یہ سب خام خیالی ہے آپ کی دوست کو اگر ذرا بھی علم ہوتا کہ میں آج بلیک کلر پہن کر آرہا ہوں تو وہ کبھی بھی یہ سوٹ نہ پہنتی اور یہ بات آپ بھی اچھی طرح جانتی ہیں۔"

شاہ زین کی بات بالکل درست تھی' جواباً کرن ہلکا سا مسکرائی اور اسے اپنے ساتھ لیے ٹیبل کی جانب آ گئی جہاں تقریباً تمام لوگ اپنی اپنی کرسیاں سنبھال چکے تھے اسے دیکھتے ہی سب لوگ اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"پلیز آپ لوگ تشریف رکھیں مجھے اس طرح کا پروٹوکول بالکل بھی پسند نہیں ہے۔"

ان سب کو مخاطب کرتے ہی وہ حبیبہ کے ساتھ موجود خالی کرسی پر بیٹھ گیا جو اسے قطعی نظرانداز کیے اپنے ہینڈ بیگ میں ہاتھ ڈالے کچھ تلاش کر رہی تھی۔

"السلام علیکم کیسی ہیں آپ۔"

شاہ زین نے اپنی شرٹ کا کالر درست کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

"ویسی ہی ہوں سر جیسی آپ کو نظر آ رہی ہوں۔"

بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے وہ سیدھی ہو گئی۔

"مجھے تو خاصی خوبصورت دکھائی دے رہی ہیں۔" وہ شرارتاً ہنسا۔

"دکھائی نہیں دے رہی میں ہوں ہی خوبصورت۔"

اپنی خوبصورتی پر اتراتے ہوئے اس نے بالوں کو ہلکے سے جھٹکے سے پیچھے کیا۔

"یقیناً اس میں کوئی شک نہیں تم واقعی بے حد خوبصورت ہو۔"

اس دفعہ بڑی سنجیدگی سے اس نے حبیبہ کی خوبصورتی کو سراہا۔

"پتا نہیں کیوں سر مجھے کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے مرد کے نزدیک عورت کی سب سے بڑی خوبی صرف اور صرف اس کی خوبصورتی ہے اگر اس خوب صورتی کو عورت کی ذات سے علیحدہ کر دیا جائے تو شاید پھر اس کے پاس کچھ باقی نہیں بچتا جس سے وہ مرد کے دل پر راج کر سکے..... صحیح کہہ رہی ہوں نا میں۔"

اپنی بات ختم کر کے اس نے شاہ زین سے تصدیق طلب کی۔

"دراصل میں حبیبہ خوبصورتی دیکھنے والے کی اپنی نگاہ میں ہوتی ہے اگر ہمیں کسی سے محبت ہو جائے تو دنیا کی بدصورت چیز بھی حسین ترین دکھائی دیتی ہے اور جو محبت نہ ہو تو زمانے بھر کا حسن ماند پڑ جاتا ہے سچ تو یہ ہے کہ ہر انسان کے نزدیک خوبصورتی کا اپنا اپنا معیار ہوتا ہے ہو سکتا ہے تم جو مجھے بے حد خوبصورت دکھائی دیتی ہو کسی دوسرے شخص کی نگاہ میں تمہاری خوبصورتی کوئی معنی ہی نہ رکھتی ہو اس کے نزدیک خوبصورتی کا وہ معیار ہی نہ ہو جو میرا ہے صحیح یا غلط۔"

"آپ صحیح کہہ رہے ہیں سر اور میرا خیال ہے یہ بات مجھ سے زیادہ اچھی طرح کوئی اور نہیں جان سکتا کیونکہ آپ نے تو شاید کسی کتاب میں یہ سب پڑھا ہو مگر میرا اپنا تو یہ ذاتی تجربہ ہے۔"

اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور پھر سے اپنے ہینڈ بیگ کی زپ کھول کر کچھ تلاش کرنے لگی۔

"تمہارا ذاتی تجربہ....." شاہ زین تھوڑا سا حیران ہوا۔

"میں کچھ سمجھ نہیں پایا۔"

"کچھ نہیں سر ویسے ہی مذاق کر رہی تھی۔"

جانے جو کچھ اس نے کہا وہ واقعی مذاق تھا یا اس نے بات بدل دی تھی شاہ زین کچھ سمجھ نہ پایا۔

"ایک بات پوچھوں حبیبہ۔"

وہ اس کے چہرے پر ایک گہری نظر ڈالتے ہوئے بولا۔

"جی ضرور پوچھیں۔"

حبیبہ اپنا ہینڈ بیگ بند کر کے ایک بار پھر سے سیدھی ہو بیٹھی۔

"تم شاید گاؤں اپنے چچا سے ملنے جاتی ہو؟"

"جی اور یہ بات تو آفس میں تقریباً تمام لوگ ہی جانتے ہیں۔"

حبیبہ شاہ زین کی باندھی جانے والی تمہید سمجھ نہ سکی۔

"تمہارے والدین حیات نہیں ہیں؟"

وہ اپنی ماں کی اس دن والی باتوں کے باعث خاصا الجھا ہوا تھا اور چاہتا تھا کہ حبیبہ کے بارے میں کچھ نہ کچھ

بنیادی معلومات ضرور حاصل کرلے تاکہ آئندہ اپنی مما سے ہونے والی گفتگو میں حبیبہ کی ذات کے حوالے سے ان کی تشویش کو دور کرسکے۔

"نہیں....."

وہ مختصر سا جواب دے کر خاموش ہوگئی۔

"کوئی بہن بھائی....."

شاید آج شاہ زین اس کی شخصیت کے تمام اسرار جان لینا چاہتا تھا۔

"ایک بہن ہے' مگر وہ یہاں پاکستان میں نہیں ہوتی۔"

اتنا کہتے ہی وہ کرسی کھسکاتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایکسکیوزمی سر مجھے کرن بلا رہی ہے۔"

"اوکے....." شاہ زین نے جواب دے کر آگے کی طرف بڑھتی حبیبہ پر ایک نظر ڈالی۔

"اُفوہ اس کے والد کا نام تو میں نے پھر نہیں پوچھا۔"

یہی تو وہ سوال تھا جسے جاننے کے لیے مما کچھ بے چین سی تھیں اور یہی میں بھول گیا یہ خیال ذہن میں آتے ہی اسے افسوس ہوا آج پہلی بار حبیبہ نے اس سے اتنی ساری باتیں کیں اور پھر بھی جو وہ پوچھنا چاہتا تھا وہ پوچھ نہ پایا "چلو پھر کبھی سہی اب جب بھی میری اس سے تفصیلی بات ہوئی یہ بھی پوچھ ہی لوں گا۔"

ویسے بھی حبیبہ کے حوالے سے جو کچھ وہ دل میں ٹھانے بیٹھا تھا اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ یہ تمام ضروری معلومات حاصل کرلے تاکہ بعد میں اپنی مما کو آسانی سے مطمئن کرسکے۔

☼ ☼ ☼

شبانہ باجی آئیں تو اپنے ساتھ نکڑ والے ڈاکٹر کو بھی لیتی آئیں۔

"تم یہ ناشتا کرواتی دیر میں ڈاکٹر صاحب تمہاری امی کا ذرا اچھا سا معائنہ کرلیں۔"

وہ اپنی ماں کے سرہانے بیٹھی ان کے ماتھے پر پٹیاں رکھ رہی تھی جب شبانہ باجی نے اس کے قریب آکر اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کردیا اس نے ان کے ہاتھوں سے ناشتے کی ٹرے پکڑ کر قریب ہی موجود چھوٹی سی ٹیبل پر رکھ دی اپنی ماں کو اس حال میں دیکھ کر اس کی بھوک پیاس بالکل ختم ہوچکی تھی وہ وہیں اپنی ماں کے قریب ہی کھڑی ڈاکٹر صاحب کو دیکھے گئی جو اس کی ماں کا نہایت تفصیل سے معائنہ کر رہے تھے پہلے سینہ پر اسٹیتھسکوپ رکھا' پھر پیچھے کمر پر لگایا' زبردستی انگوٹھے کی مدد سے ان کی آنکھیں کھول کر اندر جھانکا اور پھر ایک پرچی پر کچھ لکھ کر وہ پرچہ شبانہ باجی کی جانب بڑھا۔

"یہ کچھ ٹیسٹ لکھ کر دے رہا ہوں میرا خیال ہے کہ آپ پہلی فرصت میں ہی کروالیں۔"

"یہ کس چیز کے ٹیسٹ ہیں ڈاکٹر صاحب۔" وہ فوراً ہی گھبرا کر بول اٹھی۔

"کچھ خاص نہیں ہیں' آپ گھبرائیں مت۔"

ڈاکٹر اس کے چہرے پر چھائی گھبراہٹ بھانپتے ہوئے بولے پھر انھوں نے اپنا بیگ بند کیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"پہلی فرصت میں تو آپ یہ سامنے والی کھڑکی کھولیں تاکہ تازہ ہوا اور کچھ دھوپ اندر آئے' بہت حبس ہے اس کمرے میں' اور ان کے لیے یہ حبس بھی کافی نقصان دہ ہے۔"

ڈاکٹر نے چاروں طرف ایک نظر ڈالتے ہوئے ہدایت جاری کی وہ اپنی جگہ بالکل خاموش کھڑی رہی شبانہ باجی

نے آگے بڑھ کر باہر گلی میں کھلنے والی کھڑکی کھول دی جس کے ساتھ ہی باہر کھیلتے بچوں کا شور تیزی سے اندر کمرے میں داخل ہو گیا یہ ہی وہ سبب تھا جس کے باعث وہ ہمیشہ اس کھڑکی کو بند رکھتی تھی کیونکہ اسے شور غل کی یہ آوازیں خاصی ناپسند تھیں مگر آج اس پر اس شور شرابے کا بالکل اثر نہ ہوا وہ دوبارہ اپنی ماں کی چارپائی پر بیٹھ گئی۔

"آپ پہلے یہ تمام ٹیسٹ مکمل کروالیں تاکہ اس کے بعد میں صحیح طریقے سے ان کا علاج شروع کر سکوں یہ گولیاں ہیں انہیں کچھ کھلانے کے بعد دے دیجیے گا۔"

پرچی کے بعد انہوں نے ہاتھ میں تھامی گولیوں کا چھوٹا سا پیکٹ بھی شبانہ باجی کی طرف بڑھایا جو انہوں نے ایک بار پھر خاموشی سے تھام کر اماں کے تکیے کے قریب ہی رکھ دیا' شبانہ باجی ڈاکٹر کو دروازے تک چھوڑ کر واپس آئیں تو ایک نظر اس پر ڈالی جو اپنی ماں کے قریب بیٹھی رو رہی تھی۔

"تم یہ ناشتا کرو۔" اس کی دگرگوں حالت دیکھ کر انہیں۔ بے حد دکھ ہوا۔

"پانی......"

ماں کی نقاہت زدہ آواز اس کے کانوں سے ٹکراتے ہی اس کے جسم میں بجلی سی بھر گئی وہ تیزی سے اٹھی اور بھاگ کر باہر صحن میں رکھے کولر سے پانی کا ایک گلاس بھر لائی' ماں کے لبوں سے لگایا جسے وہ غٹا غٹ پی گئیں۔

"آپا کیسی طبیعت ہے اب تمہاری۔"

اماں کو آنکھیں کھولتا دیکھ کر شبانہ باجی چارپائی کے قریب رکھی واحد کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

جواباً" اماں نے نفی میں سر ہلایا' مارے نقاہت کے ان کے حلق سے کوئی آواز نہ نکلی۔

"اللہ تمہیں صحت و تندرستی عطا فرمائے۔" اماں کے ماتھے کو چھوتے ہوئے انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"آمین۔" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

"ایک مشورہ دوں آپا برا مت منانا۔"

جانے کیا سوچ کر شبانہ باجی ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولیں۔ اماں نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا۔

"جیسے ہی تمہاری طبیعت کچھ بہتر ہو اپنے پچھلے لوگوں کو بتاؤ کہ تم کہاں ہو اور کس حال میں ہو بے شک تم سے ان کا ہر رشتہ ختم ہو گیا ہو گا مگر یہ بچی تو ان ہی کی ہے نا' ایسا نہ ہو یہ تمہارے بعد بالکل تنہا رہ جائے تم تو جانتی ہو زمانہ بہت خراب ہے اپنوں کے ساتھ تو دھوپ بھی چھاؤں جیسی ہوتی ہے اور اگر کوئی اپنا ساتھ نہ ہو تو چھاؤں بھی اندھیرے کے خوف سے ڈراتی ہے' موت تو برحق ہے آپا کسی بھی وقت آسکتی ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم سے پہلے مجھے آجائے کوئی پتا نہیں مگر آئی تو ضرور ہے اس لیے کہتی ہوں اس بچی کا اپنی زندگی میں ہی کچھ انتظام کر لو۔"

اماں آنکھیں بند کیے خاموشی سے ساری باتیں سن رہی تھیں جس کا بخوبی اندازہ ان کی آنکھوں کے کنارے سے بہتے پانی کو دیکھ کر لگایا جا سکتا تھا وہ یقیناً" رو رہی تھیں ٹپاٹپ ان کی آنکھوں سے بہتے آنسو تکیے کو بھگوتے جا رہے تھے۔

"اماں......"

وہ بے اختیار اپنی ماں کا کندھا ہلا بیٹھی۔

"آپا اٹھ کر بیٹھو تھوڑی سی ہمت کر کے کچھ کھا لو پھر میں تمہیں دوائی کھلا کر اپنے گھر جاؤں۔"

شبانہ باجی اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے بولیں۔

"چائے تو بالکل ٹھنڈی ہو گئی ہے لاؤ میں گرم کر لاؤں تم اتنی دیر اپنی ماں کا ہاتھ منہ دھلا دو۔"

برتن ہاتھ میں لیے وہ باہر نکلتے ہوئے بولیں' اور پھر ڈاکٹر صاحب کی دی ہوئی دوا اور انجکشن کی بدولت شام تک ماں کی حالت کافی سنبھل گئی ان کے بخار کی کم ہوتی شدت نے اسے خاصا مطمئن سا کر دیا اور صبح تک ماں کا بخار کافی کم ہو گیا۔

نازیہ کی طبیعت پچھلے کچھ دنوں سے خراب تھی' یہی سبب تھا جو زینب آج اس سے ملنے اس کے گھر چلی آئی' گھنٹی بجاتے ہی گیٹ نازیہ کی خاص ملازمہ سکینہ نے کھولا جو زینب کو اپنے سامنے موجود پا کر یک دم ہی کھل اٹھی۔

"السلام علیکم بی بی جی۔"

گیٹ کھول کر ایک سائیڈ پر ہوتے ہوئے سکینہ نے اسے راستہ دیا سکینہ کی تقلید میں وہ اندر داخل ہوئی' پورے گھر پر طاری سناٹے سے یک دم ہی اس کا دل ہول اٹھا بے شک نازیہ اس گھر میں اپنے ملازمین کے ہمراہ اکیلی ہی رہتی تھی مگر اس سے پیشتر جب بھی زینب آئی وہ اسے ہمیشہ لاؤنج یا کچن میں ہنستی بولتی ملتی' ٹی وی یا ڈیک کی تیز آواز اور میوزک گھر کے سناٹے پر غالب رہتا مگر آج تو ہر طرف ایک عجیب سی خاموشی کا راج تھا جس نے زینب کو بھی بوکھلا دیا اور وہ ایک دم ہی بول اٹھی۔

"نازیہ کہاں ہے؟"

"وہ تو جی اپنے کمرے میں آرام کر رہی ہیں انہوں نے آپ کو بھی وہیں بلایا ہے۔" اس دفعہ جواب دیتے ہوئے ملازمہ کی آواز میں ایک اداسی سی گھل گئی جس میں چھپی نازیہ کی محبت صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔

"اچھا۔"

مزید کوئی بات کیے بنا وہ تیزی سے آگے بڑھی' لاؤنج عبور کر' اوپر جانے والی سیڑھیاں تیزی سے پار کرتی وہ بالکل سامنے نظر آنے والے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی' اس تمام عمل کے دوران جگنو آنکھیں موندے اس کے کندھے سے لگی رہی یہ ہی سبب تھا جو نازیہ کے روم میں داخل ہونے تک اس کی سانس بے ترتیب ہو چکی تھی اس نے دھیرے سے دروازہ کھولا سامنے بیڈ پر موجود نازیہ کو دیکھتے ہی وہ حق دق رہ گئی نازیہ اپنے بستر پر بالکل بے سدھ پڑی تھی' زینب کے پیچھے پیچھے سکینہ بھی اندر داخل ہو گئی اور سوتی ہوئی جگنو کو زینب کی گود سے لے لیا' وہ تیزی سے نازیہ کی سمت بڑھی۔

"نازیہ۔۔۔ نازیہ۔"

قریب جا کر اس کا کندھا چھوتے ہوئے زینب نے پکارا۔

"ہاں۔۔۔" بمشکل آنکھیں کھولتے ہوئے وہ سیدھی ہوئی۔

"کیا ہوا ہے تمہیں۔"

اس کی اس قدر مخدوش حالت دیکھ کر زینب قدرے گھبرا سی گئی۔

"کچھ نہیں شاید فوڈ پوائزن ہو گیا ہے رات سے کچھ ہضم ہی نہیں ہو رہا جو کھاتی ہوں وہ نکل جاتا ہے' اس قدر الٹیاں ہو رہی ہیں کہ پانی کا ایک گھونٹ حلق سے اترنا بھی کسی عذاب سے کم محسوس نہیں ہو رہا۔"

"او یہ تو اچھی بات ہے۔" دل ہی دل میں قیاس آرائی کرتی زینب خوش ہوا تھی۔

"جانتی ہو مریم اور جگنو دونوں کی دفعہ میری حالت بھی قدر خراب تھی۔"

"مطلب؟ میں کچھ سمجھی نہیں تم کیا کہنا چاہتی ہو۔" نازیہ نے اٹھ کر تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے ناسمجھی کے عالم میں زینب کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"مطلب یہ کہ تم ماں بننے والی ہو۔" بنا کچھ جانے' بنا کچھ پوچھے زینب نے اپنے لگائے گئے اندازے کی خود ہی تصدیق بھی کر دی۔

"اچھا۔"

نازیہ تھوڑا سا حیران ہوتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

"تم ڈاکٹر کے پاس نہیں گئیں؟" زینب نے تیزی سے سوال کیا۔
"گئی تھی اس نے کچھ ٹیسٹ لکھ کر دیے ہیں جو آج ہوں گے پھر رپورٹس آئیں گی تو پتا چلے گا اصل مسئلہ کیا ہے کیونکہ میں تو اس تکلیف سے اب تھک گئی ہوں جانے کیا سبب ہے۔ جو بخار ختم ہونے میں بھی نہیں آرہا۔" تھکن نازیہ کے لہجے سے عیاں تھی۔
"ان شاء اللہ تمہارے لیے ضرور کوئی خوش خبری آنے والی ہے' تم مٹھائی تیار رکھو۔" زینب اسے حوصلہ دیتے ہوئے بولی۔
"اللہ کرے۔"
جانے کیوں نازیہ کے لہجہ میں کچھ بے یقینی سی تھی جسے اپنے خیالوں میں ڈوبی زینب نے محسوس ہی نہیں کیا اور پھر تھوڑی ہی دیر میں وہ واپسی کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"ارے اتنی جلدی ابھی تو سکینہ تمہارے لیے کھانا تیار کر رہی ہے۔"
نازیہ اسے اس قدر جلد واپسی کے لیے تیار دیکھ کر حیران رہ گئی۔
"دراصل مریم اسکول ہے مجھے اسے واپس لیتے ہوئے گھر جانا ہے اس کی چھٹی ہونے میں ایک گھنٹہ رہ گیا ہے اور تقریباً" اتنا ہی وقت مجھے یہاں سے اس کے اسکول جانے میں لگے گا پھر کسی دن آؤں گی اور تمہارے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤں گی۔" زینب نے نازیہ کے ہاتھ تھامتے ہوئے بڑی محبت سے جواب دیا۔
"رک جاؤ میں خان بابا سے کہتی ہوں وہ تمہیں چھوڑ آئیں۔"
"ارے رہنے دو میں خود ہی چلی جاؤں گی۔"
مگر نازیہ نہ مانی اور پھر خان بابا نے اس کے ساتھ جا کر اسکول سے مریم کو اور پھر انہیں گھر چھوڑ کر ہی واپس گیا' نازیہ کی یہ ہی محبت تھی جو اس کی کوئی بھی تکلیف زینب کو بالکل ایسے دکھی کر دیتی تھی جیسے کسی سگی بہن کا دکھ یا تکلیف۔

☆ ☆ ☆

وہ اسکول سے گھر آئی تو اماں کو اپنے کمرے میں موجود نہ پا کر ایک دم گھبرا اٹھی شاید وہ کئی دنوں سے ماں کو اپنے کمرے میں ایک مخصوص جگہ پر دیکھنے کی عادی ہو چکی تھی۔
"اماں.... اماں۔"
زور زور سے آواز لگاتی وہ تیزی سے کچن کی جانب آئی جو بالکل خالی پڑا تھا وہ دھک سے رہ گئی ایسا تو کبھی نہ ہوا تھا کہ وہ اسکول سے گھر آئے اور ماں موجود نہ ہو اور پھر گھر کا دروازہ بھی اس طرح کھلا ہو۔
"اماں کہاں گئیں؟"
اس سے قبل کہ وہ گھبرا کر دروازہ کھول کر باہر نکلتی کہ اسی پل باتھ روم کا دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا' اماں کو باہر نکلتے دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی ماں باتھ روم میں ہوگی یہ خیال تو اسے آیا ہی نہیں تھا اپنی کچھ دیر قبل والی گھبراہٹ یاد کر کے وہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔
"کیا ہوا کیوں اس طرح شور مچا رہی ہو۔" اماں نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے دھیرے سے سوال کیا۔
"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"
آج کئی دنوں بعد ماں کو اس طرح اپنے پاؤں پر کھڑا دیکھ کر اس کا دل یک دم ہی خوشی سے بھر گیا خوشی نے اس کی بھوک کو بھی دوچند کر دیا۔

"ہاتھ منہ دھو کر کپڑے تبدیل کر لو میں کھانا لگاتی ہوں۔"

اور پھر اگلے ہی پل وہ بڑی پھرتی کے ساتھ کپڑے تبدیل کر کے دسترخوان پر آ گئی جہاں موجود آلو کے پراٹھے، سلاد اور رائتہ نے اس کی بھوک میں کئی گنا اضافہ کر دیا ماں کی محبت اور من پسند کھانا یہ دونوں احساس اسے اندر تک خوش کر گئے۔

"اماں آپ کو کیسے پتا چلا آج میرا دل آلو کے پراٹھے کھانے کو چاہ رہا تھا۔" وہ ماں کے قریب بیٹھتے ہوئے لاڈ سے بولی۔

"اگر ماں اپنی اولاد کے دل کا حال نہ جانے تو کون جانے گا۔ جانتی ہوں اتنے دنوں کی بیماری کے باعث تمہارے لیے کچھ اچھا نہ بنا پائی تھی اس لیے جیسے ہی آج طبیعت کچھ بہتر ہوئی میں نے اپنی بیٹی کا من پسند کھانا بنا دیا۔"

انہوں نے مسکراتے ہوئے آہستہ آہستہ ساری وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"اور ہاں کھانا کھا کر یہ کپڑوں کا تھیلا سامنے والی شمیم خالہ کو دے آؤ ان سے کہنا کہ پیسے ابھی دے دیں، ہمیں ضرورت ہے۔"

روٹی کا نوالہ توڑ کر منہ میں رکھتے ہوئے انہوں نے آہستہ سے کہتے ہوئے سامنے چارپائی پر موجود تھیلے کی جانب اس کی توجہ مبذول کروائی۔

"آج ہی تو آپ کی طبیعت ٹھیک ہوئی تھی پھر کیا ضرورت تھی مشین پر بیٹھ کر سلائی کرنے کی ؟ ایک دو دن تو مزید صبر کر لیتیں طبیعت مزید بہتر ہوتی تو کپڑے بھی سل جاتے۔"

اس نے ماں کے ستے ہوئے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔

"شکر الحمدللہ آج میں پہلے سے بہت بہتر ہوں اس لیے سوچا جلدی جلدی تمام کام نمٹالوں اور تم فکر نہ کرو اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"اللہ کرے آپ ایسے ہی ٹھیک رہیں۔"

دھیرے سے جواب دے کر وہ اپنے سامنے رکھا پراٹھا بڑی رغبت سے کھانے میں مصروف ہو گئی اسے ایسا محسوس ہوا جیسے آج جانے کتنے دنوں بعد اسے کھانا نصیب ہوا ہو۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے آج کل تمہارے ٹیوشن کے بچے نہیں آ رہے۔"

پچھلے دو دن سے خالی صحن دیکھ کر فرہاد نے اپنے دل میں آیا سوال پوچھ ہی لیا۔

"آج کل میری طبیعت ٹھیک نہیں رہتی اور پھر جگنو بھی دانت نکالنے کے باعث خاصی چڑچڑی سی ہو گئی ہے ہر دم روتی رہتی ہے اس لیے میں نے انہیں کچھ دنوں کی چھٹی دے دی ہے ویسے بھی سب کے امتحانات بھی ختم ہو چکے ہیں اور کرنے کے لیے کوئی کام بھی نہیں تھا۔"

مٹر چھیل کے ٹوکری میں ڈالتے ہوئے زینب نے دھیرے دھیرے تمام وضاحت کی۔

"اچھا ایسا نہ ہو اس دوران انہیں کوئی اور اچھا ٹیچر مل جائے۔"

بظاہر ہنستے ہوئے فرہاد نے مذاق کیا مگر جانے کیوں اسے فرہاد کا اس طرح کہنا کچھ اچھا نہ لگا وہ بنا کوئی جواب دیے خاموشی سے اپنے کام میں مصروف رہ کر اس بات کی منتظر رہی کہ شاید فرہاد اس سے پوچھے کہ تمہاری طبیعت کو کیا ہوا ہے؟ مگر لاحاصل وہ جانتی تھی کہ فرہاد شروع سے ہی اس طرح کی کوئی روایت نبھانے کا کبھی بھی قائل نہ رہا تھا یہ سب جانتے ہوئے بھی جانے کیوں آج زینب کا دل چاہا "تکلفاً" ہی سہی، فرہاد اس کا دل رکھنے کے لیے اس کی

طبیعت کے حوالے سے اپنی تھوڑی سی پریشانی ظاہر کردے سوال کرے کہ تمہاری طبیعت کو کیا ہوا ہے؟ تم اتنی تھکی تھکی سی کیوں ہو؟ مگر وہ منتظر ہی رہی اور فرہاد خاموش بیٹھا چائے پیتا رہا وہ مٹر سے بھری باسکٹ اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی جب کچھ سوچتے ہوئے اسے فرہاد نے پکارا۔

"جتنے دن تم نے بچوں کو پڑھایا ہے اس کی ٹیوشن فیس تمہیں مل گئی تھی۔"

وہ پرسوچ نگاہیں اس کے چہرے پر گاڑے بیٹھا تھا۔

"کیوں...؟"

فرہاد کا یہ سوال اس کی سمجھ میں نہ آیا۔

"ایسے ہی پوچھ رہا ہوں جب تم نے اتنے دن محنت کی تو فیس ملنا تو تمہارا حق تھا نا۔" اس کی یہ ہمدردی زینب کو قطعاً پسند نہیں آئی۔

"فیس میں ایڈوانس میں لیتی ہوں۔" دل نہ چاہتے ہوئے بھی اسے وضاحت کرنا پڑی۔

"ویسے ایک بات بتاؤ تمہاری طبیعت کو ایسا کیا ہوا تھا جو تم نے اچھے خاصے ٹیوشن کے بچے چھوڑ دیے ایک لگی بندھی رقم آکر ہاتھ میں آجاتی تھی تو کیا برا تھا۔"

یہ تھی وہ اصل وجہ جس کی تمہید شروع سے باندھی جارہی تھی۔

"میں بہت تھکنے لگی تھی اور یہ تھکن میرے چہرے پر چھا کر اس کے نقوش خراب کرنے لگی تھی۔ اس ٹیوشن نے تو میرے چہرے کی تمام رونق ہی ختم کردی تھی۔"

یہ تمام الفاظ سالار کے ادا کیے ہوئے تھے اس نے کہا تھا کہ 'چند سو روپوں کے لیے دو گھنٹے تک اپنا جو دماغ کھپاتی ہو اس کے اثرات تمہارے چہرے پر نمایاں ہونے لگے ہیں' سالار کے پیش کردہ اس تجزیہ سے خوف زدہ ہو کر اس نے ٹیوشن چھوڑ دی۔

اس کا حسن ہی تو ایک ایسا ہتھیار تھا جس کے باعث وہ کئی لوگوں میں نمایاں تھی اور جو یہ حسن ہی نہ رہتا تو شاید اس کے پاس کچھ باقی نہ بچتا اور وہ بھی دنیا کی عام سی عورتوں میں ہی شامل ہو جاتی مگر اسے خود کو خاص رکھنا تھا اور اس کے لیے اسے اپنی حفاظت کرنی ہے۔ جس کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے آپ کو ریلیکس کرتی۔

"اچھا بھلا چہرہ ہے تمہارا کوئی رونق ختم نہیں ہوئی اور جہاں تک تھکنے کا تعلق ہے وہ ایک الگ مسئلہ ہے ورنہ تین، چار بچے پڑھانے سے کون تھکتا ہے؟ اب اپنی دوست سادیہ کو ہی دیکھ لو پانچ گھنٹے اسکول میں دماغ کھپا کر آتی ہے مگر پھر بھی کتنی فریش نظر آتی ہے! تمہاری ٹیوشن کے بہانے تو مریم بھی پڑھ لیا کرتی تھی۔"

"مریم کو تو ظاہر ہے ابھی بھی میں نے ہی پڑھانا ہے اور پڑھا بھی رہی ہوں کیونکہ وہ میری ذمہ داری ہے۔"

اس کا انداز خاصا جتاتا ہوا سا تھا، جسے فرہاد نے محسوس ہی نہیں کیا اور ریموٹ ہاتھ میں لے کر چینل سرچ کرنے لگا' زینب کو اس کا اس طرح ٹیوشن پڑھانے پر زور دینے والا عمل بالکل بھی پسند نہیں آیا یا شاید اپنی منفی سوچوں کے باعث وہ ہر بات کو ہی منفی انداز میں دیکھنے کی عادی ہوتی جارہی تھی۔

☼ ☼ ☼

سالار نے ذرا سی گردن گھما کر دیکھا' نازیہ گہری نیند میں ڈوب چکی تھی اس کی یہ نیند شاید ان دواؤں کے زیر اثر تھی جو وہ اپنی بیماری کے پیش نظر دن میں کئی بار کھاتی تھی مگر اس نیند کی حالت میں بھی ایک تکلیف اور اذیت اس کے چہرے پر نمایاں تھی' وہ آج بھی اس کے تمام ٹیسٹ کروا کر آیا تھا رپورٹس اگلے ہفتے تک مل جانی تھیں اس کے بعد ہی صحیح معنوں میں نازیہ کے علاج کا عمل شروع ہوتا ابھی تو عارضی طور پر اس کی بیماری کو کنٹرول میں کرنے

کے لیے اسے کچھ دوائیاں دی جا رہی تھیں اس کے باوجود اس کی دن بدن گرتی صحت سالار کو تشویش میں مبتلا کر رہی تھی۔

مگر وہ اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتا تھا جب تک اس کی بیماری کا علم نہیں ہو جاتا' اس نے آہستہ آواز میں نازیہ کے سرہانے رکھا لیمپ آف کر دیا' کمرے میں زیرو پاور کی ہلکی نیلی روشنی چاروں طرف پھیل گئی تکیہ سیدھا کر کے لیٹنے سے قبل اس نے ایک نگاہ پھر سے نازیہ پر ڈالی مگر اب وہاں نازیہ نہیں تھی بلکہ گہری نیند میں ڈوبی زینب کا چہرہ اس کے سامنے تھا۔

"زینب..."

مارے تحیر کے سالار کے منہ سے ہلکی سی آواز بر آمد ہوئی۔

"ہائے..."

نازیہ کروٹ بدلتے ہوئے کراہی' زینب کا چہرہ ہوا میں کہیں تحلیل ہو گیا سالار فوراً" چونک کر سیدھا ہوا وہ منتظر تھا کہ شاید نازیہ کے منہ سے کوئی اور آواز نکلے مگر اب وہاں سوائے نازیہ کی تیز سانسوں کے آواز کے کچھ نہ تھا وہ کروٹ بدلتے ہوئے ایک بار پھر گہری نیند میں ڈوب چکی تھی مگر سالار کے نیند دور کہیں غائب ہو گئی اس کے تصور پر بری طرح زینب غالب آ گئی۔

وہ اٹھ بیٹھا جانتا تھا کہ اس کے یہ خیالات سوائے ذہنی پراگندگی کے کچھ نہیں مگر پھر بھی پچھلے کئی عرصہ سے زینب اس کے ان خیالات پر بری طرح حاوی ہو چکی تھی' یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ایک شادی شدہ عورت' اور دو بچیوں کی ماں ہے۔ سالار چاہتے ہوئے بھی اس کے خیالات سے پیچھا نہ چھڑا پا رہا تھا کبھی کبھی تو اسے ایسا محسوس ہوتا جیسے وہ دن بدن زینب کی محبت میں غرق ہوتا جا رہا ہے اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کی اس اندھی محبت کا انجام کیا ہو گا مگر پھر بھی اپنا یہ پاگل پن اسے اس وقت خوف زدہ کر دیتا جب اس کے نزدیک موجود نازیہ کا وجود زینب کے ہیولا میں ڈھل جاتا' اسے ڈر لگتا' کہیں وہ اپنی بے خودی میں زینب کے نام سے نہ پکار لے یہ بھی سبب تھا جو وہ نازیہ سے طویل گفتگو کرتے ہوئے گھبرانے لگا تھا اس کی تمام گفتگو صرف ہوں ہاں میں سمٹ کر رہ گئی تھی جس کا افسوس اسے بھی ہوتا مگر کیا کرتا وہ مجبور تھا۔

اس نے ایک بار پھر نازیہ پر نگاہ ڈالی اور اٹھ بیٹھا اس کی نیند اب بالکل اچاٹ ہو چکی تھی وہ اٹھ کر باہر ٹیرس میں آ گیا جہاں چلنے والی ٹھنڈی' اور تازہ ہوا نے اسے بالکل فریش کر دیا اس نے وہاں موجود کرسی کو ریلنگ کے قریب کیا اور اس پر بیٹھ کر اپنے آپ کو بالکل ڈھیلا چھوڑ دیا اپنے ذہن کو ہر طرح کے خیالات سے آزاد کرتے ہوئے اس نے اپنی آنکھیں موند لیں۔

☆ ☆ ☆

وہ مریم کا یونیفارم استری کر رہی تھی جب بیرونی دروازہ کھول کر فرہاد اندر داخل ہوا۔

"یہ گیٹ کیوں کھلا ہوا ہے؟"

اندر آتے ہی اس کے تنقیدی عمل کا آغاز ہو گیا۔

"مریم سادیہ کے گھر گئی ہے۔"

زینب جواب دینے کے ساتھ ساتھ اپنے کام میں بھی مصروف رہی۔

"اس وقت..."

فرہاد نے سامنے موجود گھڑی پر ایک نظر ڈالی۔

"ہاں میں نے کھیر پکائی تھی سوچا اسے بھی بھیج دوں وہ ہی دینے گئی ہے۔ بس اب آتی ہی ہوگی۔"

"عجیب کم عقل عورت ہو تم بھلا رات کے آٹھ بجے کون اکیلی بچی کو اس طرح باہر بھیجتا ہے۔" وہ الٹے پاؤں واپس گیٹ کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔

زینب نے کوئی جواب نہیں دیا حالانکہ جانتی تھی کہ اس وقت پوری گلی میں موجود بچے جن میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں شامل ہیں کھیل کود رہے ہیں مگر فرہاد کو اس سب کی وضاحت کرنا بھینس کے آگے بین بجانا تھا لہٰذا خاموشی سے اپنا کام مکمل کرنے لگی فرہاد کے باہر نکلنے سے قبل ہی مریم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔

"السلام علیکم ابو جی۔"

فرہاد کو گھر دیکھتے ہی وہ خوشی سے نہال ہوگئی فرہاد نے کچھ کہے بنا آگے بڑھ اسے گود میں اٹھالیا' کچھ دیر قبل والا فرہاد کا غصہ بالکل ختم ہوگیا زینب اٹھ کھڑی ہوئی تاکہ دسترخوان لگاسکے جب اچانک اس کی نگاہ چارپائی پر رکھے ایک بڑے سے تھیلے پر پڑی۔

"یہ کیا ہے؟ کون لایا ہے؟"

اسے حیرت ہوئی کہ یہ تھیلا کون لایا ہے۔

"ظاہر ہے میں باہر سے آیا ہوں تو میں ہی لایا ہوں۔"

زینب کی بات کا جواب دیتے ہوئے وہ باہر لگے نلکے پر ہاتھ دھونے چلا گیا' زینب کا دل چاہا کہ آگے بڑھ کر دیکھے اس تھیلے میں کیا ہے؟ مگر اسے اچھا نہیں لگا کہ وہ بنا اجازت اس تھیلے کو ہاتھ لگائے اسی لیے خاموشی سے کچن میں آگئی جلدی جلدی کھانا گرم کرکے ٹرے میں لیے باہر آگئی جہاں سامنے ہی چارپائی پر فرہاد وہ بڑا سا شاپر کھولے بیٹھا تھا غالباً" اس میں کچھ کپڑے تھے' جو زینب کو دور سے ہی دکھائی دے رہے تھے۔

"اصل میں میرا ایک دوست یاسمین آپا کی طرف جارہا تھا تو سوچا کیوں نہ ان کے لیے کچھ بھیج دوں۔"
تھیلے سے کپڑے باہر نکالتے ہوئے فرہاد نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"اچھا۔"

زینب نے صرف اتنا ہی کہا اور ٹرے اس کے سامنے رکھے لکڑی کے ٹیبل پر رکھ دیا اس کا دل ایک دم ہی مرجھا گیا اسے لگا جیسے تمام الفاظ ختم ہوگئے ہوں۔

"یہ دو سوٹ تمہارے ہیں۔"

دو سوٹ خود ہی الگ کرکے اس نے زینب کی طرف بڑھائے۔

"دراصل یاسمین آپا نے کہا تھا ان کے لیے گرین اور ریڈ کلر کے کپڑے خریدوں' اس لیے یہ والے دونوں ان کے ہیں۔"

مزید دونوں سوٹ زینب کو دکھائے بنا ہی اس نے تھیلا بند کردیا دل تو چاہا ہاتھ میں پکڑے دونوں سوٹ بھی واپس وہیں چارپائی پر رکھ دے اور کہے کہ یہ بھی یاسمین آپا کو ہی دے دیں مگر وہ ایسا نہ کرسکی دونوں سوٹوں کو اٹھا کر کمرے میں موجود الماری میں جاڈالا۔

فی الحال اس کا ارادہ ان میں سے کوئی بھی سوٹ سلوا کر پہننے کا نہیں تھا حالانکہ جانتی تھی کہ اس کے اس عمل کا کوئی بھی فرق فرہاد پر پڑنے والا نہیں ہے مگر پھر بھی وہ اپنی اس دلی تکلیف کو شاید اسی طرح کم کرنا چاہتی تھی۔

اپنے حق میں کیے جانے والے فیصلے سے مطمئن ہوکر وہ برآمدے میں آگئی تاکہ خود بھی کھانا کھالے اور ویسے بھی وہ مریم کو بھی اپنے ہاتھوں سے ہی کھانا کھلایا کرتی تھی اور یقیناً" اس وقت بھی باہر موجود مریم اس کی منتظر تھی اس کی اپنی بھوک بالکل ختم ہوچکی تھی اس نے خاموشی سے مریم کو کھانا کھلایا اور برتن سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی'

فرہاد اس سے پہلے ہی کھانا ختم کرکے ٹی وی کے سامنے جا بیٹھا تھا اس نے ایک نگاہ سامنے موجود چارپائی پر ڈالی جو اس وقت بالکل خالی تھی یقیناً" کپڑوں کا شاپر اٹھالیا گیا تھا۔

"کھانا کھالیا ہو تو ایک کپ چائے کا بنا دینا۔"

کچن میں داخل ہونے سے قبل اسے اپنے عقب میں فرہاد کی آواز سنائی دی۔ برتن دھونے کے ساتھ ساتھ' چائے کا کپ تیار کرکے جب وہ برآمدے میں آئی تو فرہاد بڑے انہماک کے ساتھ کوئی پاکستانی فلم دیکھنے میں مصروف تھا زینب نے خاموشی سے اس کے قریب چائے کا کپ رکھ دیا۔

"چائے لے لیں۔"

ساتھ ہی آواز لگا کر اس نے فرہاد کو مخاطب بھی کیا مبادا بے دھیانی میں کہیں گرم چائے گر ہی نہ جائے' فرہاد نے ایک سرسری سی نگاہ کپ پر ڈالی اور پھر سے ٹی وی کی جانب متوجہ ہو گیا' زینب نے اس کے قریب لیٹی جگنو کو آگے بڑھ کر اٹھالیا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟"

خلاف توقع فرہاد نے اس پر ایک نگاہ طائرانہ ڈالتے ہوئے حیرت سے سوال کیا شاید اسے زینب کے بگڑے موڈ کا اندازہ ہو چلا تھا۔

"کچھ نہیں۔"

اس کا موڈ فی الحال کوئی بھی شکوے شکایت کرنے کا نہیں تھا۔

"تو پھر منہ کیوں اس طرح بنایا ہوا ہے؟"

اس نے ریموٹ سے ٹی وی کی آواز قدرے کم کرتے ہوئے پوچھا۔

"میرا خیال ہے تمہیں اچھا نہیں لگا کہ میں نے تمہارے ساتھ ساتھ یاسمین آپا کے لیے شاپنگ کیوں کی ہے' صحیح کہہ رہا ہوں نا میں۔"

"بات یہ نہیں ہے دراصل آپ کو چاروں جوڑے میرے سامنے رکھ دینے چاہیے تھے تاکہ جو کلر مجھے پسند آتا میں لے لیتی ورنہ میرے لیے جو بھی کچھ خریدیں مجھے ساتھ جاکر خریدا کریں۔"

اب چونکہ وہ بتا کے ہی سب کچھ جان چکا تھا لہٰذا دل میں کوئی بات رکھنے کا فائدہ نہیں تھا اس لیے زینب نے ہر بات کہہ ڈالی۔

"بات صرف اتنی ہے زینب تمہارے خاندان میں بیٹیوں کو دینے کا قطعی کوئی رواج نہیں ہے اب تم خود کو دیکھو کبھی تمہارے بھائی یا ماں نے عید پر بھی تمہیں کچھ نہیں بھیجا اس لیے شاید تمہیں برا لگتا ہے اگر میں یاسمین آپا کے لیے کچھ لے کر آؤں ورنہ ہمارے یہاں تو ہر عید' شب برات شادی شدہ بیٹیوں کے گھروں میں بہت کچھ جاتا ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ تمہارے گھر والے بھی تمہیں دیں صرف بتا رہا ہوں کہ فضہ بھابھی اور صباحت بھابھی کے میکے سے تو باقاعدہ ہر سال گرمیوں اور سردیوں کے کپڑے بھی آتے ہیں یہ ہی وجہ ہے جو ہمیں بھی اپنی بہن کے لیے کرنا پڑتا ہے۔"

وہ بات کو بالکل ہی غلط رخ پر لے گیا تھا غصے پر دکھ کی کیفیت غالب آگئی اور یہ دکھ اسے فرہاد کے بے لاگ تبصرے نے دیا تھا اس کے حلق میں یکدم ہی ایک آنسوؤں کا گولہ سا پھنس گیا۔

"آپ اچھی طرح جانتے ہیں میری ماں نے اپنی بیوگی میں ہم بہن بھائیوں کی پرورش محلے کے بچوں کو قرآن شریف پڑھا کر کی اور پھر بھی اللہ کا شکر ہے انہوں نے ہمیں کبھی کسی کم مائیگی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ ابھی بھی

اپنی حیثیت کے مطابق وہ ہر سال عید پر مجھے اور آپا کو کچھ رقم ضرور بھیجتی ہیں 'ویسے بھی جہاں تک میں سمجھتی ہوں بیٹیوں کو کچھ دینا اپنی خوشی اور خواہش ہوتی ہے اس سلسلے میں ہمارے مذہب میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔"

"یہ ہی بات تو میں تمہیں سمجھانا چاہ رہا ہوں یاسمین آپا کو اگر ہم کچھ دیتے ہیں تو اپنی رضامندی اور خوشی کے ساتھ دیتے ہیں اس سلسلے میں ان کی طرف سے ہم پر کوئی دباؤ نہیں ہوتا۔"

"میں صرف اتنا کہنا چاہتی ہوں فرہاد آپ نے اگر شاپنگ سے قبل آپا کو فون کر کے ان کی پسند و ناپسند کے باعث دریافت کیا تھا تو کم از کم آپ کی بیوی ہونے کے ناطے میرا بھی یہ حق ہے کہ آپ کے سامنے اپنی پسند اور ناپسند کا اظہار کر سکوں۔"

"یہ چائے اٹھا لو تم نے شاید غصہ میں بے تحاشا پتی ڈال دی ہے حلق سے ایک گھونٹ اترنا محال ہو گیا سارا حلق بھی کڑوا کر کے رکھ دیا۔"

شاید اس کے پاس زینب کی بات کا کوئی جواب نہیں تھا اور جب وہ لاجواب ہوتا اپنا غصہ فوری طور پر کسی اور سمت منتقل کر دیتا۔

"لاتی ہوں تھوڑا دودھ اور ڈال کے لے آؤں۔"

جانتی تھی کہ چائے میں پتی روز مرہ کے حساب سے بالکل صحیح ہے اور یہ صرف فرہاد کو اسے اپنے موضوع سے ہٹانے کا ایک طریقہ تھا۔

"رہنے دو مجھے نہیں پینی۔"

چائے کا ٹرے پرے کھسکاتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا' زینب نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی جہاں نظر آنے والی کرختگی نے اس کے دل کو تھوڑا سا خوف زدہ کر دیا وہ سمجھ گئی کہ فرہاد کا موڈ بری طرح آف ہو چکا ہے اور اب جانے مزید کتنے دن لگیں اس کے موڈ کو دوبارہ بحال ہونے میں "کیا ضرورت تھی مجھے بلاوجہ یاسمین آپا کے کپڑوں کو لے کر اتنی باتیں بنانے کی۔"

یہ سوچ کر وہ دل ہی دل میں بہت پچھتائی مگر اب افسوس کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا تیر کمان سے نکل چکا تھا اس نے ایک گہری سانس بھرتے ہوئے چائے کا کپ اٹھا لیا اور مردہ قدموں سے کچن کی جانب چل دی جبکہ فرہاد اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔

☼ ☼ ☼
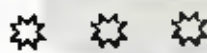
"ایکسکیوز می مس۔" وہ کلاس لے کر باہر نکلی ہی تھی کہ اپنے عقب سے آنے والی مردانہ آواز سن کر اس کے قدم وہیں تھم گئے اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا اس کے عین سامنے کھڑا نوجوان یقیناً" اس کا کلاس فیلو تھا مگر چونکہ اس کی سوائے حفصہ کے کسی سے کوئی دوستی نہ تھی اس لیے وہ کسی کو پہچانتی بھی نہیں تھی۔

"یہ نوٹ بک غالباً" آپ کی ہے۔"

اس کے پیچھے دیکھتے ہی نوجوان نے اپنے ہاتھ میں تھمی نوٹ بک اس کی جانب بڑھائی جو یقیناً" اس کی تھی۔

"اوہ" بے ساختہ اس کے لبوں سے نکلا۔

"میں نے یہ حفصہ کو دی تھی شاید وہ بھول گئی۔"

جواب دے کر اس نے ایک نگاہ کچھ دور کھڑی حفصہ پر ڈالی جو مس رخشندہ سے اپنے اسائنمنٹ کے سلسلے میں کوئی بات کرنے میں مصروف تھی۔

"بہرحال بہت بہت شکریہ آپ کا یہ میری ایک اہم نوٹ بک تھی۔"

اس نے مسکراتے ہوئے اس نوجوان کے ہاتھ میں تھمی اپنی نوٹ بک واپس لے لی اس نوٹ بک میں اس کا وہ اسائنمنٹ بھی موجود تھا جو اگلے پیریڈ میں اسے جمع کروانا تھا اور اگر آج یہ نوٹ بک کھو جاتی تو اسے ایک بار پھر نہ صرف اسائنمنٹ مکمل کرنے کے لیے محنت کرنا پڑتی بلکہ آج اسائنمنٹ نہ دینے کی صورت میں مس آمنہ کی باتیں بھی سننا پڑتیں۔

"نہیں اس میں شکریہ کی کوئی بات نہیں ہے۔"

اس کی بات کا جواب دے کر وہ نوجوان آگے کی جانب بڑھ گیا۔ جب حفصہ اس کے قریب آئی۔

"او ہو خوب باتیں ہو رہی تھیں مطلب یہ کہ تم نے بھی دوست بنانے شروع کر دیے ہیں۔" جواباً اس نے کوئی وضاحت نہ کی صرف ہلکا سا مسکرا دی۔

"یار تم تو اتنی خوب صورت ہو کہ لگتا ہے گریجویشن مکمل کرتے کرتے تمہارا رشتہ بھی پکا ہو جاتا ہے اور مجھے تو مشکل لگتا ہے کہ تم آگے مزید تعلیم حاصل کر سکو۔"

حفصہ پہلے دن سے اس کے حسن سے اس قدر ہی متاثر رہا کرتی تھی۔

"تمہارے سب اندازے غلط ہیں۔"

وہ حفصہ کے ساتھ چلتی ہوئی دھیرے دھیرے سیڑھیوں کی جانب بڑھی "اس کالج میں داخلہ لینے سے قبل ہی نہ صرف یہ کہ میرا رشتہ پکا ہو چکا تھا بلکہ آل ریڈی میں نکاح شدہ ہوں۔"

وہ تلخ سچائی جو وہ بھی کسی سے شیئر نہ کرتی تھی جانے کیسے آج خود بخود اس کے منہ سے نکل گئی یا شاید اب یہ راز دل میں رکھ رکھ کر وہ بھی تھک سی گئی تھی۔

"واٹ۔۔۔"

حفصہ کو جیسے جھٹکا لگا۔

"تم نے تو مجھے آج تک نہیں بتایا۔"

وہ حیرت میں ڈوبی اپنی جگہ پر ہی کھڑی رہ گئی۔

"کون ہے وہ خوش نصیب جسے تمہارا شوہر ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔"

"ہے میرا ایک کزن مگر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ آیا وہ خوش نصیب ہے یا بد نصیب۔"

جملہ ختم کرتے ہی وہ ہلکا سا ہنس دی اس ہنسی میں چھپا درد کوئی محسوس نہیں کر سکتا تھا سوائے ان لوگوں کے جو اس کے بے حد قریب تھے۔

"تمہارے آج کے اس انکشاف نے تو مجھے حقیقت میں شاکڈ کر دیا ہے۔ بہرحال اب تمہاری سزا یہ ہے کہ آج تم مجھے کینٹین میں ایک اچھی سی ٹریٹ دو گی۔"

اس کے دل کا حال جانے بنا حفصہ تیز تیز بولتی آگے کی جانب چل دی اور وہ بنا کچھ کہے اس کی تقلید میں قدم اٹھانے لگی۔ اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ جذبات میں بہہ کر منہ سے نکلنے والی اس کی باتوں کا حفصہ نے کوئی خاص نوٹس نہیں لیا ورنہ تو شاید اس کے لیے مشکل ہو جاتا حفصہ کو اس سلسلے میں کوئی بھی وضاحت دینا کیوں کہ ابھی تو حقیقت کیا ہے وہ خود نہیں جانتی تھی۔

اس رشتہ کے حوالے سے سوائے ملک صاحب کے آج تک کوئی اس کے سامنے نہیں آیا تھا اور غالباً یہ وہ وجہ تھی جو کئی بار راتوں میں اس کی نیند اڑ جایا کرتی تھی اور ایسے میں وہ اپنی تمام طنابیں وقت کے ہاتھوں میں تھما کر مطمئن ہونے کی کوشش کیا کرتی اور اکثر کامیاب بھی ہو جاتی۔

بہرحال جو بھی تھا اس کی زندگی کس سمت بہہ رہی تھی؟ اس کا انجام کیا ہو گا؟ فی الحال وہ کچھ نہیں جانتی تھی

اس لیے چپ چاپ خاموشی سے زندگی کو بس جیے چلی جا رہی تھی اس امید میں کہ وہ دن جلد آئے گا جب وہ ایشال کی ہمراہی میں ملک صاحب کے گھر کی دہلیز پر اپنے قدم رکھ سکے اس کی زندگی جینے کا شاید یہ ہی ایک مقصد اب باقی رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

آج کئی دن ہو گئے تھے اسے نازیہ کی کوئی خیر خبر ہی نہیں ملی تھی' ایک تو مریم کے سالانہ امتحانات شروع تھے جن میں وہ بری طرح مصروف تھی دوسرا جگنو کو بھی پچھلے کئی دنوں سے بخار تھا کئی بار کوشش کی کہ فون پر بھی بات کرے مگر پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو گئی جانتی تھی فرہاد ہر چیز کی طرح ٹیلیفون کا بھی بڑا حساب کتاب رکھتا ہے اس سلسلے میں ٹیلیفون کا ذرا سا بھی زیادہ آجانے والا بل اس کا موڈ کئی دنوں تک آف کر دیتا۔

جبکہ زینب اگر نازیہ سے بات کرتی تو یقیناً" آدھ' ایک گھنٹہ تو ضرور صرف ہوتا' جس کے نتیجہ میں بل میں ہونے والا اضافہ اسے فرہاد کی عدالت میں کھڑا کر دیتا اس کا کہنا تھا کہ فون پر کی جانے والی گفتگو مختصراً" ہونی چاہیے اور بلا ضرورت فون کا استعمال نہ صرف پیسہ بلکہ وقت کا بھی ضیاع ہے جبکہ شاید اس قانون سے وہ اور اس کی بہن بالاتر تھے۔

بہرحال جو بھی تھا دو دن قبل اس نے ذرا سی دیر کے لیے نازیہ کے گھر فون کیا تھا' وہ تو نہیں تھی شاید ہاسپٹل گئی تھی مگر سکینہ سے جو بات ہوئی اس سے زینب کو صرف اس قدر معلوم ہو سکا کہ نازیہ کی تمام رپورٹس آگئی تھیں مزید اس حوالے سے سکینہ کچھ نہیں جانتی تھی آگے مزید کچھ جاننے کے لیے زینب کی نازیہ سے ملاقات اشد ضروری تھی۔

"شام میں فرہاد سے کہوں گی کہ مجھے نازیہ کی عیادت کے لیے جانا ہے اور وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر جائے۔"

یہ سوچ کر وہ تھوڑا سا مطمئن ہو گئی آج تو اس نے کئی بار فضہ بھابھی کو بھی دل سے یاد کیا وہ جو یہاں ہوتیں تو ہر پل کی خبر دے دیتیں مگر افسوس وہ ابھی تک واپس ہی نہ آئی تھیں۔

وہ ان ہی سوچوں میں گم تھی جب اچانک گیٹ کے باہر ابھرنے والی رکشا کی تیز آواز سے چونک اٹھی شاید ہمارے گھر ہی کوئی آیا ہے' اگلے ہی پل اطلاعی گھنٹی کی آواز نے اس کے خیال کی تصدیق بھی کر دی' وہ کچن سے باہر نکلی مریم بنا پوچھے گیٹ کھول چکی تھی باہر موجود شخصیت اندر داخل ہوئی جسے دیکھتے ہی زینب کچھ دیر قبل والی ساری کوفت بھول کر خوشی سے کھل اٹھی۔

"السلام علیکم اماں۔"

اپنی ماں کو آج کئی ماہ بعد اچانک اس طرح اپنے سامنے دیکھ کر وہ سب کچھ بھول گئی اور تیزی سے آگے بڑھ کر ان کے گلے لگ گئی۔

"وعلیکم السلام۔" اماں بی نے سیدھا ہاتھ اس کے سر اور کمر پر پھیرتے ہوئے اسے پیار کیا۔

"میں تو سمجھی شاید تم پاکستان چھوڑ کر کسی دور دراز ملک میں جا بسی ہو جو ماں اور بہن بھائیوں کی خیر خبر لینے سے ہی گئیں۔"

اماں بی نے ہنستے ہنستے پیار بھرا شکوہ کیا۔

"بس اماں کیا بتاؤں گھر کے کاموں سے ہی فرصت نہیں ملتی ورنہ سچ جانیں کوئی ایسا پل نہیں جو میں آپ کو یاد نہیں کرتی۔" انہیں ساتھ لیے وہ اندر برآمدے میں داخل ہو گئی۔

"آپ اکیلی آئی ہیں؟"

اپنی خوشی میں وہ یہ بات پوچھنا تو بھول ہی گئی تھی جو سب سے پہلے پوچھنا چاہیے تھی۔
"ہاں بیٹا تم خود اس قدر کم آتی جاتی ہو کہ میرا دل ہی نہ چاہا کہ تمہاری کسی بھابھی سے یہاں آنے کا ذکر کرتی' حسن تو ویسے بھی یہاں نہیں ہے آفس کے کام کے سلسلے میں کراچی گیا ہوا ہے' احسان صبح دکان پر جاتا ہے اور رات میں واپس آتا ہے اب بھلا کس کے پاس اتنا ٹائم جو مجھے لیے لیے پھرے اور دل تم سے ملنے کے لیے اس قدر اتاولا ہو رہا تھا کہ میں نے کسی سے کہا بھی نہیں' دل میں تمہاری محبت کا ابال آیا خود ہی رکشا کیا اور یہاں تک آ گئی۔"
اماں بی نے تخت پر بیٹھتے بیٹھتے ہر بات کی وضاحت کر دی۔
"چلیں یہ تو آپ نے بہت اچھا کیا اب آپ دو تین دن یہاں رہیے گا میرے پاس۔"
وہ دلار سے ان کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے بولی۔
"ارادہ تو یہ ہی ہے اگر احسان لینے نہ آگیا تم تو جانتی ہو وہ شروع سے ہی رات مجھے کہیں نہیں رہنے دیتا۔"
"کوئی بات نہیں آج میں خود فون کر کے اسے منع کر دوں گی کہ آپ کو لینے نہ آئے ماں تو ہم سب کی ایک جیسی ہے' اچھا یہ سب چھوڑیں پہلے یہ بتائیں آپ کھانے میں کیا کھائیں گی۔"
باتوں کے دوران زینب نے دیکھا کہ مریم بھاگ کر اندر کمرے سے تکیہ لے آئی تھی جو اس نے نانی کے کمر کے پیچھے لگا دیا تھا۔ مریم کا نانی کے لیے اتنا خیال' زینب کو بہت اچھا لگا۔
"جو دل چاہے بنا لو مجھے تو تمہارے ہاتھ کا کھانا ویسے بھی بہت پسند ہے ماشاء اللہ بڑی لذت ہے تمہارے ہاتھوں میں۔"
زینب سر ہلاتی فریج کی جانب بڑھی تاکہ دیکھے اگر کچھ گوشت یا مرغی ہو تو ماں کے لیے کھانا تیار کر سکے کچھ دیر قبل اپنا دال' چاول بنانے کا ارادہ اس نے قطعی طور پر ترک کر دیا۔

☼ ☼ ☼

وہ صوفے پر بیٹھا بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا' مما فون پر اس بری طرح مصروف تھیں کہ انہیں ایشال کی پریشانی نظر ہی نہیں آ رہی تھی۔ بنا پوچھے ہی وہ جان چکا تھا کہ فون کے دوسری طرف یقیناً "آپا" ہیں جو اس کی سگی بہن تو نہیں تھیں مگر مما کے نزدیک سگی اولاد سے بڑھ کر تھیں اور وہ ہر دوسرے دن یو کے سے مما کو کال ضرور کرتی تھیں اور مما بھی دنیا کے سارے کام چھوڑ کر اس کال کی منتظر رہا کرتیں ایشال کا انتظار ختم ہوا اور مما نے فون بند کر اس پر ایک نگاہ ڈالی۔
"کیا ہوا تم کیوں اتنے پریشان دکھائی دے رہے ہو۔"
وہ ایشال کے قریب ہی صوفے پر آن بیٹھیں۔
"آپ اچھی طرح جانتی ہیں مما اور ارشہ کی دی ہوئی مہلت ختم ہونے میں صرف آج کی رات باقی ہے کل صبح شاید وہ شاہ زیب کے حق میں اپنا فیصلہ سنا دے گی۔"
وہ انگلیوں کی مدد سے اپنا ماتھا رگڑتے ہوئے وہ دھیرے سے بولا۔
"اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا میں پاپا تک اپنا انکار کس طرح پہنچاؤں کیسے انہیں آمادہ کروں کہ وہ پہلے والا رشتہ ختم کر کے میرے لیے نیا رشتہ استوار کریں' شروع شروع میں آسان دکھائی دینے والا یہ کام ہر گزرتے دن کے ساتھ میرے لیے مشکل ہوتا جا رہا ہے۔"
"جو بھی ہے بات تو تمہیں کرنا ہی پڑے گی ورنہ ساری زندگی اسی طرح رو دھو کر گزر جائے گی اور میں ایسا بالکل

نہیں چاہتی۔"

مما نے اس کے کندھے کو ہولے سے دبایا۔

"میرا خیال ہے کہ آج مجھے ہمت کرکے پاپا سے ہر حال میں بات کرنا ہوگی چاہے کچھ بھی ہو ورنہ ایسا نہ ہو میرے سوچنے سوچنے میں وقت ہاتھ سے ریت کی طرح پھسل جائے۔"

"لیکن آج تو بہت مشکل بلکہ ناممکن تمہارا اپنے پاپا سے کوئی بھی بات کرنا کیونکہ وہ ابھی دو گھنٹے تک دوبئی جانے والے ہیں ان کے دوست اسماعیل کو تو جانتے ہو نا بس ان کے بیٹے کی شادی ہے جس میں شریک تو مجھے بھی ہونا تھا' مگر میری یہاں ایک بہت ضروری میٹنگ تھی جس کی وجہ سے میں نہیں جاسکتی۔"

"افوہ مما اب میں کیا کروں اگر آج کی یہ رات بنا کسی فیصلہ کے گزر گئی تو کل کا سورج یقیناً "اریشہ کو مجھ سے دور کردے گا پلیز مما خدا کے لیے کچھ کریں۔"

پاپا کے جانے کا سنتے ہی اس کی بے چینی میں کئی گنا اضافہ ہوگیا۔

"کچھ نہیں ہوتا اریشہ کو میں اسے ابھی فون کرکے سمجھا دیتی ہوں۔"

ایشال کی پریشانی نے مما کو بھی ڈسٹرب کردیا۔

"وہ نہیں مانے گی آپ جانتی ہیں نا وہ کس قدر ضدی ہے میں ہی کچھ کرتا ہوں۔"

عالم اضطراب میں وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کس کی ضد کی بات ہو رہی ہے؟ اور یہ تم اس قدر پریشان کیوں ہو۔"

اپنی باتوں میں مگن ماں بیٹے کو احساس ہی نہ ہوا کہ ملک صاحب لاؤنج کا دروازہ بے آواز کھول کر ان کے سروں پر آن کھڑے ہوئے اب جو ان کی آمد کا علم ہوا تو دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر سن کھڑے رہ گئے۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

رابعہ افتخار

"کوئی بزنس میٹنگ ہے نہ ڈنر؟" وہ اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ افضل نے بہت غور سے اس معصوم سی چھوٹی سی لڑکی کو دیکھا' نہ جانے وہ اس کے ہر معاملے میں ٹانگ کیوں اڑاتی تھی' شریفانہ زبان میں کہا جائے تو دلچسپی لیتی تھی۔

"کوئی گیسٹ تو گیدر؟" اس نے ابرو چڑھائے' افضل کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے' وہ سہم کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"ڈیٹ پر جارہے ہیں آپ؟" اس نے براہ راست سوال کیا۔

"میں کوئی ٹین ایجر ہوں نا جو کالج سے کلاس بنک کر کے ڈیٹ پر جارہا ہوں۔" وہ چڑ کر بولا۔

"آپ ٹین ایجر لگتے بھی نہیں ہیں' آپ تو پہلی نظر میں ہی میچور لگتے ہیں' بزنس مین ٹائپ۔" وہ صاف گوئی سے بولی۔ افضل کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"شکر ہے تم نے مجھے انکل نہیں کہا۔" وہ برش کرتے ہوئے بولا۔

"توبہ کریں' میں آپ کو انکل کہہ کے.... خیر بتا بھی دیں کہاں جارہے ہیں؟" وہ جاننے کے لیے بضد تھی۔

"یار ہماری کمپنی نے اپنا ٹارگٹ اچیو کرلیا ہے اور اس کا سارا کریڈٹ مجھے جاتا ہے اسی لیے سب نے میرے آنر میں ایک پارٹی رکھی ہے' میں وہیں جارہا ہوں۔" اس نے ناقدانہ نظر دوڑائی۔

"ایسی پارٹیز میں تو سب کی وائف بھی ان کے ساتھ ہوتی ہیں نا۔" وہ عام سے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"ہاں جن کی ہوتی ہیں' وہ اپنی مسز کو بھی ساتھ لے کر آتے ہیں۔" اس نے گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اور آپ اکیلے جارہے ہیں؟" اس نے بہت پست لہجے میں کہا' افضل نے اس کی سمت گھور کر دیکھا۔

"مجھے دیر ہورہی ہے اجالا' تم امی کو بتا دینا۔" وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ اجالا نے سر جھٹک کر کمرے میں بکھری چیزیں سمیٹنی شروع کردیں۔

"یہ افضل کہاں ہے آج' ابھی تک نہیں آیا۔" رات کے کھانے پر تائی امی اس کے لیے کافی پریشان تھیں۔

"وہ آج ڈنر پہ گئے ہیں تائی امی' کوئی پارٹی تھی افضل کے آنر میں آفس کی طرف سے۔" اس نے گرم گرم روٹیاں ہاٹ پاٹ میں منتقل کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا.... کتنی بار کہا ہے اس لڑکے سے کہ اکیلے مت جایا کرو' آخر سب کے ساتھ.... خیر چھوڑو سمجھتا ہی کب ہے' تم ایسا کرو سلاد بنادو۔"

"جی تائی امی۔" وہ سبزی کی ٹوکری میں سے سلاد کے لیے چیزیں نکالنے لگی۔

"آج کل بہت عجیب سا برتاؤ کررہا ہے افضل' بہت خاموش سا رہنے لگا ہے۔" وہ جیسے خود سے مخاطب تھیں۔

"اچھا' لیکن مجھے تو یوں محسوس ہورہا ہے جیسے پہلے سے زیادہ خوش رہنے لگے ہیں وہ۔" اس نے سلاد کی پلیٹ سجاتے ہوئے کہا۔

"تم تو ہمیشہ مثبت انداز سے ہی سوچتی ہو اجالا' اس

کی ہر ڈانٹ کو بھی ہنس کر سہہ لیتی ہو۔" تائی امی نے مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھا۔

"اچھا آپ کو ایسے لگتا ہے۔" وہ بھی ہنسنے لگی' اس ہنسی کے پیچھے چھپا دکھ خود سے بھی چھپایا تھا اس نے' آنکھوں سے آنسو نکل کر رخساروں میں جذب ہو گئے۔

☆ ☆ ☆

"کون کون تھا وہاں؟" وہ تار پر کپڑے ڈال رہی تھی جب افضل کرسی پر بیٹھ کر اخبار پر نظریں دوڑانے لگا۔

"کہاں؟" اس نے عام سے انداز میں پوچھا۔

"ڈنر پہ۔" وہ بھی عام سے ہی لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"کچھ خاص نہیں' وہی روز کے کولیگ' ان کی ہر

سال کی دیکھی بھالی مسز وہی شاندار سا ڈنر۔" وہ اخبار پر نظریں جمائے کہہ رہا تھا۔

"اچھا' سب کی بیویاں تھیں وہاں۔" وہ دوپٹے کو جھاڑنے لگی' پانی کے ننھے ننھے قطرے افضل کے چہرے پر چمکنے لگے۔

"ہاں تقریباً" سب کی۔" اس نے خفگی سے اجالا کی سمت دیکھا۔

"کیسی تھیں وہ سب؟" بے حد شوق سے پوچھا' جواباً" اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

"دو آنکھیں' دو کان' ایک ناک' دو ہونٹ۔۔۔"

"بس!" اس نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"میرے پوچھنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آپ کی بیوی سے زیادہ پیاری تھی؟" عجیب سا سوال تھا۔ افضل نے اخبار ایک بار پھر سامنے کرلیا۔

"کچھ پوچھا ہے میں نے؟" وہ زور سے بولی۔

"میں نے کبھی اپنی بیوی کو اتنے غور سے دیکھا نہیں' اب جاؤ تم اور ہاں امی سے کہنا اچھی سی چائے بنا دیں ساتھ کچھ کھانے کو بھی۔" اس کا لہجہ یکدم تلخ ہو گیا' وہ کپڑوں کی ٹوکری لے کر چلی گئی۔

کچھ ہی دیر کے بعد وہ چائے اور گھر کے بنے ہوئے سموسے لے کر اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"امی کہاں ہیں؟"

"وہ شاید آپ کے لیے کوئی لڑکی دیکھنے گئی ہیں۔" اس کی بات پر افضل نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا' وہ بے حد سنجیدہ تھی۔

"کیا مطلب؟" وہ سیدھا ہو بیٹھا۔

"ہاں سچ کہہ رہی ہوں' آپ اپنی بیوی کو چھوڑیں' شادی کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ایک شوہر اپنی بیوی سے اتنا لاپروا ہے کہ اسے غور سے دیکھے بھی نہیں۔ اس کا تو یہی مطلب ہے نا کہ آپ اسے اتنا ناپسند کرتے ہیں کہ اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتے۔" وہ چائے کپ میں ڈالنے لگی۔

"تم "اس کی" اتنی حمایت کیوں کر رہی ہو اجالا؟" وہ چڑ کر بولا۔

"میں حمایت نہیں کر رہی' ایک درست بات کر رہی ہوں' کسی کو یوں باندھ کر رکھنے سے کیا فائدہ جبکہ آپ کو "اس" میں کوئی دلچسپی بھی نہیں۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"میں نے کبھی تمہیں اس نظر سے نہیں دیکھا اجالا۔۔۔ میں نے کبھی تمہیں اپنی بیوی نہیں سمجھا۔" وہ اس کے سامنے آکھڑا ہوا' وہ بہت چھوٹی سی لگ رہی تھی' افضل نے دیکھا اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا۔ سرخ رنگ کے کاٹن کے سوٹ میں ملبوس شولڈر کٹ بالوں کی ڈھیلی سی پونی باندھے وہ چھوٹی سی گڑیا ہی تو لگ رہی تھی۔

"ہاں شاید تائی یہ بات سمجھ گئی ہیں اسی لیے وہ آپ کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہی ہیں اور ایسا میری مرضی سے ہی ہو رہا ہے۔" وہ چائے کا کپ اس کے سامنے رکھ کر واپس مڑ گئی۔

"لیکن میں نے انہیں لڑکی ڈھونڈنے کے لیے نہیں کہا تھا اجالا۔" اس کا غصہ لہجے سے عیاں تھا۔

"تو پھر اس لڑکی کو ساتھ کیوں نہیں جو بد قسمتی سے آپ کی بیوی ہے۔" وہ جواب دیے بغیر نہ رہ سکی۔

"میں ابھی یہ بہتر نہیں سمجھتا' تم ذہنی طور پر بہت چھوٹی ہو اور یہ فیصلہ بھی تو زبردستی کا تھا۔" اس کی آواز قدرے پست ہوئی۔

"یہ سب آپ کا خیال ہے افضل' آپ کی سوچ ہے' مجھ پر کسی نے زبردستی نہیں کی تھی' پانچ سال سے میں اس گھر میں ہوں' آپ کی منکوحہ نہیں ہوں' بیوی ہوں' رخصت کروا کر لائے تھے مجھے' ٹھیک ہے پہلے مجھے اس بات کا احساس نہیں ہوا' لیکن اب ہو گیا ہے' ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے آپ مجھے دیکھتے تک نہیں' آج تک آپ نے اس رشتے کو مانا ہی نہیں' تسلیم ہی نہیں کیا کہ میں آپ کی بیوی ہوں۔" وہ بات کرتے ہوئے رو دی۔

"ہاں نہیں تسلیم کیا اور کروں گا بھی نہیں' تم کہاں سے میری بیوی لگتی ہو' اپنے آپ کو غور سے آئینے میں دیکھو اجالا' کم از کم پندرہ برس چھوٹی ہو مجھ سے۔" اس

نے سر نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔

"آپ اس رشتے کو تسلیم کریں یا نہ کریں، لیکن میں آپ کو اپنا سب کچھ سمجھتی ہوں، اگر آپ مجھے چھوڑ بھی دیں گے تب بھی مجھے زندگی یہیں گزارنی ہے میرے لیے کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ بہتر تو یہی ہوگا کہ آپ اس نام نہاد رشتے کو نہ ہی توڑیں۔" اس کا سر جھکا تھا۔

"اور وہ جو میری بیوی بن کر آئے گی اس گھر میں، اس سے کیا کہوں کہ کون ہو تم؟" وہ چلانے کے انداز میں بولا، اجالا نے پہلی بار اسے یوں چلاتے ہوئے دیکھا تھا۔

"کچھ نہیں، آپ کو کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، میں آپ سے اپنا کوئی حق تو نہیں مانگ رہی جو آپ کو کوئی مسئلہ ہوگا، میں آپ کے چچا کی بیٹی بھی تو ہوں، سب سے بڑی خوبی کہ یتیم ہوں، آپ کی بیوی کو مجھ پر ترس ہی آئے گا حسد محسوس نہیں کرے گی مجھ سے اور پھر حسد کرے بھی کیوں، آپ کی ذات سے میرا ایسا کون سا رشتہ ہے، کبھی چھو کر یہ یقین بھی نہیں کیا کہ میرا کوئی وجود بھی ہے یا میں بس ایک خیال ہوں۔" وہ بولتی چلی گئی۔

"میں خود جاؤں گی تائی امی کے ساتھ، میں آپ کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں افضل، وہ کہہ رہی تھیں کہ آپ بہت خاموش رہنے لگے ہیں، میں نے ان کی بات کی نفی کی تھی، لیکن وہ سچ کہتی ہیں، آپ خوش رہیں گے تو وہ بھی مطمئن رہیں گی اور میں بھی، وہ جانتی ہیں کہ ہمارے درمیان کبھی یہ رشتہ حقیقی روپ دھار ہی نہیں سکتا، وہ نکاح نامہ اسی گھر کے کسی لاکر میں بند پڑا ہے اور پڑا رہے گا، آپ چاہیں تو اس ثبوت کو ختم بھی کر سکتے ہیں، لیکن مجھے صرف آپ کی خوشی عزیز ہے۔" وہ جیسے بولتے بولتے تھک گئی۔

"وجہ جان سکتا ہوں۔" وہی تلخ لہجہ

"ہاں شوق سے۔" وہ لمحہ بھر کو سوچ میں پڑ گئی۔

"آپ میرے شوہر ہیں افضل، مجھے آپ سے محبت ہے کیا یہ وجہ کافی نہیں ہے؟" اس کی آنکھوں میں ٹوٹے ہوئے خوابوں کی کرچیاں تھیں جنہیں افضل دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

"وہ پھر بھی جان جائے گی، محلے کے لوگ بتا دیں گے، کوئی رشتہ دار بتا دے گا۔" اس نے جیسے بات ختم کی۔

"تو پھر آپ اسے سمجھا دیجیے گا کہ یہ جو میرا اور آپ کا رشتہ ہے یہ میرا صرف اس گھر میں رہنے کا جواز ہے اور اگر آپ چاہیں تو اس نام نہاد رشتے کو ختم بھی کر سکتے ہیں۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے پلٹ گئی اور افضل دیر تک اس کی پشت کو گھورتا رہا۔ دماغ ماؤف سا ہو رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی، اس کھڑکی سے پرے آسمان کی وسعتوں میں گہرے سیاہ بادل مل کر کوئی سازش کر رہے تھے، انہیں غصہ تھا، وہ گرجنا چاہتے تھے، برسنا چاہتے تھے، ان کے سائے میں ہر شے سیاہ اور بوجھل دکھائی دے رہی تھی۔ تاحد نگاہ عجیب سی اداسی تھی۔

"کیا بات ہے اجالا یوں کمرے میں کیوں بیٹھی ہو؟ تم نے افضل سے بات کی؟ کیا کہتا ہے وہ؟" تائی نہ جانے کب آکر اس کے پاس بیٹھ گئی تھیں۔

"جی تائی بات کی تھی، وہ راضی ہو جائیں گے بس لوگوں سے ڈرتے ہیں۔" اس نے آنسوؤں پر بہت مشکل سے بند باندھے۔

"اللہ کرے کہ راضی ہو جائے، میں نے تو ایک لڑکی بھی پسند کر لی ہے اس کے لیے، ایک پرائیویٹ کالج میں لیکچرار ہے، خوب صورت بھی ہے اور تم دیکھنا یہ جوں ہی ہاں کرے گا میں تمہیں بھی فراغت دلا کر کسی اچھی سی جگہ بیاہ دوں گی۔" تائی کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری تھی، وہ بہت خود غرض ہو رہی تھیں۔

بادل بہت زور سے گرجے تھے، بارش شروع ہو گئی۔ وہ اٹھ کر کمرے کی کھڑکی کی طرف بڑھی۔

"مجھے یہاں سے کہیں نہیں جانا تائی امی، جب امی بابا کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا تب میری ماں کو تو اتنی مہلت

ہی نہیں ملی کہ وہ کوئی ایسی بات کر سکتیں جس کا تعلق مجھ سے ہوتا' لیکن بابا نے میرا ہاتھ افضل کو تھما کر شاید اپنی زندگی کا سب سے بڑا غلط فیصلہ کیا' لیکن اس وقت انہیں یہی بہتر لگا ہوگا' کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا' افضل کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا' بابا کی تدفین کے بعد میں رخصت ہو کر یہاں آگئی۔ اس وقت میری عمر سترہ برس تھی' لیکن میں سمجھ گئی تھی کہ اب یہی شخص میرا سب کچھ ہے۔۔۔۔ خیر زبردستی کے رشتے کبھی قائم نہیں رہتے' افضل کے لیے یہ زبردستی کا رشتہ تھا' میری آپ سے بس ایک درخواست ہے اور وہ یہ کہ مجھے اس گھر سے کہیں نہیں جانا۔" کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے وہ رو رہی تھی۔

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو اجالا' تمہاری موجودگی میں وہ اپنی بیوی کے ساتھ کبھی خوش نہیں رہ سکے گا' اسے یہ احساس ستاتا ہوگا کہ اس کے پیار اور توجہ کی حق دار تم بھی ہو' فی الحال افضل رضا مند ہو جائے بعد کی باتیں بعد میں دیکھیں گے' تم دیکھنا تمہیں کتنا قدر کرنے والا اور پیار کرنے والا شخص ملے گا' تم افضل کو رضا مند کرلو' میں دامن پھیلا کر تمہارے لیے دعائیں مانگوں گی۔" تائی کے چہرے پر انجانی سی خوشی تھی۔ اجالا کو یوں محسوس ہوا جیسے ان کی کوئی برسوں پرانی خواہش پوری ہونے جارہی ہو۔

"کتنا اچھا موسم ہے نا' چائے کے ساتھ پکوڑے بناتے ہیں ساتھ زیرے والی چٹنی۔" وہ باہر کی طرف جاتے ہوئے بولیں' یہ حکم اس کے لیے تھا۔

"جی تائی۔" وہ دوپٹے سے آنسو صاف کرتی ان کے پیچھے کمرے سے باہر نکل گئی۔

پکوڑے بنا کر وہ افضل کو چائے دینے اس کے کمرے میں آئی تو وہ کھڑکی میں کھڑا موسم سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"آپ کے مسئلے کا حل نکل آیا ہے۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"کیا؟" وہ سمجھ گیا کہ وہ کیا بات کرنا چاہتی ہے۔

"ویس نکالا۔۔۔" اس نے گرم گرم پکوڑے اپنے لیے پلیٹ میں نکالے۔

"کس کو؟" اس کا ماتھا ٹھنکا۔

"فکر نہ کریں آپ کو نہیں' آپ کے لیے تائی نے لڑکی پسند کی ہے' لیکچرار ہے اور بقول تائی بہت خوب صورت ہے' آپ کے ہاں کرتے ہی تائی مجھے آپ سے طلاق دلوائیں گی اور پھر مجھے کسی اور جگہ بیاہ دیں گی تاکہ نہ میں یہاں رہوں اور نہ کسی قسم کا کوئی مسئلہ ہو۔" وہ چٹنی ڈال کر اٹھ گئی۔

"کہاں جارہی ہو؟" افضل نے دیکھا اس کی آنکھوں میں پانی تیر رہا تھا اور ہونٹ مسکرا رہے تھے۔

"تائی کے پاس' وہ ٹی وی لاؤنج میں میرا انتظار کررہی ہیں۔"

"اماں نے اپنے بھائی کی بیٹی پسند کی ہے میرے لیے' وہی لیکچرار ہے' کب سے میرے انتظار میں بیٹھی ہے' اماں کی پرانی خواہش تھی اسے بہو بنانا۔" وہ بھی مسکرادیا۔

"آپ کے برابر کی ہے؟" اس نے دل کی بات پوچھ ہی لی۔

افضل نے اسے دیکھا۔ سفید چوڑی دار پاجامے پر نیلی اور سفید پرنٹڈ قمیص اور دوپٹا اوڑھے وہ ہمیشہ کی طرح اس سے بہت چھوٹی لگ رہی تھی۔

"ہاں' مجھ سے صرف تین سال چھوٹی ہے۔۔۔۔ تمہارے لیے تو کوئی ہیرو ٹائپ لڑکا ڈھونڈنا پڑے گا۔۔۔۔ ابھی تم صرف بائیس برس کی ہو' جب ہماری شادی ہوئی تھی تو تم سترہ برس کی تھیں۔۔۔۔ میں ابھی تو چھتیس کا ہو چکا ہوں۔" وہ بات کے آخر میں ہنس دیا' خوب احساس دلایا تھا افضل نے اسے۔

"ہاں جانتی ہوں کہ مس فٹ ہوں۔" وہ بھی مسکراتے ہوئے بولی اور باہر نکل گئی' بجلی بہت زور سے چمکی' افضل نے دیکھا بادل گرجے تھے شاید کسی غریب کے آنگن میں بجلی گری تھی' کہیں بہت نقصان ہوا تھا' اس نے اس کھڑکی کو بند کردیا۔

☆ ☆ ☆

کوئی تعویذ ہو رد بلا کا

میرے پیچھے محبت پڑ گئی ہے
جو بدلنا چاہوں تو بدل نہیں پاتا
مجھے تیری جو عادت پڑ گئی ہے
تجھے اپنا کہنے سے ڈر لگتا ہے
کہ جب سے یہ رقابت پڑ گئی ہے
کوئی تعویذ ہو رد بلا کا

دماغ پھٹنے کو تھا' اماں نے عجیب شرط رکھی تھی' اسے ان کی بھتیجی زویا سے شادی سے پہلے اجالا کو طلاق دینی تھی تاکہ وہ اس کے لیے بھی کہیں رشتہ دیکھ سکیں' اسے اجالا کی اتنی عادت ہوگئی تھی کہ یہ احساس ہی سوہان روح تھا کہ وہ چلی جائے گی۔ اسے کھانا دینا' کپڑے دھونا' استری کرکے دینا' غرض اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتی تھی' شاید وہ اپنی طرف سے اچھی بیوی بننے کی ہر ممکن کوشش کررہی تھی۔

"اجالا۔۔۔" دل جیسے آنسو بہا رہا تھا' یہ نام پانچ برس پہلے اس کے نام کے ساتھ جڑا تھا۔

"میرا اور اس کا ساتھ کتنا بے جوڑ ہے اور وہ ہے کہ مجھ سے محبت کا دعوا کرتی ہے' اگر ساتھ رکھتا ہوں تو ظلم' چھوڑتا ہوں تو شاید تب بھی ظلم ہی ہوگا اس پر' میں کروں تو کروں کیا؟ اگر چھوڑ دوں گا تو کتنا عرصہ تنہا رہے گی' اسے کوئی ہم عمر ساتھی مل ہی جائے گا۔۔۔ اتنا فرق تو ہمارے معاشرے میں عام ہے۔" دماغ کچھ کہہ رہا تھا اور دل کوئی اور ہی راستہ دکھا رہا تھا۔

"مجھے ہر حال میں اجالا کی بہتری سوچنی ہے' اس وقت اس کے لیے بہتر یہ ہی تھا کہ میں چاچو کی رحلت سے پہلے اسے اپنے نکاح میں لے لوں' لیکن اب بہتر وہی ہے جو امی کہہ رہی ہیں۔" اس نے اپنے دل کو سمجھایا۔

✡ ✡ ✡

اتوار کا دن تھا۔ وہ ناشتے کے لیے ذرا دیر سے ہی اٹھا تھا' کچن میں امی اور اجالا دونوں ہی دن کے کھانے کی تیاری کررہی تھیں' شاید کوئی خاص مہمان آنے والا تھا۔

"چائے ملے گی؟" وہ ٹی وی لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ گیا' جانتا تھا کہ کچھ ہی دیر میں وہ ناشتا لے کر آجائے گی۔

"بس پانچ منٹ۔۔۔" وہ وہیں سے بولی تھی۔ افضل نے دیکھا' اس کے چہرے پر اداسی پھیلی تھی۔ آنکھوں میں چمک غائب تھی' کسے وہ بہت کمزور بھی لگی۔

"کیا ہوا؟" نہ جانے وہ کب چائے کی ٹرے لے کر اس کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔

"کچھ نہیں۔"

"آج کچھ خاص ہے کیا؟" اس نے بریڈ اور مکھن اپنے آگے کھسکایا۔

"آپ کو نہیں پتا؟" اسے حیرت ہوئی' آنکھوں کا پانی جھلمل کرنے لگا۔

"کیا؟" جیسے اسے طوفان کی خبر ہی نہ تھی۔

"آج آپ کے ماموں ممانی آرہے ہیں' اور انہی کے توسط سے میرے لیے رشتہ بھی' آپ کی کزن زویا بھی آرہی ہیں' بس اب دو تین دن کی بات ہے' میں اجالا افضل سے پھر اجالا رفیق بن جاؤں گی اور پھر نہ جانے کس کا نام ساتھ لگائیں گے آپ لوگ۔" اپنی بات کا آخری جملہ اس نے بہت بے بسی سے ادا کیا تھا۔

"اجالا۔۔۔!" اس کے منہ سے جیسے سسکی سی نکلی' پہلی بار دل کو تکلیف ہوئی۔

"ہاں افضل تم نے کسی وکیل سے بات کی۔" تائی نہ جانے کب آئی تھیں۔

"ماں! مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہا' اجالا یہاں رہے گی اور میں اسے طلاق دوں گا تو لوگ باتیں کریں گے' طلاق کے بعد کے دن وہ کہاں رہے گی۔۔۔ ماں۔" وہ جیسے بے بس ہوکر رہ گیا۔

"فکر نہ کرو بھائی کہہ رہے تھے کہ وہ اجالا کو ساتھ لے جائیں گے اور پھر جب اس کی عدت کے دن مکمل ہوں گے تو تمہاری اور زویا کی رخصتی بھی ہوجائے گی اور اجالا کی شادی بھی۔۔۔ اس لڑکے سے کچھ نہیں چھپایا' سب کچھ بتایا ہے' یتیم بچہ ہے بے چارہ' شکیل

مل میں مزدوری کرتا ہے۔" تائی امی کے لہجے میں ہمدردی تھی' افضل سیدھا ہو بیٹھا۔

"مزدور...؟" اس نے دیکھا اجالا چائے کا کپ ہاتھوں میں لیے سکون سے بیٹھی تھی جیسے اسے کوئی فرق نہ پڑتا ہو کہ وہ مزدور ہو یا کوئی لینڈ لارڈ۔

"ہاں تو اس میں ایسی کیا بات ہے؟ محنت کرتا ہے' اپنی اجالا کی قسمت ہوئی تو ترقی بھی کرے گا۔" ان کے لہجے میں اس کے لیے ہمدردی تھی' افضل کو پہلی بار محسوس ہوا کہ وہ صرف ہمدردی کی نہیں بلکہ پیار کی مستحق ہے۔

☼ ☼ ☼

زوبیا کے ساتھ جو رشتہ بننے جا رہا تھا' اس کی سب کے نزدیک بہت اہمیت تھی' لیکن خود افضل کو کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ آفس سے واپس لوٹا تو اجالا ہمیشہ کی طرح کچن میں تھی۔ ڈرائنگ روم میں کچھ مہمان آئے بیٹھے تھے۔

"آپ کے لیے کھانا گرم کروں؟" اس کا چہرہ جھکا ہوا تھا اور آواز رندھی ہوئی تھی۔ افضل کے دل کو کچھ ہوا' کتنی دکھی رہنے لگی تھی وہ۔

"یہ ڈرائنگ روم میں کون لوگ ہیں؟" اس نے فریج کھول کر جائزہ لیا۔

"وہی جو زوبیا جی کے توسط سے میرے لیے آئے ہیں' افضل پلیز مجھے کسی اور کے ساتھ مت باندھیں' پلیز' میں آپ کے علاوہ کسی اور کا تصور بھی نہیں کر سکتی... آپ سمجھ رہے ہیں نا؟" وہ اس کے قریب آکر منت کرنے لگی' اس کے دونوں ہاتھ بندھے تھے' بس وہ ایک لمحہ تھا جب اس کے دل نے اسے سیدھی راہ دکھائی تھی' وہ اسے بازو سے پکڑے اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی زوبیا کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے تھے۔

"یہ کیا بچپنا ہے اجالا؟" اس نے کمرے کا دروازہ بند کیا اور اس کے سامنے آکھڑا ہوا' دل جو خوش فہم ہو چلا تھا' لرز گیا۔

"مگر اس نے ابھی مجھے طلاق دے دی تو؟" اور اس سے آگے کچھ سوچا ہی نہیں گیا۔ وہ ایسے پتے کی طرح لرزنے لگی جیسے طوفان سے شدید خطرہ ہو۔ وہ اسے دونوں شانوں سے پکڑے ہوئے تھا۔

"پلیز افضل کچھ مت کہیے گا... مجھے ڈر لگتا ہے۔" اس نے آنکھیں میچ لیں' افضل کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی' اس نے اس خوفزدہ لڑکی کو دیکھا وہ واقعی بہت بھولی تھی' وہ جو بہت سوچ سمجھ کر پیش قدمی کرنے جا رہا تھا' وہیں رک گیا۔

☼ ☼ ☼

رات دھیرے دھیرے بیت رہی تھی' اجالا کو بہت تیز بخار تھا اور وہ اپنے کمرے میں اکیلی تھی۔ تائی اور زوبیا کچھ دیر اس کے پاس رکی تھیں پھر اس نے انہیں یہ کہہ کر بھیج دیا کہ اب وہ ٹھیک ہے۔

"مجھے اس سے کھل کر بات کرنی ہوگی' اسے سمجھانا ہوگا۔" وہ سگریٹ کا ٹکڑا ایش ٹرے میں مسل کر اٹھ گیا۔ اس کے دروازے پر ہلکا سا ناک کر کے اندر داخل ہوا تو وہ کارپٹ پر بیٹھی تھی' آنکھیں شدت گریہ سے سرخ ہو رہی تھیں' اس نے گھٹنوں سے چہرہ اٹھا کر دیکھا' وہ واقعی اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"آپ...؟" اس نے دوپٹے کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ افضل نے سائیڈ ٹیبل سے اس کا دوپٹا اٹھا کر اس کی سمت بڑھا دیا۔

"آپ یہاں؟" اس نے دوپٹا اچھی طرح اوڑھ لیا۔

"ہاں میں' تمہیں کچھ سمجھانے آیا ہوں' ڈرو نہیں۔" وہ اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا۔

"مگر کوئی آگیا تو؟" اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔

"تو؟ بیوی ہو تم میری۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا' پہلی بار اس نے یہ اعتراف کیا تھا۔ اجالا سمجھی کہ وہ مذاق کر رہا ہے۔

"اجالا! مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں' شاید

مجھے یہ باتیں بہت پہلے تم سے کرلینی چاہیے تھیں' خیر ابھی بھی کوئی زیادہ دیر تو نہیں ہوئی۔" وہ تمہید باندھ رہا تھا'اس کا دل دھڑدھڑ کرنے لگا۔

"اجالا! میری اور تمہاری شادی جن حالات میں ہوئی' تب وقت کا تقاضا یہ ہی تھا کہ ہم دونوں اس رشتے میں بندھ جائیں' وقت ایسا تھا کہ مجھے بھی خاموشی سے یہ سب کرنا پڑا' مجھے اسی وقت اس بات کا احساس تھا کہ تم بہت چھوٹی ہو' اسی لیے میں نے امی سے کہہ دیا کہ اجالا ابھی میرے ساتھ نہیں رہے گی' وہ بھی اس شادی سے خوش نہیں تھیں اس لیے انہوں نے اعتراض نہیں کیا' نہ مجھے کچھ سمجھایا اور نہ تمہیں' وقت گزرتا رہا' اب تو تم اس رشتے کے تقاضوں سے اچھی طرح واقف ہو' اپنی تعلیم مکمل کرچکی ہو' گھر کے تمام کام سیکھ چکی ہو' امی کو چاہیے تھا کہ ہمیں سمجھائیں' لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ ہماری جدائی کے بارے میں ہی سوچا' ہماری عمروں کا جو فرق ہے' شروع میں' میں بھی یہ ہی سوچتا رہا کہ یہ بہت زیادہ ہے' لیکن اگر محبت ہو' ایک دوسرے کی عادت ہو تو یہ فرق کوئی معنی نہیں رکھتا' تم مجھ سے چھوٹی ہو' بالکل معصوم سی گڑیا' میں تمہیں بہت سنبھال کر رکھنا چاہتا ہوں' میں نے تم سے جدائی کا سوچا تو صرف اس لیے کہ تم مجھ سے بہت چھوٹی ہو' تمہیں کوئی ہم عمر ساتھی مل سکتا ہے' لیکن اس روز جب تم نے میرے آگے ہاتھ جوڑے تو میں سوچ میں ڈوب گیا۔

ہم عمر ساتھی زیادہ ضروری نہیں ہوتا بلکہ محبت کا جذبہ زیادہ اہم ہوتا ہے' میری یہ چھوٹی سی گڑیا مجھ سے بہت محبت کرتی ہے' اس روز مجھے احساس ہوا کہ بہت ظلم کرنے جارہا تھا تمہارے ساتھ' سچ پوچھو تو مجھے بھی تمہاری عادت ہوچکی ہے' میں تمہیں اپنے کمرے میں یہ سب سمجھانے کے لیے لے کر گیا' لیکن تم ڈر گئیں' شاید تم۔۔۔" اس نے بات ادھوری چھوڑی۔ وہ اس کی ادھوری بات کا مطلب سمجھ کر فوراً بولی تھی۔

"نہیں افضل۔۔۔ مجھے اپنے اور آپ کے رشتے سے ڈر نہیں لگتا بلکہ اس بات کا ڈر تھا کہ کہیں آپ مجھے طلاق نہ دے دیں' اس لیے۔" اس نے وضاحت پیش کی۔

"اچھا۔" وہ معنی خیزی سے ہنسا۔

"اب۔۔۔ اب کیا ہوگا؟" وہ آنسو صاف کرنے لگی۔

"تم نے تو اچھا خاصا بخار چڑھالیا ہے اور مجھے اب تمہارا بخار چڑھ گیا ہے' سوچنا پڑے گا۔" وہ مسکرانے لگا۔

"آپ بھی؟" اسے بے یقینی تھی۔ افضل نے اثبات میں سرہلادیا۔

"ہاں' شاید اسی دن سے جب تم میری بیوی بن کر اس گھر میں آئی تھیں' یہ محبت ہی تھی جو میں نے تمہیں اس نئے رشتے کی ذمہ داریوں میں باندھنے کی بجائے' پڑھنے کا موقع دیا' اس رشتے کی اہمیت کو سمجھنے کا موقع دیا' لیکن احساس نہیں تھا' احساس تو اس روز ہوا جب امی نے تمہارے لیے رشتے کا بتایا' تم نے کہا تمہیں دیس نکالا دے دیا جائے گا' کون دے گا دیس نکالا' تم میری بیوی ہو' میری مرضی کے بغیر کوئی تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا' تمہیں جانے نہیں دوں گا' کہیں نہیں' کبھی نہیں۔" اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا' بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

"اور زویا جی؟" اسے دوسروں کی فکر ستا رہی تھی۔

"کیا کروں بے چاری کا دل رکھنا پڑے گا' اب۔" اس نے اسے چھیڑا۔

"خون پی جاؤں گی میں۔" وہ دہاڑی' افضل کو اس کا یہ انداز بہت منفرد بہت اچھا لگا' اپنا حق جتاتی وہ بہت قریب لگی تھی دل کے۔

"ایک بات کہوں' زویا سمجھ دار لڑکی ہے' وہ سمجھ جائے گی۔" اس نے دوسرے ہاتھ سے اس کے ماتھے کے بال پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"اور تائی؟" آنکھوں میں خوف کے سائے تھے۔

"کچھ بھی نہیں ہوگا اجالا بس سیدھی سیدھی بات کروں گا' کوئی کچھ کہہ ہی نہیں سکے گا' بس تم وہ کرنا جو میں کہوں۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے

بولا۔
"میں تو پہلے بھی وہی کرتی ہوں جو آپ کہتے ہیں۔" اس نے معصومیت سے کہا۔
"لیکن اب بات ہی کچھ ایسی ہے کہ تمہیں ماننی پڑے گی۔" وہ شرارتی ہو رہا تھا۔ اجالا نے اس کا ہاتھ ہٹایا۔
"ٹھیک ہے' اب آپ جائیں۔" وہ مان گئی۔
افضل نے اس کے بال بکھرائے اور اٹھ گیا۔
"ایک بات کہوں؟" وہ سامنے آکھڑی ہوئی۔
"یار تم تو قد میں بھی مجھ سے بہت چھوٹی ہو۔" وہ ہنسا۔
"آپ مجھے اپنے دوستوں وغیرہ سے ملوائیں گے نا' میرا مطلب ہے آفس کی پارٹیز میں جب سب اپنی بیویوں کو لے کر آتے ہیں تو۔۔۔۔" کتنا شوق تھا اسے مسز افضل کے طور پر پہچانے' جانے کا۔ افضل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆ ☆ ☆

"آدھے گھنٹے میں تیار رہنا افضل' وکیل صاحب آجائیں گے' کاغذی کارروائی ہو جائے تو میں اجالا کو بھائی صاحب کے ہاں بھجوا دوں گی۔" وہ سیڑھیاں اتر رہی تھی جب تائی کی آواز سنائی دی۔ افضل نے گردن گھما کر دیکھا' وہ سراسیمہ نظروں سے اسی کو دیکھ رہی تھی۔
"اجالا اپنا سامان باندھو تم۔" اس کے لہجے میں سختی تھی' تائی کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری تھی۔
"جی؟" اس کا دل لرز اٹھا' وعدہ کیا تھا سو نبھانا تھا۔
"اپنا سامان باندھو۔" وہی حکم دوبارہ سنایا گیا۔
"کیا یہ سب ٹھیک ہے؟" زوبیا نے خود سے سوال کیا۔
وہ اپنے کپڑوں اور کتابوں کا بیگ باندھ کر آئی تو سب وہیں جمع تھے' وکیل صاحب کے بارے میں ہی باتیں ہو رہی تھیں۔
"اجالا۔۔۔!" زوبیا نے اس کی سمت اشارہ کیا۔ افضل اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔
"اتنی جلدی بھی کیا تھی بے چاری کو سامان باندھنے کو کہہ دیا۔ وکیل صاحب آتے تو پھر ہو جاتا سامان بھی بند۔" تائی نے جیسے اس کی ہمدردی کی تھی۔
"وکیل صاحب نہیں آرہے امی' میں نے انہیں منع کر دیا ہے' ان کی ضرورت نہیں ہے۔" اس کے لہجے میں سنجیدگی تھی' سختی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئیں۔
"کیا مطلب؟"
"اجالا تم یہاں آؤ۔" اس کے حکم کی دیر تھی وہ اس کے پاس آگئی۔
"اپنا سارا سامان میرے کمرے میں لے جاؤ' میں نے وارڈ روب میں جگہ بنا دی ہے تمہارے کپڑوں کے لیے اور بک شیلف میں کتابوں کے لیے بھی۔" اس نے حکم سنایا وہ بیگ اٹھا کر چل دی' تائی اپنی جگہ ساکت کھڑی تھیں' زوبیا کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری تھی۔ وہ افضل کو چاہتی تھی' لیکن اس طرح اجالا کو برباد کرنے کے بارے میں اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔
"یہ سب کیا ہے افضل؟" وہ پہلی بار اتنی بلند آواز میں بولی تھیں۔ ان کا سارا منصوبہ ناکام ہو گیا تھا۔
"یہ ہی سب ٹھیک ہے امی۔ آپ نے ہم دونوں کے درمیان کے فاصلے کم کرنے کی بجائے مزید بڑھائے' آپ نے ہمارے درمیان جدائی ڈالنے کی کوشش کی' طلاق وہ لفظ ہے جس سے یہ ساری کائنات کانپ اٹھتی ہے' آپ نے اتنی آسانی سے یہ بات کی جیسے کوئی گڑیا گڈے کا کھیل ہو۔ امی زوبیا کے سامنے میں اس لیے شرمندہ ہوں کیونکہ اسے میری وجہ سے آس بندھی' زوبیا مجھے معاف کر دو اجالا میری بیوی ہے' میں اسے چھوڑ نہیں سکتا' وہ چھوٹی ضرور ہے' لیکن میرے لیے وہ بہت ضروری ہے' مجھے اس کی عادت ہے اور سب سے بڑھ کر وہ مجھے بہت عزیز ہے امی آپ نے تو اتنی بڑی بڑی باتیں کر دیں میرے

سامنے، میرے ہی سامنے میری بیوی کے رشتوں کی تلاش کی، اس کے لیے لڑکا پسند کیا۔ میں اتنا بے غیرت نہیں کہ اپنی عزت کو یوں دوسروں کے سامنے لاؤں، آج سے اجالا میرے ساتھ ہی رہے گی، زویا پلیز مجھے معاف کر دینا۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا جہاں وہ اس کی منتظر تھی۔

اس نے دروازہ لاک کیا تو وہ وارڈ روب کا دروازہ بند کر کے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"میں کس طرح آپ کا شکریہ ادا کروں، میں نے صرف یہ چاہا تھا کہ میں آپ کے سوا کسی اور کے ساتھ نہیں رہ سکتی، آپ کو زبردستی یہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا۔" وہ رو دی۔

"نہیں کسی نے کوئی زبردستی نہیں کی، میں نے اپنے دل کے کہنے پر ایسا کیا۔" اس نے اپنی انگلیوں کی پوروں سے اس کے آنسو صاف کیے۔

"ایسا کب ہوا؟" وہ متجسس تھی۔

"جب سے میں نے اپنی بیوی کو غور سے دیکھنا شروع کیا ہے تب سے۔" اس نے اجالا کا ہاتھ تھام کر اسے کرسی پر بٹھایا اور خود اس کے سامنے گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا۔

"یہ رشتہ بہت خوب صورت ہے اجالا، رب نے بہت پیار سے بنایا ہے اس رشتے کو، اس لیے اس میں پیار کے علاوہ اور کچھ ہونا بھی نہیں چاہیے۔" اس نے اس کے ہاتھوں پر گرفت مضبوط کی۔

"باہر سب کیا سوچیں گے؟" اسے فکر ہوئی۔

"سوچنے دو، پہلے ہی بہت وقت ضائع کر دیا۔ زویا سمجھ گئی ہے اور امی بھی سمجھ جائیں گی، زندگی میری اور تمہاری ہے، اسے ہمیں سنوارنا ہے، دوسروں کی فکر چھوڑ دو۔" وہ سمجھا رہا تھا اور وہ اس کی ہر بات سمجھ رہی تھی۔

"تائی ناراض تو نہیں ہوں گی نا؟" اس نے معصومیت سے سوال کیا۔

"وہ میری ماں ہیں اجالا، اگر تم پر غصہ ہوں گی تو میں ناراض ہو جاؤں گا، پھر انہیں اپنا رویہ ٹھیک کرنا ہی پڑے گا، ویسے بھی اس میں تمہارا کیا قصور؟ تم تو ان کی ہر بات مان رہی تھیں، انہیں زویا سمجھا دے گی۔" اس نے اٹھ کر وارڈ روب کا جائزہ لیا۔

"اس کمرے میں آنے کے لیے تمہیں ایک بار پھر دلہن بننا چاہیے تھا۔" وہ شوخ ہوا۔

"تو پھر میں چلی جاتی ہوں، کل دلہن بن کر آ جاؤں گی۔" وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی۔ افضل نے اسے کلائی سے تھام لیا۔

"اب نہیں، یہ ہی تمہارا اصل ٹھکانہ ہے، کل کا انتظار کون کرے گا؟ ابھی تو اس ننھی سی گڑیا سے دوستی کی شروعات ہے۔" وہ پہلی بار اتنا کھل کر ہنسا تھا۔

"صرف دوستی؟" وہ ناراض ہوئی منہ پھلا لیا۔

"نہیں... پیار بھی... پہلے پیار پھر دوستی۔" اس نے پوری سچائی سے کہا۔ اجالا نے اس کی بات پر ایک اطمینان بھری سانس بھری۔

"اللہ نے یہ رشتہ بہت خوب صورت بنایا ہے، یہ ہم انسانوں پر ہے کہ ہم اسے کتنا مضبوط اور پائیدار بناتے ہیں، یہ مضبوط تب ہی ہوگا جب پیار اور دوستی کا جذبہ ہوگا، تم مجھ سے چھوٹی ہو، مجھے تم سے دوستی کرنی ہے اور اس رشتے کی ساری خوب صورتیوں کے بارے میں تمہیں بہت کچھ سکھانا ہے۔" وہ ایک ایک لفظ سچ کہہ رہا تھا۔

"بہت شکریہ افضل آپ نے مجھے خود سے علیحدہ نہیں کیا۔" وہ اس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

"اوں ہوں، تمہاری جگہ یہاں ہے۔" اس نے اسے اٹھا کر اپنے ساتھ لگایا۔

"جانتی ہو عورت اس مضبوط قلعے کے حصار میں خود کو بہت محفوظ سمجھتی ہے، آج سے میری گڑیا بھی محفوظ ہو گئی۔" اس نے اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔

اجالا نے سکون سے آنکھیں موند لیں، وہ واقعی بے حد محفوظ ہو گئی تھی۔

☆ ☆

مبشرہ انصاری

دکھ جو اپنے حصے کا ہے' سہنا ہوگا
ہنسنا ہوگا اور خاموش بھی رہنا ہوگا

پھر جناب کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ خوب بادل امڈ کر آئے' گھپ اندھیرا۔

"یا الٰہی! سورج نہیں نکلا۔۔۔ روز محشر آگیا کیا؟"
ماہین بڑی بے چینی سے کھڑکی میں کھڑی آسمان کو تکنے لگی تھی۔ بجلی کڑک رہی تھی اور کڑک بھی ایسی' الٰہی توبہ۔ آسمان جیسے سارا کا سارا چیر گیا ہو۔ بے حد ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں' درخت اور پودے ایک ساتھ بڑے مزے سے جھوم رہے تھے۔ موذن کی خوب صورت آواز میں اذان ہو رہی تھی۔

"اس ابر کو بھی آج ہی برسنا تھا؟" وہ پریشانی کے عالم میں وارڈ روب کھول کر کپڑوں کا جائزہ لینے لگی حالانکہ ابھی صبح کے چھ بجے تھے لیکن اس کی بے چینی ہر گزرتے پل کے ساتھ بڑھتی جارہی تھی۔ ہلکے نارنجی سوٹ کو ہینگر سے اتار کر بیڈ پر پھینکتے ہی اس کی نظر موبائل پر پڑی اور وہ کچھ سوچتے ہوئے نہایت ہی پھرتی سے موبائل کی طرف لپکی تھی۔ پہلی ہی بیل پر کال ریسیو کرلی گئی تھی۔

"محرم! اتنے زوروں کی بارش برس رہی ہے۔۔۔ مجھے نہیں لگتا کہ میں آج گھر سے باہر نکل پاؤں گی۔"

"ہوں۔۔۔ کچھ نہیں ہوگا۔ میں ابھی نکلتا ہوں' تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

"لیکن محرم۔۔۔" فون بند کردیا گیا اور اسے ایسا لگا جیسے اس کی سانسیں تھمنے لگی ہیں۔ وہ خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے پریشانی سے مٹھیاں بھینچنے لگی۔

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد موبائل اسکرین پر محرم کا نام بلنک کرنے لگا تو وہ تقریباً" دوڑتی ہوئی کھڑکی تک پہنچی اور باہر کا جائزہ لینے لگی۔ ریڈ کلر کی اسپورٹس کار عین کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکن زوروں سے دھڑکنے لگی۔ سانس لینا محال ہوگیا۔ پریشانی کے عالم میں اس کی دمکتی رنگت سرخ ہونے لگی تھی۔ ہینڈ بیگ سنبھالتے ہوئے اس نے ایک بھرپور نگاہ اپنے کمرے پر ڈالی اور دو ننھے سے قطرے اس کی آنکھوں سے چھلک پڑے۔ خود کو سنبھالتے ہوئے وہ بڑی آہستگی سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی۔ بڑے سبج سبج کر اس نے سیڑھیوں پر قدم جمائے اور بہت ہی خاموش قدموں سے پہلی سیڑھی سے آخری سیڑھی تک کا سفر طے کیا۔ خوف زدہ نگاہیں لاؤنج کے چاروں جانب گھوم رہی تھیں۔ ہر بڑھتے قدم پر پچھلی چیزوں سے رشتہ ٹوٹ رہا تھا۔ اس گھر کی ڈیکوریشن اس نے بڑے پیار اور چاؤ سے کی تھی۔ ہر چیز وہ اپنی پسند سے لے کر آئی' اسے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے لاؤنج میں موجود ہر چیز بین کر رہی ہے۔ اسے جانے سے روک رہی ہے۔ ہر اٹھتا قدم من بھر کا ہو چلا تھا۔ آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہ لے رہے تھے۔ بیرونی دروازے تک پہنچ کر دروازے کے عین بیچ میں کھڑے ہو کر اس نے پورے گھر کو اشک بھری نگاہوں سے الوداع کہا اور تیزی سے قدم باہر کی جانب بڑھا دیے۔

☆ ☆ ☆

"ماہین۔۔۔ ماہین۔۔۔" زبیر تیزی سے ایک کمرے سے دوسرے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"رحمو۔۔۔ کیا تم نے ماہین کو دیکھا ہے؟"

"نہیں صاحب جی۔۔۔ ان کو تو صبح سے نہیں دیکھا۔"

"اچھا۔۔۔" زبیر کی بے چین نظریں ماہین کو ادھر ادھر ڈھونڈ رہی تھیں۔

"زینت۔۔۔ ماہین نے ناشتا کیا تھا؟"

"نہیں جی! وہ شاید ابھی تک نیچے نہیں آئیں۔"

"کہاں چلی گئی۔" وہ اجاڑ حلیے کے ساتھ دوبارہ اس کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ دراز' سائیڈ ٹیبل' الماری کہیں بھی تو کچھ نہیں تھا۔ اس نے اس کی تصویر اٹھائی اور بیڈ پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔

"کہاں چلی گئیں تم ماہین۔۔۔ تم اپنے بھائی کو نہیں سمجھ پائیں۔"

"محرم۔۔۔" ایک ٹیس سی اس کے دل میں اٹھی تھی اور پھر ایک نام۔۔۔ محرم کا نمبر کہیں نہیں تھا۔ ڈائری میں ایک جگہ کومل کا نمبر لکھا تھا۔

"کومل! کیا تم جانتی ہو ماہین کہاں ہے؟"

"کہاں ہے مطلب زبیر بھائی۔۔۔ کیا وہ گھر پر نہیں ہے؟"

"نہیں کومل! وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے۔"

"کہاں؟"

"وہی تو میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔"

"نہیں زبیر بھائی۔۔۔ باخدا میں نہیں جانتی اور میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ اس نے اتنا بڑا قدم کیسے اٹھایا۔"

"اچھا تمہارے پاس محرم کا نمبر ہے؟"

"جی شیور۔۔۔" دوسری طرف سے بلا تامل نمبر لکھوا دیا گیا۔

"تھینک یو۔۔۔" اس نے مشکور ہو کر فون رکھ دیا۔

پچھلے کئی دنوں سے ماہین' زبیر سے کلام نہیں کر رہی تھی' بس کمرے میں رہتی یا تھوڑی بہت دیر کے لیے باہر چلی جاتی۔ محرم اور ماہین یونیورسٹی فیلو تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے بلکہ ایک دوسرے سے شادی کرنا چاہتے تھے جب زبیر کو یہ اطلاع ملی تو وہ کافی برہم ہوا اور ماہین کو خوب ڈانٹ پلادی۔

"میں نے تم کو یونیورسٹی پڑھنے بھیجا تھا' رشتہ تلاش کرنے نہیں۔۔۔ یہ کام میں تم سے بہتر کر سکتا ہوں' اور اگر تم اپنے دل کو قابو نہیں رکھ سکتیں تو گھر پر بیٹھو۔۔۔" ماہین نے ضد کی تو بڑے بھائی ہونے کے ناطے زبیر نے اپنا حق جتایا اور اس کا یونیورسٹی جانا بند کروا دیا۔ ماہین کے لاکھ سمجھانے کے باوجود نہ مانا تو آخر کار اس نے اتنا بڑا قدم اٹھانے کی ٹھان لی۔

بس ایک ہی خواہش تھی کہ ماہین اچھا پڑھ لکھ جائے اور پھر کسی نیک لڑکے سے اس کی شادی ہو جائے لیکن قدرت کو شاید کچھ اور ہی منظور تھا۔ پیار اندھا ہوتا ہے یا تو ہوتا نہیں اور اگر ہو جائے تو دنیا کی تمام چیزیں تمام رشتے اس کے آگے ماند پڑ جاتے ہیں۔ محبت کی ابتدا میں بنے گئے خواب اس بچے کے خواب سے ذرا ہی مختلف ہوں گے جو مٹی پیروں میں بھر کے مسجد کے احاطے میں چھپ جائے پھر ذرا ذرا جھانک کر ڈھونڈ لینے والے کو تاکے پھر کوئی بڑی زور سے اس کو پکارے۔۔۔ اس کو اس کی غلطی کا احساس دلائے مگر وہ لاعلم رہے۔ اپنی کوتاہی سے' بس مسکراتا رہے اور لاپرواہ اٹھلاتا رہے۔ کسی کا محب بھی پیروں میں آرزوؤں کی خاک لیے سیدھا دل میں گھس آتا ہے دل بھی تو کم نہیں کسی عبادت گاہ سے۔۔۔ مسجد میں خدا رہتا ہے تو دل بھی تو اس کا گھر ہے۔۔۔ ہاں بس اتنا ضرور ہے آپ کسی اور کو بھی دل کے کسی کونے میں جگہ دے دیتے ہیں' شاید یہی اصل کوتاہی ہے۔ انسان کوتاہی' فاش غلطی' محب بھی صحن دل کی بے فکری کو فکروں سے تھوڑا ہوا بنا دیتا ہے۔ اپنے پیروں کی خاک وہیں جھاڑ کر جہاں دل کرے وہاں کی راہ لیتا ہے اور اس کی جھاڑن وہیں دیواروں سے ٹکراتی رہتی ہے۔ آنکھوں میں دھندلاہٹ بھرتی ہے' نمکین خون شریانوں کے ذریعے رستا ہے کہ کون صحن دل کو جھاڑے کہ وہی جھاڑن تو کسی کا اوڑھنا بچھونا بن جاتی

ہے وہی خاک، خاک خموشاں سے ذرا قبل روح کو جھنجوڑ دینے والی خاک۔۔۔

کوئی زنجیر ہو
آہن کی، چاندی کی، روایت کی
محبت توڑ سکتی ہے
یہ ایسی ڈھال ہے جس پر
زمانے کی کسی تلوار کا لوہا نہیں چلتا
یہ ایسا شہر ہے جس میں
کسی آمر، کسی سلطان کا سکہ نہیں چلتا
یہ آئینہ نہیں چلتا
یہ ایسی آگ ہے جس میں
بدن شعلوں میں جلتے ہیں تو روحیں مسکراتی ہیں
یہ وہ سیلاب ہے جس کو
دلوں کی بستیاں آواز دے کر خود بلاتی ہیں
یہ جب چاہے کسی بھی خواب کی تعبیر مل جائے
جو منظر بجھ چکے ہیں ان کو بھی تنویر مل جائے
دعا جو بے ٹھکانہ تھی اسے تاثیر مل جائے
کسی رستے میں رستہ پوچھتی تقدیر مل جائے
محبت روک سکتی ہے سمے کے تیز دھارے کو
کسی جلتے شرارے کو فنا کے استعارے کو
محبت روک سکتی ہے کسی گرتے ستارے کو
یہ چکنا چور آئینے کے ریزے جوڑ سکتی ہے
جدھر چاہے یہ باگیں موسموں کی موڑ سکتی ہے
کوئی زنجیر ہو
اس کو محبت توڑ سکتی ہے۔

☆ ☆ ☆

اللہ کہتا ہے۔۔۔ میرے بندے! میں نے تجھ کو دو آنکھیں دیں اور تو ان آنکھوں سے دیکھ جو تجھ پر حلال ہے، جب تجھے حرام نظر آنے لگے تو یہ پردہ گرا لیا کر۔ یہ پردہ اس لیے میں نے لگایا ہے کہ اس سے حرام نہ دیکھا جائے۔ ایسے لوگ جب بازاروں سے، گلیوں سے گزر جائیں تو وہ گلیاں محترم ہو جاتی ہیں، وہ بازار روشن ہو جاتے ہیں، چمن سے گزر جائیں تو اس چمن کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔۔۔ زمین و آسمان میں ان کے چرچے ہوتے ہیں۔ اب تو چراغ رخ زیبا سے بھی ڈھونڈو تو یہ لوگ تمہیں کہاں ملیں گے۔۔۔ دنیا اجڑ گئی، انسان مٹ گئے اور مذکر رہ گئے۔ عورتیں مر گئیں، مونث رہ گئی، کچھ مذکر ہیں کچھ مونث ہیں جن کی وہ نشا چلی گئی، وہ مرد اٹھ گئے، وہ عورتیں زیر زمین سو گئیں۔ وہ مرد جا کے مٹی کی چادر اوڑھ کر سو گئے جن کی راتوں کی آہ و بکا عرش کو ہلاتی تھی۔ وہ عورتیں جن کا حیا فرشتوں کو بھی شرما دیتا تھا، ان سے جہاں خالی ہو گیا۔ کوئی کروڑوں میں ایک ہو تو ہو اور ہونا بھی چاہیے ورنہ تو قیامت ہی آجاتی ہے۔ اور آج جو مذکر ہیں اور مونث ہیں۔ انہیں لذتوں کے سوا نفس کی غلامی کے سوا کچھ بھی یاد نہیں ہے۔

ہمارے دل دہل اٹھتے ہیں۔ ہمیں اللہ کا خوف محسوس ہوتا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ یہی خوف خدا محسوس کرنے والا پل اس آخرت کے دن ہمیں بخشوا لے۔ ہم سب کے گناہ معاف فرما میرے مولا۔۔۔

آمین ثم آمین' اس نے Q.T.V پر ایک بڑی بی بی کی دعا سنی تو بہتی آنکھوں کے ساتھ خود بھی ہاتھ رب کے حضور بلند کیے اور دعا کرنے لگی۔ لب مسلسل کانپ رہے تھے اور آنکھوں سے ایک ندی بہہ نکلی۔ دعا کے اختتام کے باوجود وہ کافی دیر تک رب کے حضور ہاتھ بلند کیے سسکتی رہی۔

"اے میرے رب! اب کیا ہوگا؟ میں تیری گناہ گار ہوں... میں تیری معافی کے قابل نہیں' لیکن جانتی ہوں تو بڑا غفور الرحیم ہے... مجھے بخش دے میرے مولا..."

محبت نے کیسے لوٹا تھا اسے' کیسے پاتال میں گرا دیا تھا' روند ڈالا تھا کہ رواں رواں کانپ جاتا۔ اس نے آہ بھر کر گھر کے سونے سونے درودیوار کو دیکھا۔ اب اسے اپنی تنہائی کا خیال تھا۔ بھلا ماسی کب تک اس کے ساتھ رہے گی۔ اپنا گھربار چھوڑ کر کب تک اس کا ساتھ دے گی۔ یہ بھی اس کا احسان تھا کہ اب تک اسے تنہا نہیں چھوڑا تھا' مگر کب تک؟ وہ مزید اس کے ساتھ رہے گی؟ اکیلے گھر میں اپنے اکیلے پن کا خیال انتہائی شدت سے پریشان کر رہا تھا۔

"زبیر بھائی کہتے تھے تمہاری شادی ہو جائے تو مجھے سکون آجائے گا... تم اپنے گھربار کی ہو جاؤ تو میں بھی سکون سے جی سکوں گا اور اب..." اس نے آہ بھری۔

"میری شادی..." اس نے دکھ سے سوچا۔

"محبت کا انجام اتنا بھیانک کیوں ہوتا ہے؟ زبیر بھائی مجھ سے دور ہو گئے' میں انہیں چھوڑ کر آئی اور محرم... اس کی محبت... سب کچھ کھو گیا... نا جانے اتنے سارے لوگوں کا جدا ہونا کیا معنی رکھتا؟ محرم سے شادی کرنا بھی تو میری ضد تھی... میں خود اپنی مرضی سے اس کے ساتھ بھاگی تھی... زبیر بھائی تو بالکل راضی نہ تھے' شاید انہیں پہلے سے کوئی آگاہی تھی کہ محرم میرے لیے ٹھیک نہیں... مگر میں... میں نے اس وقت انہیں اپنا دشمن سمجھا... وہ مجھے سمجھاتے رہے مگر میں اپنی محبت میں اندھی ہو گئی اور ایک نہیں سنی... ان کے خلاف میرے دل میں بدگمانی آگئی تھی' مجھے کیا خبر تھی کہ جدھر قدم میں اٹھا رہی ہوں اس کا اس دربھاری تاوان ادا کرنا پڑے گا۔"

وہ بالکونی میں آگئی۔ نیچے سڑک پر اس وقت ٹریفک کا اژدھام تھا۔ زندگی اپنے جوبن پر رواں دواں تھی۔ لوگ سفر میں تھے' یہ سفر زندگی کا سفر ہے جو جاری و ساری ہے۔ وہ اس ہجوم ---- کو دوڑتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ساری زندگی کسی ہولناک سناٹے کی لپیٹ میں ہے اور اب یہ سناٹا کبھی ٹوٹ نہیں پائے گا۔ زندگی کا جمود غم اور خوشی کے جھٹکوں سے ٹوٹتا ہے اور اس کی زندگی میں اب کوئی خوشی' کوئی امید کہیں نہیں تھی... غم کا ایسا جھٹکا لگا تھا کہ ساری ہستی ہی ٹھٹھر کر رہ گئی تھی۔ اس نے دور افق پر نظر ڈالی۔ آسمان صاف اور چمکیلا تھا۔ موسم کافی بدل گیا تھا۔ وہ بھٹکتی روح کی طرح یہاں وہاں چکرانے لگی۔ دیوانوں کی سی کیفیت کے عالم میں اس نے اپنی دونوں ہتھیلیاں آپس میں ملائیں اور خالی خالی نگاہوں سے اپنی ہتھیلیوں کو تکنے لگی۔

"میرے ہاتھوں کی لکیریں اتنی ٹوٹی ہوئی کیوں ہیں؟ انسان کا اٹھا ایک غلط قدم زندگی بھر کا روگ بن جاتا ہے۔" وہ گہری سانس لیتی ہوئی وہیں زمین پر بیٹھ گئی۔

"چند لمحے... زندگی کے چند لمحے... محض چند لمحے... ان چند لمحوں نے میری ساری زندگی تباہ کر ڈالی... میرے سب سے عزیز اور پیارے رشتے کو مجھ سے چھین لیا۔ محض چند لمحوں میں میری زندگی بدل گئی۔ شاید بدقسمتی اسے ہی کہتے ہیں۔ انہونیاں یونہی ہوتی ہیں۔ میری زندگی میں یہ حادثہ اپنے سیاہ اثرات سمیت تا عمر مجھے شکست دیتا' چلاتا اور تڑپاتا رہے گا۔"

وہ وہیں فرش پر ہی لیٹ گئی اور خالی نگاہوں سے چھت کو گھورنے لگی۔

"میں ایسی تو نہ تھی... میں جانے کیسی تھی... ہر وقت ہنستے بولتے رہنا... وہ مجھے برباد کر گیا... میرے اندر کیا بچا؟ کچھ بھی نہیں... مگر ایسا کیوں ہوا؟ مجھے اس کا جواب نہیں ملتا۔ لوگ کہتے ہیں میں عجیب لڑکی ہوں... میں کیا کروں؟ میرے من میں بہت کچھ ہے

جو ہر وقت باہر نکلنے کو بے تاب رہتا ہے.... مگر اب میں اک سمندر ہوں' ایسا سمندر جس کے سینے میں بہت سے راز دفن ہیں مگر وہ راز اب راز ہی رہیں گے کیوں کہ سمندر تو کسی کا راز افشاء نہیں کرتا۔" اس نے آنکھیں موند لیں تھیں شاید وہ من ہی من میں خود سے باتیں کرتی تھک گئی تھی۔ اسے سکون کی تلاش تھی لیکن....

☼ ☼ ☼

"ماہین کہاں ہے محرم درانی؟" دو مہینے کی ٹرائی کے بعد زبیر کی بات محرم سے ہو پائی تھی۔ اس کی حالت غیر ہو چکی تھی۔ دو مہینے سے پاگلوں کی طرح اپنی بہن کی تلاش میں ادھر ادھر مارا مارا پھر رہا تھا۔ روٹی کا ایک نوالہ اس کے حلق سے نہیں اترتا تھا۔ نقاہت کے مارے ہاتھ پاؤں بالکل ڈھیلے پڑ گئے تھے۔

"ماہین....؟"

"ماہین دو مہینے سے گھر سے غائب ہے.... میں نے اس کو ہر جگہ ڈھونڈا ہے۔ وہ تمہارے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں جا سکتی۔"

"زبیر بھائی! آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں.... میں اس سے محبت کرتا ہوں مگر آپ کا بھی ادب لحاظ کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کس کا کیا مقام ہے' میں کبھی آپ کو اس طرح کی ایذا پہنچانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"دیکھو محرم! میرا اور امتحان مت لو...."

"بی لیو می.... میں نہیں جانتا وہ کہاں ہے؟ آپ فکر نہ کریں.... میں اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہوں۔" فون کھٹ سے بند ہو گیا اور زبیر نا جانے کتنی دیر تک ہیلو ہیلو کرتا رہا۔ دوبارہ نمبر ڈائل کرنے پر سیل آف ملا تو وہ کسی ہارے ہوئے مجرم کی طرح صوفے پر ڈھے سا گیا اور چھت کو گھورنے لگا۔

"تم نہیں جانتیں.... نا جانے تم کہاں ہو.... محرم نے کہاں چھپا کے رکھا ہے تمہیں.... ایک بار.... صرف ایک بار اپنے اس بد قسمت بھائی سے رابطہ

کرو... صرف ایک بار..." اس نے اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ اس کا سر صوفے پر لڑھک گیا' بھر بھری مٹی کی طرح۔

* * *

"رونے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا یا تو تمہیں اسے مار کر کہیں پھینکنا ہوگا یا پھر کسی کو دے دینا ہوگا جب ایک قدم غلط اٹھ جائے تو راستہ ہی بدل جاتا ہے۔ کانٹے تو چبھتے ہیں... افسوس کہ یہ احساس بعد میں ہوتا ہے۔"

"کبھی نہیں... میں... میں ایسا نہیں کر سکتی۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ماسی ماہین کو روتا ہوا چھوڑ کر گھر کے کاموں میں مصروف ہوگئی اور اس کے دل میں پہلے سے بھی بڑھ کر خوف چھوڑ گئی۔ ماسی اس کے آرام اور کھانے پینے کا خیال رکھتی تھی' لیکن وہ خود غریب عورت تھی۔ وقت بیت رہا تھا اور اس کا خوف دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔ ماہین ماسی کے گلے لگ کر رو پڑی۔

"ماسی! میں تو بالکل برباد ہوگئی۔"

"بس اللہ سے دعا مانگ بی بی... اسی سے معافی مانگ... وہ بڑا رحیم ہے... جس کا کوئی نہیں ہوتا اس کا اللہ ہوتا ہے۔ اس سے دعا کر تیری آزمائش ختم ہو۔"

ماسی اسے سمجھاتی اور چپ کراتی رہی۔

"ماسی! میرے لیے اتنا کچھ کیا تم نے... میں کبھی یہ احسان نہیں بھول سکتی... میرے پاس تو کچھ ہے بھی نہیں لوٹانے کو... ہاں یہ گلے کی چین ہے تم رکھ لو... اتنا خرچ کیا تم نے مجھ پر..." اس نے محرم کی دی ہوئی زنجیر اس کی طرف بڑھا دی۔

"یہ کیا کر رہی ہے بی بی..." ماسی نے اس کا ہاتھ پرے کیا۔

"تو میری بیٹی جیسی ہے اور یہ تو اپنے پاس ہی رکھ... تیرے ہی کام آئے گی۔"

اس روز اسے تکلیف شروع ہوئی۔ تکلیف کے ساتھ شدید قسم کا ڈپریشن بھی تھا۔ کبوتر کب تک آنکھیں بند رکھ سکتا ہے' جب بلی دبوچ لیتی ہے تو وہ بھی بلبلا کر آنکھیں ضرور کھولتا ہوگا۔ سو اب جب وقت آیا تو اپنے بچے کے متعلق سوچتے ہوئے شدید ترین مایوسی کا شکار تھی۔ وہ خود تو رل چکی تھی۔ ذلت کی کوئی انتہا نہ تھی جس کا ذائقہ اس نے نہ چکھا ہو۔ لیکن اپنی اولاد کو وہ ہر طرح سے محفوظ دیکھنا چاہتی تھی اور یہ اس کے لیے ممکن نہ تھا۔ یہ سوچ اسے مارے ڈال رہی تھی کہ اس کی اولاد جسے تھوڑی دیر بعد اس دنیا میں آجانا تھا۔ اسے ماہین کے ساتھ اس کے مستقبل میں شریک ہونا تھا۔ شام ڈھلے ماسی آئی لیکن وہ کچھ الجھی الجھی سی تھی۔

"بس ماہین بی بی! ذرا سا مشکل وقت ہے... ہمت سے کام لینا۔" اس نے ماہین کا ہاتھ پکڑ کر تسلی دی۔

"ماسی! میرے بچے کا کیا ہوگا... میں اب مزید زندہ نہیں رہنا چاہتی... اتنی ذلت مجھے گوارا نہیں ہے... میں مر جانا چاہتی ہوں... تم میرے بچے کو بچالینا... تمہیں اللہ کا واسطہ ہے... میں نے بہت دکھ اٹھائے ہیں... مجھ میں اور ہمت نہیں ہے' بس میرے بچے کو بچالینا۔" وہ تڑپ تڑپ کر رو پڑی اور ماسی اسے تسلی دیتی رہی۔

پھر رات گئے وہ وقت بھی آن پہنچا جب اس نے پیاری سی بیٹی کو جنم دیا۔ اس کا روئی کے گالوں جیسا نرم گورا ننھا منا سا بے لباس وجود ماہین کے سامنے تھا' اور اسے اپنا سانس بند ہوتا لگ رہا تھا۔

"بیٹی..." اس نے جیسے سرگوشی میں خود سے کہا۔ اور تڑپ کر رو پڑی۔

"کیوں آئی یہ اس دنیا میں... نہیں میں اسے ماردوں گی... یہ بھی ذلت کی اس پستی میں گرے گی جس میں گری ہوں... ماسی اس کا گلا گھونٹ دو... اسے ماردو..." وہ پاگلوں کی طرح رو رہی تھی۔ ماسی نے اسے بازوؤں سے پکڑ لیا۔

"ماہین بی بی ہوش میں آؤ..." کافی دیر بعد جب اس کی حالت سنبھلی تو ماسی نے آہستہ سے کہا۔

"ماہین بی بی! ایک بے اولاد جوڑا ہے... بہت

بڑے افسر ہیں صاحب۔ وہ بچی کو گود لینا چاہتے ہیں۔۔۔ بہت اچھے اور امیر لوگ ہیں اور بہت ہی خدا ترس بھی۔۔۔ زبردستی نہیں ہے۔ لیکن تم چاہو تو اپنی بیٹی ان کو دے دو۔۔۔ کم از کم وہ دربدر نہیں ہوگی۔۔۔ وہ اسے کبھی نہیں بتائیں گے کہ یہ ان کی اولاد نہیں ہے۔۔۔ اکلوتی بن کر رہے گی، تم جائیداد کی وارث ہوگی اور ان کی محبت کی حقدار۔۔۔" وہ آنکھیں پھاڑے ماسی کو دیکھ رہی تھی۔ اسے لگا جیسے غیب سے مدد آئی ہو۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ ماسی نے جو کچھ کہا وہ درست تھا یا نہیں۔۔۔ لیکن وہ اس پر یقین کرلینا چاہتی تھی۔ ماسی منتظر نظروں سے ماہین کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے سکون کا سانس لے کر آنکھیں موند لیں۔

"میرے خیال میں یہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی ہے۔ میں کہتی تھی نا۔۔۔ اس سے مانگو وہ ضرور دے گا۔" وہ پھر سے رو پڑی۔

"وہ کہہ رہے تھے کہ تم اس پر دستخط کردو۔۔۔" ماسی کے انداز میں تذبذب تھا۔

"یہ کیا ہے؟" ماہین نے کاغذ کے اس ٹکڑے کی طرف ہاتھ بڑھائے بغیر پوچھا۔

"پتا نہیں میں کب پڑھنا جانتی ہوں۔۔۔" اس نے کاغذ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور آنکھیں صاف کر کے تحریر پر نگاہیں جمادیں۔

"میں ماہین بقائمی ہوش و حواس اپنی نومولود بچی جس کی ولدیت ظاہر نہیں کرنا چاہتی۔ ارحم ولد خیام احمد کے حوالے کررہی ہوں۔ اب بچی پر میرا کوئی حق نہیں ہے۔۔۔ نہ ہی مستقبل میں اس سے کسی قسم کا واسطہ رکھوں گی۔۔۔" نیچے گواہوں اور ماہین کے دستخطوں کی جگہ تھی۔ تحریر پڑھ کر اس کی آنکھیں پھر بھر آئیں۔ اپنی بیٹی یوں کسی کے حوالے کردینا کب آسان تھا۔ لیکن یہ اسے مار کر کچرے کے ڈبے میں پھینک دینے کی نسبت بہتر ضرور تھا۔ دل میں ہزار ٹیسیں اٹھیں۔ آنسوؤں نے آنکھوں کو دھندلادیا۔ سینے میں بے شمار چیخیں دفن کیں۔ دل پر پتھر رکھا اور اپنے دستخط کردیے، ماسی بچی کو لے جانے لگی تو اس کا دل چاہا اسے واپس بلا کر کم از کم ایک مرتبہ اسے پیار کرلے۔ اپنے سینے سے بھینچ لے۔ کتنی مشکلوں سے خود پر قابو پایا۔۔۔ یہ صرف ماہین ہی جانتی تھی۔ اس کی بچی محفوظ ہوگئی تھی لیکن اس کی ذلتوں کا سفر شاید اب صحیح معنوں میں شروع ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ڈو یو لائک ٹو ڈانس ودمی؟" وہی ہنسی قہقہے اور آوازوں کی بازگشت میں سب سے زیادہ نمایاں آواز محرم درانی کی تھی۔ سب ہی کاک ٹیل پارٹی میں آئے تھے جہاں رنگ و نور کا سیلاب تھا۔ محرم نے حواس باختہ کھڑی ماہین کی پتلی کمر کے حلقے میں اپنا بازو ڈال کر دلیری سے پوچھا تو وہ دبی ہوئی آواز سے بولی۔

"محرم! مجھے یہ سب پسند نہیں۔۔۔ تم پلیز چلو یہاں سے۔۔۔"

"ارے یار! تم اب محرم درانی کے ساتھ ہو۔۔۔ اپنی اس مڈل کلاس سوچ کو نکال کر کہیں دور پھینک دو۔۔۔ زندگی کے مزے لوٹو۔۔۔" اس نے مسکراتے ہوئے ایک آنکھ دبائی۔ ماہین تقریباً کھینچی ہوئی اس کے ساتھ ڈانسنگ فلور پر آگئی۔ اور اس کے قدم سے قدم ملانے لگی۔ جانے کیا سرور تھا مگر یہ سرور اسے ہر دوسری لڑکی کے ساتھ محسوس ہوتا تھا۔ جو نئی نئی ہوتی اور پھر وہ اپنے پرانے لباس کی طرح جس سے دل بھر جائے وہ سرور اتار پھینکتا اور نئی راہوں میں نیا جال بچھا کر نئے دانے گراتا۔

"یار تیرے پاس تو لڑکیاں کسی میگنیٹ پاور کی طرح کھینچی آتی ہیں۔۔۔" فخر نے محرم کے کان میں سرگوشی کی تھی اور وہ مسکراتا ہوا ماہین سے ایکسکیوز کرتا فخر کے ساتھ آگے بڑھ گیا جبکہ ماہین اس ماحول میں خود کو ایڈجسٹ نہیں کرپا رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

"تو آخر یہ سب کرتا کیسے ہے؟" فخر نے رشک سے

پوچھا تھا۔

"میں تو بس سنہرا جال بچھا کر "ان کے" من پسند دانے پھینکتا ہوں جو یہ اٹھالیں ان کی مرضی۔۔۔" وہ رنگ برنگی تتلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ماہین پر نظریں ٹکا کر بولا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ کوئی اس کی مردانہ وجاہت سے متاثر ہوتا ہے تو کوئی اس کی بے تحاشا دولت سے اور جوان دونوں سے متاثر نہ ہوتا وہ اسے اپنے میٹھے لب و لہجے میں الجھا لیتا اور یہی میٹھا لب و لہجہ اس نے ماہین پر آزمایا تھا۔ جانے کیسا سحر تھا جو وہ پھونکتا تھا جو عام سے عام اور خاص سے خاص اس کے دامن سے کانٹے کی طرح لپٹنے لگتی تھی اور وہ پھولوں کی طرح انہیں اپنے دل میں جگہ دیتا۔۔۔ مگر مرد کا دل تو سرائے ہے لمحہ بھر کو اس میں رکو اور دوسرے پل ہی پاؤں کے جوتوں کی گرد کی طرح کسی ڈسٹر سے پونچھ کر جوتے جگمگا لیے۔

"یہ لڑکیاں اگر روپیہ' دولت' گاڑی اور اسمارٹنس سے متاثر نہ ہوں تو بس ان کو شرافت کا لیبل لگوا کے دے دو' اپنے اوپر چند "محبت بھرے" جملے سب کچھ ہار دیں۔۔۔" وہ بڑی دانشمندی سے مشورے دیتا جاتا اور "محبت بھرے کو" خاصا معنی خیز کر دیتا۔

جو لوگ محبت کے ابجد سے واقف ہی نہ ہوں' ان کے لیے محبت محض چار حرفی لفظ ہوتا ہے جسے کبھی بھی کہیں بھی' کسی جگہ بھی اپنے مطلب کے لیے استعمال کر لیا جائے اور آزادی حاصل کر لی جائے حالانکہ محبت تو پابند کرتی ہے' خود بخود جیون کی ناؤ میں در آنے والی ساری کی ساری تکالیف کو برداشت کی صلاحیت کو بروئے کار لا کر دوسرے کے احساس کا پابند' کسی کی آنکھوں کے خوبصورت لو دیتے جذبے کا پابند' کسی کے خوبصورت لہجے کا پابند تو کسی کے انمول لفظوں کا پابند۔۔۔ یہ خوب صورت زنجیر اگر اردگرد ہو تو عمر رواں کی زمین پر سارے رو پہلے جذبے کھیت کی مانند لہلہانے لگتے ہیں۔۔۔ مگر وہ تو آزاد منش تھا۔ گھر واپسی پر وہ پورے راستے خاموش رہی جبکہ محرم نا جانے کیا کیا بولتا رہا۔ روم میں آتے ہی اس نے اپنا ہینڈ بیگ صوفے پر زور سے پٹخا اور نہایت غصے سے پلٹ کر اس کے مقابل آ کر بولی۔

"ہم شادی کب کر رہے ہیں محرم؟"

"یار کم آن۔۔۔ تم میرا جواب جانتی ہو۔۔۔"

"میں تمہارے منہ سے سننا چاہتی ہوں۔۔۔" وہ اس کے دوبدو تھی' پہلی بدتہذیبی لیے۔

"میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔۔۔ میرا لاسٹ سمسٹر ہے۔۔۔ ڈیڑھ مہینے بعد میرے پیپر ہو جائیں گے۔۔۔ اس کے بعد ہم شادی کر لیں گے۔۔۔

دیکھو ماہین! میں تمہاری فیلنگز سمجھ سکتا ہوں۔۔۔ میں یہ سب کب چاہتا تھا۔۔۔"

"تم بدل تو نہیں جاؤ گے نا؟" اک انجانا سا خوف اس کی آنکھوں سے چھلک رہا تھا۔

"تم کو ایسا لگتا ہے تو آج ہی راستہ بدل لو ماہین! کہ اندیشے خدشے پیدا کرتے ہیں اور خدشے وسوسے اور وسوسوں سے بھرا دل مطمئن کرنا بہت مشکل کام ہوتا۔۔۔ میں نے محبت کی ہے دعوے نہیں۔۔۔ میں انسان ہوں' فرشتہ نہیں' ہو سکتا ہے نادانستہ کبھی مجھ سے کوئی غلط ہو جائے تو تم تولنے نہ بیٹھنا کہ میں نے تم سے کبھی ایسے تو بات نہیں کی یا میں ایسا تو نہ تھا۔۔۔ میری محبت کو کبھی جانچنا نہیں بلکہ پرکھنا۔۔۔ ہاں اتنا وعدہ ضرور کرتا ہوں کہ تمہیں خوش رکھنے کی پوری کوشش کروں گا" وہ ایک ادا سے بولتا گیا اور ماہین پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھے گئی۔

"راستہ بدلنا ہوتا تو میں تمہارے ساتھ بھاگتی کیوں۔۔۔ میں نے تم سے محبت کی ہے۔۔۔ زندگی کے آخری پل تک تمہارا ساتھ چاہتی ہوں۔۔۔"

"ماہین ڈارلنگ! میں تمہاری آنکھوں سے محبت کی حد ناپ سکتا ہوں۔۔۔ مجھے معلوم ہے کہ تم مجھ سے کتنی محبت کرتی ہو' اور کس قدر۔۔۔ میں تمہارے ساتھ ہوں زندگی کے آخری پل تک۔۔۔" ماہین اس کی سحر زدہ آنکھوں میں جگمگاتی مسکراہٹ کو دیکھ کر سب کچھ فراموش کر بیٹھی۔ یہ ہی تو محرم درانی کا کمال تھا۔ چاہے دل میں گالیاں دے مگر آنکھوں اور ہونٹوں

سے ہمیشہ دھوکا دے سکتا تھا۔

☆ ☆ ☆

ماسی کب تک اپنا گھربار چھوڑ کر ماہین کا خیال رکھ سکتی تھی۔ اپنی بیٹی کا نام دل ہی دل میں اس نے مومنہ رکھ لیا تھا پاک صاف جیسے کیچڑ میں کنول..... وہ بہت گناہ گار تھی۔ لیکن ماں تھی' اس کا رواں رواں ہمیشہ اس کی عزت و حرمت کی سلامتی کے لیے دعا گو رہا۔ مومنہ کی پیدائش کے تقریباً" دو ماہ بعد اس نے فیصلہ کیا کہ وہ محرم کے بھیک میں دیے اس فلیٹ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر کہیں دور چلی جائے گی..... مگر کہاں.....؟ یہ تو وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

"میں زبیر بھائی کو شکل دکھانے کے قابل نہیں رہی..... اب کس منہ سے ان کے پاس جاؤں..... ان کے علاوہ تو میرا اس دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے....." خوف نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

"کاش میں محرم سے کبھی ملی نہ ہوتی..... کاش میں نے زبیر بھائی کی بات مان لی ہوتی..... کاش وہ لمحے میری زندگی میں نہ آئے ہوتے جنہوں نے مجھے یوں دربدر کر دیا....." ان لمحوں کو یاد کر کے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

ماسی کے بیٹے کی شادی تھی۔ وہ اپنے گاؤں چلی گئی۔ ماسی نے اس کے لیے بہت کچھ کیا تھا اور اس سے زیادہ وہ کچھ کر بھی نہیں سکتی تھی۔ آج وہ اپنی پڑوس والی کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ پڑوسن کافی عرصہ سے اسے اس فلیٹ میں رہتا دیکھ رہی تھی مگر کبھی ملاقات کا موقع نہ ملا تھا۔ آج وہ حلوہ دینے کے بہانے اس کے ہاں چلی آئی۔ ماہین کے پتلے پتلے نین نقش اسے بہت بھلے لگے تھے اور وہ تعریفوں کے پل باندھتی گئی ماہین نے پریشانی کے عالم میں اس سے مدد مانگی۔

"پلوشہ میں بہت پریشان ہوں..... میں جاب کرنا چاہتی ہوں..... تم جاب کرتی ہو' اس لیے تم سے مدد کی درخواست کر رہی ہوں..... تمہاری نظر میں کوئی جاب ہو تو پلیز مجھے ضرور بتانا....."

"ہاں بس ضرور..... ویسے تم کتنا پڑھی لکھی ہو اور کیا جاب کرنا چاہتی ہو....."

"میں نے ہوم اکنامکس میں بی اے کیا ہے..... ایم اے اسٹارٹ کیا تھا لیکن....." ماہین نے خوشی سے پلوشہ کی طرف دیکھا جو مسکراتے ہوئے بول رہی تھی۔

"ایک بیگم صاحبہ ہیں' کچھ واقفیت ہے ان سے میری..... ان کی اپنی بوتیک ہے..... سلائی کڑھائی تو تمہیں آتی ہی ہوگی اور کھانا پکانا بھی جانتی ہو..... انہیں ایک لڑکی کی ضرورت ہے..... بس کہتی ہیں کہ رہنا ان کے ساتھ ہی ہوگا..... کھانا' کپڑا مفت..... اب تمہاری مرضی....."

"میں..... میں تیار ہوں..... میں سب کام جانتی ہوں..... سب کھانے پکا لیتی ہوں' سلائی کڑھائی بھی بخوبی جانتی ہوں..... تم اس بیگم صاحبہ سے بات کر لو....." ڈوبتا ہوا شخص اپنی جان بچانے کے لیے جیسے تنکے کو پکڑتا ہے' ویسے ہی ماہین نے بھی اس موقعے کو ہاتھ سے نہ نکلنے دیا۔ بھائی کے گھر رہتے ہوئے اس نے کبھی کسی کام کو ہاتھ نہ لگایا تھا۔ لیکن اب یہی سب کچھ اسے اپنی بچت کا سامان لگ رہا تھا۔

شام کو ہی ایک بنی سنوری بڑی عمر کی عورت آگئی۔ پلوشہ اس کے ساتھ تھی۔ پلوشہ نے بیگم صاحبہ کا تعارف کروایا۔ بیگم صاحبہ بہت ہی باریک بینی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ "کیا نام ہے تمہارا؟" انہوں نے جائزہ لیتے ہوئے پوچھا تھا۔

"جی..... ماہین....."

"ماں باپ کہاں ہیں؟" اس نے سر جھکا لیا۔

"وہ نہیں ہیں....."

"کوئی یار دوست تو نہیں ہے؟" اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ مارے شرمندگی کے اس نے گردن جھکائی اور نفی میں سر ہلا دی۔

"تمہیں اعتراض تو نہیں ہے اگر ہم تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں؟"

"نہیں۔۔۔ بالکل نہیں۔۔۔ آپ جو چاہیں گی' مانوں گی۔۔۔ یہ میرا وعدہ ہے۔۔۔۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔ بیگم صاحبہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"پلوشہ! میرے ساتھ آؤ۔۔۔۔" کہہ کر باہر نکل گئیں۔ ماہین امید وبیم کی کشمکش میں مبتلا تھی۔ پتا نہیں وہ ماہین سے مطمئن ہوئی تھی یا نہیں۔ کیا خبر وہ اسے نوکری دیتی ہے یا نہیں وغیرہ وغیرہ۔ چند منٹ بعد ہی پلوشہ روشن چہرہ لیے اندر آئی۔

"چلو ماہین! تیار ہو جاؤ۔۔۔ وہ تمہیں ساتھ لے جانے کے لیے راضی ہیں۔" ماہین یوں اچھل کر کھڑی ہوئی جیسے نیچے اسپرنگ لگے ہوں۔ اس فلیٹ سے اسے وحشت ہوتی تھی۔ پل پل اس بے وفا کی بے وفائی یاد آتی تھی۔ یہاں گزرا ہوا ایک ایک لمحہ اس کے لیے کسی عذاب سے کم نہ تھا۔ اب جب سر چھپانے اور پیٹ کی آگ بجھانے کا آسرا ہوا تھا تو وہ ایک لمحہ بھی اس فلیٹ میں رکنا نہ چاہتی تھی۔ وہ بیگم صاحبہ کے ساتھ پارکنگ ایریا میں آ گئی۔ باوردی ڈرائیور نے دروازہ کھولا اور وہ دونوں اس بڑی سی کار میں سوار ہو گئیں۔ بیگم صاحبہ کا رعب اتنا تھا کہ ماہین خود سے کوئی بات کرنے کی ہمت نہ کر سکی۔ کافی سڑکوں سے ہوتے ہوئے وہ لوگ ڈیفنس کے ایک خوب صورت دو کنال پر پھیلے بنگلے میں پہنچ گئے۔ وہ نہایت ہی شاندار بنگلہ تھا۔ جدید طرز پر بنا ہوا ڈرائیو وے پر پہلے سے ہی پانچ کاریں کھڑی تھیں۔ لان میں سبز گھاس اور رنگا رنگ پھول تھے۔ مکان کی تین منزلیں تھیں۔ ایک تہ خانہ' اس کے اوپر ایک منزل اور پھر سب سے اوپر ایک منزل۔ اندر سے بھی گھر کافی شاندار تھا۔ آج سے پہلے اس نے ایسا شاندار گھر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہاں آ کر احساس ہوا کہ زبیر بھائی کے گھر اپنے پن کی مہک تھی جبکہ اس گھر میں روپے پیسے کی مہک رچی ہوئی تھی۔ اس گھر میں جگہ جگہ قیمتی قالین بچھے ہوئے تھے۔ نیم برہنہ عورتوں کے مجسمے تھے' چمکتے شیشوں سے بنی سجاوٹی اشیا تھیں۔ اندر داخل ہو کر وہ ایک لمحے کو ٹھٹک کر رہ گئی۔ مبہوت سے گھر دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔

"رک کیوں گئیں؟" بیگم صاحبہ نے پوچھا۔

"جی۔۔۔ جی۔۔۔ کچھ نہیں۔" گھبرا کر اس نے اپنے قدم آگے بڑھا دیے۔

لائبہ! اس لڑکی کو اس کا کمرہ دکھا دو۔۔۔ لائبہ نامی ماڈرن سی لڑکی اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے سیڑھیاں چڑھ گئی۔ داہنے کونے کا آخری دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ کمرہ بہت ہی شاندار تھا۔ ماہین نگاہوں ہی نگاہوں میں اس کمرے کو سراہ رہی تھی کہ لائبہ اس سے مخاطب ہوئی۔

"تم آرام کرو۔۔۔ میڈم صبح تم سے ملاقات کریں گی۔۔۔ ساتھ باتھ روم ہے۔۔۔ چاہو تو نہا دھو لو۔۔۔ کپڑوں کے کچھ جوڑے ابھی تھوڑی دیر میں تمہیں مل جائیں گے۔۔۔۔"

"کک۔۔۔ کیا میں اس کمرے میں رہوں گی؟" اس نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"ہاں۔۔۔ کیوں؟ کوئی پرابلم ہے؟"

"نہیں۔۔۔ یہ تو بہت اعلا کمرہ ہے۔۔۔ میں سرونٹ کوارٹر میں رہ لوں گی۔۔۔"

"تمہاری جگہ یہاں اسی کمرے میں ہے میری جان! سرونٹ کوارٹر تم بہت پیچھے چھوڑ آئی ہو۔۔۔ اب اپنی مڈل کلاس ذہنیت کو بھی اپنے جوتوں کی گرد کے ساتھ باہر جھاڑ آؤ۔۔۔" ماہین حیران تھی' اتنی بڑی مہربانی بلاوجہ تو نہیں تھی۔ لیکن وہ بہت تھک چکی تھی۔ اس لیے کچھ دیر آرام کرنا چاہتی تھی۔ اس بارے میں کچھ نہیں سوچنا چاہتی تھی' کم از کم ایک رات سکون کے ساتھ گزارنا چاہتی تھی۔ لائبہ مڑ کر جانے لگی تو ماہین دھیمے سے بولی۔

"سنو۔۔۔" اس نے پلٹ کر ماہین کو دیکھا۔

"جائے نماز ہو گی؟" لائبہ نے پہلے کچھ حیرت سے دیکھا اور پھر مسکرا دی۔

"نماز پڑھتی ہو؟" ماہین بھی مسکرا دی۔ "نماز تو کسی حالت میں بھی معاف نہیں ہے۔"

"ان باتوں پر یقین ہے تمہارا؟"

"یہ یقین نہیں ایمان ہے۔۔۔"

"جہاں تک میرا دماغ کام کرتا ہے۔۔۔ مجھے پتا چلا ہے کہ پچھلے دنوں تم نے ایک ناجائز بچی کو جنم دیا ہے۔۔۔ ایم آئی رائٹ؟" ماہین حواس باختہ چہرہ لیے اسے تکتی رہی۔

"ایم آئی رائٹ اور ناٹ" ماہین اپنا سر جھکا گئی تبھی لائبہ دلچسپی سے گویا ہوئی۔

"نادانی میں میں نے اپنی عزت کھودی لیکن میرا ایمان سلامت ہے اور میں جب تک زندہ رہوں گی' اپنے رب کے حضور اپنے اس گناہ کی معافی مانگتی رہوں گی۔۔۔ وہ رحیم و کریم ذات ایک دن مجھے ضرور معاف کردے گی۔۔۔ میری آزمائشیں ایک دن ضرور ختم ہوں گی۔۔۔" وہ جذباتی ہوئی تھی۔

لائبہ آہستہ سے ہنس دی۔ "ہاں انسان ایسے ہی جذباتی سہارے تلاش کرتا رہتا ہے۔۔۔"

"اللہ تعالیٰ جذباتی سہارا نہیں' ایک اٹل حقیقت ہے۔۔۔" اس نے زور دے کر کہا تھا اور لائبہ کے کچھ کہنے سے قبل ایک بار پھر گویا ہوئی۔

"میں کوئی فلسفی نہیں کوئی دلیل دے سکوں۔۔۔ میں تو اتنا جانتی ہوں کہ انسان اپنی آزادی ایک حد کے اندر بھرپور طریقے سے استعمال کرسکتا ہے۔ پھر ایک وقت ایسا آتا ہے جب وہ بے بس ہوجاتا ہے۔ یہاں سے آگے اللہ تعالیٰ اپنا حکم استعمال کرتا ہے۔"

"بہرحال اس نے تمہیں یہاں تک پہنچا کر تم سے کوئی اچھا سلوک تو نہیں کیا۔۔۔ اور ویسے یہ جو تم نے کہا۔۔۔ یہ قنوطیت ہے یا حقیقت؟" وہ شرارتی انداز میں بولی تھی۔

"میرے لیے یہ صرف اظہار بندگی ہے۔۔۔" وہ سادگی سے گویا ہوئی تو لائبہ چند لمحے اسے غور سے دیکھتی رہی اور پھر بولی۔

"تم بہت ہی غیر موزوں جگہ پر آگئی ہو چندا۔۔۔ ایسی ویسے۔۔۔ میں تمہیں جائے نماز لادیتی ہوں' لیکن یہ یقین سے نہیں بتاسکتی کہ قبلہ کس سمت میں ہے۔ شاید کسی نوکر کو پتا ہو۔۔۔ میں پتا کرتی ہوں۔۔۔"

وہ باہر نکل گئی تو ماہین نے اٹھ کر خواب گاہ کا جائزہ لینا شروع کیا۔ یہاں سے وہاں تک نرم قالین بچھا ہوا تھا۔ جہازی سائز پلنگ تھا۔ اسی کے ساتھ کا صوفہ سیٹ اور دیگر فرنیچر تھا۔ رنگین ٹی وی اور سونی کا ڈیک بھی ساتھ ہی پڑا تھا۔ آرائش بجھتے سفید اور سیاہ رنگ کے امتزاج سے کی گئی تھی۔ ساتھ ہی بہت بڑا اور حیران کن حد تک سجا ہوا باتھ روم تھا۔ جس میں خوبصورت پردے' اتنی منفرد اور خوبصورت ٹائلز' قیمتی باتھ روم فٹنگز اور صوفہ سیٹ تک موجود تھے۔ داخل ہوتے ساتھ بائیں ہاتھ پر دیوار گیر الماریاں سامنے باتھ روم میٹ' تھوڑا آگے ایک گول میز جس پر رسالے اور موبائل ایکسٹینشن پڑے ہوئے تھے۔ ایک کونے میں واش بیسن تھا جس کے قریب ہی کموڈ' ہینڈ شاور اور اس کے پہلو میں دوسرے کونے کے ساتھ پردے لگے ہوئے تھے اور دو سیڑھیاں چڑھ کر باتھ ٹب تھا۔ قریب ہی غسل سے متعلق ڈھیر ساری غیر ملکی اشیا سجی ہوئی تھیں۔ ماہین یہ سب دیکھنے میں اس قدر کھوئی ہوئی تھی کہ لائبہ کی آواز پر ایک دم چونک کر پلٹی۔

"میں تمہارے لیے جائے نماز اور کچھ کپڑے لائی ہوں تم دیکھ لو۔۔۔" وہ بیڈ پر پڑے پیکٹ میں سے کچھ قیمتی شلوار قمیص' ٹی شرٹس اور کچھ شب خوابی کے لباس نکالتے ہوئے گویا ہوئی۔ "میرے خیال میں یہ وقتی طور پر بہت ہیں۔۔۔ پھر تم خود جاکر اپنے لیے خریداری کرلینا۔۔۔" ماہین کی الجھن میں ایک دم اضافہ ہوگیا۔ وہ تمام سوچیں اور سوال جو اس نے اپنے ذہن سے جھٹک دیے تھے۔ اب وہ ایک دم پھر سے اس کے سامنے آکھڑے ہوئے تھے۔

"آخر اس مہربانی کی وجہ؟"

"تم اتنی بے وقوف تو نہیں ہوسکتیں۔۔۔ ظاہر ہے بزنس مین کو انوسٹ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔۔۔ اس کے بعد ہی ریٹرن ملا کرتا ہے۔۔۔" لائبہ شاپرز کو ایک طرف رکھتے ہوئے بولی تھی۔

"لیکن آپ کے بزنس میں میرا کیا کام؟" ماہین نے

تذبذب کے عالم میں پوچھا۔ لائبہ آنکھیں میچ کر سہلا کر بولی۔

"ہلوشہ کے ساتھ یہی پرابلم ہے کہ وہ پوری بات نہیں کرتی۔ بہرحال اب اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ تم یہاں آہی گئی ہو۔ اس بارے میں میڈم سے مسجبات کرنا۔"

"پلیز مجھے کچھ تو بتائیں۔ آپ لوگ مجھے یہاں کیوں لائی ہیں؟" لائبہ کی بات نے اس کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجادی تھی۔ "تمہیں ہم تو نہیں لائے۔ تم اپنی مرضی سے یہاں آئی ہو۔"

"میں تو سمجھ رہی تھی کہ مجھے یہاں یونیورسٹی یا گھریلو کام کاج کے لیے لایا جارہا ہے۔" اس کی حالت رونے والی ہوگئی۔

"یا تو تم بھولی ہو یا پھر بہت چالاک۔ بھولی ہو تو سب کچھ آہستہ آہستہ سیکھ جاؤ گی اور اگر ہوشیاری دکھائی تو اپنے ساتھ ہی برا کرو گی۔ ہم نے تمہیں بہت مہنگے داموں خریدا ہے اور تم سے وصول کرنا بھی ہم جانتے ہیں۔" ماہین کا منہ کھل گیا۔ ایک لمحے کو تو وہ اپنی سماعت پر اعتبار ہی نہ کرپائی۔

"یہ نہیں ہوسکتا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ مجھے خریدا گیا ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا۔" اسے لگا جیسے وہ پاگل ہوجائے گی۔

وہ چلائی تھی مگر بے سود' یہاں سے مایوس ہو کر وہ فون کی طرف لپکی۔ اس کا ذہن بالکل کام نہیں کررہا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ملایا لیکن اسے احساس ہوا کہ فون کٹا ہوا تھا۔ ریسیور پٹخ کر وہ کھڑکی کی طرف بڑھی مگر وہاں بھی کوئی راہ فرار نہیں تھی۔ شدید مایوسی نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا اور وہ بستر پر بیٹھ کر رو پڑی۔

"یہ سب کیا ہے میرے مالک؟ اتنی بڑی سزا۔ یہی سب ہونا تھا تو تو نے خودکشی حرام نہ کی ہوتی۔ کم از کم کوئی راستہ تو ہوتا۔" بہت دیر تک وہ روتی رہی پھر جائے نماز بچھا کر آدھی رات تک نماز اور نوافل میں مصروف رہی۔ اسی دوران لائبہ اپنی نگرانی میں نوکرانی کے ہاتھ کھانا رکھوا گئی۔ کھانا پینا ہر شے اس کے لیے بے کار تھی۔ بس ایک ہی خیال تھا کہ اپنے معبود کے سامنے سر جھکا کر' رو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور رحم طلب کرے۔ جب ذہنی اور جسمانی طور پر بہت تھک گئی تو سوگئی۔ انسان اس دنیا میں دو طرح کے لوگوں سے دھوکا کھاتا ہے' ایک وہ جو اس کے اپنے نہیں ہوتے اور ایک وہ جو اس کے بہت اپنے ہوتے ہیں۔

☼ ☼ ☼

نارنجی کرنوں کے ڈھلتے ہوئے عکس میں بھیگا آسمان' سفید سفید کبوتروں کی موجودگی میں بڑا دلفریب دکھائی دے رہا تھا۔ چند لمحے گردن اٹھائے دیکھتی رہی پھر ہوا سے بکھرتے بالوں کو کان کے پیچھے اڑس کر ٹھوڑی گھٹنوں پر رکھے ہاتھوں کی پشت پر رکھ کر نرم اور بھیگی بھیگی سی گھاس پر رکھے اپنے پیروں کو دیکھنے لگی۔ سفید کبوتری جیسے نرم و نازک پیر ہری گھاس سے تراوٹ سمیٹ رہے تھے۔ وہ بغور اپنے پیروں کو دیکھتی رہی۔ محرم نے ایک بار اس کے پیروں کی تعریف کی تھی اور یہ اسی تعریف کا اعجاز تھا کہ اسے اپنے پاؤں بے حد اچھے لگنے لگے تھے۔

رائل بلیو شلوار سوٹ کے ساتھ اس نے سفید جیولری کو ترجیح دی تھی۔ بالوں کو ڈھیلی سی چوٹی کے ساتھ ساتھ کانوں میں بڑے بڑے سفید رنگز اور گلے میں سفید نیکلس۔ ایک کلائی میں کچھ سفید چوڑیاں جبکہ دوسری کلائی میں نازک سی ریسٹ واچ تھی جس پر بار بار اس کی نگاہ ٹھہر جاتی تھی۔ وہ بے چینی سے محرم کا انتظار کررہی تھی۔

ماند پڑتی زردیوں میں رات کے سائے دھیرے دھیرے گھل رہے تھے کھلے گیٹ سے محرم کی گاڑی اندر داخل ہوئی تو وہ مسکرا کر کھڑی ہوئی اور گاڑی کی جانب بڑھی۔

"اتنی دیر لگادی محرم۔ میں کب سے انتظار کررہی تھی۔"

محرم نے فوراً" جواب دینا چاہا مگر پھر بھرپور دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا اس کی نگاہوں نے اس حسین چہرے سے ہٹنے سے قطعی انکار کردیا تھا۔ اتنا ڈھیر سارا روپ' اتنی ڈھیر ساری کشش نا جانے کہاں سے حاصل کرلی تھی اس نے۔ یہ چہرہ' یہ چمکتی ہوئی آنکھیں محرم کے دل میں اتر گئیں۔ ماہین کی رنگت میں یکدم گلابیاں اتر آئی تھیں اس نے نظریں جھکالیں۔ اگلے ہی لمحے اس نے ماہین کے ہاتھ تھام لیے' مردانہ لمس اس کے ہاتھ کے ذریعے رگ و پے میں دوڑا تھا کوئی چیز خون کے ساتھ بہتی اس کے دل تک گئی تھی۔ دل اتنی تیزی سے دھڑکا تھا جیسے عمر بھر کی دھڑکن اس ایک لمحے کے نام کرنی ہو۔ "کیا تم مجھ سے بھاگ سکتی ہو۔۔۔ میری محبت سے نظر چرا سکتی ہو؟"

اف! جانے کیا تھا ان گہری آنکھوں میں ماہین نہ کچھ بول پائی اور نہ ہاتھ چھڑا پائی۔ محرم نے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ کر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ ماہین نے شرما کر نظریں جھکالیں اور اپنا سر اس کے کندھے سے لگا کر پرسکون انداز میں بولی۔ "محرم! مجھے تمہیں کچھ بتانا ہے۔"

"ہوں"

"آج ڈاکٹر عائشہ نے رپورٹس بھجوائی ہیں۔"

"اچھا۔۔۔ کیا ہوا تم ٹھیک تو ہونا" وہ ایک دم پریشان ہوا تھا۔۔۔ ماہین شرم سے لب کاٹنے لگی۔

"آئی ایم پریگنینٹ۔" وہ شرما کر نظریں جھکا گئی جبکہ محرم سکتے کے عالم میں اسے دیکھے گیا۔

"کیا؟"

ماہین اپنی ہی دھن میں بولی جارہی تھی۔ "محرم! اب ہمیں جلدی نکاح کرنا ہوگا۔۔۔ تمہارا اسسٹر ختم ہونے میں صرف دو دن ہی رہ گئے ہیں۔۔۔ پلیز اب تم مجھ سے نکاح کرلو" اس کی اچانک فرمائش اور خبر پر وہ بھڑک اٹھا۔

"واٹ ربش ماہین تم کیسی چھوٹی بات کررہی ہو' میں تم سے چھپ کر نکاح نہیں کرنا چاہتا۔۔۔ کیا میں کوئی چور ہوں؟"

"چھپ کر نکاح کرنے کو کہا کس نے۔۔۔ نہ ہی چوری کرنے کو کہہ رہی ہوں۔ میں نے کسی غلط چیز کی فرمائش نہیں کی' اپنا حق مانگ رہی ہوں تم سے۔" وہ یقیناً" اس کے رویہ سے ہرٹ ہوئی تھی تب ہی اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ "تمہیں تمہارے تمام حقوق ملیں گے ماہین لیکن ابھی مجھے کچھ ٹائم چاہیے۔" محرم نے ماہین کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کی بات کاٹ دی اور نہایت نرمی سے گویا ہوا۔

"دنیا میں کیا نہیں ہوتا۔۔۔ اتنے لوگ محبت کرتے ہیں۔۔۔ تو وہ سب شادی کیوں نہیں کرلیتے۔ یقیناً" کوئی مسئلہ۔۔۔" "محرم! تم۔۔۔ تم پیچھے ہٹنا چاہتے ہو۔۔۔ تم مجھے اپنانے سے کترانے لگے ہو۔۔۔ تم نے میرے ساتھ ٹائم پاس کیا؟ تم میرے لیے یہ سب فیس کیوں کرنا چاہتے؟" وہ دھواں دھواں ہورہی تھی اور قدم قدم پیچھے ہٹتی جارہی تھی۔ آسمان نے گرجنا شروع کیا تو ہلکی پھلکی بوندا باندی ہونے لگی۔

"کیوں مجھے جھوٹے خواب دکھائے۔۔۔ کیوں دھوکا دیا مجھے؟ صرف تمہاری خاطر میں اپنے بھائی کو چھوڑ کر آئی۔۔۔ صرف تمہاری خاطر اپنے گھر سے بھاگی تم نے مجھ سے میرا اپنا آپ چھین لیا۔۔۔ کس بات کا بدلا لیا تم نے؟ میری ہنسی' میری آواز' میری خوشی سب کچھ چھین لیا۔۔۔"

"وہ پلیز ماہین! میں نے کوئی بدلا نہیں لیا۔ میں نے صرف وہی کیا جو تم چاہتی تھیں۔۔۔ تمہیں مجھ سے محبت تھی' تم خود گھر سے بھاگیں تم خود اپنی مرضی سے میرے قریب آئی۔۔۔ اور۔۔۔ میں آج بھی تم سے محبت کرتا ہوں۔ میری محبت میں سوائے اضافے کے اور کسی چیز کی گنجائش نہیں۔۔۔ مگر تم صورت حال کو سمجھ نہیں رہی ہو۔"

"کیا سمجھوں میں۔۔۔ اور کیا سمجھانا چاہتے ہو تم؟ تم مرد ہو محرم اس لیے تم نہیں سمجھو گے کہ لڑکی کے پاس اس کی عزت سے قیمتی چیز اور کوئی نہیں ہوتی۔ مرد ساری زندگی غلط کام کرتا رہے' اس پر کوئی انگلی نہیں اٹھاتا مگر لڑکی کا ایک غلط قدم اسے جیتے جی ماردیتا ہے'

پوری زندگی کا کلنک بن جاتا ہے۔"
"مگر اتنی عزت پیاری تھی تو میرے ساتھ بھاگی کیوں؟ انکار کر دیتی؟"
"میں سمجھی تھی کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ سچی محبت' نہیں جانتی تھی کہ تمہارا اصلی روپ کیا ہے۔"
"اوہ ریئلی! اب تو جان گئی ہو کہ میرا اصلی روپ کیا ہے؟ تم چاہو تو ابھی اس وقت یہاں سے جاسکتی ہو۔۔۔ میں کبھی پلٹ کر تمہاری طرف نہیں دیکھوں گا" ماہین کو ایسا لگا جیسے ابھی وہ کچی مٹی کی طرح زمین پر بہہ جائے گی۔ وہ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔ ہلکی بوندا باندی تیز بارش میں بدل گئی اور وہ وہیں اس کے قدموں میں ڈھے سی گئی۔
"تم ایسا نہیں کر سکتے۔۔۔ مجھے دیکھو محرم! میں۔۔۔ میں بالکل اکیلی ہوں۔۔۔ تم سے بہت پیار کرتی ہوں۔ میرے من میں شکستہ خوابوں کا ڈھیر لگا ہے۔ میری آنکھوں میں دکھوں کا قحط پڑا ہے۔ تمہاری ایک نظر کرم' تمہاری محبت کی چھوٹی سی بخشش مجھے زندگی کا سکھ لوٹا سکتی ہے۔ مجھے چین دے سکتی ہے۔ تم مجھ سے نظر پھیر کر مجھ پر ظلم مت کرو۔۔۔ مجھ پر خیرات کرو۔۔۔ میرا اب تمہارے سوا کوئی نہیں۔"
"محبت خیرات نہیں کی جاتی وہ تو ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔ مجھے کارپٹ کی طرح قدموں میں بچھنے والی عورت سے سخت گھن آتی ہے۔" اس نے ماہین کو بازو سے سختی سے پکڑ کر کھڑا کیا اور ناگواریت سے بولا۔
"آئی ریلی ہیٹ ڈیٹ کائنڈ آف وومن۔۔۔ تم چاہو تو اس فلیٹ میں رہ سکتی ہو۔۔۔ اس سے بڑھ کر میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتا۔" دھواں دھواں ماہین کو جھٹکے سے پیچھے دھکیلتے ہوئے وہ تیز قدموں سے چلتا گاڑی میں بیٹھا اور تیزی سے گاڑی اڑا لے گیا۔ ماہین نہ جانے کتنی دور تک بھاگتی ہوئی چیخ چیخ کر اسے پکارتی رہی پھر تھک ہار کر سڑک کے درمیان بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
لمحہ لمحہ کرکے گزرتی ہوئی زندگی کے کسی لمحے میں اگر ہم کوئی غلطی کر بیٹھیں اور بہت سے لمحے گزارنے کے بعد' بہت آگے آنے کے بعد ہمیں اس غلطی کا احساس ہو تو اکثر یہ احساس بے کار ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ تب ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ گزرے ہوئے لمحوں کی داستان کو کسی ربڑ سے مٹا دو۔ بیتے ہوئے وقت کو کہیں سے واپس لے آؤ۔ اب ہم زندگی کو نئے سرے سے شروع کریں گے اور دوبارہ اس جان لیوا غلطی کو نہیں دہرائیں گے۔ جس نے زندگی کی رگوں سے خوشی کا ایک ایک قطرہ نچوڑ کر اسے عبرت کا نشان بنا دیا ہے اور وقت میں سب سے بڑی خرابی یہی تو ہے کہ یہ واپس نہیں پلٹتا۔ پیچھے چاہے کچھ ہی کیوں نہ رہ جائے اسے پروا نہیں ہوتی۔ یہ تو بس آگے آگے اور آگے ہی بھاگتا رہتا ہے۔ یہ جانے بغیر کہ کچھ بدنصیب پیچھے کہیں بہت پیچھے کچھ ایسا بھول آئے ہوتے ہیں کہ جس کے بغیر ان کی زندگی کی گاڑی نہ آگے جاپاتی ہے اور نہ ہی رک سکتی ہے۔ بس ایک ہی دائرے میں گھومتی رہتی ہے۔ بالکل ماہین کی زندگی کی گاڑی کی طرح جو بہت سے پچھتاوؤں کے جنگل میں پھنسی بس ایک ہی دائرے میں گھومے جارہی تھی نہ آگے بڑھتی اور نہ ہی رک کر اسے جینے کے بوجھ سے نجات دیتی تھی۔

شمع جس کی آبرو پر جان دے دے جھوم کر
وہ پتنگا جل تو جاتا ہے فنا ہوتا نہیں

☼ ☼ ☼
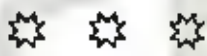
میڈم کے دائیں ہاتھ کی انگلیوں میں جلتا ہوا سگریٹ تھا۔ "یہ کل تم نے کیا تماشا مچایا تھا؟ درواز ہ کیوں پیٹ رہی تھیں؟"
"میں یہاں نہیں رہنا چاہتی۔" سر جھکا کر بھیگی آواز میں وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو اتر آئے اور وہ بڑی آس بھری نظروں سے میڈم کو دیکھنے لگی۔
"میں وجہ نہیں پوچھوں گی' اس لیے کہ کبھی کبھی تم جیسی احمق لڑکیاں بھی آہی جاتی ہیں۔" میڈم نے سگریٹ منہ میں دبایا اور لمبا کش لینے کے بعد دھواں ہوا میں خارج کرتے ہی اس کے نزدیک چلی آئیں۔

"اس دنیا میں تمہارے بھائی کے سوا تمہارا کوئی عزیز نہیں ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ تم اپنے بھائی کا سامنا زندگی بھر نہیں کرنا چاہتی اور کیا تمہیں اب تک احساس نہیں ہوا کہ باہر کی دنیا کیسی ہے؟"

"ایک ہی بات ہے' آپ کی دنیا کون سی مختلف ہے؟" ماہین تلخ لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"پہلی بات تو یہ سمجھ لو کہ ہم نے تمہیں خریدا ہے۔" ماہین ان کی بات کاٹ کر تلخ لہجے میں بولی۔

"میں کوئی بکاؤ مال نہیں ہوں کہ آپ نے مجھے خریدا ہے' کہاں دیکھ لیا آپ نے کہ میں فارسیل ہوں؟ کس نے بیچا مجھے؟ کس نے رقم وصول کی؟ میں ایک جیتی جاگتی لڑکی ہوں کوئی دکان پر رکھی گڑیا نہیں کہ کوئی خرید کرلے جائے۔"

"تم جیسی لڑکیاں جن کی تحویل میں ہوتی ہیں وہی سوداگر ہوتے ہیں۔" میڈم نے سگریٹ سائیڈ ٹیبل پر پڑی ایش ٹرے میں بری طرح مسل کر اطمینان سے بات جاری رکھی۔

"اور میرے اندازے کے مطابق پہلی مرتبہ نہیں بکی ہوگی اس سے پہلے جس کے ساتھ تم نے تعلقات استوار کیے اس نے بھی تمہیں کچھ دے کر ہی خریدا ہوگا اور اگر نہ اس نے دیا اور نہ تم نے وصول کیا تو یہ تمہاری بہت بڑی حماقت تھی۔ بہرحال تم نے کہا کہ باہر کی اور یہاں کی دنیا ایک سی ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ تم یہاں سے باہر نکلو گی تمہیں یہی سب کرنا پڑے گا' نہیں کرنا چاہو گی تب بھی کون آئے گا تمہیں بچانے؟ کام دونوں جگہ ایک ہی ہوگا۔ لیکن باہر زبردستی جبکہ یہاں آرام دہ اور پرسکون ماحول ہوگا' تمہیں کام کے عوض معاوضہ ملے گا' کوئی ایرا غیرا تمہاری طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکے گا۔ زیادہ تر لوگوں کے نزدیک تم ایک اعلا خاندان کی بیٹی ہوگی' تمہاری پڑھائی بھی جاری رہے گی' فرمائش بھی پوری ہوگی بس تمہیں کچھ وقت دینا ہوگا ہمیں۔" میڈم بات کررہی تھیں اور ماہین کی آنکھوں سے ندی بہہ رہی تھی۔

"اب اگر تم جانا چاہو تو میں تمہیں آزاد کردوں گی مگر سوچ لو' تم عام مزدوروں' ٹھیلے والوں' قصائیوں اور نائیوں وغیرہ کے ہتھے میں چلی جاؤ گی' پیٹ بھر کر روٹی نصیب نہیں ہوگی اور معاوضے میں دھکے ہی دھکے ملیں گے۔ اس کے برعکس یہاں سب مالدار' تعلیم یافتہ لوگ آتے ہیں' جنہیں رہنے سہنے کا ڈھنگ آتا ہے۔ خوش ہوتے ہیں اور خوش کرکے جاتے ہیں۔ باہر تم ہر ایرے غیرے کی پہنچ میں ہوگی' یہاں تمہارے سر پر چھت ہوگی' جب بھی گاڑی سے نکلو گی تو لوگ خود جھک کر سلام کرنے لگیں گے۔" ماہین پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا میں کیا کروں' کہاں جاؤں میں اکیلی ہوں' میرا کوئی نہیں ہے۔"

"کوئی کیوں نہیں ہے' ہم ہیں نا۔" میڈم نے آگے بڑھ کر ماہین کو خود سے لپٹالیا۔

"میں یہ کام نہیں کرنا چاہتی۔"

"یہ تمہارا مقدر ہے جسے تم بدل نہیں سکتیں۔ چاہے کھلے دل سے قبول کرلو یا رودھو کر' بہتر یہی ہوگا کہ خوشی سے قبول کرلو۔" وہ مسلسل روتی رہی۔

"اچھا اب چلو اور ناشتا کرلو' رات کو بھی تم نے اپنی ضد میں کھانا نہیں کھایا۔ اس بھوک ہڑتال کا کوئی فائدہ نہیں ہے' جب بھوک شدید ہوتی ہے تو انسان حرام کھانے پر بھی آمادہ ہوجاتا ہے۔ اس لیے اپنے آپ کو مت آزماؤ' پیٹ بری چیز ہے اس کے آگے سب ہی ہار جاتے ہیں۔"

وہاں چار لڑکیاں مستقل رہتی تھیں جبکہ کچھ آتی جاتی رہتی تھیں۔ سب بہترین کالجوں میں زیر تعلیم تھیں۔ لائبہ ان میں سے ایک تھی جس نے انہیں دنوں ایک کمرشل میں ماڈلنگ سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا تھا۔ وہ چاروں اتنی خوب صورت نہ تھیں جتنی اسٹائلش تھیں۔ جو لباس پہنتی وہی ان پر سج جاتا۔ خوب صورت لب ولہجے میں انگریزی بولتیں۔ ان کی اداؤں میں نزاکت تھی۔ اپنے پیشے سے ہٹ کر وہ چاروں ہی خوش مزاج' نرم خو اور اچھی لڑکیاں تھیں۔ بہت جلد وہ ماہین کے قریب آگئیں۔

میڈم ابھی ماہین کو اس پیشے کے لیے مناسب نہیں سمجھتی تھیں۔ ایک تو انہیں اس کے رونے سے سخت چڑ تھی' اس کی نمازیں انہیں سخت الجھن میں مبتلا کر دیتی تھیں۔ میڈم اسے بڑے گھرانوں کے طور طریقے سکھا رہی تھیں' بننا سنورنا' مختلف افراد کے ساتھ خود کو بدلنا' اسٹائل سے رہنا' مردوں سے نمٹنے کے طریقے اور نا جانے کیا کیا۔

رات ہوتے ہی گھر میں لمبی گاڑیوں کی قطاریں لگ جاتی تھیں' اونچے عہدیدار' بزنس مین' زمیندار' سیاستدان' رئیسوں کے جوان بیٹے اور اس قماش کے لوگ ڈیرہ جما لیتے تھے۔ کچھ لڑکیاں بھی آجاتی تھیں۔ ہلا گلا اور ہنگامہ ہوتا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ خاموشی چھانے لگتی تھی۔ صبح تک سب کچھ ختم ہو جاتا تھا۔ ماہین ایسے میں اپنے بیڈ روم کو اندر سے بند کر لیتی تھی۔

میڈم یوں بھی تیزی سے دوڑنے اور گر جانے کی قائل نہیں تھیں' وہ آرام اور احتیاط سے قدم آگے بڑھاتی تھیں' انہیں اس بات کی کوئی جلدی نہیں تھی کہ ماہین کو بزنس میں لے آئیں۔ وہ اسے پہلے اچھی طرح سے تربیت دینا چاہتی تھیں۔

رات کو جب ماہین کو احساس ہوتا کہ اس وقت اس مکان کی ایک ایک اینٹ گناہ سے آلودہ ہو رہی ہوگی تو وہ جائے نماز بچھا لیتی۔ اللہ کے حضور رو رو کر گڑگڑا کر اپنے ماضی کی غلطی کی معافی مانگتی تھی اور اس سے دعا مانگتی تھی کہ وہ اس کی آزمائش ختم کرے' وہ جو غفور و رحیم ہے اس پر رحم کرے۔

✡ ✡ ✡

لائبہ کافی اہتمام سے تیار ہو کر نکلی۔

"کہیں جا رہی ہو؟" ماہین جو دوپہر کا کھانا کھانے کے لیے اپنے کمرے سے باہر نکلی تو لائبہ سے آمنا سامنا ہو گیا اور وہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

"ہاں یار بلکہ دیر ہو رہی ہے' اب تک ڈرائیور کو آجانا چاہیے تھا۔" اس نے کلائی پر بندھی نازک سی گھڑی دیکھی۔

"کہاں جانا ہے؟ اپنی کار لے جاؤ' تھوڑی دیر پہلے تو باہر کھڑی تھی۔"

"نہیں اپنی کار پر نہیں جانا۔" وہ لاؤنج میں پہنچتے ہی صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی تھی۔

"کسی نے بلایا ہے۔"

ماہین کا دل دکھا تھا۔ لائبہ اچھی لڑکی تھی لیکن وہ یہ سب کیوں کر رہی تھی' وہاں اردگرد کوئی نہ تھا تب ہی وہ ہمت کر کے بولی۔ "لائبہ! کیوں کر رہی ہو یہ سب؟ تم تو آزاد ہو' بغیر پہرے کے ادھر ادھر آجا سکتی ہو' چھوڑ کیوں نہیں دیتیں یہ سب؟" لائبہ مسکرا دی۔

"اس لیے کہ میں یہ سب چھوڑنا نہیں چاہتی۔ مجھ پر کوئی زبردستی نہیں ہے میرے گھر والے پاکستان میں نہیں ہیں۔ میں ہی چھٹیوں میں ان کے پاس جاتی ہوں۔ جس بات کو تم نے جان کا روگ بنایا ہوا ہے' میرے نزدیک یہی زندگی ہے۔ اور یہ یقیناً اتنی لمبی نہیں ہے اس لیے اسے انجوائے کرنا چاہیے۔ میں اسی میں خوش ہوں۔" ماہین نے بڑی حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"ماہین مجھے تمہیں دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔ تم اپنی سوچ اور اپنے خیالات کے بیچ میں پھنس کر رہ گئی ہو کوشش کرو کہ اپنے حالات کو قبول کر لو۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔" لائبہ کے انداز میں ہمدردی تھی۔

"میرے لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے' میں نہیں جانتی کہ میرا انجام کیا ہوگا۔ لیکن میرے ذہن' میری سوچ اور میرے دل کو یہاں کوئی اپنا تابع نہیں بنا سکے گا۔ میں اور کچھ نہ کر سکی تو بھی اس فعل سے اور اس زندگی سے ہمیشہ نفرت کرتی رہوں گی۔" لائبہ مسکرا دی۔

"آل دی بیسٹ' میری خواہش ہے کہ یہ مچھلی اپنے ہی دریا میں واپس چلی جائے' یہاں رہی تو تڑپ تڑپ کر جان دے دے گی۔" اسی وقت کار کا ہارن سنائی دیا تو لائبہ لسے بائے کہتی تیزی سے باہر نکل گئی۔ ماہین ٹھنڈی آہ بھر کر وہیں صوفے پر کھوئے کھوئے سے

انداز میں بڑی آہستگی سے بیٹھی تھی۔

عورت اللہ کی ایسی تخلیق ہے جس سے اس کی پوری زندگی میں کوئی بھی خوش نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود اسے برداشت کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ آج سے بہت سال پہلے اللہ نے انسان کو بنایا یعنی مرد کو۔ اس وقت اللہ نے عورت کو اس کے ساتھ نہیں بنایا۔ پھر مرد کو علم عطا کیا اور سارے فرشتوں کو اسے سجدہ کرنے کو کہا' عورت اس وقت بھی نہیں تھی۔ عجیب بات ہے کہ مرد کو اللہ نے مٹی سے بنایا' بے جان مٹی سے' بے رونق مٹی سے ایسی مٹی جس میں خوشبو تک نہیں تھی لیکن عورت کو اللہ نے مرد کی پسلی سے پیدا کیا۔ ایسی چیز سے پیدا کیا جسے اللہ نے علم کی طاقت دی' جسے فرشتوں سے سجدہ کروایا' جس کو سجدہ کرنے سے انکار پر ابلیس ہمیشہ کے لیے مردود قرار دے دیا گیا۔ جسے اللہ نے زمین پر اپنی خلافت کے لیے منتخب کیا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ مرد کو بنانے کے لیے اللہ نے عام سی مٹی منتخب کی اور عورت کو بنانے کے لیے کتنا اعلا میٹریل تھا اور اس کے باوجود زمین پر عورت کو کبھی وہ عزت' قدر اور اہمیت حاصل نہیں ہوئی جو مرد کو حاصل ہوئی۔

عورت کی زندگی کس ادھوری راہ پر گامزن ہے
جہاں نہ منزل ہے نہ مسافر ہے
نہ راستہ ہے نہ راہی
یہ ندی کدھر کو بہتی جا رہی ہے
جہاں نہ لہریں ہیں نہ دریا
نہ کنارا ہے نہ موجیں
زندگی کس نگر کی مہمان ٹھہری
جہاں نہ عزت ہے نہ الفت
نہ چاہت ہے نہ محبت
زندگی اس نے تو فنا ہو جانا ہے
پھر یہ کیوں چلتی چلی جا رہی ہے
اور عورت
صرف اس ایک لمحے کے
انتظار میں ہے

جب.....
اسے اس کا مقصد مل جائے!
یا.....
موت آجائے۔!!!

✲ ✲ ✲

"باباجی! یہ آپ مجھے کہاں لے آئے ہیں؟"
مارے گھبراہٹ کے اس سترہ سالہ لڑکی سے کچھ بولا بھی نہ جا رہا تھا۔ اتنا بڑا بنگلہ شاید اس نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ ملگجے کپڑوں میں ملبوس گوری رنگت والی سہمی ہوئی سی لڑکی سر پر دوپٹا ٹکائے اور ایک پلو کو دانتوں تلے دبائے پردہ کرنے کی کوشش میں نگاہیں ادھر ادھر گھما کر پوچھ رہی تھی۔

"فکر نہیں کرو بیٹا میں یہیں رہتا ہوں.... آجاؤ شاباش اندر آجاؤ۔"

اور پھر وہ معصوم سی سہمی ہوئی لڑکی باباجی کے ساتھ وہ دہلیز پار کر گئی جہاں سے پھر واپسی اس کے لیے ممکن نہ تھی۔

"بیگم صاحبہ! دیکھیے میں کسے لایا ہوں!" وہ بابا بڑے جوش سے بولتے ہوئے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی میڈم کے چند قدم فاصلے پر آکر بڑے مودبانہ انداز میں بولا تھا۔

"ماشاء اللہ ماشاء اللہ۔" اس لڑکی کو دیکھتے ہی میڈم اسے سراہے بنا نہ رہ سکیں۔

"کیوں بیگم صاحبہ ہیرا ہے نا؟" میڈم بڑی ستائشی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کھڑی ہوئی تھیں۔

"ہاں ہاں.... ہیرے کی قدر مجھ سے زیادہ اور کسے ہوگی۔"

"باباجی میں یہاں نہیں رہوں گی مجھے اپنے گاؤں جانا ہے" اس نے گھبرا کر کہا۔

"ارے بیٹا مت رہنا.... ہم کون ہوتے ہیں تمہیں روکنے والے؟ تم آج رکو یہاں اس وقت کہاں جاؤ گی شام کے سات بج رہے ہیں اور ویسے بھی تمہارا کوئی جاننے والا بھی نہیں ہے اس شہر میں.... آگے تمہاری

مرضی۔" اس بار میڈم نے بے نیازی ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا۔

بات تو درست تھی۔۔۔ آخر وہ کہاں جاتی اس انجانے شہر میں کوئی تھا بھی نہیں اس کا اپنا جس کے گھر پناہ لے سکتی۔ آخر کار ہار کر اسے رکنا پڑا لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کس دلدل میں جا پھنسی ہے۔ یہ وہ گلی تھی جو آگے جا کر بند ہو جاتی ہے۔ واپسی کا کوئی راستہ نہیں۔ وہ اپنے خواب لے کر گھر سے نکلی تھی اور خواب تو کہیں راستے میں ہی بکھر گئے تھے۔ اب تو اس کے پاس گھر بھی نہیں تھا۔ وہ کوٹھی میں رہنے کے خواب دیکھتی تھی لیکن بدنصیبی سے وہ کوٹھے پر پہنچ گئی تھی۔ میڈم نے اسے ایک آرام دہ کمرے میں پہنچا دیا تھا اور اس کا حلیہ بھی درست کروانے کے لیے ایک لڑکی کو اس کے پاس بھیج دیا تھا۔ بابا کو معقول رقم دے کر اسے خوش کر دیا اور وہ دعائیں دیتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

رات دھیرے دھیرے اپنے جوبن پر آ رہی تھی اور آہستہ آہستہ اس لڑکی کی سمجھ میں سب کچھ آ گیا میوزک کی آواز قہقہوں کی گونج نے اسے کمرے سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ جب اس نے اپنی آنکھوں سے اس شاندار بنگلے کی ایک ایک اینٹ کو گناہ کی لپیٹ میں دیکھا تو سر تھام کر رہ گئی اور الٹے قدموں بھاگتی ہوئی کمرے میں آئی اور دروازے کو لاک کر کے وہیں سہمی سہمی بیٹھ گئی۔

"یا اللہ! یہ میں کہاں آ گئی۔۔۔"

اس کا گلا ڈر اور دہشت کے مارے خشک ہونے لگا تھا۔ ساری رات وہیں بیٹھے بیٹھے گزار دی۔ صبح ہوتے ہی وہ بنگلہ پر سکون ہو گیا اور اس کی سانس میں سانس واپس آئی۔ لائبہ، میڈم، ماہین اور بھی دو تین لڑکیاں ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھیں ناشتا کرنے میں مصروف تھیں جب گھر کی ملازمہ نے آ کر میڈم کو خبر دی۔

"میڈم! وہ لڑکی دروازہ نہیں کھول رہی ہے۔۔۔ میں کب سے دروازہ بجا رہی ہوں لیکن وہ کوئی جواب بھی نہیں دیتی۔"

"گھر کی چابیاں لے جاؤ اور دروازہ کھول لو۔۔۔ اس سے کہو میں اسے بلا رہی ہوں۔" حکم ملتے ہی ملازمہ وہاں سے چلی گئی جبکہ ماہین نے نہ سمجھنے والے انداز میں میڈم اور لائبہ کو دیکھا تھا۔ لائبہ بھی حیران تھی تب ہی میڈم سے پوچھ بیٹھی۔

"میڈم کوئی نئی لڑکی آئی ہے کیا؟"

"ہاں! گاؤں سے کوئی چکما دے کر شہر لایا تھا اور اسٹیشن پر چھوڑ کر غائب ہو گیا۔ تب ہی بشیر بابا نے اسے وہاں دیکھا اور یہاں لے آیا۔" ماہین کا دل دکھا تھا۔ یعنی ایک اور بے چاری ان مردوں کے بنے ہوئے جال میں پھنس کر یہاں آئی تھی۔ وہ دل ہی دل میں نجانے کیا سوچ رہی تھی کہ اچانک ملازمہ اسے ساتھ لیے وہاں چلی آئی۔ اس لڑکی پر نظر پڑتے ہی ماہین بری طرح ہرٹ ہوئی تھی۔ وہ بہت معصوم اور خوب صورت تھی اور جس طرح اس نے سب کو دیکھ کر نظریں جھکائی تھیں اور دوپٹا درست کیا تھا اس سے اس کی شرافت اور معصومیت کا اندازہ باخوبی لگایا جا سکتا تھا۔

"کیا بات ہے۔۔۔ دروازہ کیوں نہیں کھول رہی تھیں تم؟" میڈم نے بڑے آرام سے پوچھا تو وہ گھبرا کر ٹوٹی پھوٹی مدہم آواز میں بولی۔

"مجھے یہاں نہیں رہنا۔۔۔ مجھے اپنے گاؤں واپس جانا ہے۔"

"گاؤں جا کر کیا کرو گی؟" اس کی خاموشی پر وہ پاس ہی پڑی کرسی پر اشارہ کرتے ہوئے بولیں۔

"بیٹھو، پہلے ناشتا کر لو۔۔۔ پھر تمہیں جہاں جانا ہو چلی جانا۔" وہ خوش ہو گئی اور فوراً" حکم ملتے ہی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد میڈم نے ایسی ایسی باتوں اور ڈراوؤں سے اس لڑکی کو باہر کی دنیا کا ڈراوا دیا کہ وہ بری طرح ڈر گئی۔ میڈم کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ اس کا باپ اس کی شادی کسی بوڑھے آدمی سے کرنا چاہتا تھا۔ ماں بے چاری بوڑھی اور بیمار تھی جو اپنے شوہر کے فیصلے پر خوش تھی جبکہ بے چاری سترہ

سالہ معصوم لڑکی تھی۔ وہ اس ایج میں بھی تھی جب لڑکیاں خوب صورت ہمسفر کے ساتھ کے خواب بنتی ہیں اور اس کا یہ خواب شہر سے آئے عمران نے پورا کیا تھا۔ وہ خوب صورت اور جوان تھا اور محبت کے سہانے خواب دکھا کر اسے بہلا پھسلا کر گاؤں سے بھگا کر لایا تھا۔ اس نے اپنی خوشی پوری کی تھی۔ اپنی خوشی کی خاطر اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔ اپنے ماں باپ کی عزت' اپنی عزت اور اس کے ساتھ کچھ بھی نہ آیا۔ وہ گھر سے بھاگ گئی تھی اس لڑکے کے ساتھ کہ جس نے اس سے شادی کا وعدہ کیا تھا' اس لڑکے کے ساتھ جس نے اسے سنہری خواب دکھائے تھے اور وہ ان خوابوں کی تعبیر تلاشتے تلاشتے ان گلیوں میں آگئی تھی کہ جہاں سے واپسی کا راستہ ممکن نہ تھا۔ اس لڑکے کا ساتھ دو راتوں تک کا تھا اور پھر اس نے اس کا ساتھ لاہور کے اسٹیشن پر چھوڑ دیا تھا۔

"یہاں بیٹھو میں ابھی ٹیکسی ڈھونڈ کر لاتا ہوں پھر ہم دونوں اپنی نئی زندگی کا آغاز کریں گے۔" وہ جاتے جاتے بھی اسے خواب دکھا گیا تھا۔

"یا اللہ! میں کہاں جاؤں... وہ کہاں چلا گیا' وہ مجھے اکیلا چھوڑ گیا... ساری زندگی ساتھ نبھانے کا وعدہ کرکے وہ راہ پر اکیلا چھوڑ گیا... میں کیا کروں... گاؤں واپس بھی نہیں جاسکتی... گاؤں والے جان سے ماردیں گے... ایک تو ہی میرا سہارا ہے... یا اللہ مجھے کسی بڑی آزمائش سے بچانا میرے مولا۔"

"بیٹی کیا ہوا گاڑی چھوٹ گئی ہے کیا؟" وہ خاموش رہی کیوں کہ ان میں سے کسی بھی سوال کا جواب اس کے پاس نہ تھا۔

"کیا اس شہر میں کوئی تمہارا رشتہ دار ہے؟" بابا مسلسل سوال کر رہا تھا لیکن اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"بیٹی رات بہت ہوگئی ہے۔ یہاں سب بھیڑیے ہیں کسی کا کوئی بھروسا نہیں ہے۔ تم میرے ساتھ چلو۔" اس نے کسی نہ کسی پر تو بھروسا کرنا ہی تھا۔ پھر وہ ایک بزرگ تھا شکل سے بھی شریف لگ رہا تھا اس لیے دل میں کئی وسوسے لیے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بابا کے پیچھے چل پڑی اور وہاں آگئی جہاں صبح اس وقت ہوتی تھی جب شریف لوگ سوتے تھے۔

اس نے اپنا نام زاہرہ بتایا تھا۔ نام کی طرح وہ خود بھی بہت خوب صورت تھی۔ میڈم کو وہ بہت اچھی لگی تھی اور وہ اس ہیرے کو گنوانا نہیں چاہتی تھیں اس لیے باہر کی دنیا کی اصلیت بتاتے ہوئے اپنے پاس رہنے کی آفر کی' ٹھیک اسی طرح جس طرح ماہین سے کی تھی۔ اسے بھی کوئی دھوکا دے گیا تھا۔ وہ لڑکی اسے بہت اپنی سی لگی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس دلدل میں پھنسے لیکن وہ ایک کمزور سی لڑکی تھی جو ابھی تک خود کو اس دلدل سے آزاد نہیں کرپائی تھی تو اس لڑکی کو کیسے آزادی دلاسکتی تھی۔

عورت کی قسمت بڑی عجیب ہوتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ آگ میں ہاتھ ڈالنے سے ہاتھ جل جائے گا اور پھر بھی وہ اس سلگتی آگ میں ہاتھ ڈال دیتی ہے۔ یہ عورت کا وہ کردار ہے کہ جس کے بارے میں لوگ اچھی رائے نہیں رکھتے اور کبھی بھی ایسی عورت کے بارے میں بات کرنا پسند نہیں کرتے اور اگر کبھی ایسا موقع آبھی جائے تو ہمیشہ اس کے کردار پر کیچڑ اچھالا جاتا ہے حالانکہ اس عورت کو اس جال میں پہنچانے کا ذمہ دار بھی انہیں لوگوں میں سے ایک شخص ہوتا ہے۔ کوئی یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتا کہ عورت اس کردار تک آخر کیونکر پہنچائی گی... اس کی کیا مجبوری تھی' کیا کہانی تھی۔ کچھ عورتیں اپنی مجبوری کے ہاتھوں مجبور ہوکر اس پیشے کو اپناتی ہیں' کچھ عورتیں ڈرا دے' دھمکا دے میں آکر اس پیشے کو اپنا نصیب سمجھ کر چپ رہتی ہیں اور کچھ گناہ سے بھرپور زندگی گزارنے کی بجائے موت کو ترجیح دیتی ہیں۔

یہ کردار ایسی لڑکیوں کے لیے پیغام ہے جنہیں نصیحتیں پابندیاں لگتی ہیں۔ دراصل نصیحتیں ہماری بھلائی کے لیے ہوتی ہیں۔ اگر سمجھ سے کام لیا جائے تو' ورنہ زندگی ایک جہنم بن جاتی ہے جہاں ہر حال میں جلنا پڑتا ہے۔ زندگی اس راہ پر لے جاتی ہے

جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں۔ کال گرل، طوائف سننے میں بہت ہی شرمناک الفاظ ہیں لیکن ان عورتوں کی زندگی سے کوئی واقف نہیں اور نہ ہی کسی کے پاس اتنا وقت ہے جو اس گناہ گار کی داستان سنے کہ اس کو گناہ گار بنایا کس نے؟

عورت نے جنم دیا مردوں کو
مردوں نے بازار دیا
جب جی چاہا مسلا کچلا
جب جی چاہا دھتکار دیا

✡ ✡ ✡

وہ عصر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تو لائبہ اس کے کمرے میں چلی آئی اور بڑی دلچسپی سے اسے جائے نماز پر بیٹھے دعا مانگتے ہوئے دیکھتی رہی، وہ جیسے ہی دعا سے فارغ ہوئی تو لائبہ مسکرا کر بولی۔

"اتنی نمازیں پڑھتی ہو، اتنی دعائیں مانگتی ہو، لیکن اس سب کا کیا فائدہ جب تم جانتی ہو کہ تمہاری زندگی تمہیں اس مقام تک لے آئی ہے جہاں صرف گناہ کا راج ہے۔ جہاں تمہاری مرضی کے بغیر تمہیں گناہ کرنا ہوگا۔" اس کے چہرے پر نور تھا۔ اس نے جائے نماز سے اٹھنے کا ارادہ ترک کرکے وہیں بیٹھے بیٹھے ہی بھرپور اعتماد کے ساتھ لائبہ کی جانب دیکھ کر کہا۔

"تم جانتی ہو لائبہ! جب بیٹی پیدا ہوتی ہے تو والدین کہتے ہیں کہ اس کے لیے صرف دعائیں کی جائیں کیوں کہ دعا ہی وہ طاقت ور ہتھیار ہے۔ جو ہماری قسمت بدل سکتا ہے۔ دعا ہی وہ اعتماد ہے۔ جو ہم جیسی لڑکیوں کے لیے مناسب ہے۔ دعائیں بہت بڑا حوصلہ، بہت بڑا سہارا ہوتی ہیں ہماری زندگی کے لیے۔ میں اکثر سوچتی ہوں کہ اگر اللہ سے بات کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا تو کیسے جی پاتی میں۔ یہ دعائیں کرنا اللہ سے باتیں کرنا ہی تو ہوتی ہیں، اپنے دل کے سارے راز لفظوں سے کھولنا، کیوں کہ ویسے تو اللہ ہماری نیت جانتا ہے۔ ہمارے الفاظ تو بس ہمارے اندر کے بوجھ کو ہلکا کرنے اور تھوڑا سکون حاصل کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔

بہت چین ملتا ہے جب پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں۔ ایک عجیب سا اعتبار، ایک عجیب طرح سے ہم مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہاں وہ جس نے ہمیں تخلیق کیا وہ ہمیں سن رہا ہے۔ دعا ایک ایسا ہتھیار ہے جسے استعمال کرنے پہ نہ کوئی سزا ہے نہ گناہ۔ یہ ایسی طاقت ہے جو سب کچھ پاس ہے۔ بس اسے کیسے استعمال کرنا ہے یہ سیکھنے اور محسوس کرنے کی بات ہے۔ اللہ رگ رگ سے قریب ہے۔ نس نس میں بسا ہوا ہے۔"

"یہ بس کہنے سننے کی باتیں ہیں۔ دعائیں قبول ہوتیں تو آج دنیا کہاں سے کہاں ہوتی آج کل کے دور میں کون یقین کرتا ہے ان سب باتوں پر؟" لائبہ کچھ لمحوں کے لیے سنجیدہ ہوئی تھی اور پھر ایک جذب کے عالم میں بولی تھی۔

"آج سے کچھ عرصہ پہلے میں نے ایک الٹرا ساؤنڈ بچے کی تصویر دیکھی تھی، اس نے ایسے ہاتھ رکھے ہوئے تھے جیسے ہم دعا مانگتے وقت رکھتے ہیں۔ یعنی یہ سلسلہ ایک طرح سے ہمارے اس دنیا میں آنے سے ہر شخص، ہر انسان جس میں ذرا سی جان ہے وہ دعاؤں کا سہارا کبھی نہ کبھی ضرور لیتا ہے۔ کوئی مانے نہ مانے، دعا چاہے دل سے کرے، آنکھوں سے اشکوں کی صورت کرے، زبان سے الفاظ کی صورت کرے، ہاتھ اٹھا کر کرے یا کھڑے ہو کر کرے ہر حال میں انسان دعا ضرور کرتا ہے کیوں کہ یہ فطرت ہے اور فطرت کبھی نہیں بدلتی۔"

"اچھا چلو تمہاری بات مانی۔ لیکن ثبوت بھی ہونا چاہیے نا۔ مجھے تم بتاؤ کہ تمہاری دعا قبول کیوں نہیں ہوتی۔ وہ عظیم ذات یہی کہتی ہے نا کہ میری عبادت کرو مجھے یاد کرو، مجھ سے فریاد کرو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ تم کتنی عبادت کرتی ہو تمہاری تو تمام دعائیں رائیگاں جاتی ہیں۔" ماہین پہلے تو اسے دیکھتی رہی پھر جائے نماز تہ کرکے اس کے قریب جاکر بڑے اطمینان سے بولی۔

"کوئی بھی دعا رائیگاں نہیں جاتی۔ اللہ سب کو سنتا

ہے لیکن صحیح وقت پر ہمارے ہر کام کی تکمیل ہوتی ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ ہمارے لیے کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔ دعائیں قبول ضرور ہوتی ہیں اور جو کہیں ہو تمیں وہ اللہ کے پاس محفوظ ہوتی ہیں۔ ماشاء اللہ کتنی خوب صورت جگہ ہماری دعائیں محفوظ ہوتی ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

شدت درد میں ہونٹوں پہ دعا کا ہونا
ثابت اس سے بھی ہوتا ہے خدا کا ہونا

اللہ کی ذات اور اس کی رحمتوں کا ثبوت تمہیں دنیا کے ہر کونے سے ملے گا۔ ہم لوگ بے پناہ غفلتیں کرتے ہیں اور وہ پاک ذات پھر بھی بے حد رحمتوں سے نوازتی ہے۔ نہ ہماری خطا کا شمار ہے نہ اس کی عطا کا شمار ہے۔ اللہ سب کو سنتا ہے اور ایک دن میری بھی سنے گا اور مجھے یقین ہے۔ میری عبادت میری دعائیں اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرمائے گا۔"

لائبہ کسی سکتے کی سی کیفیت میں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بالکل گم سم تھی۔ کوئی اس کے اندر ہی اندر ضرب لگا رہا تھا۔ چٹان چیخ کر ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہونے لگی تھی' لاوا پھٹ رہا تھا' اس کی لپیٹ میں سارا جسم آنے لگا تھا ماہین ایک گہری سانس خارج کر کے گویا ہوئی۔

"وہ جو خالق کائنات ہے۔ معبود حقیقی ہے۔ وہ جو مشاورت سے پاک ہے۔ وہ جو غفلت سے پاک ہے۔ وہی ہے اور کوئی نہیں۔ اس کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔ چند روزہ زندگی اور پھر مستقل زندگی۔ دو روز کا عیش نہیں بلکہ مرنے کے بعد کا سکھ سوچو لائبہ! مرنے کے بعد کا سوچو۔" اس کے اندر کچھ ٹوٹا تھا۔ اسے ایسا لگا تھا جیسے وہ عرصہ دراز سے غفلت کی نیند سو رہی تھی اور پھر ایک دم چیخوں کی آواز۔

"یا اللہ خیر!"

ماہین دل پر ہاتھ رکھ کر دروازے کی طرف لپکی تھی لائبہ اس کے پیچھے تھی۔ تھوڑا سا دروازہ کھل کر دونوں باہر کا منظر دیکھنے لگی تھیں۔ زاہرہ ڈر کے مارے کانپ رہی تھی اور چیخ کر التجا کر رہی تھی۔

"چھوڑو مجھے۔ مجھے جانے دو۔"

ایک رئیس خاندان کا چشم و چراغ زاہرہ کا بازو تھامے اسے گھسیٹتا ہوا سیڑھیوں کی جانب بڑھ رہا تھا تب ہی میڈم تقریباً بھاگتی ہوئی وہاں آئی تھیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"یہ تو آپ نے زیادتی کی۔ اصلی ہیرے کو اب تک ہم سے چھپا کر رکھا ویری بیڈ۔" وہ ایک ادا سے بولا تو میڈم کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"دیکھو وقار تم ابھی اسے چھوڑ دو۔ یہ کل رات ہی آئی ہے۔ ابھی اس کی گرومنگ کرنی ہے۔ تمہارے لیے میں نے کچھ اور سوچا ہے۔ تم آؤ نیچے آؤ۔ ہم بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

"ارے واہ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔ ایسے کیسے چھوڑوں اسے۔ وہ تو میں لائبہ کو ڈھونڈتے ہوئے اس طرف آنکلا تھا تب ہی یہ محترمہ مجھے اس کمرے سے باہر نکلتی نظر آئیں۔ گرومنگ تو قدرتی ہے۔ مجھے کچھ اور نہیں چاہیے۔"

"زاہرہ تم اندر جاؤ۔" میڈم نے اس کا بازو چھڑوا کر اسے اندر جانے کا حکم دیا تو وہ تقریباً دوڑتی ہوئی کمرے میں گئی تھی۔ وقار خاصا برہم ہوا تھا تب ہی میڈم اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے بولیں۔

"معاملے کی سنگینی سمجھو وقار۔ اس طرح نہیں کرتے۔ وہ شریف گھر کی لڑکی ہے اور اس کی شرافت اترنے میں تھوڑی دیر تو لگے گی ہی۔ زور زبردستی کرنے سے معاملہ بگڑ سکتا ہے۔ ڈونٹ وری تمہیں یہی ہیرا ملے گا لیکن تھوڑا صبر سے کام لو۔"

"مجھے یہ ہیرا آج ہی چاہیے۔ آپ کو منہ مانگی رقم دوں گا۔" میڈم یہی تو چاہتی تھیں۔ وقار کی آفر پر وہ کھل اٹھیں اور سرگوشیانہ طریقے سے پلاننگ بتاتے ہوئے اس کے ساتھ سیڑھیاں اتر گئیں۔

آنسوؤں کی ندی مسلسل بہہ رہی تھی اور وہ بہت دکھ سے لائبہ کی طرف دیکھ کر بولی تھی۔

"اب کیا ہوگا؟"

"کیا ہو سکتا ہے۔ وہی ہوگا جو برسوں پہلے میرے ساتھ ہوا اور آنے والے کچھ ہی دنوں میں تمہارے

ساتھ بھی ہوگا۔" وہ رو رہی تھی۔

"میں کیا کر سکتی ہوں ماہین۔ میں کچھ نہیں کر سکتی۔۔۔ تم کہتی ہو ناکہ اللہ دعا سے قسمت بدل دیتا ہے۔۔۔ تم اس کے لیے دعا کرو شاید اللہ اس کی قسمت بدل دے شاید وہ بچ جائے۔ شاید اس بار تمہاری دعا اثر کر جائے اور وہ درندہ صفت انسان اس کی آبرو کو میلا نہ کر پائے۔ دعا کرو۔" لائبہ پورے یقین سے اس کی طرف دیکھ کر کہہ رہی تھی جیسے اس بار واقعی اس کی دعا قبول ہو جائے گی۔ ماہین بہتی آنکھوں سے جائے نماز کی جانب بڑھی اور خدا کے حضور سجدے میں گر گئی۔

رات کے سناٹے میں اس محل میں صبح ہوئی تھی۔ وہی میوزک' وہی قہقہوں کی گونج چار سو پھیلی تھی۔ وہ ابھی تک جائے نماز پر بیٹھی اپنے رب سے دعا مانگ رہی تھی۔

"یا اللہ ہماری آبرو کی حفاظت فرما۔ یا اللہ تو کہاں ہے۔۔۔ یا اللہ اسے بچالے۔۔۔ اسے اس گناہ سے بچالے۔۔۔" کمرے کے باہر ہلچل محسوس ہوئی تھی اور چند دبی ہوئی چیخیں وہ دوڑتی ہوئی دروازے تک پہنچی اور پھولتی سانسوں سے باہر کا منظر دیکھنے لگی۔ وقار مسلسل دروازے پر دستک دے رہا تھا اور زاہرہ بند دروازے کے پیچھے سے چیخ رہی تھی۔

"چلے جاؤ یہاں سے اللہ کا واسطہ ہے چلے جاؤ۔" ملازمہ گھر کی چابیاں لائی تھی جن کے ذریعہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ ماہین سے رہا نہ گیا اور وہ بھی پٹ دروازہ کھولتی اس کے پیچھے لپکی تھی۔ ہلکا سا جھٹکا دینے سے دروازہ کھل گیا اور وہ اندر داخل ہو گئی۔ زاہرہ بین کر رہی تھی اور اس کا دوپٹا اس درندے کے ہاتھوں میں تھا۔

"چھوڑ دو اس کو خبیث انسان۔" ماہین اس کو دھکا دیتے ہوئے زاہرہ کے آگے دیوار بن کر بولی تو زاہرہ اس کے گلے لگ کر رو دی۔ وقار پہلے تو حیران اور خاصا برہم ہوا اور پھر ماہین کو سر تا پاؤں تک غلیظ نظروں سے دیکھتے ہوئے سیٹی بجا کر دوپٹا بیڈ پر اچھال کر بولا۔

"واہ۔۔۔ داد دینی پڑے گی تمہاری میڈم کی۔۔۔ اصلی نگینے ہم سے چھپا کر رکھے انہوں نے۔"

اس کے ہر لفظ سے غلاظت ٹپک رہی تھی۔ پھر وہ ہونٹوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے خباثت سے مسکراتے ہوئے آگے بڑھا تھا۔

"اگر تم نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو اچھا نہیں ہوگا۔" ماہین چنگاری تھی جبکہ اندر سے وہ بری طرح لرز رہی تھی۔

"کیا کرلوگی۔۔۔ جان سے مار دوگی؟ ارے ہم مرنا چاہتے ہیں۔۔۔ تم جیسی خوب صورت لڑکی کے ہاتھ سے قتل ہونے کو بھی تیار ہیں۔"

وہ ادھ جلا سگریٹ ہوا میں اچھال کر آگے بڑھا تو ماہین نے پاس پڑا قیمتی گلدان اٹھا کر اسے دے مارا لیکن وہ نہایت پھرتی سے پیچھے ہٹا اور بچ گیا۔

"ارے باپ رے۔۔۔ تم تو واقعی میری جان لینا چاہتی ہو۔۔۔ لیکن اتنی جلدی کیا ہے۔۔۔ بہت بھاری قیمت ادا کی ہے اس کی۔۔۔ وہ قیمت تو وصول کرنے دو۔"

"تم جیسے درندے کو کیا معلوم کہ انسان کی قیمت نہیں لگتی۔ انسان فارسیل نہیں ہوتا۔۔۔ اللہ سے ڈرو۔۔۔ قیامت کے دن اللہ کا سامنا کس منہ سے کروگے۔ تمہاری کوئی ماں بہن نہیں ہے کیا۔۔۔"

"ماں بھی ہے بہن بھی ہے لیکن تمہیں کیا رشتہ داری جوڑنی ہے ان سے؟ قیامت جب آئے گی دیکھی جائے گی لیکن ابھی اس قیامت سے تو نپٹنے دو ڈارلنگ۔" وہ خباثت سے مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور زاہرہ کو بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ کر ماہین کو بیڈ پر دھکا دے دیا۔

ماہین کی وجہ سے زاہرہ میں تھوڑی ہمت آئی تھی تب ہی وہ خود کو چھڑانے کی بھرپور کوشش میں ایک زور دار طمانچہ اس کے منہ پر رسید کر کے اپنا آپ اس سے بچا پائی تھی۔ وقار کے لیے یہ ایک غیر متوقع بات تھی۔ اس کی غیرت نے اسے للکارا تھا۔ ایک کمزور سی لڑکی کے ہاتھوں تھپڑ کھانا اسے گوارا نہ گزرا اور بنا سوچے

سمجھے اس نے اپنی پینٹ کی پچھلی جانب ہاتھ ڈال کر گن نکالی اور چھ کی چھ گولیاں زاہرہ کے سینے میں اتار دیں اور وہ حقارت سے اسے دیکھتا ہوا باہر نکل گیا جبکہ ماہین کے لیے وہ سب کچھ کسی قیامت سے کم نہ تھا وہ گرتی پڑتی زاہرہ تک پہنچی لیکن زاہرہ اپنے خالق حقیقی سے جاملی تھی۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور آنکھوں سے آنسو کا قطرہ گال پر اٹکا تھا۔

''زاہرہ... زاہرہ...'' ماہین چلا رہی تھی۔ لائبہ تقریباً ''دوڑتی ہوئی کمرے میں آئی۔ اس کی آنکھیں اشک بار تھیں' اس نے ماہین کو گلے لگایا اور رودی۔

''لائبہ یہ کیا ہوگیا۔'' ماہین مسلسل رو رہی تھی۔ لائبہ رندھی آواز میں بولی۔

''ماہین' رب نے تمہاری دعا قبول کرلی... اللہ نے اسے اپنے پاس بلالیا... دیکھو اس کی آبرو پر کوئی آنچ نہیں آئی... اللہ نے اس کی عزت کی حفاظت کی اور باحفاظت اسے اپنے پاس بلالیا...'' وہ بہتی آنکھوں سے ماہین کو دیکھ کر روتے ہوئے مسکرا بھی رہی تھی جبکہ ماہین سکتے کے سے عالم میں کبھی لائبہ تو کبھی زاہرہ کے وجود کو دیکھتی' میڈم اور چند لڑکے لڑکیاں بھی کمرے میں آچکے تھے۔ میڈم خاصی برہم تھیں۔

''تمہیں کس نے دعوت دی تھی اس کمرے میں آنے کے لیے؟'' میڈم کی غصیلی آواز ماہین کی سماعت سے ٹکرائی تو وہ سہم گئی۔

''تم سب کان کھول کر سن لو... یہ بات یہیں اس کمرے میں دفن ہوجانی چاہیے۔ اگر غلطی سے بھی کسی نے یہ بات آؤٹ کرنے کی کوشش کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا... سمجھے تم سب...'' تمام لڑکیاں ڈر اور خوف سے سہمی ہوئی تھیں اور فوراً ''جی حضوری کرنے لگیں۔

''فضل اس لاش کو اٹھا کر کسی قریبی قبرستان میں دفنا دو... کسی کو ہلکا سا شک بھی نہیں ہونا چاہیے۔ رات کے سناٹے میں ہی اس کو زمین کی گہرائی میں اتار دو...'' ساتھ آیا ملازم جی حضوری کرتا ہوا سرہلاتا رہا اور میڈم ماہین کو بالوں سے پکڑ کر اس کے کمرے تک کھینچ کر لائی تھیں۔

''کیا آفت آئی تھی تجھے جو اس کمرے تک گئی۔ یہ سب تیری وجہ سے ہوا ہے۔'' میڈم نے ایک تھپڑ اس کے گال پر رسید کیا' اور وہ زمین پر جاگری۔ میڈم نے ایک بار پھر بالوں سے پکڑ کر اس کا منہ اونچا کیا وہ مسلسل رو رہی تھی۔

''یہ نقصان بھی تو ہی پورا کرے گی چل میرے ساتھ...'' میڈم اسے بالوں سے پکڑ کر سیڑھیاں اتر گئیں اور لاؤنج میں بیٹھے رئیس مہمانوں کے جھرمٹ میں اسے زمین پر گرادیا۔ سب حیرانی اور بھوکی نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔ وہ روتے ہوئے اپنا دوپٹا صحیح کرنے لگی۔

''اب تیری بولی لگے گی... دیکھتی ہوں تو خود کو کیسے بچاتی ہے۔''

میڈم مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئی اور بلند آواز سے بولیں۔

''یہ ایک نئی چڑیا ہے جو اپنے یار کے ساتھ پنجرے سے بھاگی تھی لیکن اس نے اپنے دن پورے کیے اور چھوڑ دیا پھر بے چاری قسمت کی ماری یہاں تک پہنچ گئی... نمازیں پڑھتی ہے... پورے پانچ وقت کی... سمجھتی ہے کہ اس کی نمازیں اسے بچالیں گی۔''

میڈم کے ساتھ ساتھ سب نے قہقہہ لگایا تھا۔ لائبہ کٹھ پتلی بنی ہوئی تھی وہ کچھ کر بھی نہیں سکتی تھی۔ بہتی آنکھوں سے سب کی سمت دیکھ رہی تھی۔

''دیکھتے ہیں... آج اس کی نمازیں اسے کیسے بچاتی ہیں... بولی لگایے اور جس کی بولی زیادہ ہوگی وہ ہی اس کا مالک...'' میڈم خباثت سے ہنس دیں۔ اتنے میں ایک بھاری مردانہ آواز ابھری۔

''اس ہیرے کی بولی لگانا سراسر ناانصافی ہے... ہیرے کی کبھی بولی نہیں لگتی کیوں کہ وہ انمول ہوتا ہے۔''

''ارے شیخ صاحب آپ کب آئے؟'' شیخ داؤد کو ماہین کے عقب میں کھڑا دیکھ کر میڈم مسکرا کر بولی تھیں۔

شیخ داؤد لاہور کا سب سے بڑا ڈان تھا جس کے ایک اشارے پر بڑے سے بڑا کام بہ آسانی ہوجاتا تھا۔ وہ تقریباً" چالیس سالہ مرد تھا اور اکثر میڈم کے یہاں سے لڑکی پسند کر جاتا اس سے باقاعدہ نکاح کرتا اور حق مہر کے طور پر ایک بنگلہ اور ڈھیر ساری دولت کے عوض صرف چند ہفتے یا چند ماہ اس لڑکی کے ساتھ گزارتا اور ہوس پوری ہوجانے پر چھوڑ دیتا۔ لیکن اس پل وہ ماہین کا مہربان بن کر آیا تھا جس کی وجہ سے اس کی بولی لگتے لگتے بچی تھی۔

"اس لڑکی سے ہم نکاح کریں گے... کوئی اس کی بولی نہیں لگائے گا۔ کل صبح اسے ہماری دلہن کے روپ میں تیار کرکے ہماری حویلی پہنچا دینا ہم وہیں نکاح پڑھوائیں گے۔ جاؤ لڑکی جاؤ اپنی خواب گاہ میں جاؤ۔"

ماہین دوڑتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ گئی... اپنے کمرے میں آکر خوب روئی۔ چند لمحوں بعد دروازہ کھلا اور شیخ داؤد اندر داخل ہوا۔ اسے وہاں دیکھتے ہی اس کے حواس گم ہونے لگے اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ شیخ داؤد چند قدم کے فاصلے پر رک کر دھیمی آواز میں بولا۔

"گھبراؤ نہیں... نکاح سے پہلے ہم تمہیں ہاتھ تک نہیں لگائیں گے۔ تم ہمیں اچھی لگی... دل آگیا تم پہ... کم بخت ہے ہی ایسی چیز۔ تم فکر مت کرو... تمہاری ہر خواہش پوری ہوگی... جتنی دولت مانگو گی ملے گی... آزادی سے گھوم پھر سکو گی... بس آج کی رات ہے... کل تم ہمارے محل کی رانی ہوگی... روؤ مت... اپنا خیال رکھو..." وہ باہر نکل گیا اور ماہین ایک بار پھر تکیے سے لپٹ کر رو دی۔

☆ ☆ ☆

عورت اک سمندر کی طرح ہے۔ جو اپنے اندر کئی طوفان، کئی نگینے چھپائے پرسکون نظر آتی ہے۔ شاید اسی لیے آج بھی عورت کو سمجھنے کا دعوا کرنے والے بھی صحیح انداز میں عورت کی گہرائی تک نہیں پہنچ پاتے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح غوطہ زن سمندر سے لعل و جوہر تو نکالنے میں کامیاب رہتا ہے مگر پھر بھی پورے سمندر کی گہرائی ناپنے کی وسعت نہیں رکھتا۔

ماہین کی بھی بڑی چاہ تھی کہ کوئی اس کا ہو کوئی ہو جو اسے چاہے، کوئی ہو جو اس کی ہر ایک خوشی پر خود کو قربان کردے لیکن بدقسمتی سے محرم اس کی زندگی میں کالی آندھی بن کر آیا اور سب کچھ بکھر گیا۔ ماہین اس مقام تک پہنچ گئی جہاں کا اس نے کبھی خواب میں نہ سوچا تھا۔ یہ ایسا درد تھا جس نے اس کی دل کی بستی کو دہلا دیا تھا۔ محرم نے اس کی ذات کے پرخچے اڑا دیے بس اس کا دل چاہتا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

عورت ذات کو نہ کبھی کوئی سمجھ پایا اور نہ کبھی سمجھ پائے گا کہ عورت کا ایک روپ سمندر کا ہے تو ایک روپ اس لکڑی کی صورت ہے جو آدمی کی ہر ضرورت کو پورا کرتی چلی جاتی ہے بنا یہ سوچے کہ اس کے عوض جانے کیا ملے گا۔ پھول سے دامن مہکے گا یا پھر خار سے دامن لہولہان ہوگا۔ لڑکی اور لکڑی میں فرق کیا ہے؟ صرف ایک حرف کا ہی ورنہ کام تو دونوں کا ہی ایک ہی ہے کہ ان کی فطرت میں رکھا ہے اوروں کے لیے جینا اور اندر ہی اندر سلگتے رہنا۔

لائبہ کو بھی برسوں بیت گئے تھے۔ آسٹریلیا سے پاکستان آئے۔ اس کا بھی جی چاہتا تھا اپنی فیملی کے پاس جانے کو مگر افسوس کہ زیست کے اس بھنور سے نکلنے کی کوئی راہ نہ تھی۔ آٹھ سال گزر چکے تھے اور لگتا تھا کہ کل ہی کی بات ہے۔ جب عثمان اس کے گھر رشتہ لے کر گیا تھا۔ اس کے بہن بھائیوں نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر اس کی پسند کے آگے سب کو سر جھکانا پڑا کچھ عرصہ بعد وہ پاکستان چلے آئے۔ ائیرپورٹ پر پہنچتے ہی عثمان نے دھماکا کیا تھا۔

"لائبہ تم سے ایک بات کرنی تھی وہ یہ کہ ہم ابھی گھر جارہے ہیں مگر اس گھر میں میری پہلی بیوی اور دو بچے بھی ہیں۔ وہ میری کزن اور دیہاتی ہے۔ میرا اس کا گزارا نہیں... میں جلد تمہیں ایک گھر لے کر دوں گا

پھر ہم دونوں الگ رہیں گے بس کچھ دن صبر کرلینا' تمہیں اس لیے پہلے بتا رہا ہوں کہ تم پریشان مت ہونا۔" لائبہ تھی کہ اسے نہ کچھ سنائی دے رہا تھا اور نہ ہی کچھ سمجھ آرہا تھا بس جی چاہتا تھا کہ اس کا دل پھٹے یا پھر زمین۔۔۔ وہ شخص جس سے وہ بے انتہا محبت کرتی تھی وہ اس قدر دوغلا نکلا۔ قسمت نے عجیب دوراہے پر لا پٹخا تھا اسے نہ وہ آگے جاسکتی تھی نہ پیچھے۔۔۔ پیچھے کس منہ سے جاتی کہ پیچھے تو تمام کشتیاں جلا آئی تھی۔۔۔ سو آگے ہی جانا پڑا۔ وہ شخص جب چاہتا اسے بے عزت کرتا' مارتا' کردار کا ایسا تھا کہ سب پناہ مانگتے تھے۔ لائبہ کے بعد اس نے ایک اور شادی کرلی کہ عورت اس کے لیے صرف ایک ٹشو پیپر سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھی۔ اس لیے کئی عورتیں اس کی زندگی میں آئیں اور گئیں۔۔۔ ایک دن زبردست جھگڑا ہوا اور عثمان نے لائبہ کو طلاق دے کر گھر سے باہر نکال دیا۔۔۔ وہ روتی رہی مگر اب کیا ہوسکتا تھا اس کا اس پردیس میں کوئی تھا بھی نہیں۔۔۔ وہ بہت خوف زدہ تھی جو اسے اندر ہی اندر کھائے جارہا تھا کہ اس پردیس میں اکیلی کہاں جائے اور گھر والوں کے سامنے رسوائی الگ۔۔۔ اسے من مانی کرنے کی سزا ملی تھی۔۔۔

مرد سمجھتا ہے کہ عورت کو بہ آسانی بے وقوف بنالیا جاسکتا ہے۔۔۔ پر وہ یہ بھول جاتا ہے کہ صرف محبت کی آگ ہے جو عورت کو پگھلاتی ہے۔ ورنہ عورت چٹان کی طرح ہی ہے جسے کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتا۔۔۔ بس یہ کم بخت محبت کی آنچ ہوتی ہے جو آہستہ آہستہ چٹان میں سوراخ کرکے لاوا تیار کرتی ہے اور ایک چٹان بھی موم کی طرح ڈھے جاتی ہے۔

عورت عورت عورت۔۔۔ کتنے روپ ہیں عورت کے۔۔۔ کبھی اسے پیدا کرنے والے' پالنے والے نہ سمجھ پائے تو کبھی اس کو محبت میں پوجنے والے نہ سمجھ پائے۔ وہ بیٹی ہے' ماں ہے' بیوی ہے پر خاموشی سے سمندر کی طغیانی دل میں سمائے وہ دیمک زدہ لکڑی کی صورت اپنا بھرم بچائے موم کی طرح پگھلتا اپنا وجود اپنے محبوب کے لیے سجائے ہر روپ میں انتظار کی تپتی ریت میں چل رہی ہے اس امید پر کہ کبھی تو کہیں تو اک ذرا سی ٹھنڈی چھاؤں میسر ہوگی۔ عورت کا روپ سمندر ہے' دیمک زدہ لکڑی ہے' موم ہے تو ایک روپ آبگینے کا بھی ہے۔ ایسا آبگینہ جو اس خوف کی تحویل میں رہتا ہے کہ کہیں ٹوٹ نہ جائے۔ کہیں کسی کے لمس کا نشان اس کے حسن کو داغدار نہ کردے کہ کئی کردار ہیں جو اس نازک سے آئینے پہ ایک ہلکا سا نشان بھی برداشت نہیں کرپاتے۔

ماہین ایک آبگینہ تھی جس کے سامنے ایک حسین شہزادہ آیا تو لگا جس نے اس میں خود کو دیکھا اور اسے معتبر کردیا۔ اسے اتنی حفاظت اور پیار سے رکھا کہ اسے اپنے آبگینے ہونے پر رشک ہونے لگا۔۔۔ وہ شہزادہ روایات کی زنجیروں میں مقید اس بات کو بھول گیا کہ ریاستوں کے واسطے ارمانوں کا خون بہا معاف ہوا کرتا ہے۔۔۔ اور جب اسے یہ احساس ہوا تو وہ اپنی مجبوریوں کی داستان سنا کر اپنی ریاستوں کی سمت ہولیا۔۔۔ آج بھی ماہین اس کے لیے آنسو بہاتی تھی اور ان آنسوؤں سے اس کی روح تک دھندلائی ہوتی تھی۔۔۔ اس دھند لاہٹ میں ایک فقیرنی نظر آتی تھی جو کہ سراپا محبت ہی محبت تھی جس کا کشکول خالی تھا جو صرف محبت کے چند سکوں کی سوالی تھی۔۔۔ ماہین ایک خوف میں لپٹا آبگینہ تھی۔

مجھے درد عشق کی سزا معلوم ہے
مجھے پل بھر مسکرانے کی سزا معلوم ہے

☆ ☆ ☆

ڈارک میرون گولڈن بھاری کام والے شرارہ سوٹ میں طلائی زیوروں سے سجی ماہین نظر لگ جانے کی حد تک حسین لگ رہی تھی۔ صبیح رنگت پر رونے کی وجہ سے کس قدر سوزش زدہ پپوٹے فراخ پیشانی۔۔۔ تیکھی سی ناک اور باریک سے ہونٹوں کے کنارے ننھے سے براؤن تل نے اس کی خوب صورتی میں اضافہ کردیا تھا۔۔۔ وہ بارش میں بھیگی کبوتری کی طرح لائبہ کی پناہ میں سسک رہی تھی۔

"رونے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا ماہین۔۔۔ اپنے اندر اتنی ہمت پیدا کرو کہ اس کٹھن وقت کا بہادری سے سامنا کر سکو۔۔۔ اس وقت کو اپنی مٹھی میں بھر لو اور موقع دیکھتے ہی اس چنگل سے آزاد ہو جانا۔۔۔ مجھے یقین ہے کہ تم ایسا کر سکتی ہو۔۔۔ دیکھو ماہین وقت ہماری مٹھی سے پھسل جاتا ہے اور ہمیں پتا ہی نہیں چلتا کہ وہ پھسلتے پھسلتے ہماری خوشیوں کو بھی اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ ہم لڑکیاں بھی کتنی عجیب ہوتی ہیں۔۔۔ اپنے گھر کا آنگن ہوتی ہیں، دنیا کی تلخ ہواؤں اور طوفانوں سے بے خبر ہم اپنی آنکھوں میں بہت سے خوبصورت خواب سجا لیتی ہیں۔۔۔ بنا یہ سوچے کہ خوابوں کے ٹوٹنے سے جو کرچیاں ہماری آنکھوں کو زخم دیں گی، ان پر مرہم رکھنے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔۔۔ حقیقت سے انجام ہم لڑکیاں پچھتاتی ہیں کہ یہ خواب زخم دینے سے پہلے ڈراؤنے کیوں نہ ہوئے؟ ہمارے آنسو، احساسات، جذبات اور تمنائیں کبھی ظاہر نہیں ہوتیں، ہم بہت کچھ کہنا چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کہہ پاتیں۔۔۔ ہمارے جذبات اور تمنائیں ہماری مجبوریوں تلے دب کر دم توڑ دیتی ہیں۔ میں نے اپنی مجبوری میں اپنی ذات کو فراموش کر دیا لیکن پلیز کسی مجبوری یا کسی کمزور کو خود پر حاوی مت ہونے دینا۔ موقع پاتے ہی اس گناہ کی دنیا سے کوسوں دور چلی جانا۔"

"میں کہاں جاؤں گی لائبہ۔۔۔ میں زبیر بھائی کا سامنا نہیں کر سکتی۔۔۔ میں ان کی بدنامی کا سبب نہیں بننا چاہتی۔۔۔ میں نے پہلے ہی انہیں بہت دکھ دیے ہیں۔۔۔ میں کیا کروں۔ کہاں جاؤں۔۔۔" وہ ایک بار پھر بلک کر رودی۔

"رونے سے کسی پریشانی کا حل نہیں نکلتا۔"

"لائبہ جب کوئی اپنا نہ ہو تو صرف آنسو ہی ہوتے ہیں جو ساتھ دیتے ہیں دکھ بانٹتے ہیں دل کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں۔"

"اللہ پر ایمان ہے نا؟ تم خود ہی تو کہتی ہو کہ اللہ سب کی سنتا ہے۔ پھر کیوں گھبرا رہی ہو۔۔۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اللہ تمہاری مدد ضرور کرے گا۔۔۔ کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکل آئے گا۔۔۔ اللہ کسی بھی انسان پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔۔۔ میری جان۔۔۔ تم نے جتنی تکالیف سہی ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کے بدلے تمہیں بے پناہ خوشیاں دے گا۔۔۔ بس تم ہمت مت ہارنا۔۔۔ اللہ تمہاری حفاظت کرے گا۔"

اسی پل میڈم کمرے میں چلی آئیں اور ایک چبھتی ہوئی نگاہ ماہین پر ڈالی اور پھر اس کے نزدیک آکر بولیں۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔۔۔ شیخ داؤد بہت اچھا انسان ہے۔۔۔ اور ہاں پلیز اپنی نمازیں یہیں چھوڑ جانا۔۔۔" ماہین کی زبان کو تالے لگ گئے تھے۔ دماغ پھٹنے کو تیار تھا۔

"کام مشکل نہیں ہے اور پھر تم بالکل اناڑی نہیں ہو۔۔۔ تجربہ تمہارے پاس پہلے ہی ہے۔" میڈم کی یہ بات اسے جھنجوڑ دینے کے لیے کافی تھی وہ اکثر اسے کسی نہ کسی ذریعے سے یہ بات جتاتی رہی تھیں اور ماہین زمین میں گڑ جاتی تھیں۔

"چلو نیچے گاڑی تمہارا انتظار کر رہی ہے اور ہاں کوئی گڑبڑ مت کرنا۔۔۔ شیخ داؤد جتنا مہربان ہے اتنا ہی خطرناک ہے۔۔۔ یہ مت بھولنا کہ اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

وہ انسان کامیاب ہوتا ہے جس نے ابتدا کی تاریکیوں میں امید کا چراغ روشن رکھا۔۔۔ امید اس خوشی کا نام ہے جس کے انتظار میں غم کے ایام کٹ جاتے ہیں۔۔۔ امید کسی واقعہ کا نام نہیں، یہ صرف مزاج کی ایک حالت ہے۔۔۔ فطرت کے مہربان ہونے پر یقین کا نام امید ہے اور یہی امید اپنے دل میں لیے وہ اس محل سے رخصت ہوئی۔۔۔ کچھ دور جانے کے بعد بیچ سڑک پر گاڑی ایک جھٹکے سے رکی۔۔۔ شیخ داؤد کا ڈرائیور اور گن مین گاڑی سے نیچے اترے اور بونٹ چیک کرنے لگے۔ گاڑی بہت گرم ہو چکی تھی۔۔۔ بونٹ کھلتے ہی دھویں کا ایک غبار اٹھا تھا۔۔۔ ماہین نے یہ موقع غنیمت سمجھا اور بڑی آہستگی سے گاڑی کا دروازہ کھولتی گاڑی کی پچھلی جانب دوڑنے لگی۔۔۔ گن مین کی نگاہ پڑتے ہی وہ بھی اس کی طرف دوڑا۔

ماہین پاگلوں کی طرح ایک گلی سے دوسری گلی میں گھستی جارہی تھی۔ ایک دم ٹھوکر لگنے سے گری اور بمشکل خود کو سنبھالتی ہوئی گرتی پڑتی ایک بنگلے کا چھوٹا سا گیٹ ٹاپ کراندر گھس گئی۔ شیخ داؤد کا آدمی بھاگتا ہوا آگے نکل گیا لیکن ماہین اسے دور دور تک دکھائی نہ دے رہی تھی۔ گیراج میں ایک کرولا کھڑی تھی وہ اس گاڑی کے پیچھے جاکر بیٹھ گئی۔ اس کے ماتھے پر پسینہ تھا وہ لمبی لمبی سانسیں لیتی سہمی ہوئی زمین پر بیٹھی اپنے رب سے دعا مانگنے لگی۔

"یااللہ! میری مدد کر۔ ایک تیرا ہی سہارا ہے۔ میری مدد کر الٰہی!"

گاڑی کے پیچھے سے گیٹ صاف نظر آرہا تھا اور وہ بندہ ایک بار پھر وہیں آکھڑا ہوا تھا اور کھوجتی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ ماہین خوف کے مارے کانپنے لگی پھر اس کی نگاہ دائیں جانب ادھ کھلے دروازے پر پڑی وہ تقریباً "دوڑتی ہوئی اس دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ اندر اندھیرا تھا وہ دل ہی دل میں بول رہی تھی اور آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

"یااللہ! میں کیا کروں۔ کہاں جاؤں۔ تنہا کس کس کا مقابلہ کروں گی؟ کوئی نہ کوئی تو شکار کر ہی لے گا اور پھر ذلت انتہائی ذلت۔ بس بہت ہوگئی اس سے زیادہ نہیں' یہ یقیناً" وہ مقام ہے جہاں حرام بھی حلال ہو جاتا ہے۔"

وہ فیصلہ کن انداز میں آنسو پونچھتے ہوئے آگے بڑھی اور ایک دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی' اندر سناٹا تھا۔ وہ خواب گاہ تھی سائیڈ ٹیبل پر ایک پلیٹ میں ایک سیب اور ساتھ ہی ایک چھری پڑی تھی۔ اسے محسوس ہوا کہ وہاں اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ بیڈ کی چادر گھسیٹ کر اس نے اس کی چند تہ بنائیں اور بغیر سمت جانے ایک رخ پر وہ چادر بچھادی۔ حالات کا سامنا کرنے کے لیے سائیڈ ٹیبل پر پڑی پلیٹ اور اس پر پڑی چھری۔ اس نے چھری اٹھائی اور چادر کے نیچے رکھ دی۔ دو رکعت نفل کی نیت سے کھڑی ہوگئی۔ شاید یہ اس کی زندگی کی واحد نماز تھی جس میں اس نے خود کو اپنے اللہ سے اتنا قریب محسوس کیا تھا۔ یوں جیسے وہ سب کچھ دیکھ اور سن رہا تھا' جیسے وہ اپنے رب سے سب کچھ کہہ سکتی تھی۔ جیسے اللہ اس کی خطائیں معاف کررہا تھا' جیسے اس کی رحمت کے دروازے کھل رہے تھے۔ وہ پہلے بھی بہت گڑگڑاتی تھی' روتی تھی' لیکن اس سے پہلے نہ اس نے ایسی عبادت کی تھی اور نہ ایسی قربت محسوس کی تھی۔ نوافل پڑھ کر اس نے اپنے ہاتھ دعا کے لیے بلند کیے۔

"یااللہ! مجھے معاف فرمادے' میں بہت گناہ گار ہوں' لیکن تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہوں' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جن کے لیے تو نے دنیا بنائی تھی' یااللہ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میرے گناہ معاف فرمادے۔ یااللہ! اے پاک پروردگار! میرے اس آخری فعل حرام کو بھی معاف فرمادے کہ اس ایک عمل کے بعد میں ان سب برائیوں سے بچ جاؤں گی جن سے بچنے کا میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ یااللہ! میری مومنہ کو اپنی حفظ وامان میں رکھنا۔ اس کی عزت پر کبھی کوئی حرف نہ آئے۔ اسے محفوظ رکھنا۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی' ناجانے کتنی دیر' پھر آنکھیں صاف کرکے چادر کی تہ سے چھری نکالی اور کلمہ پڑھ کر اپنی کلائی کی رگوں پر پھیرنے لگی۔ اسی وقت ایک مضبوط ہاتھ نے اس کی کلائی تھام کر چھری اس کے ہاتھ سے دور گرادی۔ ماہین کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اس کے قریب ایک خوش شکل' خوش لباس نوجوان تھا۔

"ک۔ک کون ہو تم؟ چھوڑو مجھے۔"

"یہ سوال تو مجھے آپ سے پوچھنا چاہیے محترمہ! یہ گھر میرا ہے' آپ یہاں کیا کررہی ہیں اور خودکشی کرنے کے لیے آپ کو کوئی اور بہتر جگہ نہیں ملی تھی؟" ماہین کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ وہ کب آیا تھا۔

"تم گھر سے بھاگی ہو؟" ماہین کو ایک اور جھٹکا لگا۔

"تمہیں کیسے پتا؟"

"الہام ہوا ہے۔ بے وقوف لڑکی۔۔۔ تم دلہن کے روپ میں ہو اور یہاں میرے گھر میں' میرے کمرے میں خودکشی کی تیاری کر رہی ہو۔۔۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے ناکہ تم گھر سے بھاگی ہو۔" وہ ابھی بھی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی اور اس کی کلائی ابھی بھی اس اجنبی کی گرفت میں تھی۔ وہ تھوڑی دیر اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اس کی کلائی آزاد کرکے بولا۔

"دیکھو بی بی! میں ایک عزت دار شخص ہوں اور خواتین کی بہت عزت کرتا ہوں۔ اس طرح میرے گھر میں آکر میرے ہی بیڈ روم میں دلہن کی حالت میں خودکشی کروگی تو داغ مجھ پر لگے گا۔۔۔ میں خواہ مخواہ جیل کی چکی پیسوں گا۔۔۔ چلو اٹھو شاباش۔۔۔ مجھے بتاؤ تمہارا گھر کہاں ہے۔" وہ اس کے پاس آکر بولا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"میرا کوئی گھر نہیں ہے۔"

"میرے والدین نہیں ہیں۔" وہ بغور اسے دیکھتا ہوا لمبی سانس خارج کرکے سنجیدگی سے بولا۔

"تم سچ کہہ رہی ہو؟" وہ چہرہ دونوں ہاتھ میں چھپا کر رو دی۔ وہ اجنبی اس کے لیے ایک گلاس میں پانی لے آیا۔ کانپتے ہاتھوں سے گلاس تھام کر اس نے چند گھونٹ پیے۔

"آرام سے بیٹھ کر خود کو پرسکون کرکے اگر کچھ بتانا چاہو تو بتاؤ۔ مجھے امید ہے کہ میں تمہاری مدد کرسکوں گا۔"

"میں کیسے آپ کا شکریہ ادا کروں۔۔۔ اس احسان کا بدلا اللہ تعالیٰ آپ کو ضرور دے گا۔"

"آپ کو شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور یہ احسان بھی نہیں ہے۔ آپ جب نماز پڑھ رہی تھیں اس وقت میں باتھ روم میں تھا' باہر نکلا تو حیرت ہوئی' میں یہاں تنہا ہوں اور میرے ساتھ کوئی خاتون بھی نہیں ہیں کہ آپ کو ان کا واقف کار سمجھتا۔ سو آپ کی نماز ختم کرنے کا انتظار کرتا رہا۔۔۔ دراصل میرا تعلق بہت ہی معزز اور مذہبی گھرانے سے ہے۔۔۔ ہمارے ہاں خواتین کی بہت عزت کی جاتی ہے۔ پھر میں نے آپ کی دعا سنی۔۔۔ اندازہ ہوا کہ آپ کو میری موجودگی کا علم ہی نہیں تھا۔۔۔ بہرحال اب آپ پریشان مت ہوں۔۔۔ میں اتنا اچھا انسان تو نہیں ہوں لیکن اس قدر گھٹیا بھی نہیں ہوں کہ اپنی آنکھوں کے سامنے ایک لڑکی کو خودکشی کرتے دیکھوں۔" وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔۔۔ کاجل اس کی آنکھوں کے گرد پھیل چکا تھا۔ تھوڑی دیر تک اس نے اسے رونے دیا اور پھر بولا۔

"آپ سکون سے مجھے سب کچھ بتائیں تب ہی میں آپ کی مدد کرسکوں گا اور یقین کریں میں آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

ماہین نے تشکر آمیز انداز میں اس کی طرف دیکھا اور پھر الف سے لے کر یے تک سب کچھ بتا دیا۔۔۔ کہیں رکتے ہوئے' کہیں بے ربط' بہرحال وہ سب سمجھ گیا۔۔۔ اس نے بات ختم کی تو تھوڑی دیر ان دونوں کے بیچ بالکل خاموشی چھائی رہی' پھر وہ بولا۔

"مجھے آپ کی داستان سن کر دلی افسوس ہوا۔۔۔ آپ چاہیں تو ہم پولیس میں رپورٹ کرسکتے ہیں۔"

"کیا فائدہ ہوگا؟ بڑے بڑے افسر خود وہاں آتے ہیں۔۔۔ یہ کاروبار بند نہیں ہوسکتا۔۔۔ جنہیں کارروائی کرنی ہے وہ خود اس کام میں ملوث ہیں۔" وہ سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔

"اور پھر میں زندہ ہوں تو مجھے سر چھپانے کا ٹھکانہ چاہیے' میرے لیے میڈم' شیخ داؤد اور ان کے کاروبار سے زیادہ اہم یہ بات ہے۔۔۔ میں اس لیے مرجانا چاہتی ہوں کہ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں اور زبیر بھائی کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں مجھ میں۔۔۔ میں زندہ رہی تو میڈم اور شیخ داؤد کے ہتھے چڑھتی رہوں گی یا پھر کوئی نہ کوئی پلوشہ میری قیمت وصول کرتی رہے گی۔۔۔ پولیس یا کوئی اور میری مدد نہیں کرسکتا۔ بس میں زندہ رہنا ہی نہیں چاہتی۔" وہ ایک بار پھر سے رو پڑی۔

"کہتے ہیں جس کا کوئی نہیں ہوتا اس کا خدا ہوتا ہے آپ کا تو اللہ تعالیٰ پر بہت بھروسا ہے پھر ایسی مایوسی

کیوں؟ اور ویسے بھی مایوسی کفر ہے۔"

"کوئی راہ تو ہو جس پر چل سکوں۔۔۔ عزت کی زندگی گزار سکوں۔۔۔ ہر راستہ بند ہو جائے تو عزت سے مرنا ہی بہتر ہے۔"

"ایک راستہ ہے۔ اگر آپ اس پر چلنے کے لیے تیار ہوں۔"

"کون سا راستہ؟"

"اگر آپ چاہیں تو میرے ساتھ چلیں۔۔۔ میں اسلام آباد میں رہتا ہوں۔۔۔ میری دادی ماں' میری بیوی اور ایک پیاری سی بیٹی ہے۔ بس ایک چھوٹی سی فیملی ہے ایک بھائی ہے جو لندن میں زیر تعلیم ہے۔ آپ چاہیں تو۔۔۔" ماہین کا منہ کھل گیا۔۔۔ اس نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں سمجھ سکتا ہوں کہ اعتبار کرنا آپ کے لیے نہایت مشکل ہو گا مگر میرا رویہ آپ کو خود میرے بارے میں بتا دے گا۔" وہ خاموش رہی۔

"آپ ایسا کریں منہ ہاتھ دھوئیں اور پھر آرام سے آکر بیٹھ جائیں۔" باتھ روم کا دروازہ بند کر کے وہ اس مہربان اجنبی کے رویے کے بارے میں سوچنے لگی۔

"یا اللہ! کیا سچ تو نے مجھے معاف کر دیا ہے؟ جو کچھ میں نے نوافل پڑھتے ہوئے محسوس کیا تھا۔ قربت کا وہ احساس جو اپنے رب کے لیے میرے دل میں جاگا تھا۔ کیا وہ حقیقت تھی؟ میرے معبود نے مجھے معاف فرما دیا؟" وہ رو پڑی۔۔۔ اس رحیم و کریم ذات نے اسے معاف کر دیا تھا۔۔۔ اس سے پہلے اس کے رب نے اس کی بیٹی مومنہ کے لیے بھی اس کی دعا قبول کی تھی' وہ کیسے اپنے معبود کا شکر ادا کرتی۔۔۔۔ کتنی دیر وہ دروازے سے لگی روتی رہی۔۔۔ پھر منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے ڈال کر باہر نکل آئی۔۔۔ اس کے دل کو جیسے قرار سا آگیا تھا۔۔۔ باہر وہ مہربان اجنبی اس کا منتظر تھا۔ صوفے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"بیٹھو۔۔۔" وہ اس کے سامنے والے صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔

"اب میں اپنے بارے میں بھی آپ کو مختصراً" بتا دوں' میرا نام ارحم ہے اور تعلق لاہور سے ہی ہے۔ اپنا ایک چھوٹا سا بزنس ہے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی اسلام آباد اپنی چھوٹی سی فیملی سمیت شفٹ ہوا ہوں۔ میں آپ کے لیے جو کچھ کر پایا ضرور کروں گا۔ میں کوئی ایسی بات نہیں کہتا یا کرتا جسے پورا نہ کر سکوں۔۔۔" اس کے لہجے نے ایک بار پھر اسے اعتبار کرنے پر مجبور کر دیا یا شاید اس کے پاس سوائے اعتبار کرنے کے دوسرا کوئی راستہ ہی نہ تھا۔

"میڈم نے مجھے خریدا ہوا تھا اور مجھ پر کافی کچھ خرچ بھی کر چکی ہیں۔ وہ مجھے اتنی آسانی سے نہیں چھوڑیں گی۔۔۔ اور پیچ داؤ۔۔۔"

"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ کس قسم کے لوگوں سے کس انداز میں نمٹا جاتا ہے۔" وہ بہت ہی ٹھوس انداز میں بولا تو ماہین اس پر اعتبار کرتے ہوئے دھیمے سے مسکرا دی۔

زندگی جہاں چاہے جب چاہے شروع ہو سکتی ہے اور جہاں چاہے جب چاہے ختم ہو سکتی ہے۔۔۔ عجب بات تو یہ ہے کہ زندگی سے پہلے بھی زندگی تھی اور زندگی کے بعد بھی زندگی رہے گی۔۔۔ انسان پر کبھی راستہ بند نہیں ہوتا۔۔۔ یہ بات یاد رکھی جائے کہ ہر دیوار کے اندر دروازہ ہے جس میں سے مسافر گزرتے رہتے ہیں۔۔۔ مایوسیوں کی دیواروں میں اس کی رحمت امید کے دروازے کھولتی رہتی ہے۔۔۔ انتظار ترک نہ کیا جائے۔۔۔ رحمت ہو گی۔۔۔ امید کا چراغ جلے گا۔۔۔ وہ وقت جس کا انتظار ہے۔۔۔ آئے گا بلکہ آہی گیا۔۔۔ مایوسی کے بادل چھٹ جائیں گے۔ چراغاں ہو گا' انسان' انسان کے قریب آجائے گا پتھر موم ہو جائے گا' دل محبت سے معمور ہو جائے گا' پیشانیاں سجدوں سے سرفراز ہو جائیں گی' زندگی کو زندہ رہنے کا استحقاق مل جائے گا' انسان مایوس نہ ہو کشتیاں جلا دی جائیں تو کامیابی قریب آجاتی ہے۔۔۔ کامیابی یہی ہے کہ زندگی کو ذوق مل جائے۔ آرزوئیں پوری نہ ہوں تو بے آرزو رہنے کی آرزو پیدا کر دی جائے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ کامیابی کسی نقطے کا نام نہیں۔ یہ مزاج کا نام ہے۔

بڑے بڑے فاتحین جنگیں ہارنے کے بعد فاتحین ہی رہے۔ ہمارے پاس مثال موجود ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فتح مبین قرار دیا۔ کربلا کی شکست فتح کی بشارت ہے۔ ہم جسے تاریکی سمجھتے ہیں' یہی صبح کاذب تو صبح صادق کا آغاز ہے۔ چلتے چلیں' منزلیں خود ہی سلام کریں گی۔ دنیا کے خلاف فریاد نہ کریں۔ دوسروں کو خوش رکھنے سے خوشی خود ہی مل جاتی ہے اور یہی جینے کا جواز ہے۔

تکلیف آتی ہے

ہمارے اعمال کی وجہ سے۔

ہماری وسعت برداشت کے مطابق۔

اللہ کے حکم سے۔

ہر تکلیف ایک پہچان ہے اور یہ ایک بڑی تکلیف سے بچانے کے لیے آتی ہے۔

✡ ✡ ✡

اسلام آباد کے ایک پوش علاقہ میں ایک خوب صورت کوٹھی کے سامنے گاڑی رکی تو ارحم نے مسکرا کر ماہین کی طرف دیکھا۔

"ہوم سویٹ ہوم۔"

گیٹ کھلتے ہی وہ تیزی سے گاڑی اندر لے گیا۔ ماہین گھبراتے ہوئے گاڑی سے باہر نکلی اور نظریں تھما کر ارد گرد کا جائزہ لینے لگی۔

"کشتی ہچکولے کھا رہی ہو تو خدا کی رحمت کو پکارا جاتا ہے۔ جب کشتی کنارے لگ جائے تو اپنی قوت بازو کے قصیدے کہے جاتے ہیں۔ بہت کم انسان ایسے ہیں' جو اپنے حاصل کو رحمت پروردگار کی عطا سمجھتے ہیں۔"

ارحم کی بے حد سنجیدگی سے کہی گئی بات پر وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"دریا عبور کرنے کے لیے کشتی کی ضرورت پڑتی ہے لیکن گرداب سے نکلنے کے لیے دعا کا سفینہ چاہیے۔ جب تک تم خود کو اپنی یادوں سے چھٹکارا نہیں دلاؤ گی تب تک تمہارا ماضی تمہیں یونہی تنگ کرتا رہے گا۔ تمہارے لیے بہتر ہے کہ اپنے کل کو بھول جاؤ اور اب اس پل سے اپنی نئی زندگی کا آغاز کرو۔ آج جمعرات ہے اور ہر جمعرات دادی ماں گھر میں تلاوت کرواتی ہیں اور تلاوت کے بعد دعا دل کو دہلا دیتی ہے۔ تم اندر چلو۔" ماہین نے آنکھوں سے نکلتے آنسو اپنے دوپٹے کے پلو سے پونچھے اور ارحم کے ہمراہ برآمدہ عبور کر کے گھر کے اندر داخل ہو گئی۔

لاؤنج میں ہی تلاوت کا اہتمام تھا۔ ارحم ماہین کو اشارے سے بیٹھنے کا کہہ کر دائیں جانب ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ لاؤنج میں صرف عورتیں موجود تھیں۔ ماہین سر پر دوپٹا ٹکائے وہیں ایک بڑی بی کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ "اللہ نے اس دنیا کو بنایا اور مٹا دیا۔ یہ دھوکے کا گھر۔ یہ ریت کا پانی' جس کی صبحیں تھوڑی ہیں اور شامیں زیادہ' جس کی راتیں تھوڑی ہیں اور غم زیادہ' جس کا ہنسنا تھوڑا ہے اور رونا زیادہ' جس کے درد زیادہ ہیں اور سکھ کم' جس کی ذلتیں زیادہ ہیں اور عزتیں کم۔ جہاں درد اور غم تھے آج اللہ نے اس جگہ کو مٹا دیا۔ اس کے عاشقوں کو مٹا دیا۔ میری بہنوں' بیٹیوں یہی وہ جگہ ہے' جس نے مجھے اور آپ کو اللہ سے دور کر دیا۔ یہی یہ پیسہ روپیہ ہے' جو آج چاندی سونے کے سکے ہیں جنہیں قیامت کے دن کوئی نہیں لینے والا۔ یہ ہیرے جواہرات ہیں انہیں کوئی نہیں لینے والا' یہ تخت شاہی ہیں کوئی نہیں ان پر سودے کرنے والا' یہی وہ دنیا ہے۔ پتھر کا پر' یہ مکڑی کا جالا' یہ تنکوں پہ مٹ جانے والا گھر۔ یہ زندگی کے تین دن جس کا ایک کل تھا جو لوٹ کر نہیں آئے گا اور جس کے آنے والے کل کا کچھ پتا نہیں۔ یہ آج جس کی شام کا پتا نہیں کہ آئے گی یا نہیں۔ یاد رہے کہ کہیں یہ دنیا کی روشنیاں تمہیں اللہ نہ بھلا دے' یہاں کا مال و متاع کہیں تمہیں جنت کا شوق نہ بھلا دے' یہاں کے خوف تمہیں دوزخ نہ بھلا دیں۔

ایک دن آئے گا جب اللہ اس زمین کو دوبارہ زندہ کرے گا جس دن زمین بدل کے بچھ جائے گی۔ آسمان تبدیل کر دیے جائیں گے۔ جس دن ہم سب اللہ کے سامنے حاضر کیے جائیں گے۔

اے دنیا والو! اللہ سے ڈر کر زندگی گزارو۔ ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو' شراب سے بچو' شر سے بچو' جھوٹ سے بچو' رشوت سے بچو' ظلم سے بچو' ماں باپ کو دکھ دینے سے بچو' فحاشی سے بچو' جوئے سے بچو' اپنے محبوب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے بچو' ہر برے کام سے بچو' یہ جو کبیرہ گناہ ہو رہے ہیں ان سب سے بچو۔ جس نے اللہ کے پاس جانا ہے وہ اس کی منع کی ہوئی باتوں پر عمل کر کے پھر اسی سے دعا میں مانگتا ہے کہ میری مراد پوری کر دے۔۔۔ ارے میں تمہیں کیسے سمجھاؤں' کیسے میں دل چیر کر اپنی بات بتاؤں کہ جس کو اتنے بڑے رب کا سامنا کرنا ہے' اس کی نافرمانیاں کر کے اس کو للکارتا ہے۔"

عورتوں کے جھرمٹ میں بیٹھی ایک خاتون بڑے زور و شور سے درس دے رہی تھیں۔۔۔ ہر آنکھ اشک بار تھی۔۔۔ ماہین رونے لگی۔۔۔ پھر تمام عورتوں نے اپنے ہاتھ رب کے حضور بلند کیے اور وہ خاتون اپنے رب سے دعا مانگنے لگیں۔

"اے اللہ! اے اس زمین و آسمان کے بنانے والے اللہ! یہ تیرے بندے' تیرے حقیر غلام' تیرے در کے سائل' تیرے در کے گداگر تیرے سامنے اس آس پہ ہاتھ اٹھائے بیٹھے ہیں کہ تو ہم سب کو معاف فرما دے۔ یا اللہ! ہم ان گناہوں کے بوجھ لے کر آئے ہیں۔۔۔ اس امید پر آئے ہیں کہ تو ہماری توبہ قبول فرمالے گا۔۔۔ تیرا وعدہ سچا ہے میرے مولا تو توبہ کرنے پر معاف کر دیتا ہے۔۔۔ ہم سب کو معاف کر دے۔۔۔ اے دلوں کی دھڑکنوں میں اٹھنے والی صداؤں کو سننے والے اللہ! تو زبان سے کہنے کا محتاج نہیں ہے تو ہماری دنیا اور آخرت کی بھلائی ہمیں نصیب فرما' تو ہمیں دنیا کے شر سے بچالے۔۔۔ آج کوئی در نہیں تیرے سوا' آج پوری قوم دکھی ہے' آج اپنی طرف سے' پوری امت کی طرف سے ہم تجھ سے معافی مانگتے ہیں۔ اے اللہ! جن گناہوں کی وجہ سے تو ہم سے روٹھا' ہمارا نصیب ڈوبا' ہمارا نصیب ہم سے روٹھ گیا۔ دھکے کھاتے ہوئے ہمیں صدیاں بیت گئیں۔۔۔ اے میرے مولا! اب تو فریادیں بھی دم توڑ گئی ہیں۔ کب تیرے در کھلیں گے' کب یہ فضائیں بدلیں گی؟ یا اللہ! ان فضاؤں کو بدل دے' یہ دھرتی تیری نافرمانی پر چیخ اٹھی ہے۔۔۔ آج شیطان کا راج ہے۔ مسلمان تیرا کلمہ پڑھ کر بھی تجھ سے باغی' تجھ سے دور' تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہے۔ اے میرے مالک! ایک دفعہ اپنی نظر کرم ہم پر بھی کر دے اور امت کو اس مصیبت سے نکال لے۔ اے اللہ! تو وہی اللہ ہے جسے سمندر کے کنارے موسیٰ علیہ السلام نے پکارا اور تو نے لبیک کہا' جسے مچھلی کے پیٹ میں یونس علیہ السلام نے پکارا اور تو نے لبیک کہا' جسے غار ثور میں بیٹھ کر تیرے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا تو تو نے لبیک کہا۔۔۔ تو وہی اللہ ہے' تو نہیں بدلا ہم ہی بدل گئے۔ تیرے در بھی بند نہ ہوئے لیکن ہم نے مانگنا ہی چھوڑ دیا۔۔۔ مانگنے کا سلیقہ ہی بھول گئے۔ آج ہم تجھ سے ضد کرتے ہیں اب تو تو رحمت کا در کھول دے۔ تو ہمیں اور سزا دے' تیرا حق بنتا ہے۔ ہم تیرے عدل پر پورے نہیں اتر سکتے' اپنی فضل کو متوجہ فرما۔۔۔ ہمارے گناہ معاف کر دے۔ (آمین)"

دعا کے اختتام پر بھی سب عورتوں کے ہاتھ خدا کے حضور بلند تھے اور ہر آنکھ اشک بار تھی۔

ماہین نے فوراً دوپٹے کے پلو سے اپنی نم آنکھیں صاف کیں تو دادی ماں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پانی کا گلاس اس کی جانب بڑھایا۔

"لو بیٹا پانی پیو!"

پانی کا گلاس تھامتے ہی اسے بھوک کا احساس ہوا کیوں کہ صبح سے اس نے کچھ نہ کھایا تھا اور اب کافی رونے کے بعد تو اسے اور بھی زوروں سے بھوک لگنے لگی تھی۔

"کیا نام ہے تمہارا؟ آج سے پہلے تمہیں کبھی نہیں دیکھا۔۔۔ کیا نئی آئی ہو اس ایریا میں؟"

ایک ساتھ ڈھیر سارے سوالات پوچھے جانے پر وہ گھبرا سی گئی اور بولنے کی چاہ میں لب کھولے ہی تھے کہ اس کی پشت پر ارحم کی آواز ابھری۔

"دادی اماں! ایک ساتھ اتنے سوال پوچھیں گی تو بے چاری کیا جواب دے گی؟"

"ارے ارحم بیٹا! تم کب آئے؟" دادی ماں کی خوشی دیدنی تھی۔

"جب آپ کی دعا شروع ہوئی تھی تب اور یہ محترمہ بھی میرے ساتھ تشریف لائی ہیں۔" دادی ماں نے حیران نظروں سے ارحم اور پھر ماہین کی جانب دیکھا۔

اور پھر ارحم نے الف سے یے کرکے پوری کہانی دادی ماں کو سنا ڈالی۔ سب کچھ سننے کے بعد دادی ماں بڑی گہری اور کھوجتی ہوئی نگاہوں سے ماہین کو دیکھنے لگیں تو وہ مزید گھبرا گئی اور ارحم کی جانب دیکھنے لگی۔

"تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا بہت برا ہوا۔ لیکن غلطی تمہاری ہے۔ لڑکی کا اٹھایا گیا ایک غلط قدم اس کی پوری زندگی برباد کرتا ہے۔ یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ تم ان لوگوں کے چنگل سے باحفاظت واپس لوٹ آئی۔ ضرور تم نے کبھی کوئی نیکی کا کام کیا ہوگا جس کا تمہیں اجر ملا ہے۔" ماہین احساس ندامت سے سر جھکائے بیٹھی تھی تب ہی دادی ماں کی آواز پر چونک اٹھی۔

"نام کیا تھا اس لڑکے کا؟"

"جی۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی ارحم بول پڑا۔

"دادی ماں۔ باقی باتیں بعد میں کرلیجیے گا ابھی بہت بھوک لگی ہے۔ پلیز کچھ کھانے کو ملے گا۔"

"ہاں ہاں بیٹا! تم فائقہ سے کہو وہ کھانا لگائے۔"

"یہ فائقہ ہے کہاں۔ دکھائی نہیں دے رہی۔"

"فاطمہ رو رہی تھی اس کو سلانے گئی ہے۔"

"اچھا میں دیکھتا ہوں اور ماہین تم بھی فریش ہو جاؤ پھر سب مل کر کھانا کھائیں گے۔" ارحم اپنے کمرے کی جانب بڑھا تو دادی ماں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"ہاں بیٹا تم بھی فریش ہو جاؤ۔ اور اب رونا مت۔ انسان کی زندگی میں جتنے دن ہوتے ہیں، اتنی ہی راتیں ہوتی ہیں۔ یوں انسان کی نصف زندگی روشنی میں گزرتی ہے اور نصف اندھیروں میں۔ تم نے بہت دکھ سہے ہیں۔ اللہ تمہیں اس کا اجر ضرور دے گا۔ جب انسان کو ہلکی سی سوئی بھی چبھے تو اللہ تعالیٰ اس ذرا سی چبھن کا بھی اجر دیتا ہے۔ ٹھیک ہے تم سے گناہ ہوا ہے مگر جب گناہ سے توبہ کرلی جائے تو اس کی سزا نہیں ہوتی۔ اگر موت آئے تو حالت توبہ میں آئے۔ توبہ منظور ہو جائے تو پھر بھی کبھی کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا اور نہ اس گناہ کی یاد باقی رہتی ہے۔ سچی توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے نوزائیدہ بچہ معصوم۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ہمیشہ سے ہمیشہ کے لیے۔" ماہین کو دادی ماں کی باتوں سے کافی ہمت ملی تھی اور وہ ایک بار پھر سے خود کو طاقت ور اور حالات کا سامنا کرنے کے قابل بنا پائی تھی۔ اس نے کبھی اپنی ماں کی گود میں سر نہ رکھا تھا' کبھی ماں کی نصیحت حاصل نہ کی تھی۔ لیکن آج دادی کی باتوں سے اسے نئی زندگی کا احساس ہوا تھا۔

انسان کو مایوسیوں کے گھپ اندھیرے میں بھی ایک روشنی کا چراغ' جو ہمیشہ روشن رہتا ہے' نظر آسکتا ہے۔ یہ چراغ پیشانی کے اندر ہوتا ہے اور یہ سجدے میں نظر آتا ہے۔ بے بس انسان کا سجدہ ہی بے بسی کا علاج ہے۔ یہی اندھیروں کا سورج ہے۔ یہی نشان منزل ہے اور یہی رفیق طریق ہے۔ اپنا دل زندہ کرلینے سے ہر طرف زندگی نظر آتی ہے۔

ڈروں میں کس لیے اس رات کے اندھیرے سے
مجھے خبر ہے کہ اک صبح منتظر ہے میری

☆ ☆ ☆

انسان کو اس بات پر صبر کرنے کے لیے کہا گیا ہے جو اسے پسند نہ ہو اور جس کا ہو جانا ناگزیر ہو سانحہ ہو یا حادثہ' جس کے ساتھ پیش آرہا ہے وہ تو اس میں سے گزرنا ہی ہے' رو کر یا خاموش رہ کر۔ انسان کو صبر کی تلقین کی گئی ہے' اس لیے کہ یہ زندگی ہماری خواہشات کے مطابق نہیں ہوتی۔ جہاں ہماری پسند کی

چیز ہمیں میسر نہ آئے وہاں صبر کام آتا ہے جہاں ہمیں ناپسندیدہ واقعات اور افراد کے ساتھ گزر کرنا پڑے۔

ماہین نے بھی صبر کا دامن تھاما تھا۔ اپنے مشکل حالات کا سامنا کیا تھا۔ اس نے زندگی میں یقیناً" کوئی اچھا کام کیا تھا جس کے عوض اسے اتنا اچھا خاندان ملا تھا۔ وہ کچھ ہی دنوں میں دادی ماں' فاطمہ' فائقہ اور ارحم سے ایسے گھل مل سی گئی تھی جیسے برسوں سے ان کو جانتی ہو۔ جیسے وہ انہی کی فیملی کا ایک حصہ ہو۔

فائقہ اکثر ارحم کے ساتھ آفس جایا کرتی تو ایسے میں ننھی منی سی فاطمہ ماہین کی نگرانی میں رہتی۔ ننھی منی سی فاطمہ ماہین کے بہت نزدیک آگئی تھی۔ ماہین کا بھی بہت دل بہلتا تھا۔ اس معصوم سی پری زاد کے ساتھ وقت بیتا کر وہ اندرونی سکون سے ہمکنار ہوتی تھی۔

"زندگی میں کتنا سکون' کتنا ٹھہراؤ ہے' اے کاش! کہ ایسا پہلے بھی ہوتا۔"

"مایوسی کی باتیں کرنا گناہ ہے' اگلے ہی پل اس نے خود سرزنش کی تھی۔

فاطمہ دادی ماں کی گود میں موجود اٹکھیلیاں کر رہی تھی۔ اور دادی ماں بھی بچی بنی اس کے ساتھ کھیل رہی تھیں۔ لان میں شام کے وقت ٹھنڈی ہوا اور پھولوں کی خوشبو الگ ہی مزا دے رہی تھی۔

"خوب صورت موسم خوب صورت تحفہ ہے... کتنی اچھی ہوا چل رہی ہے۔"

اس نے مسکرا کر سانس کھینچتے ہوئے ہوا کو اپنے اندر اتارا تھا۔

"یوں لگتا ہے کہ یہ ٹھنڈی تازہ ہوا انسان کے اندر داخل ہو کر اس کے غموں کا مداوا کر رہی ہو..." وہ خود کو پرسکون محسوس کر رہی تھی۔ کرسی پر بیٹھی وہ گاہے بگاہے پھولوں اور پھر فاطمہ سے کھیلتی دادی ماں پر نظر دوڑاتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ہیلو..." دوسری طرف ارحم کا چھوٹا بھائی صارم تھا۔

"ہیلو جانی! کیسے ہو آپ...؟" وہ اپنے مخصوص انداز میں چہکا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں... تم سناؤ۔"

"میں... میں مزے میں ہوں بھائی... میں نے سوچا آپ تو یاد کرنے نہیں والے' میں ہی یاد کرلوں..." اس نے کہا تو وہ بولا۔

"اچھا کیا جو تم نے فون کیا... میرا ارادہ تھا تمہیں فون کرنے کا لیکن ٹائم نہیں ملا۔" وہ وضاحت دینے لگا تھا۔

"آپ بہت سنگدل انسان ہیں بھائی... بھابھی بالکل ٹھیک کہتی ہیں..." وہ چہکا تھا۔

"اچھا..." وہ ہنس دیا تھا۔

"کیا کہا ہے میں نے...؟"

"واٹ... کیا کہا ہے کیا مطلب...؟" آپ نے اتنے دنوں سے میری خبر تک نہیں لی... بھئی جب سے ہماری بھتیجی صاحبہ آئی ہیں تب سے آپ نے ہماری خبر لینا چھوڑ دی... بھائی یہ غلط بات ہے... میں آکر دو دو ہاتھ کرنے والا ہوں اپنی بھتیجی صاحبہ سے۔"

"پڑھائی تو فٹ جا رہی ہے..."

"اور سناؤ کوئی لڑکی پسند کی؟" ارحم اب شرارت پہ آمادہ تھا۔

"ہاں..." وہ دلکشی سے بولا تھا۔

"کسے؟" قدرے چیخ کر کہا گیا تھا۔

"دادی ماں..." وہ شوخ ہوا تھا۔

ارحم کا قہقہہ آؤٹ آف کنٹرول تھا۔

"خیر پاکستان کب آرہے ہو؟"

"بھائی اگلے ہفتے میرے پیپرز اسٹارٹ ہو رہے ہیں... بس جیسے ہی پیپرز سے فارغ ہوں گا' پہلی فرصت میں پاکستان کی زمین کو سلام کروں گا۔"

"ہوں... ہم سب تمہیں بہت مس کرتے ہیں' بس پیپرز کی تیاری اچھے سے کرو اور میرا نام روشن کرو..." اس بار دونوں کا قہقہہ آؤٹ آف کنٹرول تھا۔

پھر وہ دن بھی آگیا جب صارم اپنی تمام شوخیوں سمیت دادی ماں کے سامنے تھا۔ گھر میں ایک الگ سی

رونق جگمگا اٹھی تھی۔

"ہوں شیطان! کہیں کسی گوری میم کو تو نہیں پٹا لائے ساتھ؟" دادی ماں نے شرارت سے صارم کے کان کھینچتے ہوئے پوچھا تو وہ ایک آنکھ دبا کر دادی کے گلے لگ کر چکا۔ "میری پیاری سی دادی ماں! آپ کے ہوتے ہوئے کسی گوری میم کی ایسی مجال کہ وہ اس دل پر دستک دے سکے.... یہ جگہ صرف آپ کے لیے ہے۔"

"چل شیطان کہیں کا...." دادی ماں نے پیار سے اسے چپت لگائی تھی۔ ماہین کچن میں مصروف تھی۔ فائقہ بھی کچھ ہی دیر بعد کچن میں چلی آئی تھی۔

"ماہین! تم صبح سے لگی ہوئی ہو.... چھوڑو یہ سب' چلو میں تمہیں صارم سے ملواتی ہوں۔" فائقہ ہمیشہ کی طرح شیریں لہجہ میں اس سے مخاطب ہوئی تھی۔ ماہین رکنا چاہتی تھی لیکن فائقہ کے ساتھ کھینچتی چلی گئی۔ پھر وہ بہت متوازن قدم سے چلتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی۔ جہاں صارم ننھی سی فاطمہ کو گود میں لیے اس سے اپنا تعارف کروانے میں مصروف تھا جبکہ فاطمہ نے رو رو کر واویلا مچا رکھا تھا۔ ارحم اور دادی ماں مسکرا رہے تھے۔

"ان سے ملو ماہین! یہ ہیں ہمارے لونگ دیور جی ...." فائقہ نے چہکتے ہوئے انداز میں تعارف کروایا تھا۔ ماہین نے دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے کنفیوژ انداز میں سلام کیا۔ جواباً" چہکتی ہوئی شوخ آواز میں سلام کا جواب دیا گیا۔

سرسری سے تعارف کے بعد کھانا لگایا اور اتنا عرصہ بعد پاکستانی کھانا کھانے کے لیے وہ فل جوش و خروش سے ڈائننگ ٹیبل پر براجماں ہوا اور ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کھانے پر ٹوٹ پڑا۔

☼ ☼ ☼

آسمان پر اڑتے اکا دکا پرندوں کو وہ بڑے انہماک سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر گہری اداسی تھی۔ سورج غروب ہو رہا تھا جس کی بنفشی شاعیں اس کے چہرے کی تابناکی میں کئی گنا اضافہ کر رہی تھیں اور وہ لان میں تنہا بیٹھی کسی مورت کی طرح حسین لگ رہی تھی۔ ہوا میں ہلکی سی خنکی تھی۔ بلیک شال لپیٹے وہ یک ٹک پھولوں کو دیکھے جا رہی تھی۔ آج اسے زبیر بھائی کی یاد بری طرح ستا رہی تھی۔ وہ سوچوں میں غلطاں تھی جب صارم نے پیچھے سے اسے پکارا۔ وہ ایک پل کے لیے چونکی اور پھر گردن موڑ کر صارم کی طرف دیکھنے لگی۔

"سوری میں ہرگز نہیں بولوں گا.... کیونکہ ڈسٹرب تو میں آپ کو کر ہی چکا ہوں اور مزید ڈسٹرب کرنے کا پورا ارادہ رکھتا ہوں۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں چہکتا ہوا اس کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔ ماہین متانت سے مسکرا دی۔ شاید مسکراتے رہنا اس کی عادت تھی یا پھر اپنے تمام غموں کو چھپانے کی خاطر ہر دم مسکراتی رہتی۔

"جب سے آیا ہوں آپ کو زیادہ تر خاموش اور لان میں گم بیٹھے دیکھا ہے.... آپ بور نہیں ہو جاتیں؟"

"نہیں.... میں زیادہ بولتی نہیں ہوں۔"

"اوف... کوئی خاص وجہ؟"

"نہیں...."

"کیا آپ مجھ سے دوستی کریں گی.... میں بیٹ لگاتا ہوں کہ مجھ سے دوستی کے بعد آپ بھی میری طرح پٹر پٹر بولنا شروع کر دیں گی۔" اپنی عادت کے مطابق صارم نے فوراً" ہی اسے دوستی کی آفر کر دی۔

ماہین ایک لمحے کے لیے حیران ہوئی اور پھر مسکرا دی۔

"میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں...."

وہ وہاں سے کھسکنا چاہتی تھی' اسی لیے جلدی سے کھڑی ہو گئی۔

"ارے پر مجھے چائے نہیں پینی...." وہ بیٹھے بیٹھے بولا تھا۔

☼ ☼ ☼

"بھابھی! آخر یہ آپ کی فرینڈ صاحبہ اتنی مغرور

کیوں ہیں .... ہم سے ڈھنگ سے بات تک نہیں کرتیں.... "فائقہ فاطمہ کے لیے فیڈر تیار کر رہی تھی جبکہ ماہین فاطمہ کو گود میں لیے اس کے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھی تبھی صارم فائقہ کے کان میں سرگوشی کرنے لگا تھا۔

"ارے نہیں بھئی.... ماہین مغرور ہرگز نہیں.... بس تھوڑی ریزرو رہتی ہے۔" فائقہ نے مصروف انداز میں مسکرا کر جواباً" کہا تھا۔ اس وقت بھی ماہین ہمیشہ کی طرح مسکرا رہی تھی اور اس کی مسکراہٹ اتنی جاندار تھی کہ اس نے اس کے حسین چہرے کے ایک ایک نقش کو خاص بنا دیا تھا۔

"کتنی معصوم صورت ہے" صارم نے جیسے کہیں کھو کر کہا تھا۔ فائقہ کی حیرت میں اضافہ ہو گیا۔ صارم عام طور پر لڑکیوں پر توجہ دینے کا عادی نہ تھا مگر آج نا جانے اسے کیا ہو گیا تھا۔ وہ اردگرد سے بے نیاز ماہین کو دیکھے جا رہا تھا۔ فائقہ نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ مگر آنکھوں میں بے چینی کی کیفیت جیسے جم کر رہ گئی تھی۔ صارم نے آج تک کتنی ہی حسین لڑکیاں دیکھی تھیں مگر جو کچھ اسے آج محسوس ہو رہا تھا۔ ایسا آج سے پہلے کبھی محسوس نہ ہوا تھا۔ وہ خود اتنا خوبرو نوجوان تھا کہ لندن کیمسٹن یونیورسٹی کی تقریباً" 50% لڑکیاں اس کی پرسنالٹی سے متاثر ہوئی تھیں لیکن صارم نے سب کو دوستی کے بندھن کے سوا آگے کا راستہ نہ دکھایا تھا۔

"مجھے لگتا ہے کہ صارم کو ماہین اچھی لگنے لگی ہے۔" فائقہ نے دادی ماں کے کان میں سرگوشی کرنے کی کوشش کی تھی جبکہ پاس ہی کھڑی چائے کے لیے ٹی بیگ نکالتی ماہین کے ہاتھوں سے ٹی بیگ کا پورا پیکٹ نیچے گر گیا تھا اور وہ کچھ لمحوں کے لیے ساکت رہ گئی۔ پھر ہوش آنے پر جلدی سے زمین پر بکھرے پڑے ٹی بیگ اٹھانے لگی تھی۔

"مجھے تو اس میں کوئی برائی نہیں لگتی.... بلکہ مجھے خوشی ہو گی اگر ماہین میرے صارم کے لیے ہاں کر دے تو...." دادی ماں نے مسکرا کر بڑے ماتا بھرے لہجے میں ماہین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو ماہین کی گھبراہٹ پر فائقہ دھیرے سے مسکرا دی اور اس کا ہاتھ تھام کر بہت اپنائیت سے گویا ہوئی۔

"اپنے دیور جی کی گارنٹی میں دیتی ہوں.... صارم بہت اچھا انسان ہے اور تم اس کے ساتھ ہمیشہ خوش رہو گی۔" ماہین کی آنکھیں بھر آئی تھیں اور وہ انہیں آنسوؤں کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتی ہوئی تقریباً" بھاگتی ہوئی کچن سے باہر نکل گئی۔ جبکہ دادی ماں اور فائقہ حیرانی سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

وہ گنگناتا ہوا گھر آیا تو لونگ روم میں ہی دادی ماں نے اسے گھیر لیا۔

"صارم! ذرا میری بات سنو...."

انہوں نے اپنے ساتھ بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ فوراً" ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ فائقہ وہیں قالین پر بیٹھی فاطمہ کو سریلیک کھلا رہی تھی۔ "تم نے مجھے جواب نہیں دیا اب تک...." دادی ماں نے میگزین سامنے ٹیبل پر رکھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

"آپ نے سوال ہی کب پوچھا ہے دادی ماں...." وہ کچھ ان کے احترام میں بولا اور دادی ماں کے گھورنے پر سر کھجانے لگا۔

"میں ماہین کی بات کر رہی ہوں...."

"اوہ...." اس نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے چھت کی طرف سر اٹھایا۔ پھر گردن ڈھلکانے کے انداز میں جھکتے ہوئے بولا۔

"دادی ماں! ابھی میں ایم بی اے کا امتحان دے کر آیا ہوں اور اب آپ چاہتی ہیں کہ میں اس سے بھی بڑا ایک اور امتحان دوں...." دادی ماں کے گھورنے پر وہ مسکرا کر شوخی سے گویا ہوا۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے.... بائی دے وے، آپ نے بھابھی کی فرینڈ صاحبہ سے ان کی رضامندی بھی لے رکھی ہے یا نہیں؟ وہ تو میری شکل دیکھتے ہی غائب ہو

جاتی ہیں۔۔۔ تو فائقہ جلدی سے بولی۔

"یہ تو تمہیں پتا ہی ہے۔۔۔ اگر اچھی ہوتی تو وہ کیوں منہ موڑتی؟"

"اف یہ ارحم بھائی ایسے خاص موقعوں پر کہاں غائب ہو جاتے ہیں۔۔۔ جب ان کی بے زبان بیوی کی زبان پھول برساتی ہے۔" اس نے طویل قسم کی آہ نما سانس کھینچی۔

"تم جل جل کر کالے ہو جاؤ۔۔۔ وہ مجھے بے زبان کہتے ہیں تو۔" فائقہ زور سے ہنسی تھی۔

"کیا کریں بے چارے میرے معصوم سے ارحم بھائی۔۔۔ رہنا بھی تو آخر انہیں آپ ہی کے ساتھ ہے۔۔۔"

"دیکھیں نا دادی ماں اسے۔۔۔" فائقہ جھینپ کر چلائی تو وہ ہنسنے لگا۔

"تم مذاق میں میری بات اڑانے کی کوشش کر رہے ہو صارم۔" دادی ماں خفگی سے اسے دیکھنے لگیں۔

"اگر آپ کہیں تو میں سنجیدگی سے آپ کی بات اڑا دوں۔۔۔" وہ مسکین سی صورت بنا کر بولا۔ پھر ایک دم ہنس پڑا اور کھڑا ہو گیا۔

"دادی ماں! میں آپ کی خوشی کی خاطر یہ زہر پینے کو تیار ہوں۔۔۔ میرا مطلب اپنی آزادی کو پابندیوں میں جکڑنے کے لیے تیار ہوں۔۔۔" وہ اپنا جملہ مکمل کرتے ہی وہاں سے کھسک گیا جبکہ دادی ماں اور فائقہ کے قہقہے نے اس کا پیچھا کیا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں آیا تو اس کے ہونٹوں پر بڑی خوب صورت غزل محو رقص تھی۔

زندگی یہ سفر میں ہے
کٹ رہا ہے راستہ
ہمسفر تو ہیں مگر
منزلیں ہیں جدا جدا

اس نے سب سے پہلے نہانے کا پروگرام مرتب کرتے ہوئے پینٹ کی جیب سے والٹ اور کی چین نکال کر میز پر ڈالی۔ وہ شرٹ کے اوپری بٹن کھولتے ہوئے جیسے ہی پلٹا تو ایک لمحے کے لیے اس کی سٹی گم ہو گئی۔ ماہین دروازے میں کھڑی پریشانی سے اپنے لب کاٹ رہی تھی۔

"مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔۔۔"

"ریئلی" وہ حیرت سے گویا ہوا اور پھر مسکرا کر اس کے مقابل جا کھڑا ہوا۔

"جی کہیے۔۔۔"

"وہ دراصل۔۔۔" وہ کچھ بھی کہنے سے جھجک رہی تھی۔

"خیریت ہے نا۔۔۔" صارم اس بار تھوڑا سنجیدہ ہوا تھا، پھر بنا کسی انجام کی پروا کیے ماہین اپنی پچھلی زندگی کا ایک ایک پل کھولتی چلی گئی اور جب دل کا حال بیان کر دیا تو وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر بلک پڑی۔

"اگر تم عورتوں کو ناقص العقل کہا گیا ہے تو بالکل ٹھیک ہی کہا گیا ہے۔۔۔" وہ اس کی سمت رخ موڑ کر اسے گھور رہا تھا جبکہ احساس شرمندگی سے وہ نظریں جھکا گئی۔ صارم کا دل چاہ رہا تھا کہ کوئی وزنی سی چیز اٹھا کر اس کی عقل سے خالی کھوپڑی پر دے مارے۔ وہ غصے سے کھولتا اسے گھورتا رہا اور پھر میز سے موبائل والٹ اور کی چین اٹھاتا تیزی سے باہر نکل گیا تو ماہین کی آنکھیں اور تواتر سے بہنے لگیں۔

☆ ☆ ☆

"کون ہوں میں؟ دھوپ میں لپٹا اک خواب یا رات کے ڈھیر پر خود کو کھوجتی اک بے حس مخلوق۔۔۔ سردی کی صبحوں میں جلتا ہوا الاؤ یا شام کی نرمی میں دم توڑتی چولہے کی آخری لو۔۔۔؟ کون ہوں میں؟ ایک بھائی سے بچھڑی بدنصیب بہن۔۔۔ اک سوال جو گونجتا ہے میری ذات میں، مجھے جھنجوڑتا ہے، بے بس کر جاتا ہے۔۔۔ اور میں خود سے پوچھ نہیں پاتی کہ کون ہوں میں؟"

ماہین رات کے سناٹے میں اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی یک ٹک چاند کو گہری سنجیدگی سے کھوئے ہوئے انداز میں دیکھتے ہوئے من ہی من میں خود سے سوال جواب کر رہی تھی۔ رات کے سناٹے میں بارش

کی تیز ہوتی بوندیں ایک ارتعاش سا پیدا کر رہی تھیں۔ لہو کو منجمد کرنے والی ہوا اپنی ازلی سرکشی سمیت چابک کی مانند ضربیں لگا رہی تھی۔ لیکن وہ اس خوفناک ماحول کا حصہ ہوتے ہوئے بھی وہاں نہیں تھی اور جہاں وہ تھی وہاں وہ جانا نہیں چاہتی تھی لیکن وہ پھر بھی وہیں تھی۔ وہ لمحات اسے اپنے شکنجے میں لیے ہوئے تھے جن کی گرفت سے نکلنے کی اس نے ہر ممکن سعی کی تھی۔ ہمیشہ کی طرح وہ خود سے ہم کلام تھی۔ نا جانے کیوں اس کے دل میں احساس ندامت بھی موجود تھا۔ وہ شاید صارم سے اپنی زندگی کا بھیانک سچ شیئر کر کے اس کی نظروں میں گر گئی تھی۔ لیکن وہ اس سے کچھ چھپانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ صارم ساری سچائی جاننے کے بعد بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرے اور ایسا ہی ہوا تھا۔

انسان فیصلہ ایک لمحے میں کرتا ہے اور پھر اس فیصلے کا نتیجہ ساری عمر ساتھ ساتھ رہتا ہے۔۔۔ روشنی کی طرح' کبھی آسیب کی طرح۔ ایک بار کیا گیا فیصلہ کبھی بدلا نہیں جا سکتا۔ وقت دوبارہ نہیں آتا۔ زندگی میں کوئی لمحہ دوبارہ نہیں آتا فیصلے کے لمحے کہاں دہرائے جا سکتے ہیں؟

اپنے کام اللہ کے سپرد کر دینے والے مطمئن رہتے ہیں' جو ہو سو ہو' سب ٹھیک۔۔۔ ان کا فیصلہ ہوتا ہے کہ جو ہوا اچھا تھا' جو ہو رہا ہے اچھا ہے اور جو ہوگا اچھا ہوگا۔ ماہین نے بھی اپنے ہر کام کو اللہ کے سپرد کر دیا تھا۔ رفاقت سرشت آدم ہے۔ انسان کو ہر مقام پر رفیق کی ضرورت ہے۔ جنت بھی انسان کو تسکین نہیں دے سکی۔ اگر اس میں کوئی ساتھی نہ ہو' کوئی اور انسان نہ ہو' کوئی ہم راز نہ ہو' کوئی سننے والا نہ ہو' کوئی سنانے والا نہ ہو' آسمانوں پر بھی انسان کو انسان کی تمنا رہی اور زمین پر بھی انسان کو انسان کی طلب سے مفر ممکن نہیں۔ ماہین بھی انسان تھی۔ وہ کب تک اکیلی رہتی۔ الفت کی لہریں اس کے وجود میں سرایت کر گئی تھیں۔

"محرم نے مجھے کند چھری سے ذبح کیا ہے۔"

بارش کی تیزی میں مزید شدت آگئی تھی۔ اس نے دھیرے سے نظریں اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔ کچھ دیر پہلے آسمان کتنا وسیع تھا۔ بادلوں سے مکمل طور پر ڈھکا ہونے کے باوجود وہ اس کی وسعت کا اندازہ نہیں کر پا رہی تھی۔ مگر اب سورج کے غروب ہوتے ہی اسے وسیع و عریض آسمان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر نظریں اٹھا کر آسمان دیکھنا چاہا لیکن سوائے تاریکی کے اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"اندھیرا وسعت کو ختم کر دیتا ہے۔۔۔ بالکل ایسے جیسے میرے اندر اترتی تاریکی نے میرے وجود کو ختم کر دیا۔۔۔" بارش کے قطرے تیز ہوا سے اڑ اڑ کر اس کے چہرے سے ہوتے ہوئے اسے کپڑوں میں جذب ہو رہے تھے۔ انہی قطروں میں وہ قطرے بھی شامل تھے' جو اس کی آنکھوں سے نکل رہے تھے۔

"اگر ایک میرا وجود اس دنیا میں نہ ہوتا تو یہ دنیا ختم تو نہ ہو جاتی۔۔۔ مجھے جینا نہیں چاہیے تھا لیکن پھر بھی میں جی رہی ہوں۔۔۔ بالکل ایسے جیسے میں مر گئی ہوں۔"

اسے یاد تھا کہ اس نے آج سے پہلے بھی یہ بات کئی بار سوچی تھی۔ گرم قطروں میں اضافہ ہو گیا تھا اور نا جانے کتنی دیر تک وہ دسمبر کی شدید سردی اور تیز بارش سے بے نیاز اپنی لایعنی سوچوں میں گم خود فراموشی کی سی کیفیت میں کھڑکی میں کھڑی رہی۔ نا جانے کس احساس کے تحت وہ ایک دم خود فراموشی کے حصار سے باہر نکل آئی تھی۔ حقیقت کی دنیا میں آتے ہی وہ متحیر سی رہ گئی تھی۔ چاروں جانب پھیلتے اندھیرے نے اسے وقت کے تیزی سے گزرنے کا احساس دلایا تھا۔ پتا نہیں کتنے گھنٹے وہ بھوک پیاس اور دوسری ضروریات سے بے نیاز اپنی سوچوں میں غرق رہی تھی۔ کمرے سے نکل کر وہ لاؤنج میں آئی اور کارڈلیس اٹھا کر کانپتے ہاتھوں سے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ دوسری طرف بیل جا رہی تھی اور اس کی سانسیں اکھڑنے لگی تھیں۔ شاید کسی نے ہیلو کہا تھا اور اس کی آنکھیں شدت جذبات سے بند ہو گئیں۔ اس نے جلدی سے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی آواز کو نکلنے

سے روکا اور زارو قطار بہتی آنکھوں سمیت وہ کارڈلیس صوفے پر پھینکتی واپس اپنے کمرے میں گھس گئی۔ صارم ابھی ابھی لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔ وہ صبح سے نکلا اب گھر لوٹا تھا اور گھر لوٹتے ہی اس نے ماہین کی یہ کارستانی دیکھی۔ اس کے کمرے میں جاتے ہی اس نے تفتیش بھرے انداز میں کارڈلیس اٹھایا اور ریڈائل کر دیا۔

☆ ☆ ☆

ماہین زکام اور بخار میں پھنک رہی تھی۔ دادی ماں صبح تقریباً" دس بجے ہی پڑوسیوں کے ہاں قرآن خوانی میں چلی گئی تھیں' ارحم آفس جا چکا تھا' فائقہ ماہین کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے گھر پر ٹھہری تھی جبکہ فاطمہ اپنے چاچو کی گود میں بیٹھی اس کی نہ سمجھ آنے والی باتوں کو بڑے غور سے سننے اور سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جہاں اس کا دل چاہتا ہنس دیتی' جہاں دل چاہتا رو دیتی۔ ماہین بیڈ پر بیٹھی ٹشو سے اپنا سرخ ناک مزید رگڑ کر سرخ کر رہی تھی۔ آنکھوں سے پانی مسلسل بہہ رہا تھا۔ فائقہ وارڈروب سے اس کے لیے کپڑے نکال کر بیڈ پر رکھتے ہوئے بولی۔

"چلو ماہین! تم جلدی سے چینج کر لو... میں صارم سے کہتی ہوں وہ تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جائے۔"

"نہیں فائقہ بھابھی! میں ٹھیک ہوں۔" پچھلے ایک گھنٹے سے وہ اسی طرح "ٹھیک ہے" کہہ کر ڈاکٹر کے پاس جانے سے انکار کر رہی تھی۔

"ہاں دیکھ رہی ہوں کتنی ٹھیک ہو تم..." فائقہ بڑی بہنوں کی طرح ڈانٹنے والے انداز میں بولتی ہوئی پھر سے وارڈروب کی طرف بڑھی اور جائزہ لیتے ہوئے بولی۔ "تم اپنے لیے شاپنگ کیوں نہیں کرتی ہو... گنتی کے چار پانچ سوٹ ہیں بس... اگر تم چار پانچ اور جوڑے لے لو گی تو کیا تمہیں مالیخولیا ہو جائے گا..."

"ایک کیا دس جوڑے خرید لیتی مگر..." وہ ایک مضحمل سی سانس کھینچ کر اپنے بکھرے بالوں کو لپیٹ کر دوسرا ٹشو نکالنے لگی۔

"مگر کیا...؟"

"میرا دل..." اس سے پہلے کہ وہ اپنا جملہ مکمل کرتی' فائقہ نے بات کاٹ دی۔ "تمہارے دل کا علاج تو خیر صارم کر لے گا اور ایسا کرے گا کہ تم..." فائقہ کوئی شرارتی جملہ کہتے کہتے رک گئی' پھر ایک دم ہنس پڑی۔

"آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے۔" وہ ناراض بچے کی طرح گھورنے لگی۔

"بھئی میں کچھ نہیں جانتی... تم کل ہی میرے ساتھ مارکیٹ چلو... سمجھی؟"

"چلیں آپ کی خوشی کے لیے میں ارحم بھائی کی جیب ہلکی کر ہی ڈالتی ہوں..."

"کبھی تو اسے شاپنگ کرا دو... کبھی دو روپے تک کی چیز لا کر نہیں دی اور ہو بزنس ٹائیکون کے بیٹے..." فائقہ نے صارم پر چوٹ کی۔

"کبھی کیوں؟ یہ حکم کریں تو روز ہی شاپنگ کرا دوں بلکہ ایک شاپنگ سنٹر ان کے نام لکھوا دوں..."

"اللہ رے..." فائقہ بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ پھر خاصے تمسخرانہ انداز میں سر کو جنبش دے کر ماہین کی طرف دیکھا۔

"سنا تم نے یہ موصوف کیا کہہ رہے ہیں... لوہا گرم ہے' چوٹ لگا دو... ایسے موقعے بار بار نہیں آتے۔"

"ماشاء اللہ! پورے چار سال کا تجربہ بول رہا ہے۔" صارم نے پھر جواباً "چوٹ" کی تو وہ کھسیا سی گئی۔

"وہ کہاں تم سے کم ہیں... چار سال میں چار بار ہی مشکل سے شاپنگ پر لے گئے ہوں گے..."

"چار بار... تعجب ہے میرا خیال ہے ارحم بھائی... اتنے احمق تو نہیں ہو سکتے' انہیں تو ایک بار ہی لے جانے کے بعد توبہ کر لینی چاہیے تھی... خاصے مضبوط اعصاب کے بندے ہیں ہمارے ارحم بھیا..." اس نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔ پھر فائقہ کے چہرے پر نظر ڈال کر ہنس پڑا۔ پھر ایک دم خیال آنے پر ماہین کی طرف دیکھا جو ان دونوں کی اس گفتگو سے خود کو بے

نیاز ظاہر کیے وارڈ روب میں گھسی ہوئی تھی۔ صارم نے وارڈروب کا نیم وا دروازہ اپنی طرف پورا کھول دیا۔

"ماہین! میرے ساتھ چلو۔"

"اے اے کیا مطلب ہے؟" فائقہ پوری طرح چونکی ہوگئی۔

"کس بات کا مطلب؟" اس نے گردن موڑ کر فائقہ کو دیکھا۔

"اس کو ساتھ لے جانے کا۔"

"کیا آپ اس کی باڈی گارڈ لگی ہیں کہ آپ کو بتائے بنا میں اسے کہیں لے جا نہیں سکتا۔"

"تمہارا کوئی بھروسا بھی تو نہیں ہے۔ کیا کر ڈالو۔" فائقہ اسے چڑانے کو بولی۔

"کاش کچھ ایسا کر سکتا۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچتے ہوئے بے ساختہ ماہین کی طرف دیکھا جو اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ نظریں ملنے پر سٹپٹا کر ہینگر کے سوٹ کی سلوٹ ٹھیک کرنے لگی اور ساتھ ہی ایک زوردار چھینک مارتے ہی ناک پر ہاتھ رکھ لیا۔

"مثلاً" کیا نہیں کر سکتے...؟" فائقہ مسکراہٹ دبا کر بڑی سنجیدگی سے بولی اور جواباً "صارم کا دل چاہا کہ اس کا سر پیٹ لے "نہیں تو کم از کم اپنا ضرور پیٹ لے۔

"مثلاً" یہ کہ اسے کسی اونچے پہاڑ پر لے جا کر دھکا نہیں دے سکتا۔

اس کا چرغا بنا کر کھا نہیں سکتا۔ اس کو پانی میں ڈبو نہیں سکتا "اس کا جوس بنا کر پی نہیں سکتا۔" وہ کچھ اس انداز میں چڑ کر بولا کہ فائقہ اپنا بے ساختہ قہقہہ نہ روک سکی۔

"دیکھا فائقہ بھابی! کتنی نیک خواہشات ہیں ان کی۔" ماہین جھلس ہی تو گئی۔

"اس سے بھی زیادہ نیک خواہشات اور خیالات ہیں۔ پھر کسی اور دن بتاؤں گا۔ فی الحال تو میرے ساتھ چلنے کی تیاری کرو' بلکہ ٹھیک ٹھاک ہی لگ رہی ہو' اسی طرح چلو۔" اس نے اسے اس کی کلائی سے پکڑ کر اپنے ہمراہ کر لیا۔

"مگر مجھے کہیں نہیں جانا۔" وہ جھنجلا گئی۔

"میں تمہیں اغوا کر کے نہیں جا رہا۔ ایک بہت ضروری کام ہے۔" اب کے اس نے خاصی سنجیدگی سے کہا۔

"کوئی ضروری کام نہیں ہے۔ یوں کہو کہ بہلانے سے لے کر جا رہے ہو۔" فائقہ اب بھی اسے مشکوک نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"بہت دیر بعد کوئی بات آپ کی سمجھ میں آئی ہے۔ چلیں دیر آید درست آید۔" اس نے بھنویں اچکا کر ہلکی سی مسکراہٹ اچھالی اور ماہین کا ہاتھ پکڑے دروازے سے نکل گیا۔

"صارم تم۔" فائقہ پیچھے لپکی مگر وہ جاتے جاتے دروازہ بند کر گیا۔ وہ بند دروازے کو گھورتی رہ گئی اور پھر زور سے ہنس پڑی۔

☆ ☆ ☆

ماہین گاڑی میں بیٹھ کر مضطرب انداز میں اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"آخر مقصد کیا ہے آپ کا' اس طرح کہاں لے جا رہے ہیں مجھے؟"

"افق کے اس پار' ندیا کنارے' خوشیوں کے دیس میں۔" ادھر اطمینان سے جواب آیا تو ماہین جھنجلا کر نظریں باہر کی طرف دوڑانے لگی۔ پھر صارم اس کی طرف ذرا سا جھکا۔

میرے لفظوں کی پہچان گر وہ کر لیں
انہیں مجھ سے نہیں خود سے محبت ہو جائے

مدھم سی سرگوشی اس کے نازک دل کے تاروں پر جا لگی۔

"فکر مت کرو۔ تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر جا رہا ہوں۔ صبح سے اچھوں اچھوں لگا رکھی ہے۔ خود تو بھگت رہی ہو ہم بے چاروں کو بھی فری میں زکام کرواؤ گی۔" ڈاکٹر کو دکھا کر باہر نکلے تو صارم بولا۔

"تم یہیں رکو' میں یہ دوائیاں لے کر آتا ہوں۔" وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا آگے بڑھ گیا جبکہ ماہین

اردگرد کا جائزہ لیتے ہوئے ٹہلنے والے انداز میں آگے کو بڑھنے لگی۔ اچانک اسے ایسا لگا جیسے زمین نے اس کے قدم آگے بڑھنے سے روک دیے ہیں۔ وہ آگے بڑھنا چاہتی تھی لیکن بڑھ نہیں پا رہی تھی۔ وہ حیرت اور بے یقینی سے کھلی آنکھوں سے یک ٹک سامنے وہیل چیئر پر بیٹھے دنیا جہاں سے انجان اس جانے پہچانے شخص کو دیکھے جا رہی تھی۔ کیا وہ واقعی وہی تھا یا یہ اس کا وہم تھا ... نہیں وہ واقعی وہی تھا۔

"محرم..." ماہین کے کانپتے لبوں سے صرف اس کا نام نکلا تھا اور وہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھے لمبے لمبے سانس لینے لگی جیسے اسے دمہ کا مرض لاحق ہو گیا ہو۔ اسے سب کچھ چکراتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے جلدی سے پاس پڑی کرسی کا سہارا لیا اور خود کو گرنے سے بچاتے ہوئے کرسی پر ڈھے سی گئی مگر اس کی نظریں ابھی بھی اسی پر تھیں۔ دو بڑی عمر کی نرسیں محرم کی وہیل چیئر کو پکڑے وہاں سے گزریں تو ماہین کے کانوں میں ان کے الفاظ گھلتے چلے گئے۔

"پتا نہیں کیا ہوا اس بے چارے کے ساتھ... بھری جوانی میں فالج کا اٹیک ہو گیا اور تو اور ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ شراب بہت زیادہ پینے کی وجہ سے کینسر کا مرض لاحق ہو چکا ہے... یہ دنیا کہاں سے کہاں جا رہی ہے..."

"ہاں بہن ٹھیک کہتی ہو... لوگوں نے خود کو بری عادتوں میں ڈال کر اپنی زندگی خود ہی برباد کر رکھی ہے۔ نا جانے یہ کتنے دن کا مہمان ہے۔" وہ بہت ہی پاس سے محرم کو لے کر گزری تھیں۔ ماہین نے اپنا منہ چھپانا چاہا لیکن ایک زندہ لاش سے وہ کیسے منہ چھپاتی۔ جو خود اللہ کے سامنے منہ چھپانے لائق نہ رہا تھا۔

اللہ سے کون بچ سکتا ہے... محرم کی حالت ایسی تھی کہ ماہین کا دل بھر آیا' دونوں بازو ڈھلکے ہوئے' گردن ایک طرف کو ڈھلکی ہوئی' منہ سے تھوک نما پانی یا پھر تھوک ہی نکل رہا تھا۔ نگاہیں کھلی تھیں کہ وہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی کچھ نہیں دیکھ پا رہا تھا... ایڈز تو اسے بہت پہلے ہو چکا تھا لیکن بہت زیادہ تعداد میں استعمال ہونے والے سگریٹ اور شراب نوشی نے اسے موت کے بہت قریب کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی لاٹھی بے آواز ہے اور وہ برا کرنے والوں کو اسی زندگی میں ہی دکھا دیتا ہے کہ دیکھو' کسی کے ساتھ برا کرو گے تو خود اس سے زیادہ برے انجام کے حق دار ہو گے۔

"یا اللہ! میرے ساتھ جو ہوا سو ہوا... میرے پیارے مولا! اسے بخش دے۔" ماہین نے اپنی بربادی بھلا کر بھی اس کا انجام دیکھ کر بہتی آنکھوں سے اس بے مروت کے لیے رحم کی فریاد کی۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور وہ بس ایک ہی لفظ دہرائے جا رہی تھی۔

"الٰہی اسے بخش دے..."

تمام تعریفیں اسی اللہ کے لیے ہیں جس نے بڑے بڑے ظالم اور جابر لوگوں کی گردنیں موت سے مروڑ دیں اور اونچے اونچے تختوں پر اکڑ کر چلنے والوں کی کمریں موت سے توڑ دیں... میرے دوستو! دنیا کی زندگی چاہے کتنی ہی زیادہ ہو جائے بہرحال ختم ہونے والی ہے۔ آخرت کی زندگی کبھی بھی نہ ختم ہونے والی ہے... میرے دوستو! تم لوگوں پر اللہ تعالیٰ رحم کرے' اپنی غفلت سے ہوشیار ہو جاؤ' اپنی نیند سے بے دار ہو جاؤ' اس سے پہلے کہ یہ شور ہو جائے' فلاں شخص بیمار ہو گیا ہے' مایوسی کی حالت بڑھ گئی ہے۔ کوئی اچھا ڈاکٹر بتاؤ' پھر تمہارے لیے ڈاکٹر بار بار بلائے جائیں اور زندگی کی کوئی بھی امید نہ دلائے۔ اس وقت تمہیں آخر کے احوال محسوس ہونے لگیں گے۔ یہ حقیقت ہے اس زندگی کی۔ موت کا معاملہ بہت سخت ہے اور ہم لوگ اس سے بہت غافل ہیں۔ اپنے مشاغل کی وجہ سے اس کا ذکر ہی نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے ہم سب کو جو ہر وقت دنیا میں ہی غرق رہتے ہیں' اپنی طرف رجوع کی توفیق عطا فرمائے اور اس ناپاک دنیا سے نفرت کا ذائقہ نصیب فرمائے۔ (آمین) اسے درس دینے والی عورت کی کہی ہوئی باتیں یاد آئیں۔

گناہوں کی سزا حشر کے روز مقرر نہیں

زندگی خود گناہوں کی سزا دیتی ہے

☆ ☆ ☆

اگلی صبح وہ ناشتا کرنے کے بعد فاطمہ کے ساتھ کھیلنے کی غرض سے فائقہ کے کمرے کی طرف بڑھی تو لاؤنج میں دادی ماں کے قدموں میں بیٹھی پرانے کپڑوں کو ایک گٹھری میں باندھتی ہوئی ماسی پر اس کی نظر ٹک سی گئی۔ دادی ماں کچھ اور چیزیں لینے کی غرض سے اپنے کمرے میں گئیں تو وہ فوراً کپڑوں کو باندھتی ماسی کے قریب چلی آئی۔

"ماسی...." ماسی نے اس کی آواز پر چونک کر اوپر دیکھا اور اسے پہچانتے ہی ایک جھٹکے سے کھڑی ہو گئی۔

"ماہین بی بی! تم یہاں؟" اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی تھی۔

"ہاں لیکن تم یہاں اسلام آباد میں کیسے؟" وہ بھی حیران تھی۔

"ماہین بی بی! یہ بیگم صاحبہ پہلے لاہور میں رہتی تھیں اور میں ان کے ہاں کام کرتی تھی۔ برسوں سے پھر جب سے بیٹے کی شادی ہوئی اور اللہ نے ایک پوتے سے نوازا تو بس اپنے گاؤں اور گھر کی ہو کر رہ گئی۔ اللہ کے کرم سے میرے بیٹے کی شہر میں بہت اچھی جاب لگ گئی اور پھر میں نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ اب جب سے بیگم صاحبہ یہاں شفٹ ہوئی ہیں تب کبھی کبھار ان سے ملنے چلی آتی ہوں اور مجھ غریب کی مدد کر دیتی ہیں۔"

وہ ٹھنڈی سانس کھینچ کر بولی اور سرگوشیانہ انداز میں اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"لیکن تمہیں کیسے پتا چلا کہ تمہاری بیٹی میں نے ارحم صاحب کے حوالے کی تھی.... ارحم صاحب بہت نیک دل اور رحم دل انسان ہیں۔ شاید وہی تمہیں یہاں لائے ہوں گے.... تبھی میں سوچ رہی تھی کہ تم اچانک اپنا فلیٹ چھوڑ کر کہاں چلی گئی۔ میں پچھلے دنوں گئی تھی تمہارے فلیٹ تم سے ملنے لیکن وہاں تالا لگا تھا...." ماسی اپنی طرف سے قیاس آرائیاں کرتی چلی جا رہی تھی جبکہ ماہین کے پیروں تلے سے زمین کھسک چکی تھی اور وہ حیرت سے منہ کھولے ماسی کو تکے جا رہی تھی۔

"یعنی فاطمہ میری مومنہ ہے؟" حیرت اور خوشی سے اس نے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں ماسی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہائیں کیا مطلب.... تو کیا تم نہیں جانتی کہ فاطمہ تمہاری بیٹی ہے؟" اب کی بار ماسی کی آنکھیں بھی حیرت سے پھٹی تھیں۔

"نہیں ماسی! کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟" ماہین کی آنکھوں میں پانی اور آواز میں لغزش تھی۔

"ہاں ماسی! سچ کہہ رہی ہیں.... فاطمہ تمہاری ہی بیٹی ہے...." عقب سے ارحم کی آواز ابھری تھی۔ ماہین نے پلٹ کر بہتی آنکھوں سے ارحم کو دیکھا جو فائقہ کے برابر کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ فائقہ فاطمہ کو بانہوں میں لیے نم آنکھوں سے ماہین کو دیکھ رہی تھی۔

"جب میں تم سے پہلی بار ملا تھا تو تمہاری ساری گزشتہ زندگی کی داستان اور تمہارا نام سن کر مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ تم ہی وہ انسان ہو جس نے میری اور فائقہ کی جھولی خوشیوں سے بھر دی.... میں تمہارا نام کیسے بھول سکتا تھا.... مجھے معاف کر دو.... میں نے تمہیں اتنے دن اندھیرے میں رکھا اور.... اور۔" وہ کچھ بولنا چاہتا تھا لیکن بول نہیں پا رہا تھا۔ وہ بہت شرمندہ تھا۔

ماہین تیزی سے آگے بڑھی اور فاطمہ کو فائقہ سے لے کر اپنے سینے سے لگایا، خوب پیار کیا اور پھر واپس فائقہ کے حوالے کرتے ہوئے نم آنکھوں سے مسکرا کر بولی۔

"نہیں ارحم بھائی! یہ میری نہیں، آپ ہی کی بیٹی ہے.... مجھے تو سمجھ نہیں آ رہا کہ میں آپ کے احسانوں کا بدلہ کیسے چکاؤں گی.... پہلے آپ نے فاطمہ کا سہارا بن کر مجھے تسکین دی اور پھر میری زندگی اس جہنم سے بچا کر مجھ پر اتنا احسان کیا.... میں آپ کے احسانوں تلے دب گئی ہوں.... سمجھ نہیں آ رہا کہ کس منہ سے آپ کا شکریہ ادا کروں...."

ارحم اس کے رونے پر اس کے قریب چلا آیا اور

بڑے بھائیوں کی طرح اس کے آنسو پونچھتے ہوئے شفقت سے بولا۔

"نہیں میں نے کوئی احسان نہیں کیا۔۔۔ میں نے وہی کیا جو مجھے کرنا چاہیے تھا۔۔۔ اگر تم فاطمہ کی ماں نہ بھی ہوتی تب بھی میں نے تمہیں اپنی بہن بنا کر اپنے گھر لانا تھا۔ احسان تو تمہارا ہم پر ہے کہ تم نے ہمیں اتنی بڑی خوشی دی۔۔۔" ارحم کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ نکلے۔

"ہاں بیٹی! میں نہ کہتی تھی کہ ضرور تم نے کوئی نیکی کی ہے جس کے بدلے اللہ نے تم پر اتنا رحم کیا اور اس دوزخ سے بہ حفاظت باہر نکال دیا۔ تم نے میرے بچے کو جو خوشی دی' اس کے لیے میں بھی تمہاری ممنون ہوں۔۔۔" دادی ماں اپنے آنسو پونچھ کر ماہین کے قریب چلی آئیں تو ماہین ان کے گلے لگ کر بلک پڑی۔

ہر وجہ کا ایک نتیجہ ہے اور ہر نتیجے کے لیے کوئی نہ کوئی وجہ ہے۔۔۔ اگر وجوہ اور نتائج صرف وجوہ اور نتائج ہی ہوتے تو غالباً" انسان کے دل سے امید' آس اور رحمت کا تصور ختم ہو جاتا۔ اللہ کا ارشاد ہے کہ "میری رحمت سے مایوس نہ ہونا' یعنی خبردار میری رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ اے انسان! اگر کبھی غلطی سرزد ہو جائے تو یاد رکھنا کہ غلطی کی سزا ضرور ہے لیکن یہ بات نہ بھولنا کہ میری رحمت میرے غضب سے زیادہ وسیع ہے۔ غلطی کی سزا دینے والا میں ہی ہوں' لیکن یہ میرا ہی فضل ہے کہ میں غلطیاں معاف بھی کرتا ہوں' خطاؤں سے درگزر بھی کرتا ہوں انسان کی کمزوری کو اپنی رحمت کی طاقتیں عطا فرماتا ہوں۔

اللہ کریم کی رحمت کو اگر غور سے دیکھیں تو زندگی کے قدم قدم پر چھائی ہوئی ہے' رحمت ایک عام زندگی میں ایسا انقلاب برپا کرتی ہے کہ وہی عام انسان خاک کے ایک ذرے سے ماہتاب و آفتاب بنا دیا جاتا ہے۔ رحمت حق اس شخص کی تلاش میں رہتی ہے جس کی آنکھ پرنم رہتی ہے۔ آنسوؤں کے قریب رہنے والے رحمت حق کے قریب ہیں۔ رحمت کرنے والے دراصل رحمت حاصل کرنے والے ہیں۔ انسان کے قریب رہنے والے اللہ کے قریب ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کبھی انتقام نہیں لیا۔ غلاموں کو ایک دن میں ستر مرتبہ معاف کرنے کا حکم فرمایا۔ جس کو رحمت کا حق مل گیا اسے رحمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں پناہ مل گئی جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں پناہ مل گئی اس کا کام آسان ہو گیا۔ انسان خاموشی سے دعا مانگتا ہے۔ اللہ خاموش دعاؤں کو سنتا ہے' منظور فرماتا ہے' اللہ کی تلاش بہت آسان ہے۔ وہ انسانی شہ رگ سے قریب ہے۔ بہت قریب لیکن اس تک رسائی حاصل کرنا اس لیے مشکل ہے کہ انسان 'انسان ہے اور اللہ 'اللہ۔

24 دسمبر کا دن ماہین کی زندگی میں ایک موڑ لے آیا تھا۔ اسے اپنی کھوئی ہوئی تمام خوشیاں مل گئی تھیں۔ ایک اچھا اور سچا جیون ساتھی تو ہر لڑکی کا اولین خواب ہے۔ آج اس کا یہ خواب پورا ہونے جا رہا تھا۔ آج وہ پورے دل سے صارم کے لیے سج سنور رہی تھی۔ صارم کی پسند کے سرخ رنگ کا لہنگا' اس کی پسند کی جیولری پہنے آج وہ قیامت ڈھا رہی تھی۔ خود کو آئینے میں دیکھتے ہی اس کی نظریں جھک گئی تھیں۔ فائقہ فائنل ٹچنگ دیتے ہوئے اس کا دوپٹا درست کرتے ہوئے اسے آئینہ میں دیکھ کر شرارت سے گویا ہوئی۔

"ماشاء اللہ! ایسا لگتا ہے جیسے آسمان سے کوئی حور زمین پر اتر آئی ہو۔۔۔ صارم تو آج یقیناً" بے ہوش ہونے والا ہے۔۔۔" آج وہ بہت خوش تھی۔ فائقہ بار بار اس کی تعریفوں کے پل باندھتی چلی جا رہی تھی۔

"دیکھو ماہین! نکاح کے بعد صارم کو اپنی مٹھی میں رکھنا۔۔۔ نہیں تو۔۔۔" اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتی پیچھے سے صارم کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"ایک تو بھابھی آپ کو پتا نہیں کیوں مجھ سے خدا واسطے کا بیر ہے۔۔۔ کیوں میری بیوی۔۔۔ میرا مطلب ہونے والی بیوی کے کان میرے خلاف بھر رہی ہیں۔۔۔؟" فائقہ نے گردن کو خم دے کر صارم کی طرف

دیکھتے ہوئے آنکھیں نکالیں۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی اندر آنے کی؟ چلو باہر نکلو.... حد ہو گئی ہے.... کوئی شرم حیا نہیں.... چلو چلو شاباش...." فائقہ اسے باہر دھکیلتے ہوئے بولے جا رہی تھی۔

"ارے بھابھی! رکیے تو.... میری بات سنیے آپ ذرا باہر جائیں، مجھے ماہین سے کچھ بات کرنی ہے.... بھابھی پلیز سمجھنے کی کوشش کریں نا۔" اس بار وہ خاصا سنجیدہ ہوا تھا اور بھابھی چند لمحے اسے دیکھتی رہیں اور پھر دو ٹوک انداز میں بولیں۔

"اوکے صرف پانچ منٹ.... چھٹے منٹ میں میں دادی ماں سمیت اندر آجاؤں گی...." وہ دھمکی دیتے ہی باہر نکل گئیں، تو صارم ماہین کے نزدیک چلا آیا۔ وہ اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ اس کی معصومیت اور خوب صورتی میں کہیں کھو گیا تھا۔ ماہین گھبراہٹ کے مارے اپنے ہاتھ دبائے چلی جا رہی تھی۔

"جی کہیے.... آپ کچھ کہنا چاہتے تھے...." گھبراہٹ کے مارے وہ ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں بولی۔ صارم ایک دم سے چونکا اور پھر اپنے ہی انداز میں گویا ہوا "اپنی آنکھیں بند کرو...." "جی...."

"ارے بابا اپنی آنکھیں بند کرو نا...." ماہین نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھتی رہی اور پھر دھیرے سے آنکھیں بند کرلیں۔ چند ثانیے بعد صارم کے کہنے پر اس نے آنکھیں کھولیں تو ایک دم سکتے میں آگئی۔ وہ بنا پلکیں جھپکائے یک ٹک حیرانی سے سامنے دیکھے جا رہی تھی۔ پھر یوں ہوا کہ آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ لیکن ابھی بھی ان آنکھوں میں بے پناہ حیرت اور بے یقینی تھی۔ اس کے لب تھرتھرا رہے تھے۔ جو وہ کہنا چاہتی تھی کہہ نہیں پا رہی تھی۔ سامنے کھڑے شخص کی آنکھوں میں بے چینی، بے یقینی، بے پناہ محبت اور دردلی شدت موجود تھی۔ اس کی آنکھیں نم تھیں۔ پھر ماہین اس شخص کے قدموں میں ڈھے سی گئی اور ہاتھ جوڑ کر بری طرح بلک پڑی اتنی بری طرح کہ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

"مجھے معاف کردیں زبیر بھائی...." وہ بمشکل بول پائی تھی۔ زبیر بھائی نے جلدی سے اسے بازوؤں سے پکڑ کر کھڑا کیا اور اپنے سینے سے لگالیا۔ شدت درد، شدت جذبات سے ان کے بھی آنسو بہہ نکلے۔

"کہاں چلی گئی تھیں تم؟ کوئی ایسا کرتا ہے بھلا؟ کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا تمہیں.... کیسے ایک ایک پل مر مر کے گزارا ہے میں نے.... کیا بتاؤں تمہیں...."

"مجھے معاف کردیں.... میں آپ کی معافی کے قابل نہیں ہوں.... میں نے آپ کو دھوکا دینے کی سزا بھگتی ہے، مجھے میرے کیے کی بھیانک سزا ملی ہے زبیر بھائی.... لیکن مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ آپ کا سامنا کرسکوں.... مجھے معاف کردیں۔"

وہ بچوں کی طرح اس کے سینے میں سر چھپائے رو رہی تھی اور اپنی غلطی کی معافی مانگ رہی تھی۔ صارم کی آنکھیں بھی شدت جذبات سے نم ہوگئیں۔ اس نے اپنے آنسو پونچھ کر زبیر کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ اس رات جب ماہین کارڈلیس صوفے پر پھینک کر واپس روم میں گئی تھی اور صارم نے نمبر ڈائل کیا تو زبیر بھائی کی آواز سنتے ہی ان کے بارے میں انکوائری کرنے لگا.... جب زبیر بھائی کو پتا چلا کہ ماہین صارم کے گھر پر باحفاظت موجود ہے تو وہ دیوانے ہو چلے تھے اور جلد از جلد اپنی گڑیا جیسی لاڈو بہن سے ملنے کے لیے آنا چاہتے تھے پھر پورے پلان کے مطابق آج صارم نے کسی کو بھنک تک نہ پڑنے دی اور زبیر بھائی کو گھر لے آیا۔

محرم درانی وہ شخص تھا جس نے ماہین سے اس کا سب سے پیارا رشتہ چھینا تھا۔ اس سے اس کی تمام خوشیاں چھین کر اسے بربادی کی بلندیوں تک پہنچادیا تھا اور آج قسمت نے ایسا پلٹا کھایا کہ جس شخص نے صرف ماہین ہی نہیں بلکہ نا جانے کتنی ان گنت لڑکیوں کی زندگیاں برباد کی تھیں۔ وہی شخص آج خود برباد ہو گیا تھا۔ اتنا برباد کہ دنیا میں موجود ہوتے ہوئے بھی موجود نہ تھا۔ موت کے قریب ہوتے ہوئے بھی موت

کی آغوش میں ابھی نہ گیا تھا۔ یعنی زندگی اور موت دونوں کے بیچ لٹک کر رہ گیا تھا اور جب انسان زندگی موت میں لٹک کر رہ جائے تو کیا حالت ہوتی ہے' یہ صرف وہی جانتا ہوگا جس پر بیتتی ہے۔

صارم وہ انسان تھا جس نے ماہین کو اس کے سب سے پیارے رشتے سے دوبارہ ملوایا تھا۔ ماہین کی جھولی میں زندگی بھر کے لیے نا ختم ہونے والی خوشیاں ڈال دی تھیں۔ وہ ایک فرشتہ بن کر ماہین کی زندگی میں آیا' اس کا جیون منور ہو گیا۔ آج ماہین کے پاس سب کچھ تھا۔ اس کی بیٹی' اس کا بھائی' اس کا جیون ساتھی' اتنی پیاری اور پر خلوص فیملی اور بے پناہ خوشیاں' وہ امر ہو گئی تھی۔ خوشی کے آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہ لے رہے اس کی تلاش میں پہلا قدم ہی آخری قدم ہے۔ اپنے مالک کو اپنی صداقت سے دل میں پاؤ۔ اس نے کہہ دیا ہے کہ میں تمہاری سانسوں میں ہوں۔ تم جہاں ہو میں وہاں ہوں' اپنے آئینے میں جھانکو یعنی اپنے دل میں جھانکو' میں وہاں ہوں گا اور جس طرح آئینے کے سامنے جانے سے یہ معلوم ہو گا کہ جب ہم سامنے ہوں تو وہ عکس بن کر سامنے آجاتا ہے۔ ہم آگے ہوں گے وہ آگے آجاتا ہے۔ ہم پیچھے ہٹ جائیں تو وہ سامنے نہیں رہتا۔ اب یہاں یہ غور طلب بات ہے کہ جب ہم اس کے قریب ہوتے ہیں وہ اور قریب ہوتا ہے۔ ہم کیوں نہ اس کے قریب تر ہو جائیں۔

توبہ کا وقت بہت دراز ہوتا ہے۔ لیکن جب موت کے فرشتے نظر آنے لگتے ہیں تو توبہ کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور بندہ بھی دنیا سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ ماہین نے سچے دل سے توبہ کی تھی اور اللہ نے اس کی توبہ قبول و منظور فرما کر اسے خوشیوں سے بھرپور زندگی سے نوازا تھا۔ وہ آج صبح سے بہت خوش تھی۔ لیکن جب وہ صارم کی وجہ سے اپنے زبیر بھائی سے ملی تو اس کی خوشی دوگنی ہو گئی۔ نکاح بڑی سادگی سے ہوا تھا لیکن گزرتے ہر لمحے کے ساتھ وہ بار بار من ہی من میں اپنے رب کا شکر ادا کرتی تھی۔

☆ ☆ ☆

جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو ماہین نے نظریں جھکالیں اور مسکرادی۔ وہ پرشوخ انداز میں اس کے سامنے جا بیٹھا تھا۔

"ہوں۔۔۔ تو آخر کار دادی ماں نے میری آزادیوں کو پابندیوں میں جکڑنے کے لیے جو جال بچھایا تھا' آج وہ پورا کر ہی دکھایا۔۔۔" ماہین نے اسے گھورا تھا اور پھر نظریں ملتے ہی اس کی دھڑکن بری طرح دھڑکنے لگی تھی۔ وہ فوراً" نظریں جھکا گئی اور بیڈ سے اترتے ہوئے بولی۔

"میں آپ کے لیے چائے بناتی ہوں۔۔۔"

"ارے باپ رے! آج بھی چائے پلاؤ گی کیا؟" صارم نے پہلے تو اسے ایسے دیکھا جیسے اس کا دماغی توازن کھو چکا ہو' پھر اسے کلائی سے پکڑ کر اپنے قریب بٹھاتے ہوئے بولا تھا۔

"آج یہ بہانہ نہیں چلے گا۔۔۔ تم ہمیشہ چائے بنانے کے بہانے مجھ سے دور بھاگتی رہی ہو۔۔۔ پر آج نہیں۔" اس نے اس کے چہرے پر آئی لٹ کو ہاتھوں سے پیچھے کرکے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

ماہین کی رنگت میں گلابیاں چھانے لگی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ پھولوں سے مہکتے باغ میں کہیں کھو سی گئی ہے۔ آج خوشیوں سے بھرپور زندگی نے اس کا بھرپور طریقے سے استقبال کیا تھا۔ وہ اپنی خوشیوں میں صارم کے ہمراہ کہیں کھو سی گئی۔

میرے چمن کی خوشبو مجھ کو لوٹا دو
چلی گئی ہے جو آبرو مجھ کو لوٹا دو
میرے چاند' میرے تارے ان کھلے پھول سارے
وہ کلیاں' وہ تتلیاں' وہ میرے جگنو لوٹا دو
میری آبرو مجھ کو لوٹا دو
چنی تھیں جو خواہشیں' بنے تھے جو خواب میں نے
وہ ہر خواب' ہر آرزو لوٹا دو
میری آبرو مجھ کو لوٹا دو!
میرے تن من کی پاکیزہ مہک تھی
میرے دامن میں واپس میری خوشبو لوٹا دو
میری آبرو مجھ کو لوٹا دو
میری آبرو مجھ کو لوٹا دو

☆ ☆

ام ثمامہ

اللہ اکبر۔۔۔
اللہ اکبر۔۔۔
قریبی مسجد میں جیسے ہی اللہ کی کبریائی کی آواز وسائی کے کانوں میں پڑی ' اس نے آنکھیں کھول دیں۔
آسمان پر ابھی تک رات آرام سے ڈیرے جمائے بیٹھی تھی۔ جیسے تاروں سے بچھڑنے کا کوئی ارادہ نہ ہو۔۔۔
مگر سج نے تو نکلنا تھا اور پھر رات اور تاروں کے درمیان وچھوڑا بھی ہونا تھا۔ وسائی ایک ٹھنڈی آہ بھر کر کھٹ سے اتری اور رلی سمیٹنے لگی ' سرد ہوا کا ریتلا جھونکا اس کے کمزور بدن سے ٹکرایا تو اس نے جھرجھری لی۔۔۔ آتی سردیوں کے دن تھے۔ اس نے موٹی لوئی کو اپنے گرد کس کر لپیٹا اور وضو کرنے چل دی۔
اسے تڑکے تڑکے سب کام کرنے تھے ' کیونکہ آج بچل نے اس سے جدا ہونا تھا اور اسے اس جدائی کی تیاری کرنی تھی ' کہ یہ عارضی جدائی تھرواسیوں کے نصیبوں کا حصہ تھی۔
انگیٹھی میں کوئلے سلگ رہے تھے۔ وسائی کے اندر دھواں بھرا ہوا تھا۔ جلنے اور پکنے کی ملی جلی مہک آس پاس چکرا رہی تھی۔ سج کی روشنی نے تاروں اور رات کے بیچ عارضی جدائی کردی تھی۔ اس نے بچل کو آواز دی۔۔۔ اور توے پر سے روٹی پکا کر اتارنے لگی۔
وہ ہاتھ منہ دھو آیا تھا۔ سر پر چمکتی سندھی ٹوپی اور کندھے پر اجرک ڈالے وہ وسائی کو شہزادہ لگا اور وہ تھا بھی شہزادہ پورے علاقے میں اس نے مٹھی کے کالج سے بارہ جماعتیں پاس کی تھیں۔ مگر نوکری پیسوں کے بغیر کہاں ملتی ہے۔ اس لیے ڈھور ڈنگر پر ہی گزارا تھا۔
وسائی نے بچل کے آگے چائے روٹی رکھی۔
"بچل تو کب لوٹے گا۔ سردی آنے والی ہے اور تیرے کو پتا ہے احمد میرے کو کتنا تنگ کرتا ہے۔"
آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں۔ دل تھر کی طرح ویران تھا۔ آواز میں ریتلی زمین کی سی پیاس در آئی تھی۔
"فکر نہ کر وسائی اللہ سائیں وڈا ہے۔ آدھا وال کپڑے اور مانی ٹکر کے لیے بندوبست تو کرنا ہے نا۔"
"کل رحیماں بتا رہی تھی ' اس کا مرد مٹھی گیا تھا۔ وہاں بڑی امداد مل رہی ہے۔" وسائی نے انگلیاں مروڑتے ہوئے کہا ' کیونکہ وہ بچل کی عادت سے واقف تھی۔
"نا۔۔۔ وسائی یہ میرے سے نہیں ہوگا ' وہاں انسانوں کے ساتھ بھکاریوں سے برا سلوک کیا جارہا ہے۔ تیرے کو پتا ہے نا وسائی تھرواسی بڑے خوددار ہوتے ہیں۔ منھیں دسے نا ' دسے یہ نا فریاد کرتے ہیں اور نا احتجاج۔۔۔ بس اپنی سوکھی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھا لیتے ہیں۔ اس ان داتا کی طرف جو میگھ وسانے پر قادر ہے۔"
"پر بچل۔۔۔ چاروں طرف جو بیماری پھیل رہی ہے۔ مجھے اس سے ڈر لگتا ہے ' اگر ہمارے احمد کو۔۔۔"
آگے آنسوؤں نے کچھ کہنے ہی نہیں دیا۔
صدیوں سے یہی تھر تھا اور یہی اس کے مسائل ' یہاں سارا سال پانی اور خوراک کی کمی ضرور رہتی تھی ' مگر ایسی قیامت نہیں تھی۔

”پتا ہے وسائی تھرواسیوں کی یہ خودداری وڈیروں اور محلوں میں رہنے والوں کو پسند نہیں آرہی۔ یہ.... یہ مصنوعی قلت کرکے اپنے گودام اور جیبیں بھر کے ہمیں بھیک مانگنا سکھا رہے ہیں۔“ بچل کڑھتا تو بولتا ہی چلا جاتا۔

”تو فکر مت کر‘ بس منٹھں وسے کی دعا کرنا‘ میں ڈھور ڈنگر بیچ کر جلدی احمد کے لیے گرم کپڑے اور راشن لے کر واپس آجاؤں گا۔“

☼ ☼ ☼

”ماما میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں ناشتے میں چیز آملیٹ کھاؤں گا تو پھر یہ کیا ہے؟“

ننھا عادل پھولے ہوئے پلین آملیٹ کی طرح منہ پھلائے بیٹھا تھا۔

”ڈیر آج کھالو چیز نہیں تھی۔ میں منگوانا بھول گئی تھی۔ کل پکا وعدہ بنادوں گی۔“ عائشہ نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں منت کی۔

”نو مانو....“

”چلو ایسا کرو میں نے تمہارے برنچ کے لیے کلب سینڈوچ بنائے ہیں‘ وہ ایک کھا کر جوس پی لو....“ عائشہ

پاس رکھے برنچ بکس میں سے سینڈوچ نکالنے لگی۔

"بیٹا بری بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنی نعمتیں دی ہیں اور اگر ہم ناشکری کریں تو یہ اچھی بات تو نہیں نا۔" اخبار پڑھتے اور ناشتا کرتے عازب نے بھی ماں' بیٹے کی تکرار میں لقمہ دیا۔

"اب شرافت سے کھالو' ورنہ اچھی بات نہیں ہوگی۔" عائشہ نے آخری حربہ آزمایا آنکھیں دیکھائیں۔ عادل جیسا منہ پھلایا اور یہ حربہ ہمیشہ کی طرح کارگر ثابت ہوا۔

کلب سینڈوچ کے دو' تین لقمے لیے اور جوس پیا تو اسکول وین کا ہارن بج گیا۔ عائشہ نے جلدی سے تینوں قل پڑھے اور عادل پر پھونک دیے۔

عادل اور عازب کو دروازے تک رخصت کرکے وہ جلدی سے اندر کی طرف پلٹی اور بکھیرا سمیٹنے لگی۔ آفس ٹائم ہونے والا تھا۔ اس لیے اس کی تیاری بھی ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

"خدا کی پناہ بچے بھوک سے مر رہے ہیں اور یہاں چیز آملیٹ' کلب سینڈوچ اور مکس فروٹ شیک بھی ناک کے نیچے نہیں آرہے۔" عائشہ نے بال بناتے ہوئے خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے سوچا۔

"اس ناشکری کا ذمہ دار کون ہے۔" دل سے آواز آئی۔

"ہم خود۔" جواب فوراً" آیا۔

"اگر ہم افورڈنگ تھے تو ہم نے اپنے بچوں کے آگے آسائشوں کے ڈھیر لگادیے ہیں۔ ہم انہیں صبر اور شکر کی تلقین کرنا بھول گئے ہیں۔ کم پر قناعت کرنا ہمیں بھولتا جارہا ہے۔ اچھے سے اچھا اور آگے سے آگے کی دوڑ میں ہم اپنی اسلامی اقدار صلہ رحمی اور روایات کو بھولنے لگے ہیں۔"

باقی کی تیاری اس نے سوچوں میں ہی مکمل کی' مگر جیسے ہی گھڑی پر نظر پڑی وہ جلدی سے گاڑی کی چابی نکال کر دروازے کو لاک لگانے لگی۔ اسے آفس سے دیر ہو رہی تھی اور آج آفس میں کام بھی کافی زیادہ تھا۔ عائشہ نے جرنلزم میں ماسٹرز کیا تھا اور وہ اب ایک اچھے بڑے چینل کے ساتھ رپورٹنگ کے شعبے سے وابستہ تھی۔

آج اس نے تھر میں قحط سالی کے اصل اسباب پر بنائے جانے والی رپورٹ کے پیپر ورک مکمل کرنا تھا اور پھر کل پرسوں تک اس کے گروہ کی وہاں کے لیے روانگی تھی اور ان کی منزل مٹھی اسلام کوٹ یا ڈیپلو نہیں تھی۔ وہ ننگر سے آگے کے ان علاقوں میں جانا چاہتے تھے جہاں پر وی آئی پیز اور ان کی امداد نہیں پہنچتی تھی۔ اس پروگرام کے لیے عائشہ نے خود اپنا نام دیا تھا۔

اس کے بابا سول سروس میں تھے۔ اس لیے اس نے بچپن کے کچھ سال اس علاقے میں گزارے تھے۔ پھر پڑھائی' شادی' جاب' بچے اب تو کئی سال بیت گئے تھے مگر اس کا دل ریتلے ٹیلوں' ناچتے موروں اور کارونجھر کے پہاڑوں کو دیکھنے کے لیے مچلتا تھا' مگر اب آئے دن ٹی وی پر شائع ہونے والی رپورٹس دیکھ کر وہ دل سے دکھی ہوجاتی تھی۔

✲ ✲ ✲

سورج پوری آب و تاب کے ساتھ نیلے آسمان کے دامن میں چمک رہا تھا دور دور تک کہیں بادل کا کوئی ٹکڑا نظر نہیں آرہا تھا سنہری چمکتی ریت پر دور سے پانی کا گمان ہوتا تھا مگر وسائی جانتی تھی یہ دھوکا ہے' احمد اٹھ چکا تھا وسائی نے اس کا منہ ہاتھ دھلایا۔

"اماں ملنی دے"۔ سوچوں میں گم وسائی کے کندھے کو ہلا کر احمد نے کہا۔

اس نے آدھی روٹی اس کے آگے رکھ دی جو کل بچا کر گیا تھا وہ ماں تھی تو وہ بھی باپ تھا ایسے پتا تھا کہ یہ آدھی روٹی احمد کھالے گا۔ ان دونوں کو اپنے بیٹے سے بڑا پیار تھا وہ اسے پڑھا لکھا کر ایک بڑا آدمی بنانا چاہتے تھے۔

"اماں اُنج (پیاس) لگی ہے۔" سوچوں کی جھیل میں پھر سے احمد کی آواز نے ارتعاش پیدا کیا۔

"منجھا مٹھیا میں ابھی لے کر آتی ہوں تو جب تک

کھیل لے۔" احمد باہر کھیلنے چل دیا تو وسائی نے ڈیوڑھی میں پڑا گھڑا اٹھایا وینڈھا سر پر رکھا اور ٹیلے کے اس پار چل دی' جہاں ایک کنویں میں کچھ پانی ابھی بھی نکلتا تھا مگر رسی بہت اندر تک ڈالنی پڑتی تھی۔

پانی بھی کمی کے باعث اپنی جگہ چھوڑ چکا تھا رسی کھینچتے کھینچتے ہاتھ دکھنے لگتے تھے مگر انہیں اپنی اور اپنے بچوں کی زندگی کے لیے یہ رسی کھینچنی پڑتی تھی۔ ٹیلے کے اس پار بابا جمن سائیں کی درگار بھی تھی وسائی نے بجل کی جلدی اور خیریت سے واپسی کے لیے منت بھی مانی تھی اور دیا بھی جلاتا تھا۔

اسے اپنے سر کے سائیں سے بڑا پیار تھا اور کیوں نہ ہوتا وہ بجل کے من کی رانی جو تھی۔

وہ اسے اس کا سیو قبیلے سے بیاہ کر کارونجھر کے پہاڑوں میں لایا تھا جس کا حسن پورے علاقے میں دور دور تک مشہور تھا' سانولی سلونی تیکھے نقوش والی وسائی اب قحط سالی کی وجہ سے کملا گئی تھی اس کے نرم ہاتھوں پیروں میں کمزوری کی وجہ سے جھریاں سی پڑ گئی تھیں ہاتھ کی تین انگلیوں میں سوئی چلانے کی وجہ سے سوراخ ہوگئے تھے کیونکہ وہ رنگ برنگے کپڑے کے ٹکڑوں کو جوڑ کر رلیاں بناتی تھی ایسے پیارے ڈیزائن بناتی تھیں کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے تھے مگر اس کی بھی اسے بہت کم اجرت ملتی تھی۔

☼ ☼ ☼

ہلکے ہلکے اندھیرے نے عائشہ کو احساس دلایا کہ شام کے سائے دبے پاؤں گھر کے اندر در آئے ہیں وہ کب سے یونہی صوفے پر بیٹھی تھی سامنے کوئی نیوز چینل چل رہا تھا مگر اس کی نگاہیں ٹی وی کی طرف ہوتے ہوئے بھی اسے نہیں دیکھ رہی تھیں عادل سو رہا تھا اس نے کیچر سے بالوں کو سمیٹا اور چائے بنانے چل دی کہ عازب کے آنے کا وقت ہو رہا تھا۔

چولہے پر رکھی دیگچی میں پانی ابل ابل کر اپنے پکنے کا اعلان کر رہا تھا مگر عائشہ ہاتھ میں چائے کی پتی کی برنی لیے گم سم کھڑی تھی۔ دو دن سے اس کی یہی کیفیت تھی وہ لوگ پرسوں ہی تھر سے ہو کر آئے تھے وہاں کی بھوک پیاس اور بیماری نے اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

عائشہ کے بابا بڑے دین دار اور رحم دل انسان تھے اور وہی اچھائی اب بھی اس کے اندر کہیں موجود تھی مگر آج کل کی بھاگتی دوڑتی زندگی نے اسے کہیں چھپا دیا تھا۔ ایسے یاد تھا اس کا بچپن بھی بہت خوشحال تھا بابا سول سروس میں اعلا عہدے پر تھے مگر گھر میں ایک ہی ڈش پکتی تھی اور سب شوق سے کھاتے تھے اگر بہن بھائیوں میں کسی کو پسند نہ بھی ہوتی تو وہ چپ چاپ اگلے دن کا انتظار کرتا کہ کل اس کی پسند کی ڈش بنے گی مگر اب......

"السلام علیکم بیگم صاحبہ کن سوچوں میں گم ہیں چائے بے چاری ہماری طرح آپ کی توجہ کی طالب ہے۔" عازب کے پاس چابی تھی وہ آفس سے آچکے تھے اور ایسے دیکھتے کچن میں ہی آگئے تھے۔

"وعلیکم السلام ارے۔ آپ کب آئے۔" عائشہ نے شرمندہ ہوتے ہوئے برنر آف کیا پانی ابل ابل کر تقریباً" ختم ہو چکا تھا وہ جلدی سے دوبارہ چائے بنانے لگی اور عازب فریش ہونے چل دیئے۔

"کیا بات ہے عائشہ تم دو دن سے کچھ کھوئی کھوئی اور پریشان ہو میں دیکھ رہا ہوں تم کرتی کچھ ہو تمہارا دھیان کہیں اور ہوتا ہے۔" ابھی بھی وہ بے دھیانی میں عازب کی چائے میں چینی ڈال بیٹھی تھی حالانکہ وہ پھیکی چائے پیتے تھے۔

"عازب وہ .... تھر والے بھی انسان ہیں جیسے ہم انسان ہیں مگر ان کے پاس دو وقت کی روٹی بھی نہیں جس سے وہ اپنا پیٹ بھر سکے' پینے کو پانی بھی نہیں جس سے وہ اپنے حلق میں اگنے والے پیاس کے کانٹوں کو نرم کر سکے۔"

"اچھا تو ہماری نرم دل بیگم کو تھریوں کے دکھ نے پریشان کیا ہوا ہے اور میں خوش فہم ہو رہا تھا کہ شاید میری کوئی فکر ہے۔" عازب نے عائشہ کے موڈ کو بدلنے کی کوشش کی۔

"پتا ہے جب بھوک اور پیاس کی وجہ سے وہ غریب بیمار ہوتے ہیں تو بڑے اسپتالوں کا رخ کرتے ہیں ڈاکٹروں کو مسیحا سمجھ کر۔۔۔ اور عازب آپ کو پتا ہے وہاں انجکشن میں ڈسٹل واٹر ڈال کر لگایا جارہا ہے دوائیاں تقریباً" سب ایکسپائر ہیں اس لیے کہ وہ ان پڑھ غریب تھر واسی ڈاکٹر سے یہ ڈسکس نہیں کرسکتے کہ کس دوائی کا کیا فارمولا ہے اور اس کی ڈیوڈیٹ کیا ہے۔"

"یار بس یہ ہمارا سسٹم ہے ہم کیا کرسکتے ہیں۔" عازب نے دکھ سے کہا۔

"عازب میں کچھ کھاتی ہوں تو مجھے ان کے پچکے ہوئے پیٹ، جھریوں سے بھرے ہاتھ پیر نظر آتے ہیں۔ میں کچھ پیتی ہوں تو مجھے ان کے سوکھے ہونٹوں پر لکھا پیاس کا گیت سنائی دیتا ہے۔ گرم کپڑوں میں لپٹا میرا وجود ٹھٹھرتے کمزور جسموں کی شکایت کرتا ہے کہ ابھی تو سردی آنے والی ہے۔" وہ رو دینے کو تھی یاسیت اور دکھ جیسے اس کی جان کو چمٹ سے گئے تھے۔

"اچھا چلو عائشہ ہم تھوڑی دیر باہر چلتے ہیں کھانا باہر ہی کھائیں گے اور کچھ چینج ہوجائے گا ایسے تو تم بیمار پڑ جاؤ گی۔" عازب نے پریشان ہو کر کہا۔

"پاپا میں تو سوپ پیوں گا۔" عادل بھی اٹھ آیا تھا۔

"اور سردی آنے والی ہے کچھ شاپنگ بھی کرلیں گے پھر تھوڑے دنوں میں مجھے ایک میٹنگ کے سلسلے میں اسلام آباد جانا ہے۔۔۔ اچھا اب اٹھ بھی جاؤ دیکھو اتنا سوچنے سے کچھ نہیں ہوگا ہم سسٹم کی صحیح ہونے کی دعا کے علاوہ کیا کرسکتے ہیں۔"

"عازب ہم بہت کچھ کرسکتے ہیں مگر ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم افسوس اور دعا کے علاوہ کچھ کرنا نہیں چاہتے۔" عائشہ نے دل میں سوچتے ہوئے چائے کے برتن اٹھائے اور عادل کو تیار کرنے کے لیے اندر کی طرف چل دی۔

☆ ☆ ☆

رات صبح کو دھوکا دے کر بھرے تاروں سے ملنے چلی آئی تھی احمد سو رہا تھا مگر وسائی کا دل بجل کے ڈھوروں کے گلے میں بندھی گھنٹیوں کے ساتھ ساتھ دھڑک رہا تھا۔

"اللہ جانے بجل کہاں پہنچا ہوگا اس نے کچھ کھایا ہوگا کہ نہیں" رات چنڈو کی (چاندنی) تھی وسائی نے سوئی اٹھائی اور رلی کے ٹکڑے جوڑنے لگی۔ رنگ برنگے ٹکڑوں کو کاٹنے اور جوڑنے کے کھیل میں اس کا دل نہ لگا اس نے اکتا کر رلی کھٹ پر رکھ دی۔

شام سے ہی اس کا دل منجھا ہوا تھا ایک تو بجل نہیں تھا اور دوسرا ساتھ والی کی بیٹی بہت بیمار تھی بھوک اور زہریلے پانی کی وجہ سے پہلے مور مرے اور اب ماؤں کے لال جا رہے تھے۔ وہ صبح سے دوبار اسے دیکھ آئی تھی اور اس نے رحمیاں سے کہا تھا کہ اسے بڑے اسپتال لے جائے وہاں دوا دارو کے ساتھ مانی بھی مل جائے گی۔

وسائی نے ہول کر کھٹ پر لیٹے احمد کو دیکھا وہ بھی بہت کمزور ہو رہا تھا آنسو خود بخود وسائی کی آنکھوں سے بہنے لگے۔

اس نے اپنے ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے اور اس ذات سے مانگنے لگی جو مولا ہے، مالک ہے، ہر شے دینے پر قادر ہے۔ ابھی وسائی کے خاموش لب اور بھیگی آنکھیں دعا کر ہی رہی تھیں کہ ساتھ والے گھر سے زور سے رونے کی آواز آنے لگی۔

"رب سائیں خیر کجے۔" وہ دل پر ہاتھ رکھ کر ننگے پاؤں باہر کی طرف بھاگی۔

"ادی وسائی میں لٹ گئی۔۔۔" میری جھجل وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔" سامنے کھٹ پر ایک چھ سات سال کی کمزور سی بچی بے حس حرکت پڑی تھی اور اس کی ماں پاس بیٹھی بین کر رہی تھی۔

وسائی نے پاس جا کر اچھی طرح دیکھا بھالا مگر وہ معصوم تھرانی بھوک پیاس اور بیماری جیسی دنیاوی چیزوں سے بے نیاز ہو چکی تھی۔ وہ اپنے اس مور کے پاس چلی گئی تھی جو ایک ہفتہ پہلے مر گیا تھا اور وہ اس کے لیے بہت بے چین رہتی تھی۔ وسائی رحمیاں کو

"پتا ہے جب بھوک اور پیاس کی وجہ سے وہ غریب بیمار ہوتے ہیں تو بڑے اسپتالوں کا رخ کرتے ہیں ڈاکٹروں کو مسیحا سمجھ کر۔۔۔ اور عازب آپ کو پتا ہے وہاں انجکشن میں ڈسٹل واٹر ڈال کر لگایا جارہا ہے دوائیاں تقریباً "سب ایکسپائر" ہیں اس لیے کہ وہ ان پڑھ غریب تھرواسی ڈاکٹر سے یہ ڈسکس نہیں کرسکتے کے کس دوائی کا کیا فارمولا ہے اور اس کی ڈیوڈیٹ کیا ہے۔"

"یار بس یہ ہمارا سسٹم ہے ہم کیا کرسکتے ہیں۔" عازب نے دکھ سے کہا۔

"عازب میں کچھ کھاتی ہوں تو مجھے ان کے پچکے ہوئے پیٹ، جھریوں سے بھرے ہاتھ پیر نظر آتے ہیں۔ میں کچھ پیتی ہوں تو مجھے ان کے سوکھے ہونٹوں پر لکھا پیاس کا گیت سنائی دیتا ہے۔ گرم کپڑوں میں لپٹا میرا وجود ٹھٹھرتے کمزور جسموں کی شکایت کرتا ہے کہ ابھی تو سردی آنے والی ہے۔" وہ رو دینے کو تھی یاسیت اور دکھ جیسے اس کی جان کو چمٹ سے گئے تھے۔

"اچھا چلو عائشہ ہم تھوڑی دیر باہر چلتے ہیں کھانا باہر ہی کھائیں گے اور کچھ چینج ہوجائے گا ایسے تو تم بیمار پڑ جاؤ گی۔" عازب نے پریشان ہو کر کہا۔

"بابا میں تو سوپ پیوں گا۔" عادل بھی اٹھ آیا تھا۔

"اور سردی آنے والی ہے کچھ شاپنگ بھی کرلیں گے پھر تھوڑے دنوں میں مجھے ایک میٹنگ کے سلسلے میں اسلام آباد جانا ہے۔۔۔ اچھا اب اٹھ بھی جاؤ دیکھو اتنا سوچنے سے کچھ نہیں ہوگا ہم سسٹم کی صحیح ہونے کی دعا کے علاوہ کیا کرسکتے ہیں۔"

"عازب ہم بہت کچھ کرسکتے ہیں مگر ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم افسوس اور دعا کے علاوہ کچھ کرنا نہیں چاہتے۔" عائشہ نے دل میں سوچتے ہوئے چائے کے برتن اٹھائے اور عادل کو تیار کرنے کے لیے اندر کی طرف چل دی۔

☆ ☆ ☆

رات صبح کو دھوکا دے کر پھر سے تاروں سے ملنے چلی آئی تھی احمد سو رہا تھا مگر وسائی کا دل بجل کے ڈھوروں کے گلے میں بندھی گھنٹیوں کے ساتھ ساتھ دھڑک رہا تھا۔

"اللہ جانے بجل کہاں پہنچا ہوگا اس نے کچھ کھایا ہوگا کہ نہیں" رات چنڈو کی (چاندنی) تھی وسائی نے سوئی اٹھائی اور رلی کے ٹکڑے جوڑنے لگی۔ رنگ برنگے ٹکڑوں کو کاٹنے اور جوڑنے کے کھیل میں اس کا دل نہ لگا اس نے اکتا کر رلی کھٹ پر رکھ دی۔

شام سے ہی اس کا دل منجھا ہوا تھا ایک تو بجل نہیں تھا اور دوسرا ساتھ والی کی بیٹی بہت بیمار تھی بھوک اور زہریلے پانی کی وجہ سے پہلے مور مرے اور اب ماؤں کے لال جارہے تھے۔ وہ صبح سے دو بار اسے دیکھ آئی تھی اور اس نے رحمیاں سے کہا تھا کہ اسے بڑے اسپتال لے جائے وہاں دوا دارو کے ساتھ پانی بھی مل جائے گی۔

وسائی نے ہول کر کھٹ پر لیٹے احمد کو دیکھا وہ بھی بہت کمزور ہو رہا تھا آنسو خود بخود وسائی کی آنکھوں سے بہنے لگے۔

اس نے اپنے ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے اور اس ذات سے مانگنے لگی جو مولا ہے، مالک ہے، ہر شے دینے پر قادر ہے۔ ابھی وسائی کے خاموش لب اور بھیگی آنکھیں دعا کر ہی رہی تھیں کہ ساتھ والے گھر سے زور سے رونے کی آواز آنے لگی۔

"رب سائیں خیر مجے۔" وہ دل پر ہاتھ رکھ کر ننگے پاؤں باہر کی طرف بھاگی۔

"ادی وسائی میں لٹ گئی۔۔۔" "میری جھجل دھی مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔" سامنے کھٹ پر ایک چھ سات سال کی کمزور سی بچی بے جس حرکت پڑی تھی اور اس کی ماں پاس بیٹھی بین کر رہی تھی۔

وسائی نے پاس جاکر اچھی طرح دیکھا بھالا مگر وہ معصوم تھرانی بھوک پیاس اور بیماری جیسی دنیاوی چیزوں سے بے نیاز ہوچکی تھی۔ وہ اپنے اس مور کے پاس چلی گئی تھی جو ایک ہفتہ پہلے مر گیا تھا اور وہ اس کے لیے بہت بے چین رہتی تھی۔ وسائی رحمیاں کو

تسلی دینے لگی لوگ اکٹھے ہو رہے تھے۔

"ادی تو کچھ خبر ہے کل ننگر کے وڈے گودام پر چھاپہ پڑا ہے اور پتا ہے ادھر کنکی (گندم) کی جام بوریاں نکلی مگر سب میں کیڑا پڑا ہوا ہے۔" مہراں نے بتایا اس کا گھر والا پولیس میں تھا۔ وسائی یہ سن کر سکتے میں آگئی کہ جس رزق پر انسانوں کا حق تھا اسے کیڑے کھا رہے ہیں اور انسان کیڑے مکوڑوں کی طرح مر رہے ہیں۔

"اللہ سائیں کرے ان کے کیڑے پڑے جو ان کو چھپا کر رکھتے ہیں میری جیجل دھی آخری دفعہ بھی مجھ سے مانی ٹکر مانگتی رہی۔" رحمیاں کا دکھ ایک بار پھر جاگ اٹھا تھا اور وہ بددعاؤں کے ساتھ بین کرنے لگی۔

"ادی صبر کر بھاگ نبھاگ ہو۔" کسی عورت نے تسلی دی۔

وسائی کا دل گھبرانے لگا وہ اٹھ کر اپنے گھر کی طرف چل دی احمد بھی گھر میں اکیلا تھا گھر کی دہلیز پر قدم رکھتے وہ سوچ رہی تھی یہ تھریوں کے بھاگ نبھاگ تھے یا کچھ اور۔

☆ ☆ ☆

"ماما دیکھیے میرے شوز میں کیسے لائٹیں جگ مگ کر رہی ہیں اور میرا یہ وائٹ اپر اور بلیک جینز۔" عادل کی عادت تھی شاپنگ کے بعد وہ گھر آتے ہی سارا سامان پہن لیتا اور ماں باپ سے داد وصول کرتا مگر آج عائشہ کو کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا اسے عادل کے پیروں میں جلتے بجھتے شوز نظر نہیں آرہے تھے بلکہ ایسے تپتی ریت پر ننھے ننھے ننگے پاؤں دکھ رہے تھے۔ عادل کو کپڑے چینج کروانے اور سب سامان اندر رکھنے کے بعد اب وہ عادل کے لیے دودھ کا گلاس لے کر اسے سلانے جا رہی تھی اور اس نے کچھ طے کر لیا تھا جس پر اب اسے عمل کرنا تھا۔

وہ اکیلی بھی کر سکتی تھی اچھی خاصی تنخواہ تھی اس کی اس کے علاوہ عازب بھی ہر ماہ اسے جیب خرچ دیتے تھے مگر وہ اپنے بچے کے دل میں بھی احساس کی شمع جلانا چاہتی تھی کہ کل وہ بڑا ہو کر عازب کی طرح صرف یہ نہ کہہ دے کہ ہم دعا اور افسوس کے سوا کر بھی کیا سکتے ہیں۔

"ماما آپ آج مجھے شہزادے والی اسٹوری سنائیے۔"

ہاں اسٹوری میں آپ کو ضرور سناؤں گی مگر اس سے پہلے میں آپ سے کچھ بات شیئر کرنا چاہتی ہوں۔ عائشہ نے خالی دودھ کا گلاس بیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے عادل کو اپنے ساتھ لٹاتے ہوئے کہا۔

"جی ماما۔۔۔" وہ خاصا مودب بچہ تھا اور سمجھدار بھی۔

"عادل آپ نے جو اپنا منی بکس رکھا ہوا ہے۔ جس میں آپ ساری سیونگ جمع کرتے ہو وہ اب بھرنے والا ہے۔"

"جی ماما مجھے پتا ہے اور آپ کو پتا ہے؟ میں ان پیسوں سے ٹیب لوں گا۔ ماما تھوڑے دن پہلے ہی میرے فرینڈ نے لیا ہے اور اس کی بڑی اسکرین پر سب وے سرفر کیا مزے سے چلتا ہے" عادل نے ایکسائیٹڈ ہوتے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے بیٹا مگر آپ کو پتا ہے کہ اگر ہم اپنے پیسوں کو اللہ کی خوشی کے لیے خرچ کریں تو وہ ہمیں بہت سارا انعام و اکرام دیں گے۔" عائشہ آہستہ آہستہ اسے ٹریک پر لا رہی تھی۔

"ماما وہ کیسے۔۔۔؟"

"بیٹا ماما کچھ دن پہلے تھر گئی تھیں نا اور وہاں کی ویڈیوز بھی میں نے آپ کو دکھائی تھی کیسے چھوٹے چھوٹے بچے بھوک پیاس سے تڑپ رہے تھے۔ ان کے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں میں ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ وہ گندا پانی اور سوکھی روٹی کھا رہے تھے۔

عادل اگر آپ میری مدد کرو تو ہم ان کی مدد کر سکتے ہیں اور بہت کچھ تو نہیں لیکن۔۔۔۔ کچھ تو دے سکتے ہیں اس طرح سب کا تو نہیں مگر چند لوگوں کا مسئلہ ضرور حل ہو جائے گا۔"

"وہ کیسے ماما۔" اب وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"وہ ایسے بیٹا جانی کہ اگر آپ اپنی سیونگ سے

ٹیب نہ لو اور میں نے بھی سال بھر سے جو پیسے بچا کر رکھے ہیں کہ ہم سردیوں میں مری میں برف باری دیکھنے جائیں گے وہ سارے پیسے اکٹھے کر کے ہم ان کے لیے سامان اور دوائیاں لے کر ان کے پاس جائیں۔"

عائشہ نے اپنی بات مکمل کر کے بال عادل کے کورٹ میں پھینک دی تھی اور اسے اس کی فطرت اور اپنی تربیت پر پورا یقین تھا کہ جواب اس کی سوچ کے مطابق آئے گا۔

☆ ☆ ☆

صبح سے احمد کو بخار ہو رہا تھا اور وسائی کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ وہ اسے پاس کے کمپوڈر کی دکان پر لے کر گئی تھی اس نے شربت دیا تھا اور ایک ٹیکا لکھ دیا تھا کہ یہ شہر سے ملے گا۔

بجل سے بھی کوئی رابطہ نہیں تھا پچھلے دنوں اس نے بڑی مشکل سے پیسے جمع کر کے موبائل لیا تھا مگر کسی کام سے ننگر جاتے ہوئے دھاڑا پڑا تھا اور لٹیرے بس میں موجود سارے لوگوں کا سامان لے کر چلتے بنے تھے ورنہ کبھی ضرورت پڑنے پر وہ بڑی دکان والے سے نمبر ملوا کر بات کر لیتی تھی۔

احمد نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑا تھا وسائی کو اک پل چین نہیں تھا کچھ سوچنے کے بعد اس نے رات مکمل ہونے والی رلی اٹھائی اور ٹیلے کے پار شہر سے آنے والی سڑک کی طرف چل دی' یہاں سے اکثر بڑے صاحب لوگ کی گاڑیاں گزرتی تھیں اور وہ رلیاں' کھجی' بیھے اور پیڑا جیسے سوغاتیں خرید لیتے تھے۔

سورج کی گرمی اور پیروں تلے جلتی ریت کی تپش سے وسائی کے پاؤں کھڑے کھڑے شل ہونے لگے تھے۔

اس کا دھیان بار بار گھر میں پڑے احمد کی طرف جا رہا تھا اور وہ ٹیلے کی طرف مڑ مڑ کر دیکھتی تھی جیسے وہ یہاں سے نظر آرہا ہو۔ وسائی سے اور کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا اس نے دو دن سے کچھ نہیں کھایا تھا اور اب احمد کی پریشانی... اسے زور کا چکر آیا ریت پر گرنے سے پہلے آخری بات جو اس کے حواسوں نے محسوس کی وہ سڑک کی طرف سے اڑنے والی ریت تھی جو اس بات کا سندیسہ تھی کہ کوئی گاڑی آرہی ہے۔

احمد... مٹھا مٹھا... بجل۔" وسائی ہوش میں آرہی تھی اور احمد کو پکار رہی تھی۔

وسائی نے' جیسے ہی ہوش و حواس کا دامن تھاما گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اسے یاد آگیا کہ کس طرح وہ بخار میں تپتے احمد کو گھر چھوڑ کر سڑک کے کنارے کھڑی تھی اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں وہ کسی اسپتال کے بستر پر تھی۔ بہت سارے لوگ افراتفری کے عالم میں ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ سفید چولے پہنے ڈاکٹر نرس۔

"احمد۔" وسائی نے اٹھنا چاہا مگر ہاتھ میں لگی ڈرپ کے کھچاؤ کی وجہ سے وہ کراہ کر رہ گئی۔

"ارے ارے یہ کیا کر رہی ہو۔ تمہارا بیٹا ٹھیک ہے اور وہ بھی یہاں اسپتال میں داخل ہے۔" پاس رکھے اسٹول پر ایک میڈم جی بیٹھی تھیں اور پاس ہی ان کے ایک گول مٹول پیارا سا بچہ کھڑا تھا۔

"ادی آپ کون ہو اور میرے کو ادھر کون لے کر آیا" پھر عائشہ نے وسائی کو ساری بات بتائی وہ اس قصبے کی طرف آرہی تھی تو سڑک کے کنارے وہ اسے بے ہوش ملی تو وہ اسے اسپتال لے آئی۔ اور ٹیلے کے پار جا کر جب عائشہ نے معلوم کیا تو وہ احمد کو بھی اسپتال لے آئی۔

عازب اپنی میٹنگ کے سلسلے میں اسلام آباد کی طرف روانہ ہوئے تو عائشہ نے ایک ہیومی گاڑی ہائر کی اور عادل کو لے کر تھر کی طرف روانہ ہوئی اس نے بہت سارا کھانے پینے کا سامان دوائیاں ساتھ لی تھی۔

اپنی الماری میں سے کتنے ہی ایسے کپڑے جو آؤٹ آف فیشن کہہ کر رکھ دیے گئے تھے وہ لیے' عادل کے جوتے سوئیٹر۔ جب نکالنے لگی تو ڈھیر لگتا چلا گیا۔

شام تک احمد اور وسائی ٹھیک ہو گئے تھے۔

ڈاکٹر نے اچھی طرح معائنہ کیا اور اچھی دوائی اور جوس وغیرہ دیا کیونکہ وہ صرف ایک تھریانی نہیں تھی وہ اتنی بڑی گاڑی میں ایک بیگم صاحبہ کے ساتھ آئی تھی اور پھر اس کے پاس پریس کارڈ بھی تھا۔

آج کل لوگ انسان کو نہیں اس کے کپڑوں' جوتوں' مکانوں' گاڑیوں اور عہدوں کو عزت دیتے ہیں۔

رات عائشہ وسائی کے گھر ٹھہری تھی وہ ایسے کارونجھر کے پہاڑوں پر لے کر گئی تھی اس سے ڈھیر ساری باتیں کی تھیں۔

احمد اور عادل بھی مل کر کھیل رہے تھے وہ آتے ہوئے اپنے کچھ پرانے کھلونے بھی لے آیا تھا۔

عائشہ کو اب یقین ہو گیا تھا کہ بچے بڑوں کے عمل کو دیکھ کر سیکھتے ہیں اور اسے عادل کے ساتھ شیئر کرنے اور اسے ساتھ لانے والے فیصلے پر خوشی تھی۔

"بجل کب تک لوٹے گا۔"

"اوی تھوڑے دن کا بولا تھا۔" وسائی نے شرما کر جواب دیا۔ "اوی تم بہت اچھی ہو اگر تم نہ ہوتی تو جانے میرے احمد کا کیا ہوتا۔ بجل ایسے ہی بڑے لوگوں سے کاوڑ کرتا ہے وہ یہاں ہوتا میں اسے تم سے ملاتی۔"

"وسائی سب انسان اگر اچھے نہیں ہوتے تو سب برے بھی نہیں ہوتے ہیں۔"

عائشہ اپنے ساتھ جو سامان لائی تھی وہ اس نے ان لوگوں میں بانٹ دیا تھا اور بہت ساری دعائیں وصول کی تھیں۔

"اچھا وسائی اب میں چلوں گی میں نے تمہیں جو نمبر دیا ہے اس پر بجل سے کہنا مجھ سے رابطہ کرے میں اس کی نوکری کے لیے کوشش کروں گی۔"

"اوی۔" وسائی نے پکارا۔ "یہ آپ کے لیے" اس کے ہاتھوں میں رنگ برنگی رلی تھی۔

"ارے یہ تو بہت خوب صورت ہے اور یہ وہی ہے جسے بیچنے کے لیے تم کھڑی تھی" اس نے پرس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ناں اوی نا یہ تحفہ ہے یہ آپ کو میری تھر کی اور کارونجھر کی یاد دلائے گا۔"

"او وسائی تم بہت اچھی ہو اور تمہارے تحفے کو میں بہت سنبھال کر رکھوں گی بلکہ اگر ایسی اور بنالو اور جب بجل مجھ سے ملنے آئے تو اس کو دینا میں یہ وہاں بہت اچھے دام بکوا دوں گی۔"

"اماں باہر جھڑ تھی دیو آھی اب منھوں دے گا۔" ننھا احمد خوشی سے ناچتا ہوا آیا اور وسائی کو باہر کی طرف کھینچنے لگا۔ وہ جلدی سے باہر کی طرف دوڑی۔

آسمان پر کالے بادل آرہے تھے اور سب لوگ خوشی سے منہ اوپر اٹھائے بادلوں کو جڑتے دیکھ رہے تھے۔ تھریوں کے مطابق کالے بادل جب جڑتے ہیں تو بارش ضرور ہوتی ہے۔ عائشہ کے گاڑی میں بیٹھنے تک بوندیں گرنے لگی تھی۔

علاقے میں جشن کا سا سماں تھا۔

وسائی آنکھوں سے دور ہوتی گاڑی کو دیکھ کر ہاتھ ہلا رہی تھی اور خوش ہو رہی تھی۔

کیونکہ تھر کی دھرتی پر جب منھوں وستا تھا تو سب سے خوش وہ خاموش دل ہوتے تھے جنھوں نے بہت سی راتیں اپنے سائیں کے انتظار میں تکیے بھگوتے گزاری ہوتی ہیں۔ انہیں پتا ہوتا ہے کہ منھوں آیا ہے تو اب من کا میت بھی ڈھور ڈنگر لے کر اپنے قدموں کو واپسی کی راہ پر ڈال دے گا منھوں تھر واسیوں کے لیے ملن کا سندیسہ تھا۔

واپسی کا سفر بہت حسین تھا روکھے پھیکے اور جلتے ہوئے تھر پر ابر کرم چھایا ہوا تھا عائشہ خود کو بہت ہلکا محسوس کر رہی تھی عادل تھک کر سو چکا تھا۔

لیپ ٹاپ پر عازب کو ساری بات بتاتے ہوئے وہ مسکرا رہی تھی کیونکہ اس نے سوائے افسوس' تبصرے اور دعا کے علاوہ اپنے حصہ کا کام بھی کر ڈالا تھا اور اس کی سوچ کے مطابق اگر ہر کوئی فرد "فردا" اس طرح اپنا حصہ ڈالے تو تھر کی بھوک' بیماری اور پیاس ختم تو نہیں ہوگی مگر کم ضرور ہو جائے گی بالکل ویسے جیسے ایک ننھا سا دیا اندھیرے کو ختم تو نہیں کرتا مگر ایسے کم کرنے میں ضرور کامیاب ہو جاتا ہے۔

☆ ☆

لبنیٰ جدون

عشق سفر کی دھول

دوسری اور آخری قسط

وقت آگے کی طرف چلا جارہا تھا۔ ارسلان کا کیس کافی پیچیدہ ہو گیا تھا۔ ارحم اس کے وکیل کے لیے دوڑ دھوپ کررہا تھا۔ ماں کے پاس جو کچھ تھا اپنے بیٹے پہ لگا رہی تھی۔ صبح وانیہ سومرو کو گواہ کے طور پر بلایا گیا تھا۔ اس نے جو بھی بیان دینا تھا اسے اچھی طرح معلوم تھا۔ طارق سومرو نے اسے بتادیا تھا کہ آواز اس کی ہوگی مگر بولے گی طارق سومرو کی زبان۔۔۔ ورنہ نتیجہ تمہاری سوچ سے بھی زیادہ خطرناک ہوگا۔

"بابا سائیں۔۔۔ میں سچ بات کروں گی۔۔۔ آپ جانتے ہیں کہ ارسلان نے اس کا قتل نہیں کیا۔۔۔ میں نے اسے مارا ہے۔" وہ سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولی۔

"گر ایسا ہوا بھی ہے تو بھی میں اپنی عزت سے نہیں کھیل سکتا۔۔۔ اپنے خاندان کو رسوا نہیں کرسکتا۔۔۔ تمہیں وہی کہنا پڑے گا جو تمہیں وکیل صاحب اور میں نے کہا ہے۔ وہ اگر غلط تھا بھی تو اب مر گیا ہے۔۔۔ اور اب میں لوگوں کو یہ کہانی سنا کے بے عزتی نہیں سہہ سکتا۔۔۔"

"سوری بابا سائیں۔۔۔ ایسا نہیں ہوگا۔۔۔"

"ٹھیک ہے وہ تم اپنی مرضی کا بیان۔۔۔ اپنی ماں کی زندگی کا خاتمہ وہ تو جیل میں ہونے کی وجہ سے شاید دیکھ نہ سکے البتہ تم ضرور دیکھنا۔ اس سے اگلے قدم پہ تم اپنی ماں کے کوئلہ دجود کو دیکھو گی۔۔۔ اور میں وہ سب کرتا ہوں جو کہتا ہوں۔" وہ اپنی بات کہہ کے وہاں سے نکل گئے۔

بابا سائیں یہ مجھے کس مقام پہ لا کھڑا کیا ہے آپ نے۔۔۔ میں کیسے اس کے سامنے یہ سب کہوں گی۔۔۔" وہ بے بسی سے رونے لگی۔۔۔ میرے اس بیان پر اس کی زندگی داؤ پہ لگ جائے گی۔۔۔ اور میں اسے کھونے کا سوچ کے ہی کانپ جاتی ہوں۔۔۔ نہیں بابا سائیں نہیں۔۔۔ میں ایسا نہیں کرسکوں گی۔۔۔ لیکن اگر بابا سائیں مجھے یا ارسلان کو مار دینے کی دھمکی دیتے تو میں کبھی جھوٹا بیان نہ دیتی۔۔۔ لیکن ماں اور مامی۔۔۔ نہیں۔۔۔ اف خدایا۔۔۔ میرے اللہ میرا بھرم رکھنا۔ ساری رات وہ نوافل تہجد اور عبادت میں مصروف رہی۔۔۔

ساری رات گزر گئی اور بابا سائیں کی نئی دھمکیوں کے ساتھ وہ عدالت پہنچ گئی۔ اس کی نظروں نے قدم قدم پہ بابا سائیں کے اسلحہ بردار گارڈز کو موجود پایا۔ ارسلان کو لایا گیا تو وانیہ اور اس کی نظریں ایک لمحے کے لیے ملیں۔۔۔ وہ کافی کمزور دکھائی دے رہا تھا۔

اس کی باری آگئی۔۔۔ وانیہ کی سانسیں رکنے لگیں۔۔۔ اس کی حالت بگڑنے لگی۔

قرآن پاک پہ ہاتھ رکھ کے اس نے کیا حلف لیا اسے کچھ نہیں معلوم تھا۔

"جی وانیہ سومرو۔۔۔ اپنا بیان ریکارڈ کرائیں۔" ناجانے کس نے کہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ نظریں اٹھائیں تو اسے لگا کہ ارسلان اس پہ ہنس رہا تھا۔

"وانیہ سومرو۔۔۔ کیا آپ بتائیں گی کہ اس دن کیا ہوا تھا۔۔۔" سوال دہرایا گیا تو اس نے ہمت کرکے بولنا

شروع کیا۔
"اس دن۔۔۔ میں نے یونیورسٹی میں ارس۔۔۔ ارسلان کو بتایا تھا کہ مجھے بھول جائے کہ میرے باباسائیں نے محسن کو میرے لیے منتخب کرلیا ہے۔۔۔ مگر میری محبت میں وہ ہمارے گھر آگیا تاکہ میرے باباسائیں سے میرے لیے بات کرسکے۔۔۔ محسن نے اسے روکا کیونکہ یہ میرے بیڈروم میں آگیا تھا۔ اس بات پہ ارسلان مشتعل ہوگیا اور اس نے محسن پہ فائر کردیا۔۔۔"

"کیا وانیہ سومرو۔۔۔ آپ بھی ارسلان سے محبت کرتی تھیں۔۔۔"
ایک لمحے کے لیے دونوں کی نظریں ملیں۔ وانیہ کے چہرے کی بے بسی ارسلان پہ عیاں تھی اور ارسلان کی آنکھوں میں موجود نفرت وانیہ کے سامنے کھل کے ظاہر ہورہی تھی۔
"جی۔۔۔ جی نہیں۔۔۔ میں جس ماحول میں پلی بڑھی تھی۔۔۔ ارسلان اس معیار پہ پورا نہیں اترتا تھا۔ اس لیے میں نے کبھی ایسا خواب نہیں دیکھا جس کی تعبیر تلخ ہوتی۔۔۔" وہ پتھردل ہوئی تو اتنی ہوئی کہ ارسلان نے ایک لمبی ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے آنکھیں موندلیں۔۔۔
"جج صاحب۔۔۔ میں یہ اقرار جرم کرتا ہوں کہ محسن کا قتل میرے ہاتھوں سے ہوا ہے۔۔۔ میں جذبات میں آگیا تھا۔۔۔ مجھ پہ وانیہ سومرو کو حاصل کرنے کا جنون سوار ہوگیا تھا کیونکہ میں اس کا دیوانہ تھا۔ اب بھی میرا یہ وعدہ ہے کہ بشرط زندگی میں آزاد ہوگیا تو اپنے انتقام کی آگ طارق سومرو اور اس کی بیٹی وانیہ سومرو کے خون سے بجھاؤں گا۔۔۔" ارسلان نے انتہائی ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ وانیہ نے برستی آنکھیں جھکالیں۔۔۔
"تمہیں میں اپنا خون معاف کردوں گی۔" اس کے دل نے چیخ چیخ کے کہا۔۔۔
عدالت برخاست ہوگئی۔۔۔ وہ ہتھکڑیاں پہنے جب برآمدے سے گزر رہا تھا تو وانیہ اور وہ آمنے سامنے آگئے۔ دونوں ہی کے قدم رک گئے۔ وانیہ نے سر جھکالیا۔
"وانیہ سومرو۔۔۔ دعا کرنا کہ میں پھانسی کے پھندے تک ضرور پہنچوں تمہاری سچائی رائیگاں نہ جائے۔"
"ارسلان۔۔۔" اس نے بے بسی سے ہاتھ جوڑ دیے۔
"وانیہ سومرو۔۔۔ اگر میں یہاں سے نکلنے کی دعا کرتا ہوں تو صرف اس لیے کہ تمہارا اور طارق سومرو کا غرور خاک میں ملا سکوں۔۔۔ میرا انتظار کرنا۔۔۔ میں کم از کم تم سے ضرور حساب لوں گا۔ بہت دفعہ تم نے مجھے زہریلی ناگن کی صورت ڈس لیا۔ اب اس زہریلے وجود سے بچ کے رہنا کہ اب صرف تم سے حساب لینے کے لیے باہر آؤں گا۔ اور میں آؤں گا۔"
"ان شاء اللہ۔۔۔ تم ضرور آؤ گے۔ اور میں اس دن کا انتظار کروں گی۔۔۔ اور سر جھکا کے اپنی سزا سنوں گی۔ میں تم سے معافی نہیں مانگوں گی۔۔۔" اس کا اتنا کہنا غضب ہوگیا۔ ارسلان کا دماغ ایک دم سے گھوم گیا اور اس نے بنا سوچے سمجھے ایک لمحہ ضائع کیے اپنا ہتھکڑیوں والے ہاتھوں سے اس پہ حملہ کردیا جو اس کے چہرے پہ بری طرح لگے۔۔۔ وہ چکرا کے دیوار سے جا ٹکرائی۔ وانیہ کے ساتھ موجود لوگ بھاگ کے اس کی جانب بڑھے مگر پولیس اسے قابو کرکے فوراً وہاں سے نکال کرلے گئی۔

☼ ☼ ☼

ہر چینل پہ بریکنگ نیوز چل رہی تھی۔۔۔ بھابھی نے پاکیزہ کی جانب دیکھا جو ساکت نظروں سے سامنے ٹی وی پہ نظریں جمائے بیٹھی تھیں۔ پاکیزہ پہ یہ خبر بم کی طرح گری کہ جب وانیہ سومرو نے بھی روتے ہوئے بتایا کہ جہانگیر سائیں لندن میں ٹریفک حادثے میں جاں بحق ہوگئے ہیں۔ حادثہ تیز رفتاری کی وجہ سے ہوا ہے۔ ادا سائیں کوشش کررہے ہیں کہ جلد از جلد ان کی میت کو وہاں سے لے آئیں۔
پاکیزہ تو سنتے ہی بے ہوش ہوگئیں۔ اور طارق

سومرو کی سلطنت کی دیواریں ہل گئیں۔

پاکیزہ کی طبیعت سنبھلی تو وہ ضد کر کے ایرپورٹ آگئیں کہ آج ان کے لاڈلے نے آنا تھا۔ جہاز لینڈ کر چکا تھا۔ تب سب نے دیکھا کہ طارق سومرو لوگوں کے درمیان لڑکھڑاتے ہوئے وہاں پہنچے۔

"ماں..." وانیہ ماں سے لپٹ کے دھاڑیں مار مار کے رونے لگی۔ طارق سومرو اور پاکیزہ کی نظریں ملیں تو دونوں نے بے بسی سے سر جھکا لیے۔

تابوت کے ساتھ ویران چہرہ لیے شاہ جہاں بھی تھا۔ اپنوں کو دیکھا تو گلے لگ کے رو پڑا کہ دونوں میں بہت دوستی بھی تھی۔

طارق سومرو پاکیزہ شاہ جہاں اور وانیہ میت کے ساتھ ایمبولینس میں بیٹھ گئے۔ بند پیٹی تھی... تابوت... پاکیزہ کو اپنے لاڈلے بیٹے کا چہرہ شیشے سے دکھائی دے رہا تھا۔ طارق سومرو نے سر جھکا رکھا تھا۔ شاہ جہاں کے تو رو رو کے آنسو ہی خشک ہو چکے تھے۔ وانیہ کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔

اور پھر وہ ہمیشہ کے لیے منوں مٹی تلے جا سویا اور سب پیچھے رہ گئے۔ پاکیزہ کی زندگی میں اب بیٹے سے جدائی کا دکھ بھی شامل ہو گیا تھا۔ ہر وقت ہی آنکھیں آنسوؤں سے بھری رہتیں۔ اس کی ذات اندر سے کھوکھلی ہوتی جا رہی تھی۔ طارق سومرو کو بھی جہانگیر کی موت نے مار ہی ڈالا تھا۔ وہ جو بہت اکڑی ہوئی گردن سے کہتے تھے کہ ان کے بازو مضبوط ہیں۔ وہ دو جوان بیٹوں کے باپ ہیں تو انہیں ان کی اپنی ہی نظر کھا گئی تھی۔ ان کا بازو کٹ کے مٹی میں جا دفن ہوا تھا۔ ان کے لاڈلے شہزادے نے شہر خموشاں میں ٹھکانہ بنا لیا تھا۔

وانیہ ماں سے ملنے آئی تو ماں نے ہی بتایا کہ وہ ٹھیک نہیں ہیں... پاکیزہ کی طبیعت بگڑنے لگی تھی۔ وانیہ گھبرا گئی۔ انہیں فوراً" اسپتال پہنچایا گیا جہاں ڈاکٹر نے بتایا کہ انہیں ایڈمٹ کرنا پڑے گا۔ وہ خطرے سے باہر تھیں۔ لیکن ڈاکٹرز نے یہ کہہ کے وانیہ سومرو کو الجھن میں ڈال دیا تھا کہ ان کے مزید کچھ ٹیسٹ بھی کرنے پڑیں گے کہ ان کی بعض رپورٹس کا رزلٹ حوصلہ افزا نہ تھا۔

"اس سے کیا... میرا مطلب کہ آپ کیا بتانا چاہ رہے ہیں... مجھے سب بات صاف صاف بتائیں۔"

"دیکھیں ان کے بلڈ کے ٹیسٹ میں کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ وہ کسی دوسری بیماری سے بھی گزر رہی ہیں۔ آئی مائیٹ بی رانگ... بٹ ٹیسٹ آر امپارٹنٹ..."

"شیور... واٹے ناٹ... بٹ لٹ بی کلیئر... واٹ اٹ مائیٹ بی..."

"اللہ نہ کرے۔۔۔ بٹ بلڈ کینسر۔" ڈاکٹر نے جو کہا تھا اس نے وانیہ کو آسمان سے نیچے گرا دیا تھا۔ اس نے سر پکڑ لیا اور پھر وانیہ کی دن رات کی عبادتوں کا نتیجہ نکلا کہ ڈاکٹرز کا شک غلط ثابت ہوا۔

"وانیہ۔۔۔ کہاں گئی تھیں بیٹا۔۔۔" وانیہ دیکھ رہی تھی کہ جہانگیر کی ڈیتھ کے بعد سے ہی طارق سومرو بالکل ہار گئے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وانیہ کی طرف آجاتے۔۔۔ اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے۔

"بابا سائیں۔۔۔ اماں کو اسپتال لے کے گئی تھی۔۔۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تو طارق سومرو نے اس کی جانب دیکھا۔

"بابا اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔" وہ گرنے کے انداز پہ صوفے کی بیک سے سر لگا کے بہتے آنسوؤں سے اپنی تکلیف کا احساس دلانے لگی۔۔۔

"بابا سائیں۔۔۔" وانیہ نے انہیں پکارا۔ لیکن وہ چپ چاپ باہر نکل گئے۔ وہ ان کے پیچھے پیچھے ان کے کمرے میں چلی آئی۔

"بابا سائیں۔۔۔ میں اماں کے پاس جا رہی ہوں۔۔۔" وانیہ نے کہا۔ عادلہ ماما بھی وہیں تھیں۔

"کیوں۔۔۔" بابا سے پہلے انہوں نے تیوری چڑھا کے پوچھا۔ وانیہ نے خاموشی سے طارق سومرو کی جانب دیکھا گویا ان کی بات کو اگنور کر رہی ہو۔

"کیوں وانیہ۔۔۔"

"بابا سائیں اماں کو اس بیماری میں میرے سہارے کی ضرورت ہے۔۔۔"

"بھتیجے کے کرتوتوں پہ روگ لگ گیا ہوگا۔۔۔" انہوں نے پھر مداخلت کی تو وانیہ کو غصہ آگیا۔

"آپ چپ رہیں۔۔۔ میں بابا سائیں سے بات کر رہی ہوں۔۔۔"

"میرے ساتھ ذرا تمیز سے بات کرنا۔۔۔"

"تم تو چپ کرو عادلہ۔۔۔ وہ مجھ سے بات کر رہی ہے۔" طارق سومرو نے ہلکے سے غصے سے کہا تو وہ اٹھ گئیں۔

پاکیزہ کی بیماری نے ان کا دل ایک دم جیسے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔ وقت نے انہیں سمجھا دیا تھا کہ پاکیزہ کے ساتھ ان سے بہت زیادتی ہو گئی تھی۔ عادلہ بیگم صرف رنگین تتلی ہی نکلیں مگر اب بھرم تو رکھنا تھا کہ ہارنا ان کی موت تھی۔

"بابا سائیں اماں کو کوئی بیماری تو نہیں مگر وہ دن بہ دن کمزور ہوتی جا رہی ہیں۔" وہ باپ کے قدموں پہ سر رکھ کے رو دی۔ کچھ جھکے ہوئے آنسو طارق سومرو کی آنکھوں سے نکل کے وانیہ کے بالوں میں کہیں کھو گئے۔

"بابا سائیں۔۔۔ ارسلان بے گناہ ہے۔۔۔ آپ جانتے ہیں نا۔۔۔ پلیز اسے معاف کر دیں۔۔۔"

"وانیہ محسن کے بابا جان اسے معاف کرنے کو تیار نہیں۔۔۔ اور ان کے معاف کیے بنا وہ باہر نہیں آسکتا۔" انہوں نے کہا تو وانیہ نے بے ساختہ ان کی جانب دیکھا گویا ان کی خواہش تھی کہ وہ آزاد ہو جائے۔

"بیٹا کبھی کبھی انسان اپنے ہی جال میں اس بری طرح پھنس جاتا ہے کہ موت ہی اسے اس سے آزاد کر سکتی ہے۔ یہ جان لو کہ میں ایسے ہی شکنجے میں پھنس گیا ہوں۔ جہانگیر بھی مجھ سے اس شادی کے کرنے پہ ناراض تھا۔ میں بہت تنہا ہو گیا ہوں۔"

"آپ نے یہ سب اپنے لیے خود کیا ہے۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ اس سے انکار تو نہیں۔۔۔ اسی لیے اب سزا بھی تو سہہ رہا ہوں۔" وہ اداسی سے مسکرائے۔

"اور سنو کل مجھ سے رقم لے لینا اور اپنی اماں کے پاس چلی جانا اور باقاعدگی سے ڈاکٹر کو دکھانا اور اگر ذرا سی بھی اس کے دل میں میرے لیے جگہ ہوئی تو اسے کہنا کہ مجھے معاف کر دے۔۔۔" وہ نظریں چراتے ہوئے بولے تو وہ روتی ہوئی وہاں سے نکل گئی۔

عادلہ کے باہر آنے سے پہلے ہی وہ کروٹ لے کے لیٹ گئے۔۔۔ ساری رات ایک عجیب سی بے چینی ان کے ہمراہ رہی ایک پل نیند ان کے قریب نہ آئی۔ اٹھ کے دوسرے کمرے میں چلے آئے جہاں انہوں نے پاکیزہ کے ساتھ چھبیس ستائیس سال گزارے تھے۔

"طارق کیا میں صرف آپ کی ضد ہوں۔۔۔ جب میں اتنی گھٹیا نسل سے تھی تو کیوں لائے تھے مجھے اپنا نام دے کے۔۔۔

مجھے یقین ہے کہ آپ میرے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کریں گے۔۔۔"

اور پھر میں نے تمہارے ساتھ جو کیا وہ الگ۔ ارسلان بھی میری ضد کی بھینٹ چڑھ گیا۔۔۔

انہوں نے ماضی میں جھانکا اپنی ذات کا حساب کتاب کرنے بیٹھے تو ہر طرف اپنی کوتاہیاں ہی نظر آئیں۔ اب نام نہاد عزت کا بھرم اپنی غلطیوں کو جاری رکھ کے رکھنا تھا۔ یہ بھی کوئی سمجھے تو سزا ہی تھی۔ اگر کوئی نہیں سمجھ رہا تھا تو کم از کم طارق سومرو کو خود تو علم تھا کہ وہ کیا سہہ رہے تھے اور کیا اب ان کو برداشت کرنا تھا۔

✡ ✡ ✡

میں جانتا ہوں کہ جب تمہیں موقع ملا۔۔۔ مجھے بتاؤ گی کہ طارق سومرو نے کیسے تمہیں مجبور کیا تھا۔۔۔ تم اب بھی مجھے اتنا ہی پیار کرتی ہو جتنا تمہیں دعوا تھا۔ لیکن یہ یاد رکھنا وانیہ کہ میں اب کے تمہیں معاف نہیں کروں گا۔ چاہے تمہاری محبت کی شدت جتنی بھی ہو۔۔۔ میں اب کے صرف تمہیں برباد کروں گا اگر تقدیر نے مجھے بھی تمہارے سامنے لا ہی کھڑا کیا۔

تم میرے ساتھ ہر بار کھیلیں۔ ہر بار میں تمہارے دھوکے میں پھنس جاتا تھا کہ دل کم بخت پہلی بار تمہارے لیے ہی تو دھڑکا تھا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ مڑ کے جب بھی دیکھتا ہوں تو اپنی بربادی کا پہلا مجرم طارق سومرو اور پھر تم نظر آتی ہو۔

رل مل کے خوب بگاڑی ہے
ساڈے پیار دی کھیڈ رقیباں نے
کج تو سوتی اکھیاں پھیر لیاں
کج ماری چوٹ نصیباں نے

اس کے ساتھ موجود قیدی واجد اپنی سوز بھری آواز میں ہر وقت ہی عطاء اللہ کے گانے گنگناتا رہتا تھا۔ ارد گرد موجود باقی قیدی اس کے گرد جمع ہو کے تالیاں بجانے لگے۔

سانوں کا دے شکوے غیراں نال
جد سجناں کیتیاں ٹھگیاں نے
ہتھ پھڑ کے کج وی وسدے نہیں
سانویں کیہڑیاں مرضاں لگیاں نے
لہو جسم دا سارا نچڑ گیا
نہیں لبھا روگ طبیباں نے

"ارے پیارے لگتا ہے تجھے بھی عشق کی چوٹ ہی لگی ہے۔۔۔ یہ کم بخت عشق چہرے پہ اداسی کے رنگ کیوں مل دیتا ہے۔" ارسلان سونے کی تیاری کر رہا تھا جب واجد اس کی طرف مڑا۔

"نہیں یار۔۔۔ محبت نہیں نفرت کی وجہ سے یہاں تک پہنچا ہوں۔" ارسلان نے سر جھکا لیا۔

"کس سے نفرت تھی۔۔۔ محبوبہ کے محبوب سے۔۔۔ اتنی نفرت اسی سے ہو سکتی ہے۔" وہ سرگوشی کرنے کے انداز میں پاس آ کے بولا۔

"خود محبوبہ سے۔۔۔"

"اسے کسی اور سے محبت تھی کیا؟"

"نہیں۔۔۔ مجھ سے ہی تھی۔۔۔" آج جی چاہ رہا تھا کہ کوئی اس ذکر کو چھیڑے اور وہ اپنے دل کی بھڑاس خوب نکالے۔

"اور تجھے کسی اور سے۔۔۔" اس نے اندازہ لگایا۔

"نہیں اسی سے ہے بھی۔۔۔ تھی بھی اور رہے گی بھی۔۔۔" وہ اس حقیقت سے کیسے بھلا منکر ہوتا کہ یہی سچ تھا۔

"انتظار کرے گی تیرا۔۔۔"

"پتا نہیں۔۔۔ میرے قاتل ہونے کی گواہی دینے کے بعد شاید مایوس ہو کے کسی سے شادی کر ہی لے۔"

"ارے جگر یہ کیسی محبت تھی کہ گواہی بھی دے دی اور شادی بھی کسی اور سے کر لے گی۔" اسے یقین نہ آیا۔

"ہوتا ہے ایسا بھی کبھی کبھی۔۔۔"

"سنا ہے بڑی عدالت میں کل تیرا فیصلہ ہے۔"

"ہاں۔ اور مجھے یقین ہے کہ میری موت کا فیصلہ ہی آئے گا۔"

"نہ یار۔ یوں کیوں ہوتا ہے۔ شہزادے تیرے جیسے جوان تو زندگیاں جینے کے لیے ہوتے ہیں۔"

"اب کوئی آس ہی نہیں جینے کی۔ تو بیوی کیسی۔ بس ایک ہی خوشی ہے کہ ماں۔ میری ماں میرے دعا والے ہاتھ۔ ماں کے جھے بازو جن میں سمانے کی خواہش ہے ماں نہ ہوتی تو چاہے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال کے کوئی ختم کر دیتا یا اپنے ہی دکھوں کی دیمک سے مر جاتا۔ کیا فرق پڑتا۔" وہ ہارے ہوئے لہجے میں بولا۔

لیکن عجیب بات یہ ہوئی کہ محسن کے باپ نے اسے معاف کر دیا تھا۔ اس کی رہائی کا پروانہ آ گیا اور معمول کی کارروائی کے بعد اسے آزاد کر دیا گیا۔ شام کا وقت تھا جب وہ اپنے گھر کا دروازہ بجا رہا تھا۔

وانیہ کو توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی آ جائے گا۔ وہ اس کے آنے سے پہلے وہاں سے نکلنا چاہ رہی تھی مگر۔

"تم۔ تم یہاں میرے گھر میں۔" اسے دیکھ کے ارسلان کا دماغ گھوم گیا۔ وانیہ نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

"ہٹو میرے راستے سے اور پانچ منٹ کے اندر اندر یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ مجھے تمہاری صورت سے بھی نفرت ہے۔" وہ نفرت سے پھٹ کے بولا۔

"ماں کی طبیعت۔"

وہ اسے دھکا دے کے اندر ماں اور پاکیزہ کے پاس چلا آیا جو کافی کمزور ہو گئی تھیں۔

"میرا بچہ۔ میرا سکھ۔" وہ اسے خود سے لگا کے روتی چلی گئیں۔

"بس ماں اب اور نہیں روئیں گی۔ میں آ گیا ہوں نا۔"

"آپ کیوں اتنی کمزور ہو گئی ہیں پھپھو۔" وہ انہیں دیکھ کے پریشان ہو گیا۔

"چھوڑ مجھے۔ تو بتا کیسے تیری رہائی ممکن ہوئی۔"

دروازے پہ کھڑی وانیہ کو لگا جیسے کوئی مٹھی میں مسلے نگلے جا رہا تھا کہ جنے اور اسے رشتے کے بدلے میں اس کی زندگی تختہ دار پہ چڑھی ہے۔ اس کے گلے میں پڑنے والا پھانسی کا پھندا اب وانیہ سومرو کے گلے میں ڈالے گا۔ وہ تو ایک ہی دفعہ سانسوں کی ڈور سے آزاد ہو جاتا لیکن وہ تو پل پل سولی چڑھے گی۔ اس نے اپنی محبت کا ثبوت دینے کے لیے خود کو قربان کر ڈالا تھا۔

"مجھے خود نہیں پتا کہ سب کیسے ہوا۔"

"میں وانیہ سے کہتی ہوں کہ تمہارے لیے کھانے کا بندوبست کرے۔" انہوں نے اس سے نظریں چراتے ہوئے کہا کہ وہ جانتی تھیں کہ وہ اس سے کوئی اچھا سلوک نہیں کرے گا۔

"پھپھو۔ وانیہ سے کہہ دیں کہ یہاں سے چلی جائے۔ میں سب کچھ بھول چکا ہوں۔ یہ نہ ہو کہ میں انسان سے وحشی بن جاؤں۔" اس نے کہا تو پاکیزہ نے بے بسی سے مڑ کے اسے دیکھا مگر اس کے چہرے پہ کوئی نرمی نہ تھی۔

"بس کیا بات ہے۔ بیٹا اپنی پھپھو کی ہی خاطر کچھ برداشت کر لو۔" اماں نے اسے ڈانٹا۔ پاکیزہ باہر آئیں تو وہ سامنے ہی کھڑی تھی۔

"وانیہ اس کے دل کے زخم بہت گہرے ہیں۔" انہوں نے اسے خود سے لگاتے ہوئے کہا تو وانیہ جبراً مسکرائی۔

"بس صرف کچھ باتیں کر لوں ارسلان سے پھر بابا سائیں کی طرف چلی جاؤں گی۔" وہ اندر آئی تو وہ اسی طرح سر دونوں ہاتھوں میں پکڑے بیٹھا تھا جیسے پاکیزہ اسے چھوڑ کے گئی تھیں۔

"مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی۔" اس کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے ارسلان نے سر اٹھائے بغیر کہا۔

"مجھے اپنے بارے میں نہیں بلکہ ماں کے متعلق بات کرنی ہے۔" وہ خاموش ہو رہا گویا ہمہ تن گوش تھا۔

"ماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"تمہیں اور طارق سومرو کو ان کی ٹینشن لینے کی

ضرورت نہیں... ایک نیکی کروان کے ساتھ کہ انہیں اپنے اور اپنے باپ کے وجود کی نحوست سے آزاد کردو... وہ خود بخود ٹھیک ہو جائیں گی۔"

"کہاں جا رہی ہو... کیا اب تم جاپاؤ گی..." وہ مڑی تو وہ اس کے سامنے آگیا۔

"ار... سلان..." وہ گھبرائی۔

"اب تم نہیں جاؤ گی... اب طارق سومرو آئے گا اور اپنی ذلت کا کھیل اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔ ساری دنیا کو بتاؤں گا کہ طارق سومرو کی بیٹی وانیہ سومرو اپنے آشنا کے ساتھ فرار ہوئی ہے۔" ارسلان نے اسے بازو سے پکڑ کے اپنی جانب کھینچا۔

"نہیں۔ ارسلان... میں نہیں رک سکتی... پلیز ارسلان... جمعے کو میری رخصتی ہے..." بتا کے فوراً وہاں سے جانا چاہا تو وہ اس کے سامنے آگیا۔

"اتنی آسانی سے میں تمہیں اپنے ساتھ کھیلنے تو نہیں دوں گا... مار ڈالوں گا اس شخص کو بھی اور تمہیں بھی..."

"ارسلان میں نے جو کچھ آپ کے ساتھ کیا اس پہ شرمندہ ہوں..."

"بس شرمندہ ہو کے تم ازالہ کر لو گی..."

"تو پھر کیا کروں..."

"میں اگر زندہ رہنے کے قابل نہیں ہوں تو پھر تم کیسے اتنی آسانی سے زندگی کی خوشیاں حاصل کر سکتی ہو۔" وہ اسے سختی سے بازو سے پکڑتے ہوئے بولا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"یہ تو طے ہے کہ تم میرے علاوہ کسی کی نہیں ہو سکتیں... لیکن قیمت تم نہیں بلکہ میں لگاؤں گا۔"

"میں اپنی قیمت خود لگا چکی ہوں... بہت بڑی قیمت لگی ہے میری... اور میں بہت خوش ہوں..."

"نوچ کے پھینک دوں گا تمہارے چہرے پہ چھائی ہر خوشی کو... اگر خوش میں نہیں رہ پایا تو تمہیں تو خوش رہنے کا کوئی حق ہے ہی نہیں۔"

"ارسلان میں نے جانا ہے۔ میری کمٹ منٹ ہے پلیز..." وہ رو پڑی۔

"اچھا..." وہ طنزاً ہنسا۔

"تم نے ساری زندگی سوائے مردوں سے کمٹ منٹ کرنے کے کیا ہی کیا ہے... تمہارے منہ کو صرف بھوک لگی ہوئی ہے... تمہاری نیت کبھی نہیں بھرے گی۔" وہ اسے کمرے کی طرف دھکیلتے ہوئے حقارت سے بولا اور باہر سے کمرے کو بند کر دیا۔ وہ چیخ چیخ کے دروازہ پیٹنے لگی۔

"ارسلان..." ماما اور پاکیزہ پھپھو بھاگ کے اس کی طرف آئیں۔

"کوئی اس معاملے میں نہیں بولے گا... کہہ دیا ہے میں نے..." وہ پوری قوت سے دھاڑا۔

"پاگل ہو گئے ہو ارسلان... یہ کیا کر رہے ہو۔ کھولو دروازہ آنے دو اسے باہر..." ماما نے اسے کھینچتے ہوئے اپنی جانب موڑا۔

"ارسلان میرے بچے... کیا کر رہے ہو..." پاکیزہ پھپھو کا دل کانپنے لگا۔

"کوئی دروازہ نہیں کھولے گا میں بھی دیکھتا ہوں کہ طارق سومرو کیسے ایک دفعہ پھر میری زندگی سے کھیلتا ہے۔" وہ قابو میں ہی نہیں آرہا تھا۔

"ارسلان تم طارق سومرو سے جو مرضی ہے انتقام لو مگر اندر جسے تم نے بند کر رکھا ہے وہ میری بیٹی ہے... اس کی خاطر میں جان بھی دے سکتی ہوں..." ارسلان کی ماما نے اپنا سر پکڑ رکھا تھا۔

"پھپھو... بس اتنا ہی رشتہ تھا ہمارا..." اس کی آواز پھٹ گئی... صدمے سے وہ گھر سے ہی نکل گیا۔ پاکیزہ نے جلدی سے کمرے کا دروازہ کھولا اور وانیہ کو سینے سے لگا لیا وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

"ماں مجھے جانا ہے... میری اس جمعے کو شادی ہے... میں نے اپنی قسمت کے آگے سر جھکا لیا ہے..." وہ بولی تو پاکیزہ کے ساتھ ساتھ ماما نے بھی ایک جھٹکے سے سر اٹھایا کہ وہ اپنے بیٹے کے دل سے واقف تھیں، جو وانیہ کی محبت میں گرفتار تھا۔ پر وہ ضرور تھا ماں بیٹے کے درمیان مگر انہوں نے اسے اپنے دوست سے گفتگو کرتے ہوئے سن لیا تھا۔ وہ جان

کئیں کہ وہ ایسے کیوں ری ایکٹ کر رہا ہے۔ لیکن وہ خود کو اس معاملے میں بے بس پاتیں تھیں۔

"دانیہ کہاں ہو رہی ہے تمہاری شادی بچے... کس نے طے کی ہے۔" پاکیزہ نے فکر مندی سے پوچھا تو دانیہ نے کچھ جھوٹ اور کچھ سچ ملا کے انہیں جواب دیا۔

"ماں بابا سائیں نے ہی طے کردی ہے۔" اگر وہ یہ بتا دیتی کہ اس نے خود ہی طے کرلی ہے تو وہ اسے ارسلان کی طرح بندی کر دیتیں۔

"مگر وہ ہے کون..."

"بابا سائیں کا ہی کوئی جاننے والا ہے۔" اس نے کہہ کے سر جھکا لیا۔

"تم اس سے ملی بھی ہو... دیکھا بھی ہے یا نہیں...؟"

"جی اماں دیکھ رکھا ہے... آپ نہیں جانتیں..."

"تمہیں پسند ہے وہ..."

"جی اماں..." اس نے روتے ہوئے اقرار کیا۔ماں کیا تم نہیں جانتی کہ میں کسے پسند کرتی ہوں۔ یہ سوچتے ہوئے اس کا دل خون کے آنسو رو پڑا۔

"ماں میرے لیے دعا کیجیے گا کہ اللہ مجھے ہمت دے۔ میں شادی کے بعد اپنے میاں کے ساتھ آؤں گی۔" پاکیزہ نے اسے سینے سے لگا کے اپنے دل کا غبار نکالا اور دانیہ روتی ہوئی وہاں سے نکل گئی اور اگلے ہی دن دوبارہ بے چینی سے گھبرا کے ماں کے پاس چلی آئی۔

"دانیہ مجھے بتا تو سہی وہ کون ہے جسے طارق سومرو نے تیرے لیے چنا ہے۔ تو خوش تو ہے۔" انہوں نے اس کے آنے پہ کئی بار کا پوچھا ہوا سوال دہرایا اور ہمیشہ کی طرح وہ ان کا ہاتھ تھام کے ہنس پڑی۔

"ماں بہت سکون میں ہوں... اتنا سکون کہ اب خود سے کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ کوئی گلہ نہیں..." وہ واقعی کافی پر سکون دکھائی دے رہی تھی۔ ارسلان کا جی چاہا کہ اس کا منہ نوچ لے اور اس کے چہرے پہ چھائے سکون کو برباد کر دے لیکن ضبط کا دامن نہ چھوڑا۔

وہ گئی تو ارسلان ماں کی گود میں سر رکھ کے لیٹ گیا اور دونوں رات گئے تک باتیں کرتے رہے۔

اپنے کمرے میں آیا تو بے چینی نے کچھ ایسا محاصرہ کیا کہ سگریٹ پہ سگریٹ پھونکتا چلا گیا۔

تیرے پیار کی تمنا غم زندگی کے سائے بڑی تیز آندھیاں ہیں یہ چراغ بجھ نہ جائے تیرے پیار کی تمنا......

اس کو ایک ایک بات یاد آرہی تھی اپنی دانیہ سے محبت کی داستان کا پہلا صفحہ... اسے جب یہ ادراک ہوا کہ وہ تو اسی کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہے جو اس سے بے انتہا نفرت کرتی تھی۔ اس نفرت میں اتنی شدت تھی کہ ارسلان کو اپنی محبت کا چراغ جلائے رکھنا مشکل ہو گیا۔

ہے عجیب داستاں کچھ یہ ہماری داستاں بھی
کبھی تم سمجھ نہ پائے کبھی ہم سنا نہ پائے
تیرے پیار کی تمنا......

اور جب ارسلان کی محبت پہ دانیہ کی نفرت حاوی ہو گئی تو اس نے اس کی محبت کو صرف اپنی ذات تک محدود کرلیا۔ اس کے وجود میں عجیب سی کشمکش جاری رہتی جس نے اس کی شخصیت کو بھی بری طرح متاثر کیا۔ کوئی کام بھی اس سے مکمل نہ ہو سکا۔

کوئی حل تو ہی بتا دے میرے دل کی کشمکش کا
تجھے بھولنا بھی چاہوں تیری یاد بھی ستائے
تیرے پیار کی تمنا غم زندگی کے سائے
بڑی تیز آندھیاں ہیں یہ چراغ بجھ نہ جائے

"پاکیزہ میرا سنی دانیہ سے بہت پیار کرتا ہے... تم طارق سومرو سے ایک دفعہ بات تو کرو۔ شاید وہ مان جائیں۔" ماں کے دل پہ بیٹے کی تکلیف سے زخم پہ زخم لگ رہے تھے۔ اس کے کمرے سے آنے والے گانے کی آواز ان کا دل چیر رہی تھی۔

"بھابھی میں کیا کروں... مجھے کچھ نہیں سمجھ آرہی..." پاکیزہ بھابھی کا ہاتھ تھام کے رو پڑیں۔

"پاکیزہ اگر تم طارق سومرو سے بات کرو تو..."

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہی ہوں مگر اب جب کہ اس نے یہ فیصلہ کرلیا ہے تو کیا وہ اپنے فیصلے سے پیچھے

بنے گا۔" وہ عجیب شش و پنج میں تھیں۔

صبح ناشتے کے بعد جب بھابھی ہمسائے میں کسی بیمار کی مزاج پرسی کرنے گئیں تو پاکیزہ ارسلان کی طرف چلی آئیں۔

"ارسلان۔۔۔" وہ جو اپنے بستر پہ آڑھا ترچھا لیٹا تھا۔ پاکیزہ کی آواز پہ فوراً سیدھا ہوا۔

"جی پھپھو۔۔۔" اس نے نظریں چرائیں مگر اس کے چہرے پہ اس کی شب خوابی کی طویل داستاں رقم تھی۔

"ارسلان ادھر میری طرف دیکھو۔" پاکیزہ نے اس کا چہرہ تھامتے ہوئے کہا تو وہ زبردستی مسکرا دیا۔

"کیا بات ہے پھپھو۔۔۔"

"کیا تم وانیہ سے محبت کرتے ہو۔"

"پھپھو۔۔۔ یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں۔" اس نے چہرے کا رخ موڑتے ہوئے کہا۔

"میں اس کی اگر ماں ہوں تو تم بھی میرے ہی بیٹے ہو۔۔۔ کیا تمہارے دل کی آواز میرے کانوں کو سنائی نہیں دے رہی۔"

"نہیں سنائی دی آپ کو میری آواز۔ اگر سنائی دی ہوتی تو اسے جانے نہ دیتیں۔ آپ صرف اسی کی ماں ہیں۔" وہ ناراضی سے بولا۔

"میری جان ایسا نہیں ہے۔۔۔ مجھے اس سے کسی طرح بھی کم نہیں ہو تم۔۔۔ میں جاؤں گی طارق سومرو کے پاس۔۔۔ میں اپنے بیٹے کی جنگ ضرور لڑوں گی۔۔۔" وہ پرعزم تھیں۔

☆ ☆ ☆

طارق سومرو نے جب سنا کہ وانیہ شادی کرنا چاہ رہی ہے اور وانیہ نے طارق سومرو کو یہ بتایا کہ بارات اسی جمعے کو آئے گی۔

"کون ہے بیٹا۔۔۔ جس سے تم شادی کرنا چاہ رہی ہو۔۔۔" انہوں نے پوچھا۔

"بابا سائیں۔۔۔ ماں نے ایسا چاہا ہے۔۔۔ ان کا یقین کریں۔" وہ مسکرائی۔

ارسلان۔۔۔ طارق سومرو کا پہلا دھیان اسی کی طرف گیا جس پہ انہیں قطعاً کوئی اعتراض نہ تھا۔

"لیکن بتانے میں کیا حرج ہے میری جان۔۔۔"

"بابا سائیں شاید جاننے کے بعد آپ اور چھوٹی ماما اسے قبول ہی نہ کریں۔ تو پھر۔" وہ مسکرائی۔

"کیوں۔۔۔ ہم بھلا کیوں اعتراض کریں گے۔۔۔ لیکن یہ بتاؤ کہ۔۔۔ اس کا نام۔۔۔"

"اس کا نام جو بھی ہے بس وہ میری خوشی ہے۔ آپ چھوٹی ماما سے شیئر نہ کیجیے گا۔۔۔ بس مجھے سادگی سے رخصت کردیں۔" اس نے ان کی بات کاٹ دی اور وہاں سے نکل گئی۔

نہیں میری جان اب میں تمہاری چھوٹی ماما کو بھی تمہاری خوشیوں کی راہ میں نہیں آنے دوں گا۔ اسے اب سب کچھ بھول کے تمہاری خوشی کو قبول کرنا ہوگا۔ میں خود ارسلان سے جا کے معافی مانگوں گا۔ اپنی غلطی کی معافی مانگوں گا۔ انہوں نے فیصلہ کرلیا۔

اسی شام پاکیزہ طارق سومرو کے سامنے تھیں۔

"پا۔۔۔ کیزہ تم۔۔۔ یہاں۔۔۔" انہیں اپنی آنکھوں پہ یقین نہ آیا۔ عادلہ بیگم نے نخوت بھرے انداز میں انہیں دیکھا۔

"عادلہ آپ اپنے کمرے میں جاؤ۔ پاکیزہ میری بیوی ہے۔ یہ اس کا بھی گھر ہے۔ اس کا جب جی چاہے گا آئے گی جائے گی۔" انہوں نے انتہائی غصے سے کہا تو وہ منہ بناتی کمرے سے چلی گئیں۔

"سائیں۔۔۔ وہ دھکے بھولی تو نہیں مگر قسمت جھولی پھیلا کے اس در پہ لانے کا بار بار اہتمام کرواتی ہے۔۔۔ چاہے ہر بار ہی ٹھوکریں مقدر میں لکھی ہوں۔" وہ روہانسی آواز میں بولیں تو وہ تڑپ کے اس کے پاس آئے۔

"پاکیزہ میں بہت شرمندہ ہوں۔"

"سائیں بڑے مان سے کچھ مانگنے آئی ہوں۔"

"آج تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔۔۔ مانگو بلکہ مجھ سے میری جان ہی مانگ لو۔" وقت نے انہیں بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔

"ارسلان کو قبول کرلیں سائیں..." پاکیزہ نے بات بدل ڈالی۔
"ہاں وانیہ کی خوشی اسی میں ہے اور پاکیزہ تمہاری بھی۔"
"کیا مطلب..." وہ ان کے جواب پہ الجھیں۔
"بھئی وانیہ اور ارسلان کی شادی ہو رہی ہے اس جمعے کو..." انہیں جھٹکا لگا۔
"تو کیا آپ کو نہیں پتا اس بات کا کہ وانیہ اور ارسلان کی شادی ہو رہی ہے..." طارق سومرو کو حیرانگی ہوئی۔
"لیکن سائیں... وہاں تو کسی کو بھی نہیں پتا... یہاں تک کہ ارسلان کی ماں تک کو نہیں پتا..." وہ پریشان ہو گئیں۔
"کیا مطلب..."
"آپ سے کس نے ارسلان کے سلسلے میں بات کی ہے سائیں..." پاکیزہ نے پوچھا۔
"خود وانیہ ہی بات کر رہی تھی..."
"لیکن اور کسی نے آپ سے کوئی بات نہیں کی نہ ہی بھابھی سے تو پھر..."
"نہیں... وانیہ کہہ رہی تھی کہ ماں نے رشتہ طے کیا ہے۔"
"سائیں... مگر وہ تو کہہ رہی تھی کہ..."
"السلام علیکم اماں..." وانیہ ماں کو دیکھ کے خوشی سے دیوانی ہو گئی اور بھاگ کے لپٹ گئی۔
"وانیہ... پہلے میری بات کا جواب دو..." طارق سومرو نے سنجیدگی سے اسے متوجہ کیا۔
"وانیہ..." پاکیزہ نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھامتے ہوئے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
"جی بابا سائیں..."
"بیٹا آپ کس سے شادی کر رہی ہو... کیا وہ ارسلان نہیں ہے..." انہوں نے ڈائریکٹ سوال کیا۔
"بابا سائیں... میں نے ارسلان کا نام نہیں لیا تھا..."
"تو پھر... کم از کم ہمیں اس سے ملواؤ تو سہی... کون ہے وہ... کس کا بیٹا ہے..."
"بابا جان علی نام ہے اس کا..." اس نے سر جھکاتے ہوئے کہا تو پاکیزہ کے دل میں اداسی نے یکدم قبضہ کر لیا۔
"کیا تمہیں ارسلان سے محبت نہیں..." پاکیزہ نے پوچھا۔
"اماں... یہ سب باتیں بے معنی ہیں اس وقت جب میری شادی علی سے ہو رہی ہے۔" اس نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔
"کون ہے یہ علی اور کہاں سے آیا ہے کس کا بیٹا ہے...؟"
"اچھا خاندان ہے بابا آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔"
"ملواؤ پہلے مجھے اس سے... شادی کا فیصلہ بعد میں ہوگا۔"
"شادی کا فیصلہ بعد میں نہیں بلکہ ہو چکا ہے بابا سائیں... جمعے کو بارات ہے..."
"کیسے ہو گیا ہے فیصلہ... لڑکے سے تو ملواؤ۔" پاکیزہ نے کہا۔
"کچھ ہی دن ہیں اماں مل لیں گی آپ بھی..."
"لیکن مجھے ارسلان..." طارق سومرو نے کچھ کہنا چاہا تو وانیہ نے انہیں ٹوک دیا۔
"بابا ارسلان کو ڈسکس مت کریں۔ اس کا اور میرا نہ کوئی تعلق ہے اور نہ کوئی رشتہ... اور کبھی اگر تھا تو اب نہیں ہے۔" وہ کہہ کے کمرے سے چلی گئی۔
پاکیزہ نے کئی گھنٹے اسے سمجھانے میں لگائے۔ مگر اس کی ایک ہی تکرار تھی کہ اس کی محبت ایک طرف اب بات اس کی کمٹ منٹ کی ہے اور وہ علی سے وعدہ کر چکی ہے۔ مایوس ہو کے پاکیزہ پلٹ آئیں۔ اسے پاکیزہ کی واپسی کا پتا تھا مگر باہر نہ آیا۔ البتہ کان میں آوازیں پڑ رہی تھیں۔
"کیا... طارق سومرو ارسلان اور وانیہ کی شادی چاہ رہے ہیں... تو پھر وانیہ... جب ارسلان سے محبت کرتی ہے تو پھر کیوں پاکیزہ..." ارسلان کو ماما کی بھرائی ہوئی آواز تڑپا گئی۔

"میں نے بہت کوشش کی ہے بھابھی مگر وہ اڑی ہوئی ہے۔ ناجانے کیوں۔۔۔ حالانکہ میں نے اس کی آنکھوں میں ارسلان کی محبت کا رنگ دیکھا ہے۔۔۔ وہ ایسی نہیں تھی بھابھی جیسی ارسلان کی محبت نے اسے بنا دیا تھا وہ بہت ضدی' ہٹ دھرم اور بگڑی ہوئی لڑکی تھی۔۔۔ ارسلان کی محبت کی وجہ سے وہ آہستہ آہستہ بدلتی چلی گئی۔۔۔ لیکن اب۔۔۔ مجھے اس کی آنکھوں میں گہری اداسی دکھائی دیتی ہے۔ وہ ناجانے کس الجھن میں ہے۔۔۔ اور اچانک سے یہ علی جس کا کبھی نہ نام سنا ہے اور نہ ہی سامیں اسے جانتے ہیں۔۔۔ میں بہت پریشان ہوں۔"

"پاکیزہ میرا بچہ۔۔۔ کیا زندگی میں صرف ناکامیاں سمیٹنے آیا ہے۔۔۔" ماما رو پڑیں۔

"بھابھی۔۔۔" پاکیزہ بھی رو پڑیں۔

"میری خود بھی بڑی خواہش تھی کہ میرے بیٹے کو اس کے دل کی خوشی مل جائے۔۔۔ وہ اچھی لگتی ہے مجھے بھی۔۔۔" وہ اٹھا اور بیڈ پہ لیٹ گیا۔ رات کھانے کے لیے ماما بلانے آئیں تو اس نے یوں ظاہر کیا کہ جیسے سو رہا ہو۔ وہ پلٹ گئیں۔

وہ ساری رات محبت کی خراج بن گئی۔ بے چینی' بے خوابی' بے قراری' نیند آنکھوں سے بھاگ گئی تھی۔

ارسلان وقت ہاتھ سے نکل گیا تو عمر بھر کے لیے بے خوابی مقدر بن جائے گی۔۔۔ اسے اسی سے مانگ لو۔۔۔ فون کرلو اسے۔۔۔ اب راہ میں کوئی دیوار نہیں ہے۔۔۔ چھوڑ دو اس انا کو۔۔۔ محبت میں یہ انا پرستی کیسی۔۔۔ اٹھاؤ فون۔۔۔ کوئی اس کے اندر چیخ چیخ کے کہہ رہا تھا۔۔۔

ارسلان نے موبائل اٹھایا اور ہمت کر کے اس کا نمبر ملایا۔ پہلی ہی گھنٹی پہ اس نے کال ریسیو کرلی۔

"ہیلو۔۔۔" کتنی بے قراری تھی اس کی آواز میں۔۔۔ ارسلان نے صاف محسوس کیا تھا۔

"ہیلو۔۔۔ میں ارسلان۔۔۔"

"ارسلان۔ کیا میں یقین کرلوں کہ یہ تم ہی ہو۔۔۔"

"کیسی ہو۔۔۔" اس نے اگلا سوال کر ڈالا۔

"ٹھیک ہوں۔۔۔ تم کیسے ہو۔۔۔ جاگ رہے تھے۔۔۔"

"ہاں نیند نہیں آرہی تھی آج۔۔۔ تم بھی تو جاگ ہی رہی تھیں اسی لیے پہلی بیل پہ ہی اٹھالیا۔"

"میں تو پچھلے کتنے ہی عرصے سے بے خوابی کی کیفیت سے گزر رہی ہوں۔ آنکھیں جب محبت کے خواب سجالیں تو پھر نیند آنکھوں سے روٹھ ہی جاتی ہے۔"

"محبت ہو یا نفرت۔۔۔ دونوں ہی مار دیتی ہیں۔ دونوں ہی سونے نہیں دیتیں۔"

"ارسلان آپ نے کسی سے محبت کی ہے۔۔۔"

"مذاق اڑا رہی ہو۔۔۔"

"کس کا مذاق ارسلان' جو خود مذاق بن جائے وہ بھلا کسی کا کیا مذاق اڑائے گا۔۔۔"

"میرا۔۔۔ اور کس کا۔۔۔" وہ چڑا۔

"جس سے محبت کی جائے اس کا مذاق نہیں اڑایا جاتا ارسلان۔۔۔ اور آپ جانتے ہیں کہ میں نے آپ سے بے پناہ محبت کی ہے۔۔۔"

"تو کیا اب وہ محبت ختم ہوگئی ہے۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ محبت تو بڑھتی ہی چلی جارہی ہے۔۔۔ ہاں اب کچھ ایسے حالات ہوگئے ہیں کہ محبت کی شدت کو آزمانے کا دل چاہنے لگا ہے۔"

"لیکن میں تو ہار گیا ہوں دانیہ۔ تم نے ٹھیک کہا تھا کہ ہم جیسے ہار ہی جاتے ہیں۔۔۔ اب تمہیں تم سے مانگنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے اتنا اوپر مت لے جاؤ کہ زمین کو میرے قدم چھو نہ سکیں ارسلان۔۔۔"

"مجھے تم سے تمہارا ہاتھ مانگنا ہے۔۔۔"

"لیکن ارسلان کیا آپ ہم جیسوں کی کم ظرفی سے واقف نہیں ہیں۔۔۔ کیا ہم کسی کو کوئی خوشی دے سکتے ہیں؟"

"کسی اور سے نہیں میں تم سے مانگ رہا ہوں۔۔۔ اپنی انا اپنی خودداری کو قدموں تلے روند کے۔۔۔ پلیز دانیہ۔۔۔ آجاؤ میرے پاس۔۔۔ میری دنیا میں۔۔۔ یقین کرو

میں اس مزاج کا نہیں تھا۔ لیکن تمہاری محبت میں ایسا ہو گیا ہوں۔"

"میں اگر چاہوں بھی تو اب ایسا ممکن نہیں ہے ارسلان۔"

"کیوں۔ ایسا کیا ہو گیا ہے۔"

"ارسلان میرا نکاح ہو چکا ہے۔ اب میں وانیہ سومرو نہیں ہوں بلکہ وانیہ قربان علی ہوں۔"

"قربان علی۔ تمہارا مطلب ہے کہ قربان علی۔ وہ جو۔" اس کی آواز گلے ہی میں پھنس گئی۔

"ہاں جو چھوٹی ماما کے ڈیڈی ہیں۔" اس نے گویا ایٹم بم پھینکا تھا۔ ارسلان کا سارا وجود ریزہ ریزہ ہو کے ہواؤں میں بکھر گیا تھا اور وہ اچھی طرح جان گیا تھا کہ وہ کس کمٹ منٹ کی بات کر رہی تھی۔ وہ کس لیے بے بس تھی۔ کیا وہ ارسلان کی محبت میں خود کو آزمانا چاہ رہی تھی۔

"وانیہ... تم نے میری رہائی کے بدلے خود کو..." وہ رکا۔

"تمہیں اس مقام تک لے کر بھی تو میں ہی گئی تھی۔ میرا کیا کیا قتل بابا سائیں نے تمہارے گلے میں پھندے کی طرح ڈالنا چاہا مگر میں نے محبت کی تھی سوداگری تو نہیں... کیسے تمہیں اپنے باپ کی نفرت کی بھینٹ چڑھا دیتی۔ اگر قربان ہی ہونا تھا تو پھر طارق سومرو کی بیٹی کیوں نہیں۔"

"کیونکہ وانیہ سومرو تمہیں پانے کی خواہش ارسلان سومرو نے کی ہے۔ اور ارسلان سومرو تمہیں کسی کے لیے بھینٹ نہیں چڑھنے دے گا... محسن علی کا قتل میں نے نہیں کیا اور سزا ملی لیکن اب کے سزا سہنے کی تکلیف اس لیے نہیں ہوگی کہ اس بار قربان علی کا قتل میرے ہاتھوں ہی ہوگا۔" ارسلان نے کہہ کے رابطہ کاٹ ڈالا۔

اس سے پہلے کہ وہ طارق سومرو کی طرف جاتا اگلے ہی دن طارق سومرو ارسلان کے سامنے تھے۔

"تم یہاں طارق سومرو..." وہ بدلحاظی سے بولا۔

پاکیزہ کا رنگ فق ہو گیا۔

"ارسلان تم اندر جاؤ۔"

"نہیں پھپھو۔ بات کرنے دیں مجھے۔"

"ارسلان بیٹا میں آج تم سے ہی بات کرنے آیا ہوں۔ بہت سی باتیں جو میں کہنا چاہ رہا تھا۔"

"نہ میں تمہارا بیٹا ہوں طارق سومرو اور نہ ہی مجھے کوئی بات کرنی ہے۔ چلے جاؤ یہاں سے مجھے نفرت ہے تمہاری صورت سے بھی۔"

"ارسلان۔" پاکیزہ اسے تھامتے تھامتے خود ہی گرنے لگیں تو ارسلان نے انہیں تھام لیا۔

"ارسلان میں تم دونوں سے معافی مانگنے آیا ہوں۔"

"میں نے معاف کیا۔ اب جائیں۔" طارق سومرو کو مایوس لوٹنا پڑا کہ وہ کچھ سننے کو تیار نہیں تھا۔

دو چار لوگوں کے ساتھ بارات آئی اور طارق سومرو کا وجود بے جان ہونے لگا۔ عادلہ بیگم خالی خالی نظروں سے باپ کو دیکھنے لگی۔

"ابو۔"

"تم۔ مگر یہ کیسے ممکن ہے۔" طارق سومرو دہاڑے۔

"کیوں ممکن نہیں ہے۔ کیا میری بیٹی نے تم سے شادی نہیں کی۔ تم دونوں کی عمروں میں بھی تو اتنا ہی فرق ہوگا۔ تو پھر میں تمہاری بیٹی سے شادی کیوں نہیں کر سکتا۔" قربان علی نے کہا تو طارق سومرو چیخ اٹھا۔

"ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ چلے جاؤ تم یہاں سے۔"

"ایسا ہوگا کیا۔ ایسا ہو چکا ہے۔ ہمارا نکاح ہو چکا ہے۔ اب وانیہ کو میرے ساتھ رخصت کرو۔" وہ نفرت بھری نظر پہلے طارق سومرو اور پھر اپنی بیٹی پہ ڈالتے ہوئے بولے۔

وانیہ کسی کی جانب دیکھے بنا قربان علی کے ساتھ چل پڑی۔ یوں طارق سومرو کی اکلوتی لاڈلی بیٹی باپ کے گھر سے رخصت ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

"کیا۔ یہ کیسے ممکن ہے۔" پاکیزہ وانیہ کو قربان

علی کے ساتھ دیکھ کے پتھر ہوگئیں ارسلان جو اسی وقت گھر میں داخل ہوا تھا سب منظر دیکھ کے خون پی کے رہ گیا۔ فوراً" واپس پلٹ گیا۔

ماں میں بہت سکون میں ہوں۔۔۔ اتنا سکون کہ اب خود سے کوئی شرمندگی کوئی گلہ نہیں۔۔۔ اس کے دماغ میں وانیہ کے جملے گونجنے لگے۔

"ماں۔۔۔" وانیہ نے انتہائی پریشانی سے ماں کو تھامنا چاہا اور پھر بے بسی سے قربان علی کی جانب دیکھا۔

"مجھے بھی ایسے ہی جھٹکے لگے تھے جب میری بیٹی طارق سومرو کا ہاتھ تھامے میرے سامنے آئی تھی۔ طارق سومرو کو تو طلب تھی جوان عورت کی اور میری بیٹی پہ اپنی دولت کا جال پھینک کے اسے قابو کرلیا اور مجھے جوان بیوی کی نہ طلب ہے اور خواہش۔۔۔ مجھے صرف طارق سومرو سے انتقام لینا تھا اور اپنی بیٹی کو سزا دینی تھی۔ عادلہ کے لیے میری وانیہ سے شادی ایک مسلسل اذیت ہے البتہ طارق سومرو سے مجھے ابھی اپنا انتقام بھی لینا ہے اور اپنی بیٹی کو اس سے آزاد بھی کروانا ہے۔ سنبھالو اپنی ماں کو اور لوٹ آنا جب تمہاری ماں کی حالت سنبھل جائے تو۔ اور ہاں اپنے بیٹے کا قتل میں تمہیں معاف کرتا ہوں وانیہ کہ میں اپنے بیٹے کی خصلت سے اچھی طرح واقف تھا۔۔۔" وہ اپنی بات مکمل کرکے پلٹ گیا اور وانیہ ماں سے لپٹ کے دیوانوں کی طرح رونے لگی۔

دونوں ماں بیٹی کتنی ہی دیر گم صم اپنی اپنی تقدیر کا ماتم کرتی رہیں۔ ایک دوسرے سے بھی نگاہیں ملانا محال تھا۔

"ماں مجھے معاف کردیجیے گا۔۔۔ میں نے کسی کے ساتھ کچھ اچھا نہیں کیا۔" وہ ان کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔

اس خیال کے ساتھ کہ وہ واپس جاچکی ہوگی وہ مردہ دل کے ساتھ گھر لوٹا تو اسے سامنے ہی پاکیزہ پھپھو کی گود میں سر رکھے دیکھ کے اس کے قدم دروازے ہی میں رک گئے۔

"پھپھو میں آجاؤں اندر۔۔۔" اس نے متوجہ کرنے کی خاطر کہا تو وانیہ فوراً" سیدھی ہو کے بیٹھی۔

"یہ سب کرکے تم نے کیا ثابت کرنا چاہا ہے وانیہ۔۔۔"

"ارسلان میں نے صرف اس گناہ کا ازالہ کرنا چاہا ہے۔ جس کی سزا تم مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی سہہ رہے تھے۔" وہ سر جھکائے بولی۔

"تو اس وقت کیوں یہ احساس نہیں جاگا تھا جب عدالت کے کٹہرے میں تم نے میرے خلاف جھوٹی گواہی دی تھی۔۔۔ قرآن پاک پہ ہاتھ رکھ کے۔۔۔ اس وقت تمہارا احساس کیوں مردہ ہوگیا تھا۔" وہ دہاڑا۔

"کیونکہ اس وقت بابا سائیں نے مامی اور ماں کو زندہ جلانے کی دھمکی دی تھی۔۔۔ اگر وہ مجھے یا تمہیں مار دینے کی دھمکی دیتے تو میں کبھی سچائی سے پیچھے نہ ہٹتی۔" اس نے بلاآخر سچ اگل ہی دیا۔

"بہت گھسی پٹی جذباتی اور پرانی کہانی ہے۔۔۔"

"ارسلان میرا یقین کرو۔۔۔"

"اگر ایسا ہوا ہے تو پھر طارق سومرو میرا اور تمہارا حساب بہت لمبا ہوتا جارہا ہے اب اسے بے باک ہونا چاہیے۔" ارسلان ایک لمحے میں اٹھا اور سیدھا طارق سومرو کی جانب چلا آیا مگر وہ گھر پہ نہ تھا اور یہ دونوں کے حق میں بہتر ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆
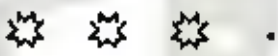
طارق سومرو کی ذہنی کیفیت دن بہ دن خراب ہوتی جارہی تھی۔ انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ انہوں نے اپنا آشیانہ تنکا تنکا کرکے بکھیر دیا تھا۔ پاکیزہ کو جو سراپا محبت تھی اسے خود سے دور کرڈالا یوں کہ واپسی کا پھر کوئی راستہ ہی نہ چھوڑا۔ جوان بیٹا موت نے چھین لیا اور جو زندہ ہے وہ صدیوں کی مسافت پہ تھا اور یوں ناراض بیٹھا تھا کہ گویا سب کچھ بھلا بیٹھا ہو۔ بیٹی۔۔۔ میری لاڈلی وانیہ۔۔۔ جو میری وجہ سے سولی چڑھ گئی۔۔۔ اسے ارسلان سے محبت تھی اور ارسلان موت کے منہ میں جارہا تھا۔۔۔ وہ اس کی خاطر اپنی محبت کو داؤ پہ لگا گئی۔۔۔ کیوں نفرت کرتا تھا میں ارسلان سے۔۔۔ شاید وہیں

سے دشمنی شروع ہوئی تھی جہاں ارسلان کا باپ مصطفیٰ ہمیشہ مجھے مات دے دیتا تھا۔ وہ میرا تایا زاد تھا اور ہر مقام پہ مجھ سے جیت جاتا تھا۔ تعلیمی میدان میں مجھے پیچھے چھوڑ دیتا۔ کھیلوں میں مجھ سے آگے نکل جاتا۔ اور محبت کرنا چاہی تو۔ وہ ہماری کلاس فیلو تھی وہ بھی اسی کی محبت میں گرفتار نظر آئی۔ حالانکہ مصطفیٰ کو اس میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ بس وہیں سے نفرت نے اپنی جڑیں طارق سومرو کے وجود میں گاڑھ لیں۔ اس کا نتیجہ مصطفیٰ سومرو کے قتل پہ ہوا۔ مقدمے کی پیروی کرنے والا کوئی نہ تھا اور طارق سومرو کی طاقت پاکیزہ اور اس کی بیوہ ماں کو ڈرا گئی۔ اسی نفرت کی جڑیں ارسلان کے وجود کے گرد لپٹ گئیں۔ حالانکہ وہ ہیرا تھا مگر طارق سومرو کی نفرت کی بھینٹ چڑھ گیا۔

میں نے کس سے انتقام لیا ہے۔ مصطفیٰ سومرو سے یا خود سے۔ کیا ہاتھ لگا ہے میرے۔ سب کچھ تو لٹ گیا ہے۔ ارسلان مصطفیٰ نے کیسی حقیقت سے روشناس کیا ہے کہ مجھے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آرہا ہے۔ میری وانیہ قربان علی کے انتقام کی بھینٹ چڑھ گئی ہے۔ نہیں میں اس سے اپنی بیٹی کو واپس لے لوں گا۔ میں اب انتقام کا یہ کھیل ختم کروں گا۔ میں ارسلان کے پاؤں پڑ کے اپنی بیٹی کی محبت کی بھیک مانگوں گا۔ میں انا کے لبادے کو اپنے وجود سے اتار پھینکوں گا۔

"قربان علی میری بیٹی کو کس قیمت پہ آزادی دو گے۔" اگلے دن وہ قربان علی کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔

"تمہاری بیٹی نے اس غلامی کے بدلے جو وصول کرنا تھا کر لیا۔ اسے ارسلان کی آزادی چاہیے تھی سو اسے مل گئی۔" قربان علی نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"جو ہو گیا سو ہو گیا۔ اب اگلی بات کرو۔ وانیہ کو طلاق کے بدلے جو مانگو گے دوں گا۔"

"سوچ کے بات کرو۔ میں تمہاری اوقات سے زیادہ بھی مانگ سکتا ہوں۔"

"مانگو کیا مانگنا ہے۔" طارق سومرو نے دل پہ جبر کر کے نرمی سے بات کی۔

"تمہاری عادلہ سے شادی کے فوراً بعد تمہارے گھر جا کے جو مانگا تھا وہی آج بھی مانگوں گا۔"

"کک۔ کیا مطلب۔"

"تم میری بیٹی کو آزاد کردو میں تمہاری بیٹی کو آزاد کردوں گا۔" قربان علی نے کہا تو طارق سومرو نے اس غیر متوقع سوال پہ حیرت سے قربان علی کو دیکھا۔

"لیکن عادلہ کی ایسی کوئی خواہش نہیں ہے۔ جبکہ وانیہ کے ساتھ تم نے سودا کیا ہے۔"

"عادلہ کی ہر خواہش کا احترام مجھ پہ واجب نہیں ہے۔ اس کی خواہش پر میں نے اپنے بھانجے کے ساتھ اس کی منگنی طے کی تھی۔ خاندان بھر میں خوشی منائی گئی تھی۔ پھر کیسے وہ باپ کی عزت کو ڈبو۔۔۔۔ کے دولت کی پجارن بن کے تمہارے ساتھ دفع ہو گئی۔ اس کی وجہ سے میرا بیٹا موت کے منہ میں چلا گیا۔ اب ہی تو مجھے حساب چکانے کا موقع ملا ہے۔ منظور ہے تو ابھی اور اسی وقت فیصلہ کرو ورنہ کبھی نہیں طارق سومرو۔ ایک دن بھی نہیں۔ اس کے بعد میری بیٹی تو تمہارے محل میں عیش ہی کرے گی مگر تمہاری لاڈلی یہاں اس دس مرلے کے مکان میں جھاڑو برتن کرتے کرتے ٹی بی کی مریض بن کے ہی مرے گی۔" قربان علی کا دل جلا ہوا تھا۔ اس لیے وہ بالکل بھی اپنے فیصلے سے ہٹنے کو تیار نہ تھا۔

طارق سومرو نے بہت سا وقت گہری سوچ میں گزار دیا۔ انہیں دکھ تو ہو رہا تھا مگر یہ تلخ فیصلہ بہرحال کرنا تھا کہ وہ وانیہ کو یوں زندگی برباد کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے تھے دل ایک دن کے لیے بھی وانیہ کو اس شخص کے ساتھ چھوڑنے کو تیار نہیں تھا۔ اس لیے قربان علی کی بات مان لی اور اگلے دن روتی دھوتی عادلہ بھاری چیک کے ساتھ طلاق کے کاغذات ہاتھوں میں لیے باپ کے پاس پہنچی اور وانیہ کو طارق سومرو ساتھ لے آئے۔

"مجھے نہیں رہنا آپ کے ساتھ آپ ظالم ہیں۔۔۔ آپ نے ایک دفعہ ماں پہ اور دوسری دفعہ چھوٹی ماما پہ ظلم کیا ہے۔۔۔ آپ ارسلان کے بابا کے قاتل ہیں۔۔۔ مجھے نہیں رہنا آپ کے ساتھ۔۔۔ آپ نے چھوٹی ماما کے ساتھ بھی وہی کیا جو ماں کے ساتھ کیا تھا۔ بہت ظلم کمایا ہے آپ نے بابا سائیں۔۔۔ عورت تو آپ مردوں کے ہاتھوں میں کھلونا ہے جب جی چاہتا ہے کھیل لیتے ہیں اور جب جی چاہتا ہے توڑ موڑ کے پھینک دیتے ہیں۔۔۔ کیوں کیا ہے آپ نے ایسا۔ میں نے تو سب اپنی مرضی سے کیا تھا۔۔۔ مگر چھوٹی ماما۔۔۔ اوہ میرے خدایا۔۔۔" وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

اگلے دن ہی عادلہ بیگم کے قتل کی خبر بجلی بن کر طارق سومرو اور دانیہ پہ گری۔

احساس جرم سے نڈھال طارق سومرو پہ یہ عادلہ کے قتل کی خبر نے ان کے دل کی دنیا زیروزبر کر دی۔ ان کی طبیعت اچانک بگڑ گئی۔۔۔ انہیں ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ دانیہ نے بمشکل ڈرائیور کے ساتھ انہیں اسپتال پہنچایا جہاں ان کی حالت انتہائی تشویشناک بتائی جا رہی تھی۔ دانیہ کو لگا کہ اس کی روح کوئی کھینچ رہا ہے۔۔۔ اسے لگتا تھا کہ وہ اپنے بابا سائیں سے بہت دور ہو گئی ہے مگر آج ان کی تکلیف پہ اسے اپنا دل کٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ نجانے کیا سوچ کے انگلیاں ارسلان کے موبائل نمبر کو ڈھونڈنے لگیں۔

"ہیلو۔۔۔" اس کی آواز گونجی تو دل بیٹھنے لگا۔

"دانیہ۔۔۔ فون کیوں کیا ہے۔" اس کی آواز پھر کہیں دور سے سنائی دی۔

"ارسلان۔۔۔ میرے بابا سائیں کی حالت بہت خراب ہے۔ تم سے ایک دفعہ ملنا چاہ رہے ہیں۔۔۔"

"بے فکر رہو۔۔۔ کچھ نہیں ہوگا انہیں۔۔۔ ایسے لوگوں کی عمر کافی لمبی ہوتی ہے۔ انہیں صرف یہ بتا دو کہ ابھی ارسلان کے پاس ایک گھر بھی ہے اسے کیا نہیں چھینتا۔ دیکھنا کیسے جی اٹھیں گے۔۔۔ لیکن میں نے اپنی ہار تسلیم کر لی ہے اور یہ گھر بھی ان کو دینے کا پروگرام بنایا ہے۔ انہیں کہنا کہ اور کچھ نہیں تو وہاں اپنا مزار ہی بنانے کا حکم صادر کر جائیں باقی اب مجھ سے مل کے کیا کریں گے۔۔۔ کچھ بھی خریدنے کی طاقت تو مجھ میں ہے نہیں۔" اس نے بے رحمانہ انداز میں کہا۔

"ارسلان پلیز۔۔۔" جواباً اس نے فون بند کر دیا۔

وہ تنہا ہی روتی رہی۔۔۔ وہ نہ تو خود آیا اور نہ ہی پاکیزہ کو طارق سومرو کی حالت کی خرابی کا بتایا۔

"دانیہ۔۔۔ ایک دفعہ پاکیزہ' شاہ جہان۔۔۔ ارسلان۔۔۔" آکسیجن لگے ہونٹوں سے رک رک کے انہوں نے آس بھری نظروں سے کہتے ہوئے دانیہ کو دیکھا۔

"بابا سائیں میں انہیں لاتی ہوں۔۔۔" وہ روتی ہوئی ان کی طرف گئی۔۔۔ راستے میں ہی اس نے شاہ جہان سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر وہ پچھلے کئی مہینوں سے کسی سے رابطے میں نہیں تھا۔

"ماں۔۔۔ پلیز۔ وہ کسی وقت بھی چلے جائیں گے۔ ایک مرتے ہوئے شخص سے کیا ضد۔۔۔ کیا جھگڑا۔ جھگڑے تو زندہ لوگوں سے کیے جاتے ہیں۔"

"کس رشتے سے جاؤں بیٹا کوئی رشتہ رہنے دیا ہے اس نے درمیان۔۔۔" ان کا دل جیسے کوئی آری سے کاٹ رہا تھا۔

"ماں آپ چاہے لاکھ انکار کریں لیکن آپ ان کی بیوی ہیں۔۔۔ اور ایک رشتہ ایسا بھی ہے جو کبھی نہیں ٹوٹ سکتا کہ آپ ان کے بچوں کی ماں بھی تو ہیں۔۔۔ ماں اب ان کے پاس وقت نہیں ہے۔۔۔ چلیے نا کہیں زندگی میں پچھتاوے ہی نہ رہ جائیں۔۔۔"

"میں ارسلان سے پوچھ لوں۔۔۔" انہوں نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

کچھ دیر بعد تو میں تو اس کے ساتھ جانے کو تیار تھیں۔

"ماں ایک منٹ۔" وہ ارسلان کے کمرے کی جانب چلی آئی۔ دروازہ بجایا کہ وہ خود ہی اندر چلی آئی۔

"ارسلان پلیز۔" ارسلان نے اسے دیکھ کے چہرہ پھیر لیا۔

"وہ ظالم تھے میں نے تمہارے ساتھ برا کیا مگر اب

"اب مرتے ہوئے شخص کو یہ سکون دے دو کہ۔۔۔"
دانیہ نے ہاتھ جوڑ دیے جنہیں ارسلان نے جھٹکے سے پیچھے کیا۔
"نہیں دینا چاہتا میں اس شخص کو مرتے ہوئے سکون جس نے ہمیں زندہ رہتے ہوئے کبھی سکون سے نہیں رہنے دیا۔ ابھی یہ مقدمہ اس رب کی عدالت میں بھی لگے گا اور میں اس کا گریبان وہاں بھی پکڑوں گا۔" وہ دہاڑا۔
"ارسلان میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔۔۔ وہ میرے بابا ہیں انہیں معاف کردو۔۔۔ ان کی اذیت کم کردو۔۔۔"
"یہاں وقت ضائع مت کرو۔۔۔ وہاں کیا پتا کب۔۔۔ اور کلمہ بھی نصیب نہ ہو۔۔۔ جاؤ۔۔۔ پھپھو کو لے کے جاؤ۔۔۔ وہ جانا چاہتی ہیں اس لیے میں نے انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی۔" وہ سنگدل ہو گیا تھا اور ایسا اسے طارق سومرو اور خود دانیہ سومرو نے کیا تھا۔
رات کا نجانے کون سا پہر تھا کہ وہ ہلکی سی نیند میں چلا گیا تو بابا سائیں خواب میں چلے آئے۔
"سنی۔۔۔ میرے بیٹے۔۔۔ طارق سومرو کی مشکل آسان کردو۔۔۔"
"ماما۔۔۔ ماما۔۔۔" اس نے اپنے ماتھے پہ آئے پسینے کے قطرے صاف کیے اور گھبرا کے ماما کو آواز دی۔۔۔
"ارسلان میری جان کیا ہوا ہے۔" وہ بھاگی چلی آئیں۔
"ماما۔۔۔" وہ کافی گھبرایا ہوا تھا۔
"کیا ہو گیا ہے۔۔۔ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ لیا ہے۔۔۔"
اس نے ساری بات ماں کو بتا دی۔
"ارسلان۔۔۔ میرے بچے تیرے بابا سائیں پہلی دفعہ تیرے خواب میں آئے ہیں۔ ان کی بات کا مان رکھنا۔۔۔" انہوں نے سمجھایا۔
"مقابلے زندہ لوگوں سے ہوتے ہیں میری جان۔۔۔ جو گر گیا اس پہ تلوار کیا اٹھانا۔ یہ کوئی بہادری تو نہیں ہے۔"
"تو پھر میں کیا کروں۔۔۔ مجھے نفرت ہے اس شخص سے۔۔۔"
"نا چاہتے ہوئے بھی اپنے بابا سائیں کی بات کا بھرم رکھ لو۔۔۔"
وہ خود بھی جانتا تھا کہ بابا سائیں کے حکم سے روگردانی ممکن نہ تھی اس لیے اٹھا۔۔۔ وضو کر کے نماز پڑھی اور اسی دن صبح ناشتے کے بعد سیدھا اسپتال آگیا۔
"ارسلان۔۔۔" دانیہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔
"کیسی طبیعت ہے تمہارے بابا سائیں کی۔۔۔" ارسلان نے اجنبی لہجے میں پوچھا اور دانیہ کے لیے اس کا پوچھنا ہی بہت تھا۔
"ٹھیک نہیں ہے۔۔۔ ڈاکٹرز مایوس ہیں۔" وہ بتاتے ہوئے رو دی۔
"اللہ رحم کرے گا۔۔۔" وہ آگے بڑھا تو وہ اس کے پیچھے ہو گئی۔
"ارسلان۔۔۔" طارق سومرو کی نقاہت بھری آواز بمشکل لبوں سے ادا ہوئی۔ ان آنکھوں میں امید کی روشنی نظر آئی۔
"جی۔" اس کا دل ایک دم پسیجا کہ انسان کا سارا زور طاقت تو اس کی زندگی کے ساتھ ہوتی ہے۔۔۔ اس طرح جب گرتا ہے تو کتنا بے بس ہو جاتا ہے۔
"ارسلان۔۔۔" انہوں نے پکارا تو وہ ان پہ جھک آیا۔
"جی۔۔۔"
"معاف۔۔۔ کر۔۔۔ دو۔۔۔"
"ایک شرط پہ۔۔۔" اس نے نرمی سے ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔
"مجھے کلمہ سنائیں تاکہ مجھے پتا چلے کہ آپ واقعی سچے دل سے معافی مانگ رہے ہیں۔" اس نے کہا۔
وہ بول رہا تھا اور وہ اس کے ساتھ ساتھ بمشکل مدھم آواز میں دہرا رہے تھے۔ دانیہ کے ہونٹوں سے سسکی نکلی۔ پاکیزہ کمرے سے نکل گئیں۔ ان سے طارق سومرو کی ایسی حالت برداشت نہیں ہو رہی

تھی۔ ارسلان نے محسوس کیا کہ ان کا جسم آہستہ آہستہ ڈھیلا ہو رہا تھا۔

یوں طارق سومرو کی بادشاہت ختم ہو گئی۔۔۔ ہر طاقتور کی طرح وہ بھی اپنی طاقت کو وہیں چھوڑ گئے اور آخری سفر چند گز زمین ہی پہ جا کے ختم ہوا۔

طارق سومرو کو سپرد خاک کرنے کے بعد وہ پھپھو کی طرف آیا تو انہوں نے اس سے لگ کے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کیا۔

"پھپھو۔۔۔ حوصلہ کریں۔۔۔ نجانے اس شخص میں ایسی کیا بات تھی، جو ہم نفرت کے باوجود اس سے نفرت نہ کر سکے۔"

"ارسلان میرے بچے تم سے تو اس کا رشتہ بھی تھا۔۔۔"

"مجھ سے رشتہ۔۔۔"

"چاہے وہ رشتہ کتنا ہی کڑوا سہی مگر تم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ تم اس کا خون تھے۔۔۔ اور شاہ جہاں کی غیر موجودگی میں تم اس کے وارث ہو۔۔۔" انہوں نے سمجھایا۔

"پھپھو شاہ جہاں سے کوئی رابطہ ہوا۔۔۔" جواباً انہوں نے دکھ سے نفی میں ہلایا۔

سوئم ہونے کے بعد طارق سومرو کے وکیل نے ارسلان کو اس کے باپ کے حصے کی جائیداد کے کاغذات وصیت کے مطابق واپس کیے تو اس نے لینے سے انکار کر دیا اور کاغذات لوٹا دیے۔

"وہ تمہارا حق ہے ارسلان۔۔۔ تم نے کیوں واپس بھیجے اپنی جائیداد کے کاغذات۔۔۔" پاکیزہ نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

"مجھے نہیں چاہیے جائیداد پھپھو۔۔۔ میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔" وہ مایوسی سے بولا۔

"بھول جاؤ بیٹا۔۔۔ وہ سب اذیت جو تم نے سہی۔"

"کیسے بھولوں پھپھو۔۔۔ کچھ اذیتوں کی تکلیف موت کے ساتھ ہی ختم ہوتی ہے۔"

"سنی اگر تم ہار گئے تو میں کیا کروں گی۔ میں تو اس۔ آس پہ ہی زندہ ہوں میری جان۔۔۔" پھپھو نے کہا تو وہ انہیں دیکھ کے رہ گیا۔ کیسے انہیں بتاتا کہ وہ کس دورا ہے پہ آن کھڑا ہوا تھا۔ کس کس دکھ پہ روتا۔

☆ ☆ ☆

"پھپھو اب آپ چلیں میرے ساتھ۔۔۔" ارسلان نے چالیسویں کے بعد پاکیزہ کو چلنے کا کہا تو انہوں نے مڑ کے وانیہ کی جانب دیکھا۔

"ارسلان وانیہ۔۔۔ یہاں اکیلی کیسے رہے گی۔"

"پھپھو اگر یہ ہمارے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" اس نے فراخ دلی کا مظاہرہ کیا مگر وانیہ نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔ وانیہ کو چھوڑ کے جانا پاکیزہ پھپھو کے لیے ممکن نہ تھا مگر یہ بھی حقیقت تھی وہ اپنی زندگی سے بہت مایوس ہو گئی تھیں۔ وہ قلبی اذیت سے گزر رہی تھیں۔۔۔ پریشانی اور مایوسی میں ان کی حالت بگڑ گئی۔ ارسلان بہت گھبرا گیا۔۔۔ اور انہیں اسپتال لے آیا۔

وانیہ کی جان ماں کی تکلیف پہ سولی پہ لٹک گئی تھی۔

پھر اسی دوران پاکیزہ پھپھو نے ہاتھ جوڑ کے اسے آزمائش میں ڈال دیا کہ وہ ان کی بات مان لے اور وانیہ سے شادی کر لے۔

ماں نے اپنی محبتوں کی زنجیر میں باندھ دیا یوں کہ گویا اگر ان کی بات نہ مانی تو دوزخ کا حقدار نہ ہو جائے۔

پاکیزہ پھپھو کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو اس سے برداشت نہ ہوئے انہوں نے اس سے ہاتھ جوڑ کے اپنی بیٹی کی خوشی مانگی تھی۔ وہ ان کی محبتوں کی زنجیر میں جکڑا گیا اور سر جھکا لیا۔

"سنی۔۔۔ میرے بچے تم نے اپنی پھپھو سے محبت کا مان رکھ لیا۔۔۔ میں کبھی تمہارا یہ احسان نہیں اتار پاؤں گی۔" پاکیزہ پھپھو نے اس کا ماتھا چومتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا بھی نہ سکا اور پھر جیسے ہی اس کی عدت کا وقت پورا ہوا پھپھو اور ماما نے ان دونوں کا نکاح سادگی سے کروا دیا۔ پھپھو کو بھی وہ زبردستی ساتھ لانا چاہ رہا تھا مگر

انہوں نے اس سے کچھ وقت مانگ لیا۔

وہ اس کے ساتھ دلہن بن کے اس کے گھر داخل ہوئی تھی۔

رات کافی گزر چکی تھی۔ گھڑی کی ٹک ٹک وقت کے گزرنے کا احساس دلا رہی تھی۔ وہ ٹی وی لاؤنج میں صوفے پہ ہی ماؤف ذہن کے ساتھ بیٹھا تھا کہ ماما اس کی طرف آگئیں۔

"ارسلان یہاں کیوں بیٹھے ہو۔۔۔ دانیہ تمہارا انتظار کر رہی ہوگی بیٹا۔۔۔ وہ بہت اچھی ہے میری جان۔۔۔" انہوں نے کہا تو وہ مسکرا دیا۔ انہوں نے زبردستی اسے اٹھایا اور کمرے میں بھیجا۔ وہ سرخ جوڑے میں سمٹی بیٹھی تھی محبت بھری اس رات کے ارمان ارسلان کے دل میں قطعاً نہ جاگے۔۔۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا اس کے سامنے آن بیٹھا۔

"تو تم نے مجھے خرید ہی لیا۔ تم نے جو کہا وہ کر کے دکھایا۔"

"ارسلان پلیز مجھے معاف کریں۔۔۔" اس نے جھٹ مہندی والے ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیے تو ارسلان نے اس کے ہاتھ نفرت سے جھٹک دیے۔

"معاف کر دوں اپنی قیمت خرید جانے بغیر۔۔۔" اس سے پہلے کہ وہ اس کا منہ نوچ ڈالتا موبائل بج اٹھا۔ نامعلوم نمبر تھا۔ اس نے یس کا نمبر پریس کر ڈالا۔

"ہیلو۔۔۔"

"کون۔۔۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو۔۔۔"

"کیا ثبوت ہے تمہارے پاس۔۔۔"

"میں آ رہا ہوں۔۔۔ ایڈریس بتاؤ۔۔۔" وہ عجلت میں اٹھا۔

"تم باقی بکواس بعد میں کر لینا۔۔۔ اور ایڈریس بتاؤ۔" وہ بھڑک رہا تھا اور پھر اس کی طرف مڑے بغیر کمرے سے نکل گیا۔ دانیہ کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔

ارسلان کا دماغ کھول رہا تھا۔ اس اجنبی کے جملے اس کے وجود پہ آگ بن کے برس رہے تھے۔

"مسٹر ارسلان میں آپ کی بیگم کا پہلا محبوب بول رہا ہوں۔ ویسے تو آپ خوش ہوں گے کہ آج آپ کی ویڈنگ نائٹ ہے مگر خوش فہمی ہے آپ کی کہ ایسا ہے وہ میرے ساتھ بھی ایک حسین رات بتا چکی ہے۔۔۔ اگر ثبوت چاہیے تو وہ بھی موجود ہے۔۔۔ سارے ویڈیو فارم میں موجود ہیں۔۔۔ آج تو سہاگ رات انجوائے کرو۔۔۔ کل آ کے کسی ڈیل کے ساتھ ثبوت بھی لے لینا۔۔۔" پگھلا ہوا سیسہ تھا جو اس نے ارسلان کے کانوں میں انڈیلا تھا۔

ارسلان خود بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ کیسے اس ایڈریس تک پہنچا تھا۔ وہاں ایک کے بجائے تین لڑکے موجود تھے۔

"بولو۔۔۔ کیا چاہیے۔۔۔" ارسلان نے کہا۔

"جگر پہلے یہ ثبوت تو دیکھ لو۔۔۔" ایک نے ڈیجیٹل کیمرہ ہاتھ میں لہراتے ہوئے کہا تو ارسلان چپ ہو گیا۔

اس نے ہنستے ہوئے دس منٹ کی مووی پلے کر دی۔

وہ ہرگز نہ دیکھتا اگر اس نے ہر لمحے یہ دعا نہ مانگی ہوتی کہ اے اللہ وہ دانیہ نہ ہو۔۔۔ مگر دس منٹ کی اس مووی میں ایک سیکنڈ کے لیے بھی شک نہ تھا کہ وہ کوئی اور ہے۔۔۔ شراب پی کے غل غپاڑہ کرتی دانیہ ہی تھی۔۔۔ اور آگے دیکھنے کی ہمت تو نہ تھی مگر دیکھا اور جو دیکھا اس نے دل کی حالت ناقابل بیان کر دی تھی۔ ماتھا پسینے سے تر تھا اور شرمندگی سے سر جھکا جا رہا تھا۔

"ہوں اب بول پیارے۔۔۔"

"کیا چاہیے تمہیں اس کے بدلے۔۔۔" آواز بمشکل نکلی۔

"پچاس لاکھ۔۔۔" ارسلان کا دماغ بھک سے اڑا۔

"پچاس لاکھ۔۔۔ یہ تو بہت بڑی رقم ہے۔۔۔" اس نے خشک ہوتے گلے سے جواب دیا۔

"ارے شہزادے۔۔۔ چیز بھی تو بڑی ہے نا۔۔۔ تو ہاتھ مار گیا ورنہ۔۔۔" وہ خباثت سے کہہ کے رکا۔

"اگر تو شادی جلد نہ کر لیتا تو یقین کر اس کے باپ سے ایک کروڑ سے کم نہیں لینے تھے۔ اس پہ اس کا باپ بھی اگلا ٹکٹ کٹوا بیٹھا ورنہ اسی سے اس کی بیٹی کی شادی شدہ زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے لیتے۔۔۔ لیکن

اب اتنے پہ ہی گزارا کرنا پڑے گا۔" وہ بولا۔
"کیا ثبوت ہے کہ اس کی کوئی اور کاپی نہیں ہے۔"
"ارے اعتبار رکھ جگر۔ اپنے کاروبار کے بھی کچھ اصول ہیں۔ ہم نے رقم لے کے یہاں سے فلائی کر جانا ہے۔ پھر تم جانو اور تمہارے کام۔" اس نے کہا۔
"مجھے کچھ وقت دو۔"
"مثلاً" کتنا وقت۔"
"ایک ماہ۔" ارسلان نے جواباً کہا۔
"ٹھیک ہے۔ مگر کوئی چالاکی نہ کرنا اگر ایسا کیا تو یوٹیوب پہ لگا دیں گے پھر بھگتتے رہنا۔" اس نے وارن کیا۔
"بے فکر رہو۔"
"اگلی دس تاریخ کو ڈن ہے۔ اور جگہ اور مقام تمہیں بتا دیں گے۔" وہ لوٹا تو فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ وہ اسی روپ میں بیٹھی تھی۔
"ارسلان کس کا فون تھا۔ آپ کہاں چلے گئے تھے۔" وہ کمرے میں داخل ہوا تو بھاگ کے اس کے پاس آئی۔
"تمہارے مطلب کی بات نہیں ہے۔ تم چینج کرو اور نماز پڑھ لو۔" اس نے خلاف توقع نرمی سے کہا اور اٹھ کے واش روم چلا گیا۔ وضو کر کے لوٹا اور جائے نماز بچھالی۔
وہ مرے مرے قدموں سے واش روم کی طرف بڑھی جب تو وہ جائے نماز پہ بیٹھا دعا مانگ رہا تھا۔ اسے دیکھا تو اٹھ کے اسے نماز کا اشارہ کیا۔
جب وہ نماز پڑھ کے پہ آئی تو وہ سو چکا تھا۔
مجھے تمہاری یہ بے نیازی اپنی جان سے بھی پیاری ہے کہ میرے دامن میں صرف کوتاہیاں ہیں۔ میں تم سے محبت کے باوجود غلطیاں کرتی رہی۔ میں ان غلطیوں کی سزا تمہاری بے رخی کی صورت سہوں گی۔ اس نے اداسی سے سوچا۔ لیکن تم کیا ہو ارسلان کبھی دھوپ کبھی چھاؤں کی مانند۔
ولیمہ بھی احسن طریقے سے انجام پا گیا۔ وہ ساری رات بیڈ پہ لیٹے لیٹے سگریٹ پھونکتا جاتا۔ وہ پھر صدیوں کی مسافت پہ جا کھڑا ہوا تھا میں کیسے اس ذلت و بے عزتی کے بھنور سے نکلوں گا۔ کس آس پہ ان لوگوں سے ڈیل کر آیا ہوں۔ کیا میں اتنی بڑی رقم کا بندوبست کر سکوں گا۔
"اوئی اللہ۔" وانیہ کی سسکی پہ سوچوں کا تسلسل ٹوٹا تو ارسلان نے دیکھا کہ وہ اپنے کان کے بندے سے نبرد آزما تھی۔ آج اس نے ارسلان کے کہنے کا انتظار نہیں کیا تھا۔ کچھ سوچ کے وہ اٹھا اور اس کے بالکل پیچھے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑا ہوا۔
وانیہ کا دل دھڑک اٹھا۔ اس نے نظریں جھکالیں ارسلان نے ہلکے سے اس کے بندے کا لاک کھولا۔
"تھینک یو۔" وہ صرف اتنا ہی کہہ پائی۔
"وانیہ۔ تمہارے پاس کتنا گولڈ ہو گا۔" اس نے نجانے کیا سوچ کے پوچھا۔
"جی۔ میں نے اماں سے پوچھا تو نہیں۔ لیکن سو تولے سے کم نہیں ہو گا۔" وہ اس غیر متوقع سوال پہ چونکی ضرور مگر سکون سے جواب دیا۔
"فرض کرو کہ میں واقعی دولت کا بجاری ہوں۔ تمہاری دولت کا ہی کمال ہے کہ تم سے شادی بھی کر لی اور میں بک بھی گیا۔ اب اس کو ثابت بھی تو کروں۔ بولو منظور ہے۔"
"کیا۔ کک۔ کیا مطلب۔"
"اگر میں کہوں کہ مجھے اپنا سارے زیورات دے دو تو کیا دے دو گی۔" صورت حال غیر متوقع ضرور تھی مگر اس کا ریسپانس مکمل تھا۔ وہ دھیرے سے اٹھی اور الماری سے سارے زیورات کے ڈبے نکالے اور لا کے اس قدموں میں رکھ دیے۔
"تھینک یو اس اعتماد کے لیے۔ کوشش کروں گا کہ لوٹا سکوں۔"
"میں نے واپسی کی شرط نہیں رکھی۔" اس نے سر جھکا کے کہا تو وہ خاموش رہا۔
"وانیہ ایک بات یاد رکھنا کہ میں تم سے سوائے ایک رشتے کے جس کے لیے میں نے نکاح تلے جیسے

فارم پہ دستخط کیا ہے ہر رشتہ نبھاؤں گا۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کے زیورات ایک طرف رکھ کے لیٹ گیا۔

اس نے اپنا کہا سچ کر دکھایا اور اس سے صرف ایک مروت کا ہی رشتہ رکھا۔ وہ ہر ممکن طریقے سے اپنا رشتہ نبھانے کی سعی کر رہی تھی۔

اگلے کچھ دن وہ بے حد مصروف رہا رات کو بھی دیر سے آتا اور بات کیے بنا ہی سو جاتا کبھی کبھی پھپھو کی خوشی کی خاطر کھانا کھا لیتا اور کبھی ماما کی خاطر ہنس کے کوئی بات کر جاتا۔

"یہ چکن کڑاہی وانیہ نے خود تمہارے لیے بنائی ہے۔۔۔" وہ اسے خوشی خوشی بتاتیں تو وہ ایک نظر اور مسکراہٹ اس پہ ڈال لیتا اور کبھی ایک آدھ ٹوٹے پھوٹے جملے میں تعریف کر دیتا۔

آخر وہ دن آ ہی گیا جس کا اس نے وعدہ کیا تھا اور انہوں نے مقام اور وقت بتا دیا۔ ساری رات وہ جائے نماز پہ ہی رہا۔ اپنے رب سے کبھی شکوے اور کبھی دعائیں کر کے اپنی زندگی کا سکون مانگتا اور کبھی سجدے میں جا کے رو دیتا۔

"ارسلان کیا بات ہے۔۔۔ آپ بہت پریشان ہیں۔۔۔" وانیہ اسے یوں دیکھ کے گھبرا گئی۔

"وانیہ مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔۔۔" وہ اٹھا اور جائے نماز کو ایک طرف رکھتے ہوئے ہمت کر کے اسے مخاطب کیا۔

"جی بولیں۔۔۔" وہ ہمہ تن گوش ہوئی۔

"وانیہ میں ایک ہفتے بعد یو کے جا رہا ہوں۔۔۔ میری فلائٹ کنفرم ہے۔ مجھے تم سے کچھ سال ادھار مانگنے ہیں۔ بولو دو گی۔۔۔" وہ اس کے چہرے کے آتے جاتے رنگ بخوبی دیکھ رہا تھا۔

"ارسلان۔۔۔" اس کی آواز لڑکھڑائی۔

"یہ ہمارے لیے بہت ضروری ہے۔۔۔"

"لیکن میرا کیا ہو گا۔۔۔" وہ رو دینے کو تھی۔

"تمہیں ابھی بھی مجھ سے کیا سکھ مل رہا ہے جو پریشان ہو رہی ہو۔ آزادی چاہیے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں اور اگر تم یوں ہی اس ان چاہے رشتے سے بندھی رہنا چاہتی ہو تو پھر میں تم سے صرف کچھ سال مانگتا ہوں۔۔۔ اگر اس عرصے میں ہم ایک دوسرے کے قریب ہو گئے تو زندگی کی راہ متعین ہو جائے گی۔۔۔"

"ارسلان یہ آزمائش میرے حوصلے سے بہت زیادہ ہے۔۔۔ میں تھک جاؤں گی۔" وہ اس کے قدموں پہ سر رکھ کے رو پڑی۔ وہ اسے تسلی کی دو لفظ بھی نہ بول سکا کہ اس نے ہر حال میں اس کے زیورات کو رہن کی رقم دے کے اس کے حوالے کرنا تھا جو ایک نجی بینک کے پاس رکھوائے تھے۔

اپنی بات کر کے ہمیشہ کی طرح اس نے کروٹ بدلی اور لیٹ گیا۔ آج بھی وہ اس کے ایک پیار بھرے لمس کو ترستی ہی رہی اور آج تو ایک اور ہی روگ لگا دیا تھا۔

اب تو اس کی آنکھوں سے نیند بھی غائب ہو چکی تھی۔

"ارسلان کہاں گم ہوتا جا رہا ہے بیٹا۔۔۔" ماما نے شکوہ کیا تو اس نے سر ان کی گود میں رکھ دیا۔

"کیوں تنگ کر رہا ہے سن۔۔۔ کیا چیز ہے جو تجھے اندر ہی اندر پریشان کر رہی ہے۔ کیا مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ تو اس شادی سے خوش نہیں ہے۔۔۔ ہم سے زیادتی ہو گئی ہے کیا تیرے ساتھ۔۔۔" وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے فکر مندی سے بولیں۔

وہ شادی کے اس ایک ماہ میں بہت زیادہ ہی چپ رہنے لگا تھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ وہ وانیہ کو آہستہ آہستہ قبول کر لے گا۔ وہ خوب صورت تھی جوان تھی اور ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ شروع میں انہیں یہ محسوس بھی ہوا تھا کہ ارسلان اسے پسند بھی کرتا ہے۔

"ماما میں بہت تھک گیا ہوں۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ میں ایک قدم بھی اور نہیں چل سکوں گا۔" وہ ہارے ہوئے لہجے میں بولا کہ اس نے یہ ہار آج اپنی عزت کا سودا کر کے پچاس لاکھ میں خریدی تھی۔

دروازے میں کھڑی وانیہ کو لگ رہا تھا کہ اس کی اس ہار میں کہیں اس کا بہت بڑا کردار ہے۔ وہ کتنی دفعہ چاہ رہی تھی کہ اسے بتائے کہ وہ اس سے کتنا پیار کرتی ہے اسی لیے اس پہ اپنی تمام کوتاہیاں عیاں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔

"ایسے کیوں بول رہا ہے میری جان..." ان کا دل ہولا کہ ان کی زندگی کا تو ایک وہی سہارا تھا۔
"ماما میرا ساتھ دیں گی..." وہ یکدم ان کا ہاتھ تھام کے بولا۔
"مرتے دم تک بچے..."
"تو پھر مجھے اجازت دے دیں..."
"کیسی اجازت..." وہ الجھتے ہوئے بولیں۔
"مجھ سے بنا ایک بھی سوال کیے اس ہفتے مجھے یو کے جانے کی اجازت دے دیں۔ سب کام ہو گیا ہے سارے انتظامات... میری فلائٹ بھی کنفرم ہو چکی ہے..." اس نے بم پھاڑ ہی دیا۔
"یہ تو کیا کہہ رہا ہے... کیا کمی ہے تجھے یہاں۔"
"ماما بس یہ جان لیں کہ مجھے جانا پڑ رہا ہے... صرف کچھ سالوں کی بات ہے۔ صرف چند سال۔ پلیز ماما اگر میں یہاں رہا تو میری سانسیں رک جائیں گی مجھے کچھ وقت دیں کہ میں خود کو ایک بوجھ سے آزاد کر سکوں..." وہ ملتجیانہ لہجے میں بولا۔
"اور اس کا کیا ہو گا جسے ایک ماہ پہلے بیاہ کے لایا ہے..." ماما ارسلان کے کمرے کی طرف دیکھ کے بولیں جہاں دروازے پہ وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔
"ارے ماما آپ کے پاس امانت چھوڑ کے جاؤں گا... کیا اتنی ذمہ داری بھی نہیں لیں گی میری غیر موجودگی میں... اس کا حساب آپ سے ہی لوں گا... اور ویسے بھی میں نے دانیہ سے اجازت لے لی ہے اسے کوئی اعتراض نہیں ہے..." وہ زبردستی مسکراہٹ چہرے پہ سجا کے مذاق سے بولا مگر سامنے بیٹھی ہستی کی آنکھوں میں سوال بدستور موجود تھا جو پانیوں سے بھر گئی تھیں۔
دانیہ ہاتھ اپنے لبوں پہ رکھ کے اندر چلی گئی کہ اس کی فریادیں اونچی نہ ہو جائیں۔
"جب تو نے سارے فیصلے کر لیے ہیں تو مجھ سے کیا پوچھ رہا ہے... ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی..." وہ اداسی سے بولیں۔
"ایسے نہیں... پلیز ناراض ہو کے نہیں..."

"اچھا جیسے تیری خوشی..." وہ اس کی خوشی کی خاطر دل پر پتھر رکھتے ہوئے بولیں...
"کیوں ایسا کر رہے ہو ارسلان... وہ بہت اچھی بچی ہے۔ اسے قبول کر لو..." ماما کو اس کے رویے سے زک پہنچی۔
"ماما بہت کوشش کرتا ہوں مگر ہر دن پہلے سے زیادہ ناممکن لگنے لگتا ہے..."
"کیا تم کسی اور سے محبت کرتے ہو..." انہوں نے پوچھا۔
"اگر میں کہوں ہاں تو کیا آپ مجھے اس سے شادی کی اجازت دیں گی..."
"ارسلان... یہ تو کیا کہہ رہا ہے..." ان کی آواز صدمے سے پھٹ گئی۔
"یہ بات تو مجھے شادی سے پہلے بتاتا۔ اب میں اس معصوم پہ ظلم کروں گی... ناممکن..." وہ صاف انکاری تھیں۔
"تو پھر مجھے خوش رہنے کے لیے مت کہا کریں۔ گزارنے دیں اس زندگی کو اسی طرح... کیا نیکی کی تھی طارق سومرو نے آپ کے ساتھ سوائے بیوی کی چادر سر پہ سجانے کے کہ اس کے گھر کی گندگی کو اپنے دامن پہ مل لیا آپ نے... کون سی نیکی کا بدلہ چکایا ہے آپ نے... میری زندگی کو داؤ پہ لگا کے..." وہ بغیر کسی لحاظ کے چیختے ہوئے بولا اس بات کا احساس کیے بغیر کہ اس کی آواز بخوبی اس تک پہنچ رہی تھی۔ تو کیا ارسلان واقف ہے کہ وہ اپنے دامن میں شادی سے پہلے گندگی مل چکی ہے۔
"میں اپنی گندگی اپنے دامن میں سمیٹ لوں گی ارسلان... آپ مجھے آزاد کر دیں۔" دانیہ کے دل پہ اس کے جملے تیر کی طرح لگے۔ وہ اٹھی اور اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔
"یہی چاہتا ہوں میں کہ تم مجھے اپنے وجود کی اذیت سے آزاد کر دو... دفع ہو جاؤ میری زندگی سے..." وہ غراتے ہوئے اٹھا اور اس کو بالوں سے بری طرح کھینچتے ہوئے حقارت سے بولا۔

"ارسلان کیا ہوگیا ہے تمہیں... کیا فضول بول رہے ہو۔ دانیہ جاؤ بیٹا اپنے کمرے میں..." ماما کی تو حالت ہی بگڑنے لگی۔

"میں بھی آزادی ہی چاہتا ہوں... اور اس کے لیے تمہارا میری زندگی سے جانا بہت ضروری ہے۔ تم نے ان کی وجہ سے جانا نہیں اس لیے میں یہاں سے جا رہا ہوں۔" وہ سر پکڑے صوفے پہ بیٹھی ماں کو دیکھ کے بدلحاظی سے بولا۔

"نہیں میں واقعی جانا چاہ رہی ہوں..." وہ بھاگتی ہوئی اندر گئی اور کچھ دیر بعد ایک چھوٹے سے بیگ کے ساتھ باہر آگئی۔

"دانیہ میری بچی تو ہی میرا مان رکھ لے... یوں مت جا..." ماما کا تو رنگ ہی فق ہوگیا ہے۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑگئے۔ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"ماما ارسلان ٹھیک کہہ رہے ہیں... میں ایک بدکردار لڑکی ہوں اور کوئی بھی باعزت شخص کسی بدکردار لڑکی کو بیوی قبول نہیں کرسکتا۔ لیکن میرے جانے کے بعد ارسلان سے یہ ضرور پوچھیے گا کہ جب گندگی میرے وجود اور دامن پہ ملی جارہی تھی تو کیا میں نے رو رو کے اسے مدد کے لیے نہیں پکارا تھا۔ اس وقت انسانیت کے ناتے بھی اس نے میری عزت کی حفاظت نہیں کی تھی... لیکن بہرحال مجھے کوئی حق نہیں سوال کرنے کا اس لیے جارہی ہوں کہ زبردستی کسی کی زندگی برباد نہیں کی جاسکتی۔" وہ کہہ کے ایک پل بھی نہ رکی اور نہ ہی ارسلان نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

ماما روتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ اور وہ تھکا تھکا اپنے کمرے میں آگیا۔

اگلے دن رات کو اس کی فلائٹ تھی اور ماں کو سلام کرکے ان کے قدموں پہ سر رکھ کے کتنی دیر روتا رہا۔ وہ بالکل خاموش تھیں۔ ماما کی حالت کے پیش نظر اسے لگا کہ اگر وہ ماں کو سچ بتائے بغیر چلا گیا تو بہت بڑی غلطی کرے گا۔

اس نے نظریں جھکا کے ماں کو اپنے اور اس کے درمیان ہونے والے ایک ایک لمحے کی روداد سنائی۔ کیسے اس نے یونیورسٹی ٹائم کے دوران اس کے ساتھ بدتمیزیاں کیں۔ اس کا اپنا کردار کیسے لوگوں کی زبان پہ ڈسکس ہوتا رہا۔ کیسے وہ اپنے امارت کے نشے میں اس کی غربت کو تماشا بناتی رہی... اور پھر شادی کی رات کو وہ ڈراؤنا خواب جو حقیقت تھا اور اس کی روح کا ناسور بن چکا تھا۔

"میرے بچے تو اتنی تکلیفیں تنہا برداشت کرتا رہا تو نے اپنی ماں سے کیوں اپنا دکھ نہیں کہا۔" ماما نے شکوہ کیا۔

"اب مجھے اس کا قرض لوٹانا ہے... اس کے زیورات چھڑانے ہیں۔ اسی لیے میں یوکے جانا چاہ رہا ہوں کیونکہ یہاں تو اتنی بڑی رقم کا بندوبست ہونا ناممکن ہے... میں نے آپ سب کے کہنے۔ اپنی انا اور خودداری کو ایک طرف رکھ کے اسے قبول کرلیا تھا۔ لیکن پہلے ہی دن اس کی طرف سے جو تحفہ ملا اس نے مجھے اس سے بہت دور کرڈالا ہے... ماما میں جانتا ہوں کہ یہ بہت ٹف ٹائم ہوگا آپ کے اور میرے لیے بھی... لیکن مجھے اس مصیبت میں ڈالا بھی تو آپ نے ہی ہے۔"

"لیکن کچھ بھی ہے اب وہ تیری بیوی بھی ہے... اس کی اور تیری زندگی ایک ساتھ جڑی ہے۔"

"ماما..."

"مجھے یوں لگا تھا کہ تجھے وہ پسند ہے... اس لیے ہی تو میں نے اسے بہو بنانے کا سوچا تھا۔ مجھے اکثر ایسا لگتا تھا کہ تیری نظریں اس کا تعاقب کرتی ہیں۔" انہوں نے کہا تو اسے اقرار کرنا پڑا کہ کبھی ایسا تھا۔

"تو اب کیا کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اب مجھے لگتا ہے کہ وہ بہت بدل گئی ہے۔"

"بہرحال مجھے لوٹنے دیں پھر دیکھیں گے کہ اس کے اور میرے دل میں ایک دوسرے کے لیے کتنی گنجائش ہے..." اور پھر وہ چلا گیا۔ اس بات کا احساس کیے بنا کہ اس کی ماما اور پھپھو کیسے تنہا سارے زمانے سے لڑیں گی۔

☆ ☆ ☆

"وانیہ مجھے ایک بات تو بتاؤ کہ تم ارسلان کے جانے سے پہلے کیوں یہاں آگئیں بیٹی۔۔۔" پاکیزہ اسے دیکھ کے پریشان ہوگئیں کہ کچھ دیر پہلے ہی تو وہ سب وہاں سے آئے تھے۔

"اماں میں اسے جاتا نہیں دیکھ سکتی۔۔۔ اسے روک لیں ماں۔۔۔ پلیز اسے روک لیں۔۔۔" وہ تڑپ تڑپ کے رونے لگی۔

"بیٹا تو اس کی بیوی ہے اس کے پاؤں کی زنجیر بن جا۔"

"بہت کوشش کی اماں مگر میں نہیں روک پا رہی اسے۔"

"تو نے بہت غلطی کی یہاں آکے۔۔۔ کچھ بھی تھا تمہیں اس کے جانے سے پہلے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا اب تو وہ جا بھی چکا ہوگا۔"

"اچھا چل میں پہلے تجھے واپس چھوڑ آؤں۔" پاکیزہ نے سمجھایا۔ تو وہ چپ رہی۔

"اس وقت تیرا بھابھی کے ساتھ ہونا بہت ضروری ہے۔ اور آزمائش کا وقت بھی یہی ہے۔۔۔ اس امتحان سے گزر کے ہی زندگی جگمگاتی ہے میری جان۔۔۔ اسے پانا ہے تو اس کے رنگ میں رنگی جا اور اگر اس کا ہاتھ چھوڑنا ہے تو فیصلہ کر کے آ کہ یہ روز روز کے تماشے اچھے نہیں لگتے۔" انہوں نے اس کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھا۔ وہ تڑپ ہی تو اٹھی۔

"نہیں اماں میں اس کے بنا بالکل ادھوری ہوں۔ اس کا نام میرے ساتھ ہے یہ بھی بہت ہے۔۔۔"

"تو پھر اٹھ اس وقت بھابھی کو تیری ضرورت ہوگی۔ اگر محبت ہے تو بے لوث ہو کے لٹا۔۔۔ صلے کا انتظار نہ کر۔۔۔" وہ اسے لے کے واپس آئیں تو بھابھی نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"بھابھی سنی چلا گیا کیا۔۔۔" پاکیزہ نے گلے ملتے ہوئے پوچھا تو وہ رو پڑیں۔

"ہاں چلا گیا ہے یہ سوچے بنا کہ میں اکیلی اس کے بغیر کیسے رہوں گی۔"

"اکیلی کیوں۔۔۔ آپ کی بیٹی آپ کے پاس ہے نا۔" وہ وانیہ کو آگے کرتے ہوئے بولیں۔

"وانیہ۔۔۔ میری بچی۔۔۔ میں تجھ سے بھی شرمندہ ہوں۔" وہ کیا کہتیں اس کے سوا کہ بھرم بھی تو رکھنا تھا۔

"ماما نجانے کس کو کس سے شرمندہ ہونا چاہیے۔" وہ افسردگی سے مسکرا کے بولی۔

پاکیزہ اسے چھوڑ کے چلی گئیں تو وہ سر جھکائے ان کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

"ادھر آؤ وانیہ۔۔۔" ماما نے پکارا تو وہ دھیرے دھیرے چلتی ان کے پاس آبیٹھی۔

"بیٹا ایک بات سچ سچ بتا کہ تو اپنی زندگی کی بربادی کا ذمہ دار ارسلان کو سمجھتی ہے۔"

"ماما ایسا نہیں ہے۔ میں نے آج تک سوائے اپنے کسی کو اپنا مجرم نہیں سمجھا اور ارسلان سے تو میں بہت ہی شرمندہ ہوں۔ ان کی زندگی کی بربادی کا سامان بھی میں نے ہی کیا ہے۔ کاش مجھے ان سے معافی مانگنے کا موقع ہی مل جاتا۔" وہ ان کی گود میں سر رکھ کے بولی۔

"ہو جاتا ہے ازالہ اگر محبت سچی ہو تو۔۔۔ اگر تمہیں اس سے محبت ہے تو اسے جیتنا ہوگا۔" انہوں نے کہا کہ تو وہ اداسی سے بولی۔

"لیکن جس قلعے پہ پہلے ہی کسی اور کی محبت کا جھنڈا لہرا رہا ہو اس میں غاصب بن کے تو داخل ہوا جاسکتا ہے فاتح بن کے نہیں۔۔۔"

"کیا مطلب۔۔۔"

"مطلب یہ کہ ارسلان کو حلیمہ سے محبت ہے۔ وہ دونوں جب ساتھ ہوتے تھے تو مجھے آگ لگ جاتی تھی اور میں ہر غلط کام کرتی چلی جاتی تھی۔" اس نے اقرار کیا۔

"ایسا نہیں ہے۔۔۔ اسے تجھ سے محبت تھی بیٹا۔ تو نے اس کی محبت کو جھٹلایا ہے۔ اس کے جذبوں کی قدر نہیں کی۔۔۔"

"نہیں ماما ایسا کچھ نہیں تھا۔۔۔" وہ یقین کرنے کو

تیار نہ تھی۔
"میں نے اپنے دل کی گاڑی یکطرفہ راہ پہ ڈالی ہے۔ اب دیکھیں کہ منزل پہ پہنچتی ہے یا سب کچھ لٹ جائے گا... میں نے تو سب کچھ داؤ پہ لگا دیا۔"
"ان شاء اللہ میں ہوں یا نہ ہوں میرا جملہ یاد رکھنا کہ وہ کہیں بھی گیا لوٹے گا تو صرف اور صرف تمہاری جانب ہی آئے گا۔ کیونکہ میں اپنے بیٹے کو اتنا تو جانتی ہوں۔" ماما کی بات پہ وہ افسردگی سے مسکرائی اور انہیں گولیاں اور پانی دینے کے بعد صحن میں آن بیٹھی۔
کسی شاعر کی نظم یاد آئی تو دل خون کے آنسو رو پڑا۔

ماناکہ ممکن نہیں
ملن اپنا
مگر اس آس پہ باندھا ہے
تم سے دل کا رشتہ
کہ شاید
جدائی لکھتے سے
دل بھر آئے
کاتب تقدیر کا

وہ ساری رات باہر بیٹھے بتا دیتی اور فجر کی اذان ہوتے ہی کمرے میں چلی جاتی کہ کہیں ماما نہ دیکھ لیں کہ اس نے رات آنکھوں میں کاٹ دی ہے۔
اس کا فون آتا تو وہ ماما سے ڈھیروں باتیں کرتا اور جب ماما اس سے بات کرنے کا کہتیں تو ایک ہی جملے کے ساتھ فون بند کر دیتا۔ ماما جس دن میری زبان اور دل آمادہ ہوئے تو خود بلا لوں گا۔

☆ ☆ ☆

ماما کیوں چاہتی ہیں کہ میں اس سے بات کروں کیا میری ماں جانتی ہے کہ اس کے بیٹے کا دل اسی کے نام پہ دھڑکتا ہے۔ عجیب شکستگی تھی سوچوں میں۔ اسے لگتا تھا کہ وہ اس کے لیے نہیں ہے۔ پھر شادی کی ہامی بھرتے ہوئے دل کیوں اقرار پہ ہی بضد تھا۔ میں خود بدگمان تھا تو اوروں کی رضا کا پردہ کیوں اپنی چاہت پہ ڈالے رکھا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اس چراغ کی لو کم از کم میرے دل و دماغ کو روشنی نہیں پہنچا سکتی۔ اس کا رخ جب بھی اپنی طرف موڑنا چاہوں گا ہوا سے بجھا دے گی۔
اب تو صرف یوں محسوس ہوتا ہے کہ سب کچھ ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ کچھ بجھائی نہیں دیتا۔ زندگی صرف نوٹوں کے پیچھے بھاگنے کا نام ہے اور جب یہ ہاتھ لگیں گے تو جوانی کے سارے سپنے منوں مٹی تلے جا سوئیں گے اس مردہ وجود سمیت...
کیا کروں خدایا... کچھ سمجھ نہیں آ رہی... جی چاہتا ہے کہ یہیں سے طلاق بھیج کر اسے آزاد کر دوں تاکہ وہ آس و امید کی کیفیت سے نکل جائے اور میں بھی اس کی سوچوں سے آزاد ہو جاؤں۔ یوں تو میں اسے بھول نہیں پاؤں گا۔ اس کشمکش سے نکلنے کا ایک یہی حل ہے۔
تو کیا یہ چراغ بجھا کے میں دیکھ پاؤں گا کہ آگے کیا ہے۔ مجھے تو اس کے بغیر بھی گہری کھائی ہی نظر آتی۔ کیا مجھے تسلیم کر لینا چاہیے۔ اپنی اور اس کی زندگی کو اس آزمائش سے نکالنا چاہیے۔ اس کے پچھلے گناہوں کو یوں بھول جانا چاہیے جیسے کسی کافر کا مسلمان ہونا اس کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اسے آب زم زم سے دھلا تصور کر کے اپنی اور اس کی زندگی کو ان مایوسیوں سے نکال لینا چاہیے۔ شاید بلکہ یہی میری ماں کی بھی خوشی ہے۔ اور ماں کی رضا اللہ کی رضا سے ملتی ہے۔ اور رب کی رضا مل جائے تو وہ بندے کی رضا میں راضی ہو جاتا ہے۔

☆ ☆ ☆

"پاکیزہ دراصل بات یہ ہے کہ..." اور پھر انہوں نے ایک ایک بات انہیں بتا دی۔
اسی وقت وانیہ کے قدم بھی دروازے پہ آ کے رکے تھے۔
پاکیزہ پتھر کا بت بنی سب سن رہی تھیں۔ وانیہ کو حقیقتاً" لگ رہا تھا کہ وہ اپنا ہی جنازہ لے کے اپنے کمرے کی طرف جا رہی ہے۔

اسے آج سمجھ آئی تھی کہ سہاگ رات میں ارسلان کے پاس کس کا فون آیا تھا اس کے زیورات کیوں لیے گئے تھے۔ اور ارسلان کیوں ماما کو تنہا چھوڑ کے جانے پہ تیار ہو گیا۔

نہیں ارسلان تمہاری زندگی داؤ پہ لگانے کی ہمت نہیں ہے۔ مجھ میں اپنے گناہوں کا کفارہ خود ادا کروں گی۔ ماما اور اماں سے کہہ کے تمہاری شادی حلیمہ سے کرواؤں گی۔ وہ جنگ کرنے پہ تیار ہو گئی تھی۔

ماما نے اسے جانے کے لیے بلوایا تو سر جھکائے چلی آئی۔ آج تو شرمندگی کا وہ عالم تھا کہ نظر اٹھنے کو تیار نہ تھی۔

واپس گھر آ کے بھی وہ کھوئی کھوئی رہی۔ ماما نے دو تین دفعہ اسے آوازیں دیں مگر وہ اپنی ہی سوچوں میں گم تھی جب انہوں نے بات کرنا چاہی تو وہ بری طرح تڑپ تڑپ کے رونے لگی۔

"میری بچی..." وہ گھبرا گئیں۔

"ماما پلیز ارسلان کو میرے وجود کی گندگی سے نجات دلا دیں۔ اسے کہہ دیں کہ مجھے آزاد کر دے۔ میں یہ حقیقت جاننے کے بعد خود سے نظریں ملانے کے بھی قابل نہیں رہی۔ ارسلان نے میری وجہ سے اتنی اذیت برداشت کی ہے اور ابھی تک کر رہے ہیں..."

"وانیہ میری بچی... وہ تجھے بے تحاشا پیار کرتا ہے۔ اسی لیے زیادہ ہرٹ ہوا ہے۔ دیکھنا وہ سیٹ ہو جائے گا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ اسے حوصلہ دینے لگیں۔

"ماما... کچھ ٹھیک نہیں ہو گا..."

"مجھ پہ اعتبار رکھو... وہ تجھے نہیں چھوڑ سکتا۔"

"ماما..."

"ہاں... میں ہوں نا تمہارے ساتھ..." وہ اسے ساتھ لگاتے ہوئے بولیں۔

اس رات ارسلان کا فون آیا تو ماما اس پہ برس پڑیں۔ روتی رہیں۔

"ارے کیا ہو گیا ہے ماما... کیوں رو رہی ہیں۔" وہ پریشان ہو گیا۔

"ماما کیا وانیہ نے کوئی بدتمیزی کر دی ہے۔" وہ اس سے آگے کا نہ سوچ سکا۔

"ماما پلیز... اچھا ایسا کریں میری وانیہ سے بات کرائیں۔ آپ یہ چاہتی ہیں نا کہ میں آپ کی بہو کو تنگ نہ کروں تو آپ کی خاطر اب نہیں کروں گا..." ماں کی خواہش سے وہ بخوبی واقف تھا۔ وہ ماں کی خوشی کی خاطر کچھ بھی کر سکتا تھا۔

"سنی تم لوٹ آؤ ورنہ تمہاری پھپھو جان وانیہ کو لے جائیں گی۔ وہ چاہتی ہوں کہ تم دونوں ان چاہے رشتے کی زنجیر سے آزاد ہو جاؤ۔" وہ بولیں۔

"اور وانیہ... وہ کیا چاہتی ہے..." جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"وہ پہلے سے زیادہ خاموش ہوتی جا رہی ہے۔ ہر وقت میری خدمت میں لگی رہتی ہے البتہ تمہاری طرف سے بالکل مایوس ہے کیونکہ اس کا خیال ہے کہ تم حلیمہ نامی لڑکی سے محبت کرتے ہو... اس لیے وہ تمہیں جیت نہیں سکتی... وہ کہہ رہی تھی کہ وہ یہاں تب تک ہے جب تک میں اکیلی ہوں۔ جس دن تم لوٹو گے وہ واپس چلی جائے گی۔"

"میں اسے نہیں جانے دوں گا کیونکہ وہ میری ماما کی پسند ہے اور مجھے قبول ہے۔" یکدم اس نے فیصلہ سنا دیا۔

"سنی تو سچ کہہ رہا ہے نا..." انہوں نے بے یقینی سے کہا۔ یہ بھی سچ تھا کہ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود وہ ان کے بیٹے کی زندگی میں موجود تھی تو اس کی بنیادی وجہ ان کے بیٹے کی اس سے محبت تھی اور انہیں اپنے بیٹے کی دل کی خوشی دل سے قبول تھی۔

"اچھا ذرا اپنی لاڈلی بہو سے بات تو کرائیں۔" جب چراغ جل اٹھیں تو روشنیاں محو رقص ہو جاتی ہیں۔ ارسلان نے بھی دل میں وسعت پیدا کی تو سب کچھ نکھر گیا تھا۔

"ایک منٹ..." وہ ہانپتی کانپتی اٹھیں اور وانیہ کو آوازیں دینے لگیں۔ ان کی آواز میں چھپی خوشی نے ارسلان کی روح کو معطر کر دیا۔

وہ خوش تھا کہ اس کی ماں خوش ہے اور ماں خوش تھی کہ اس کا بیٹا خوش ہے۔
اس کے دل کی دھڑکنوں میں اس کی ماں کی دعائیں شامل ہوگئی تھیں اس لیے آج اس سے بات کرنے میں دل پہ کوئی بوجھ نہیں تھا بلکہ سانسوں پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔
"وانیہ... وانیہ۔"
"جی ماما۔"
"یہ لو سنی کا فون ہے۔ تم سے بات کرنا چاہ رہا ہے۔" اس وقت ان کی خوشی قابل دید تھی۔
"مجھ سے..." آواز میں بے یقینی کا عنصر اتنی دور بے جان تاروں کے ذریعے بھی محسوس کیا جاسکتا تھا۔
"ہاں یہ لو۔" ماما اسے موبائل تھما کے چلی گئیں۔
"ہیلو وانیہ میں بات کر رہا ہوں۔" ارسلان نے محسوس کرلیا کہ موبائل اس کے کانوں سے لگا ہے۔ خاموشی کو اس نے خود ہی توڑا۔
"جی السلام علیکم۔"
"وعلیکم السلام... کیسی ہو۔"
"ارسلان پلیز لوٹ آئیں نا... ماما کو آپ کی ضرورت ہے۔"
"اور تمہیں..."
"میں تو آپ کے فیصلے کی منتظر ہوں۔" وہ ڈرے ہوئے لہجے میں بولی۔
"فیصلہ سنادوں گا انتظار کرو۔"
"ک ک کیسا فیصلہ..." وہ گھبرا گئی۔
"فیصلہ یہ ہے کہ اب سب کچھ بھول جاؤ سب دکھ اور تلخیاں جنہوں نے ہمیں ہماری خوشیوں سے دور رکھا... صرف اتنا سوچو کہ ہم دونوں نے مل کے زندگی سے خوشیاں کشید کرنی ہیں۔ ہمیں سب اپنوں کے چہروں پہ سکون لانا ہے۔ بس اب ماضی کے اندھیروں سے نکلو... اور میرا انتظار کرو۔"
"ارسلان..." وہ حیرت سے کچھ کہہ ہی نہ پائی۔
"میرا یقین کرو۔"
"ارسلان تو پھر لوٹ آئیں نا... کیوں وہاں پردیس میں میرے گناہوں کی قیمت چکانے کے لیے چلے گئے ہیں۔ مجھے کٹہرے میں کھڑا کریں اور سزا سنائیں۔"
"کیا مطلب... کیا کہنا چاہ رہی ہو..."
"میں نے جان لیا ہے کہ شادی کی رات کس کا فون تھا اور آپ نے کیا قیمت چکائی ہے۔"
"تمہیں کیسے پتا چلا..."
"ارسلان مجھے سزا دیتے... احساس تو دلاتے... شرمسار تو کرتے..." وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔
"وانیہ میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس یوں ہی تو قرار نہیں دیے گئے۔ میں نے اگر وہ سب اپنے لباس میں چھپانا چاہا ہے تو اس میں برا ہی کیا ہے..."
"اور میں نے جو کچھ آپ کے ساتھ کیا..."
"میں نے اس پہ بھی بہت سوچا ہے... اگر شادی کے بعد تم ایک دفعہ بھی مجھ سے یا میری ماما سے بد دیانتی کرتیں تو یقیناً" وہ سب قابل معافی نہ ہوتا... لیکن شادی کے بعد کا رشتہ تم نے نبھایا ہے۔ اور محبت تو ہم دونوں نے کی ہے... اب کیسے کی ہے اس کا نتیجہ کیا نکلا... وہ ہم دونوں کے لیے سبق ہے..."
"آپ نے واقعی مجھے معاف کردیا ہے ارسلان..." اسے یقین نہیں آرہا تھا۔
"وانیہ اس معاملے میں تم مجھ سے زیادہ خدا کے سامنے جھکو... اس نے ہی تمہارا پردہ رکھا ہے۔"
"ارسلان میں اپنے رب سے دن رات معافی مانگوں گی۔ لیکن آپ بھی آجائیں نا... مجھے نہیں چاہئیں زیورات... میرا سنگھار تو آپ ہیں۔ آپ کی محبت ہی میرا زیور ہوگی اور ماما بھی آپ کو یاد کرتی ہیں۔" وہ بولی تو ارسلان نے اس کے دل کے سکون کے لیے ڈھیروں دعائیں کر ڈالیں۔
"لیکن مجھے تو سجی سجائی دلہن چاہیے۔"
"آپ آئیں تو سہی۔" اس نے شرماتے ہوئے کہا۔
"اچھا پھر میرا انتظار کرو..." اس نے چھیڑا۔
"ارسلان ایک بات پوچھوں..."
"پوچھو..."

"آپ کو حلیمہ سے محبت تھی نا۔"
"تمہیں کس نے کہا۔"
"وہ آپ کے ساتھ بہت زیادہ جو ہوتی تھی۔" وہ پل میں روایتی بیوی بن گئی۔
"میں نے ایک حلیمہ کو دوست بنایا تو تمہیں فیل ہو رہا ہے اور خود جو دوستوں کے جھگھٹے میں رہتی تھیں۔ اس کا کیا جواب دو گی۔"
"وہ تو آپ کو جلانے کے لیے کرتی تھی۔" اس نے اقرار کیا۔
"کمال کیا ہے ہم دونوں نے۔ ہم نے نفرت کرکے محبت حاصل کرنی چاہی۔" وہ ہنسا۔
رات گئے وہ دونوں موبائل پہ باتیں کرتے رہے۔ جب ماما کو موبائل دینے آئی تو اس کی چہرے کی شرمیلی مسکراہٹ ماما کو سب کچھ سمجھا گئی۔ انہوں نے اسے خود سے لگالیا۔ اس دن کے بعد ماما نے دیکھا کہ وہ دن رات چپ چاپ اپنی عبادت میں لگی رہتی۔ نماز اور تہجد پڑھتی اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن کی تفسیر پڑھنے میں زیادہ وقت گزارتی۔ ایک دن ارسلان نے اپنے آنے کی اطلاع دے ہی دی۔ وہ دن ان دونوں کے لیے تو عید کا دن تھا ہی پاکیزہ بھی بے تحاشا خوش تھیں کہ آج ان کی بیٹی کے چہرے پہ بے پناہ سکون اور خوشی وانبساط کے تاثرات تھے۔

✡ ✡ ✡
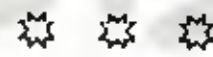
ارسلان پیکنگ کر رہا تھا شاہ جہاں اس سے ملنے آگیا۔
"ارے بڑا سرپرائز دیا ہے شاہ جہاں۔" ارسلان نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔
"تو اب تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ اب بچا ہی کیا ہے یہاں تمہارے لیے۔" وہ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔
"ہاں بچا تو کچھ نہیں مگر شرمندگی کی وجہ سے اب اماں کا سامنا کرنے کی ہمت ہی نہیں ہے۔ میں نے ان کے ساتھ کافی مس بی ہیو کیا تھا جائیداد اپنے نام

کروانے کے لیے۔۔۔ اب کیسے انہیں فیس کروں۔" وہ اپنی انگریز بیوی کی بے وفائی پہ بہت افسردہ تھا جو اسے ایک سال کی بچی دے کے جاچکی تھی اور اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ مزے کی زندگی گزار رہی تھی۔

"شاہ جہاں یہ جو ماں باپ ہوتے ہیں نا انہیں اللہ نے بہت اسپیشل مٹی سے بنایا ہوتا ہے۔ ان کے اندر سوائے اپنی اولاد کی محبت کے کوئی اور جذبہ ہوتا ہی نہیں۔ تم میرے ساتھ چلو میں سب سے خود بات کروں گا۔۔۔" ارسلان نے اسے حوصلہ دیا تو وہ ڈھیلا پڑ گیا۔

"ارسلان کیا اماں مجھے معاف کردیں گی۔۔۔"

"یقیناً" کردیں گی۔۔۔"

"ٹھیک ہے تم کچھ دن اپنی فلائٹ آگے کروالو۔۔۔ میں بھی اب یہاں نہیں رک سکوں گا۔" اس نے یکدم فیصلہ کرلیا۔ تو ارسلان کو لگا کہ وہ اپنی پاکیزہ پھپھو کے درد کا درماں کرنے چلا ہے۔

ایرپورٹ پہ چلتے ہوئے ایک قیامت اس پہ ٹوٹی شاہ جہاں ایک لڑکے کی طرف بڑھا جو اداس سا ایمبولینس کے پاس کھڑا تھا۔ ارسلان بھی آگے بڑھا۔ اس لڑکے پہ نظر پڑی تو جھٹکا سا لگا کہ یہ وہی لڑکا تھا جس نے وانیہ کی مووی کے بدلے اس سے رقم لی تھی۔ وہ کیسے اس کی شکل بھول سکتا تھا۔ اور تابوت پہ لگی تصویر اس دوسرے لڑکے کی تھی جو مووی میں وانیہ کے ساتھ موجود تھا۔

"کیا ہوا راحیل کو۔۔۔ کیسے ڈیتھ ہوئی ہے۔۔۔" شاہ جہاں نے پوچھا۔ وہ ان دونوں کو جانتا تھا۔ ہاں وہ ان کے ظاہری کرداروں سے واقف تھا مگر نہیں جانتا تھا کہ ان کا باطن کتنا بھیانک تھا۔

"راحیل کو ایڈز ہوگیا تھا۔۔۔ وہ علاج کے سلسلے میں پاکستان سے یہاں آیا تھا مگر۔۔۔"

ارسلان نے تو سنا اس کی سماعتیں مفلوج ہونے لگیں۔ اس کا چہرہ پسینے پسینے ہوگیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ واپس بھاگ جائے اور بھیڑ میں گم ہوجائے۔ کوئی اسے ڈھونڈ نہ پائے۔ اور وہ اونچی آواز میں دھاڑیں مار مار کے روئے۔ وہ وانیہ کو مار دے۔۔۔ اس کے جسم کے اتنے ٹکڑے کرے جتنے ہر بار اس نے ارسلان کے ارمانوں کے کیے تھے۔

اگر اس لڑکے کو ایڈز تھا تو پھر کیا وانیہ اس مرض سے محفوظ رہ سکی ہوگی۔۔۔ اب ایک اور امتحان اس کے سامنے تھا۔ لیکن اس بار اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ زندگی اگر ایک ساتھ نہیں تو نہ سہی موت تو ایک ساتھ ہو۔۔۔ جب اللہ نے مجھے ان لوگوں کی کشتی میں سوار کردیا ہے جن کے لیے لفظ سکون لکھا ہی نہیں گیا تو پھر اس رب سے لڑا تو نہیں جاسکتا نا۔ اس نے جو مقدر میں لکھ ڈالا۔

ماما نے کتنی دیر اسے سینے سے لگا کے اپنی ممتا کی پیاس بجھائی۔ پھپھو نے ڈھیروں دعائیں ایک ہی پل میں دے ڈالیں۔

ان کے انداز سے محبت صاف عیاں تھی۔

ارسلان نے ہی جہانگیر کو اشارہ کیا تو وہ آگے بڑھا اور پاکیزہ پھپھو کے آگے ہاتھ جوڑ کے کھڑا ہوگیا۔ وہ کب تک پتھر بنی رہتیں ایک بیٹا تو ویسے ہی کھو چکی تھیں۔ وانیہ آگے بڑھی اور بھائی سے لپٹ گئی۔

دادی اپنی پوتی کو بے تحاشا پیار کیے جارہی تھیں۔ وانیہ کو بھی وہ پرکشش بہت اچھی لگی تھی۔

ارسلان نے دیکھا کہ وہ سفید رنگ کے خوبصورت فراک اور چوڑی دار پاجامے میں ملبوس اور سر پہ سلیقے سے دوپٹا بھی لیا ہوا تھا۔

"السلام علیکم۔۔۔" سر جھکا کے کہا تو وہ بنا جواب دیے آگے بڑھ گیا۔

سب ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ کے باتوں میں لگ گئے۔ وانیہ جلدی سے کچن کی طرف بڑھ گئی کہ آج اس نے شاہی کھانا بنایا تھا وہ کون سی ڈش تھی جو اس نے تیار نہ کی ہو۔ ماما سے ہر اس ڈش کو بنانا سیکھا تھا جو ارسلان کو پسند تھی اور آج بنائی بھی تھی۔

کھانا کھانے کے بعد وہ لوگ تو چلے گئے البتہ ارسلان ماں کے ساتھ باتوں میں لگا رہا۔ وانیہ سبز چائے بنا کے لائی تو پاکیزہ نے اسے پاس بیٹھنے کو کہا۔

"اب ذرا بیٹھ بھی جاؤ۔ صبح سے کاموں میں لگی ہوئی ہو۔"

"جی ماما۔" وہ اس کے سامنے ہی بیٹھ گئی۔ اسے لگا کہ ارسلان اسے نظر انداز کر رہا ہے۔

"اب تم لوگ ریسٹ کرو باقی باتیں صبح ہوں گی۔ تھک گئے ہو گے۔"

ماما کے کہنے پہ وہ کمرے میں آیا تو وانیہ نے جلدی سے الماری سے اس کا نائیٹ سوٹ اسے تھمایا۔

"آپ ایزی ہو جائیں۔"

"کیا میرے مقدر میں ایسا کوئی پل ہے۔" وہ اسے دیکھ کے رہ گیا۔ کپڑے بدل کے آیا تو وہ اس کے پاس چلی آئی۔ اب اس نے بالوں' کانوں اور ہاتھوں میں موتیے اور گلاب کے خوب صورت زیورات پہنے ہوئے تھے۔ جو ارسلان کی کمزوری تھی۔ وہ اس کے نفس کا امتحان لینے کی پوری تیاری کیے ہوئے تھی۔

"مجھے معاف کر دیں ارسلان میں اپنی ہر ہر بے ایمانی پہ آپ سے شرمندہ ہوں۔ اور مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میرا اللہ مجھے معاف کر چکا ہے کیونکہ اب مجھے بہت سکون کی نیند آتی ہے۔" وہ خاموشی سے اسے سنتا رہا۔ وہ کافی کمزور ہو گئی تھی۔ ارسلان نے آہستگی سے اپنی پناہوں میں لے لیا اور بیڈ پہ لے آیا۔ لیکن ایک انجانا خوف اسے اس کے قریب نہ ہونے دے سکا۔ باتوں میں ہی فجر کی اذانیں گونجنے لگیں۔

"ارسلان آپ اپنی بات پہ قائم ہیں کہ سوائے شوہر کے آپ ہر رشتہ نبھائیں گے۔" جب کئی دن ایسے ہی گزر گئے تو ایک دن وہ ارسلان کے سامنے رو پڑی۔

"ادھر میری بات سنو۔ آرام سے بیٹھو۔" ارسلان نے اسے بازو سے پکڑ کے اپنی جانب کھینچا مگر آج اس پہ جذبات حاوی ہو چکے تھے۔ وہ سوچنے' سمجھنے کے اسٹیج سے نکل چکی تھی۔ دیوانی سی ہوتی جا رہی تھی۔

"چھوڑیں میرا ہاتھ۔ بہت تماشا دیکھ لیا ہے میں نے۔ مزید آپ کے ہاتھوں بے وقوف نہیں بن سکتی' جانے دیں مجھے۔" وہ بری طرح رو پڑی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا کہ میں تمہیں بے وقوف بنا رہا ہوں۔"

"مجھے شوہر چاہیے۔ گھر چاہیے' بچے چاہئیں۔ میں ایک عورت ہوں ارسلان۔ میری طلب ایک گھر ہے' جو مجھے آپ نہیں دے رہے۔"

"کک۔ کیا مطلب ہے تمہارا۔" اسے شاک لگا۔

"ہاں' ہاں آپ ایسا ہی کر رہے ہیں۔ میرے پردے میں اپنی کمزوری کو چھپا رہے ہیں۔" اس کے طعنہ نے ارسلان کے اندر کے مرد کو جھنجوڑ کے رکھ دیا تھا۔ اس کی مردانگی پہ ضرب پڑی تھی۔ وہ بلبلا کے رہ گیا تھا۔ لیکن جب ہوش آیا تو یہ احساس اسے مار گیا کہ اب شاید وہ بھی اس شخص کی ہی موت مرے گا' جس نے یہ تحفہ اس کے گھر بھیجا تھا۔ ناشتے کی میز پہ دونوں کے چہرے پہ چھائی سنجیدگی کو ماما نے محسوس تو کر لیا مگر چھیڑنا مناسب خیال نہ کیا۔ جوں ہی وانیہ نے چائے لا کے اس کے سامنے رکھی اس نے کپ اٹھا کے دیوار پہ دے مارا۔

"نہیں پینی مجھے تمہاری چائے۔"

"یہ کیا بدتمیزی ہے ارسلان۔ کیا ہو جاتا ہے تمہیں۔ اچھے بھلے ہوتے ہو' پھر اچانک ہی پٹڑی سے اتر جاتے ہو۔" ماما نے بھی اسے ہی لتاڑا۔ وہ خاموش رہا۔

"تم تیار ہو جاؤ۔ میں تمہیں تمہارے باپ کے گھر چھوڑ آؤں۔" اچانک اٹھتے ہوئے اس نے جو کہا۔ اس پہ وانیہ اور ماما ایک ساتھ چونکیں۔

"لیکن کیوں ارسلان۔" ماما نے پریشانی سے پوچھا۔

"ماما پلیز۔ بس اب کوئی سوال نہیں۔"

"لیکن مجھے نہیں جانا' اب یہی میرا گھر ہے۔ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔" وانیہ نے کہتے ہوئے ماما کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ہاں یہ کہیں نہیں جائے گی۔"

"ماما پھر میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔" اس نے دھمکی آمیز لہجہ اپنایا۔

"ادھر بیٹھو۔۔۔ کیوں پاگل ہوئے جارہے ہو۔۔۔ آرام سے بیٹھ کے بتاؤ کہ مسئلہ کیا ہے۔" ماما نے اسے کھینچ کر پاس بٹھایا۔

"ماما یہ ایک ہی شرط پہ یہاں رہ سکتی ہے کہ میرے ساتھ جائے اور اپنے ٹیسٹ کروائے۔" اس نے نظریں چراتے ہوئے کہہ ہی دیا۔

"کیسے ٹیسٹ" ماما نے پوچھا۔ وانیہ نے بھی حیرت سے اسے دیکھا۔

" HIV ۔۔۔" اس نے ایٹم بم پھینک کے گھر کی گویا اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔

"یہ تو کیا کہہ رہا ہے ارسلان۔" ماما کی آواز صدمے سے پھٹ گئی اور وہ تو وہیں فرش پہ بیٹھ گئی۔

"تمہارا دوست راحیل ایڈز سے مر گیا ہے۔" وہ اس کے قریب آ کے لفظ چبا چبا کے بولا تو وہ ساکت نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

"اٹھو۔۔۔ اور اگر یہ سچ ہوا تو یاد رکھنا کہ پہلے میں زہر کھاؤں گا اور پھر تم۔۔۔"

وہ زبردستی اسے ساتھ لے گیا۔ ٹیسٹ کی رپورٹ دس دنوں بعد آنی تھی۔

☆ ☆ ☆

"کاش میں ارسلان کے ضبط کا امتحان نہ لیتی۔ اگر خدانخواستہ میری وجہ سے وہ بھی اس موذی مرض کا شکار ہو گیا تو۔" وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

"وانیہ سوری مگر میں کیا کروں، مجھے صرف اتنا بتاؤ کہ میں کہاں غلط ہوں۔۔۔ میں نے جب بھی تمہاری طرف اپنی بھرپور محبت کے ساتھ بڑھنا چاہا تمہارے کردار کی کمزوریوں نے میری راہ روک لی۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم رو۔۔۔ مگر ہر بار ایسا ہو جاتا ہے۔" ارسلان اسے خود سے لگاتے ہوئے دھیرے دھیرے بولا۔

"ارسلان سوری۔" وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔

"تمہیں پتا ہے وانیہ۔ فصل ہم دونوں کاٹ رہے ہیں وہ تم نے تب بوئی تھی جب تم میری نفرت میں اندھی ہو رہی تھیں۔" وہ ہارے ہوئے لہجے میں سر جھکا کے بولا۔

"ارسلان پلیز مجھے بچالیں، مجھے آپ کے ساتھ جینا ہے۔" وہ اس سے لپٹ کے خوف سے کانپنے لگی۔

"کیا یہ میرے ہاتھ میں ہے وانیہ۔" وہ الٹا اس سے پوچھنے لگا۔ دونوں چپ چاپ بیٹھ گئے کہ کہنے سننے کو کچھ تھا ہی نہیں۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھا۔

"چلو تم میں تمہیں گھر چھوڑ دوں۔۔۔" وہ جاتے جاتے پلٹا کہ اسے ایک وہم ڈر لگا تھا۔ یہ سوچ کے کہ وہ خود کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ وہ خاموشی سے اٹھ کے ساتھ ہولی۔ گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا اور بیٹھ گئی۔ ارسلان نے ایک نظر اسے دیکھا اور گاڑی اسٹارٹ کردی۔

کاش مجھے کوئی ایک خوشی تم سے ملی ہوتی وانیہ۔ بیک ویو مرر سے نظریں اس پہ جماتے ہوئے ارسلان نے حسرت سے سوچا۔ وانیہ کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ اور ارسلان کے دل پہ گر رہے تھے۔ لیکن وہ کیا کرتا۔۔۔ وہ کیا کر سکتا تھا۔

گیٹ پہ گاڑی رکی تو وہ خاموشی سے اتر گئی۔ ارسلان کی نظروں نے اس کا پیچھا کیا۔

"تمہاری اور میری سزا ابھی ختم نہیں ہوئی۔ دعا کرو خدا ہمیں اس مصیبت سے بھی اسی طرح نکالے جیسے اس سے پہلے اللہ کا کرم ہوا ہے۔" اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ "یہ تمہارا شادی سے پہلے کا وہ گناہ ہے جس کی معافی میرے ہاتھ میں نہیں۔"

اس پل وانیہ نے کتنی بے یقینی سے ارسلان کو دیکھا تھا کہ اسے یقین تھا کہ وہ اسے روک لے گا۔ چند لمحے کے لیے وانیہ رکی اور پھر اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

"ماما بہت گناہ گار ہوں۔ اسی لیے اللہ نے بھی مجھے معاف نہیں کیا۔۔۔ اللہ حافظ۔" وہ خود نہیں گئی تھی۔

ارسلان کی روح بھی نکال کے لے گئی تھی۔ وہ خالی وجود لیے واپس جارہا تھا تو ایسے کہ اس کی روح وانیہ سومرو میں ہی تحلیل ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

شاہ جہاں سومرو نے بھی اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"مجھے کچھ وقت دیں۔ میں وانیہ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" ارسلان نے درخواست کی اور اس کی جانب چلا آیا۔ وہ ہلکا سا دروازہ بجا کے اندر آیا تو وہ بیڈ پہ گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا اس کے پاس آ کے بیٹھ گیا۔

"کیا ہم ایک دوسرے سے دور ہو سکتے ہیں وانیہ۔ تم نے مجھے تب بھی نہیں چھوڑا جب تمہیں مجھ سے شدید نفرت تھی۔ میں نے تمہیں تب بھی نہیں چھوڑا جب میں نے وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور چاہا تھا کہ تمہیں مار دوں۔ ہم جب یہ فیصلہ نہیں کر سکے تو اب کیسے وانیہ۔" اس کا چہرہ اوپر کرتے ہوئے کہا تو وہ اس سے لپٹ کے بری طرح رو دی۔

"ارسلان۔ میں تب بھی آپ سے محبت کرتی تھی اور اب بھی مجبور ہوں۔"

وہ اذیت سے آنکھیں بند کرتے ہوئے بولی تو ارسلان نے اس کے آنسو اپنی پوروں پہ چن لیے۔

"وانیہ اگر میں کہوں کہ میں نے تم پہ وہ الزام لگایا تھا بنا کسی ثبوت کے۔ اور اللہ نے کرم کر دیا ہے۔ وہ سب غلط ثابت ہو گیا۔"

"ارسلان کیا رپورٹس آ گئیں۔" اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کے پوچھا تو ارسلان نے اسے بتایا کہ اس کے خدشے غلط تھے۔ وہ بالکل ٹھیک ہے۔

"اوہ۔ اللہ۔" کہہ کے وہ اٹھی اور سجدے میں گر کے روتی چلی گئی۔ ارسلان نے اس کے کانپتے سسکتے وجود کو اپنی پناہوں میں لے لیا۔

"آئی ایم سو سوری میری جان۔ مجھے معاف کر دو۔" وہ دھیرے سے اس کے کان میں بولا۔

"ارسلان آپ سچ کہہ رہے ہیں نا۔" وہ بارش کے بعد نکھری قوس وقزح کی مانند کھل کے مسکرا دی۔

"سو فیصد سے بھی زیادہ۔"

"ارسلان میں تو مر ہی گئی تھی۔"

"تو کیا میں زندہ تھا۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"اب میرے ساتھ چلو کہ بہت وقت ہم نے ضائع کر دیا ہے۔"

"لیکن۔"

"بھئی یہ ناراضیاں یوں ہی چلتی رہیں تو کیسے ہو گی۔" وہ شرارت سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیا۔" وہ نا سمجھی سے بولی۔

"ماما۔" اس نے بھرپور سنجیدگی سے جواب دیا تو چند لمحے اسے سمجھنے میں لگے تھے۔ اس کے چہرے فرط حیا سے سرخ ہو گیا اور دل بارگاہ ایزدی کے حضور میں سربسجود تھا جس نے اس کی غلطیوں کو اپنے دامن لطف میں چھپا کر اسے ایک موقع دیا تھا اپنی دنیا کو سنوارنے کا۔

☼ ☼

فرحین اظفر

کلرک کے کاؤنٹر کے آگے عورتوں کی لمبی قطار تھی۔ میلی کچیلی' غربت سے بے حال اور بدحال' گندی اوڑھنیاں سروں پر لٹکائے' مٹی دھول میں اٹے پیروں میں گھسی ہوئی چپلیں۔

قطار میں کھڑی سب عورتوں کے حلیے تقریباً" ایک جیسے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی ڈھنگ سے اردو بولنا تک نہیں جانتی تھیں۔

چھوٹے چھوٹے گندے حلیوں والے بچے۔ جن کے کانوں میں میل چڑھی منت کی بالیاں' کڑے اور تو اور کسی کسی کی گردن میں بندھے سیاہ یا سفید دھاگے۔ لمبے سے کوریڈور میں یہاں سے وہاں بھاگتے پھر رہے تھے۔

پورے برآمدے میں جس کی بائیں جانب کی دیوار میں لوہے کی بڑی بڑی گرل نصیب تھیں اور داہنی دیوار کی جانب ڈاکٹروں کے کمروں کے دروازے کھلتے تھے۔ ایک شور سا برپا تھا۔ اس نے مین گیٹ سے اندر آتی روش پر قدم رکھتے ہی دور سے یہ منظر ملاحظہ کیا اور دل میں کوفت کی ایک لہر اٹھی۔

وہ ابا کو لے کر تقریباً" ہر مہینے اور کبھی مہینے میں دوبار بھی یہاں آتی تھی۔ ہمیشہ ایک سا منظر' ایک سی خواری اور بے زاری۔ ہاں مگر اب یہ بے زاری دھیرے دھیرے ختم ہو کر ایک نادیدہ شوق زیب تن کرنے لگی تھی۔ جو فی الحال کسی کی بھی نظروں سے پوشیدہ تھا۔ برآمدے میں لے جانے کے بجائے اس نے ابا کو گھاس کے اس وسیع قطع میں لے جا کر ایک گھنے درخت کی چھاؤں میں رکھی پتھر کی ٹھنڈی بینچ پر بٹھا دیا۔ جو مریضوں' تیمارداروں اور عیادت کی غرض سے آئے ہوئے رشتے داروں کے لیے ویٹنگ روم کا درجہ رکھتا تھا۔

"میں آتی ہوں پرچی لے کر۔" وہ ابا کو بٹھا کر اس طویل قطار سے بچ برآمدے کی طرف بڑھی جہاں نصب کاؤنٹر کے دوسری طرف کوئی شخص بیٹھا بڑی تندہی سے مریضوں کے نام اور نمبر لکھ لکھ کر پرچیاں بنانے کا کام کر رہا تھا۔ نائلہ کو قطار میں لگنے یا انتظار کرنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔

وہ محض کاؤنٹر کے پاس جا کے کلرک کو اپنی شکل دکھا کے پلٹی۔ ایک لحظے کے نگاہوں کے اس ٹاکرے پر مقابل کے ہونٹوں پر ابھرتی مسکراہٹ اس نے دیکھ لی تھی۔ اب اس کے اپنے چہرے پر بھی مسکراہٹ آگئی تھی۔

وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی عمارت کے پچھلے حصے کی طرف بنے لان میں چلی آئی۔ بڑے بڑے درختوں کی چھاؤں میں سورج مکھی کے پھولوں کا ایک گھنا کنج تھا۔ اس کے پیچھے بینچ پر بیٹھتے ہوئے اس نے اطمینان کیا کہ اس وقت وہاں اس کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ وہ اس سے پہلے بھی دو تین بار یہاں آچکی تھی۔ اسے یہاں بیٹھے زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔ جب اس نے شبیر حسین عرف شبو کو اس حصے کی طرف آتے دیکھا۔ اس کے لبوں پر میکانکی انداز میں مسکراہٹ سی آگئی۔

"آگئیں تم... کتنے دنوں بعد شکل دکھائی ہے' کیسی ہو۔" وہ آتے ہی بے تابی سے بولتا ہوا اس کے برابر بینچ پر بیٹھ گیا۔ نائلہ اتنی بے تکلفی پر ذرا کی ذرا سمٹ گئی۔

"ٹھیک ہوں۔"

"اور تمہارے ابا۔" نائلہ نے ان کے ذکر پر ایک گہری مضمحل سانس کھینچی۔

"وہ بھی ویسے ہی ہیں۔ کبھی ٹھیک ہو جاتے ہیں' کبھی درد زور پکڑ لیتا ہے۔" نائلہ کے لہجے میں اداسی اتر آئی۔ جبکہ وہ اس کے انداز کے برعکس قمیص کی سائیڈ کی جیب کھنگال رہا تھا۔

"خبردار میرے سامنے پان مت کھانا' ورنہ ابھی چلی جاؤں گی۔" اس کی بات پر اس نے ایک ادا بھری شرارتی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

"اوئے ہوئے.... کیا بات ہے میری شہزادی' آج تو بڑی تیکھی ہو رہی ہو۔"

"اور نہیں تو کیا' زہر لگتے ہیں مجھے تمہارے یہ لال لال دانت اور ہونٹ۔"

"اچھا اور اگر نہ کھاؤں تو' تب تو اچھے لگتے ہیں نا۔" اس نے خباثت سے ایک آنکھ دبائی۔ نائلہ جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"ہائے ہائے یہ ادائیں ظالم۔"

"فضول بہت بولتے ہو تم۔ اپنی عمر دیکھو اور یہ چھچھورے انداز دیکھو۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے احساس دلا گئی۔

"ہاں بھئی۔ ہم ٹھہرے عمر رسیدہ بڈھے کھوسٹ' ساری چونچالی تو تمہارے جیسی کچی کلیوں کے لیے ہے۔" وہ ذرا سنجیدہ بلکہ رنجیدہ سا ہوا۔ مگر وہی اپنے بے ہودہ انداز میں۔

"میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں تھا۔" اس نے فوراً" ہی معذرت خواہانہ انداز اپنایا۔

"اور تم کوئی بڈھے کھوسٹ تو نہیں۔ اچھے بھلے جوان مرد ہو۔"

"اچھا!" وہ معنی خیزی سے اسے دیکھ کر مسکرایا۔

"تو کبھی ہمیں اپنی جواں مردی آزمانے کا موقع بھی دے دو یا یوں ہی ٹرخانے کا ارادہ ہے۔" نائلہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"ارے کہاں چلیں اتنی جلدی۔" اسے اٹھتے دیکھ کر وہ جلدی سے بولا۔

"بس اب چلتی ہوں۔ ڈاکٹر سے ملوا دو' ابا بھی انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"رک تو جاؤ' چلی جانا' دو گھڑی بیٹھو' کچھ کھا پی تو لو۔" وہ بڑی مخلصانہ اپنائیت سے اس کی کلائی تھام کر کہہ رہا تھا۔ نائلہ نے غیر محسوس انداز میں اپنا ہاتھ چھڑایا۔

"اگلی بار آؤں گی تب کھلانا۔ ابھی تو ڈاکٹر سے ملوا دو۔ دیر ہو گئی تو آئندہ سے ابا ساتھ نہیں لائیں گے۔" وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی بلڈنگ کے سامنے والے حصے کی طرف جانے لگی۔

☼ ☼ ☼

ڈھولک کی تاپ کے ساتھ پڑنے والی تالیاں جتنی ہم آہنگ تھیں' وقفے وقفے سے اٹھتے قہقہے اتنے ہی مربوط' گو کہ ڈھولک اور تالیاں پیٹتی لڑکیوں کی تعداد انتہائی مختصر تھی۔

ایک محلے کی لڑکی جس سے ذرا جان پہچان تھی۔ ایک سوہا کی اور ایک ماہا کی کالج فرینڈ۔۔۔ کل ملا کے یہی تین لڑکیاں دو دن بعد ہونے والی شادی کی تقریب تک کے لیے دستیاب تھیں اور شادی والے گھر میں لگائی جانے والی تمام تر رونق کے لیے دل و جان سے تیار بھی۔

مہمان خصوصی یعنی دلہن صاحبہ کچن میں چائے بنانے میں مصروف تھیں۔ اس بات سے قطعی بے نیاز کہ کچھ دیر بعد انہیں مایوں بٹھائے جانا ہے۔

ماہا ڈھٹائی کی انتہا پر پہنچی' زور زور سے تالیاں پیٹنے اور سوہا کے سسرال والوں کے متعلق چٹکلے چھوڑنے میں مصروف تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ سسرال میں شامل افراد کی انتہائی قلیل تعداد کا ایک رکن اس وقت صحن کے ایک کونے میں امی سے انتہائی تہذیب کا مظاہرہ کرتے ہوئے گفت و شنید میں مصروف ہے۔

ہر بار ماہا کی کسی پھبتی کے جواب میں امی اس پر ایک تنبیہی نظر ڈال کر اسے پکارتیں۔

"ماہا!" اور فوراً" ہی قل قل کرتی ہنسی کی پھوار برسنے لگتی۔

"چلو اب بس کرو' مغرب ہونے والی ہے۔" امی نے کچن سے چائے لے کر نکلتی سوہا کو دیکھ کر محفل برخاست کی۔

لڑکیاں بھی شرافت سے اٹھ کر اندر کمرے میں سمٹ گئیں۔ سوہا نے جھکی ہوئی نظروں سے اپنی والدہ اور دیور کے سامنے چائے کے کپ رکھے۔

"میں تو کہہ رہا تھا انس سے بھی کہ چلے چلو گھر والا معاملہ ہے۔ کوئی غیریت تھوڑی ہے۔ سب اپنے ہی لوگ ہیں۔" زیر بحث موضوع گفتگو سے قطع نظر اس نے یہ بات سراسر سوہا کو چھیڑنے کے لیے کی تھی۔ جواباً" اس کے ہونٹوں پر بمشکل دبی ہوئی مسکراہٹ چاند چہرے پر چمکنے لگی۔

"ہاں۔ ہاں۔ کیوں نہیں۔" امی بھی جواباً" ہنسنے لگیں۔

"خوش ہو جاتے سب لوگ۔" امی نے بھی چھیڑ خانی میں حصہ لیا۔ وہ بری طرح جھینپ کر چائے کی ٹرے سنبھالتی اندر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

نوک دار سلائی سے اس نے آنکھوں کی نچلی سطح پر کاجل کی گہری تہ جمائی۔ ایک سرور کے عالم میں آنکھیں بند کرکے کھولیں' دو تین بار پلکیں زور زور سے جھپکیں' پھراتے پرشکن سجا کے آئینے میں نظر آتے اپنی بہن کے عکس کو دیکھا۔ بیڈ سے پیر نیچے لٹکا کر بیٹھی اس کا منہ بھی کچھ لٹکا ہوا ہی تھا۔

"اوفوہ! یہ شکل لے کر جاؤ گی اوپر۔" اس نے کاجل کی ڈبیا آئینے کے سامنے پٹخی۔ سامنے بیٹھے وجود میں کوئی جنبش نہیں تھی۔

"اٹھو۔ اٹھ کر سینڈل نکالو' تم تو ایسا لگ رہا ہے جنازے میں۔ توبہ۔" یہ گفتگو اس کی طبیعت کا خاصا تھی' مگر صرف نائلہ کے سامنے۔ اس نے پلٹ کر ایک شکایتی نگاہ اپنی بہن کے چہرے پر ڈالی۔

"جنازہ ہی ہے۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔

"میرے خوابوں اور امیدوں کا۔"

"اللہ نہ کرے' چھوڑو یہ فضول کی باتیں۔" اس نے تہ کیا ہوا دوپٹا کھول کر جھٹکا' پھر شانوں پر پھیلا لیا۔

"میں نہیں جا رہی۔" وہ خفا خفا سی تھی۔

"کیوں نہیں جا رہی' انس نے کی ہے نا شادی' حدید تو ابھی باقی ہے۔" وہ ایک آنکھ دبا کر ہنسی۔

"تو کیا ہوا۔ وہ چھوٹی بہن سے کر لے گا۔" نائلہ کی بات پر اس کے دل پر ہاتھ پڑا۔

"اللہ نہ کرے۔" وہ بے اختیار دہل سی گئی۔

"حدید کو تو اسی گھر کا داماد بننا ہے۔ ہر حال میں' چاہے زمین آسمان ادھر ادھر ہو جائیں۔" اس نے ایک بار پھر آئینے میں اپنی تیاریوں پر نظر ڈال کر اطمینان کیا۔

"اب اٹھ بھی چکو۔ پتا ہے جب سے رشتہ لگا ہے تم ایک بار بھی مبارک باد دینے نہیں گئیں۔ اب اس طرح کی حرکتیں کرو گی تو سب کو شک ہو گا کہ شاید تم اس رشتے سے خوش نہیں ہو۔"

"تو لگنے دو نا' مجھے کیا۔" وہ حد درجہ بے زار تھی۔

"پاگل ہو گئی ہو۔ کیوں فضول میں لوگوں کو خود پر باتیں بنانے کا موقع دے رہی ہو۔ ارے ایسے ری ایکٹ کرو' جیسے تمہارے لیے رشتوں کی کوئی کمی نہیں۔" معفت عمر میں اس سے کم سہی' لیکن سمجھ داری میں اس سے کہیں زیادہ تھی اور کچھ مثبت بھی۔ نائلہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ بات دل کو لگی تھی۔" وہ دوپٹا سنبھالتی اٹھ گئی۔

☆ ☆ ☆

کمرے کی دیواروں پر تازہ ترین پینٹ چمک رہا تھا۔ نئے نئے ڈسٹمپر کی تازہ خوشبو کمرے کی فضا میں

چکرائی۔ جسم و جاں کو ایک انوکھی سی تازگی بخش رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر دھیرے سے صحن میں کھلنے والی کھڑکی کے پٹ وا کیے۔

پورے چاند کی چاندنی صحن میں چٹکی ہوئی تھی۔ رات کی رانی کی مہک اپنے جوبن پر تھی اور اس کے حواسوں پر کسی کی یاد دو دن' فقط دو دن کی دوری درمیان میں تھی اور اسے لگ رہا تھا جیسے یہ دو دن کھنچ کر دو صدیاں بن چکے ہیں۔

"سوہا!" لبوں نے چپکے سے اس کا نام لیا اور ایک میٹھا تبسم بن بلائے مہمان کی طرح زبردستی چہرے پر چلا آیا۔

"آئی لو یو' آئی مس یو۔" ہزار بار کا کیا گیا اظہار' ایک بار پھر تجدید کی صورت میں دل سے نکل کر خاموش فضاؤں سے ہم آہنگ ہو گیا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ سوہا کے سامنے یہ بات اب تک کہہ نہیں پایا تھا یا کہہ نہیں سکتا تھا۔ مگر بس۔۔۔ جب بھی کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہا' اس کی متحمل مزاجی اور ماحول کی نزاکت کا احساس آڑے آ گیا۔

"میری ہی تو ہے' جب گھر آ جائے گی' تب کہہ دوں گا۔" اس نے ہمیشہ ہی یہ سوچ کر اپنی بات ہونٹوں میں روک لی۔

یوں بھی سوہا کی شخصیت میں حیا کا عنصر اتنا زیادہ تھا کہ وہ کھل کر زیادہ دیر اپنی بات نہیں کر پاتا تھا۔ رشتہ طے ہونے کے بعد جب بھی اس سے سامنا ہوا وہ اسے مسکراتی ہوئی ملی۔ وہ ایک بار بطور خاص اس سے ملنے بھی گیا۔ اس نے زیادہ تر باتوں کے جواب' صرف سر کی جنبش یا ہوں ہاں میں ٹال دیے اور خود سے کوئی بات تو وہ کرتی ہی نہ تھی۔ انس کے لیے اس کا خاموش وجود بھی نگاہوں کے کسی پسندیدہ اور دلفریب منظر سے کم نہ تھا۔ کبھی تو یوں ہی بے مقصد باتیں کیے چلا جاتا اور کبھی بس چپ چاپ اپنی نگاہوں کی تپش سے اس کے سلگتے رخسار اور پگھلتا وجود دیکھ کر حظ اٹھاتا۔

خوش رنگ یادوں کی عمر کتنی مختصر تھی۔ مگر ان تھوڑی سی یادوں میں اتنی جان ضرور تھی کہ تنہائی میں بھی اس کے لبوں پر مسکراہٹ چمک اٹھی تھی۔ ایک گہری سانس لے کر اس نے کھڑکی بند کر دی۔ دروازے پر اسی پل دستک ہوئی۔

وہ کمرے سے نکلا۔ دروازے پر غالباً حدید تھا۔ جو سوہا کی بری میں چڑھائے جانے والے زیورات لے کر اس کے گھر گیا تھا۔ چند جوڑے جو انس نے اپنی پسند سے سوہا کے لیے لیے تھے۔ میچنگ سینڈلز اور پرس وغیرہ وہ خود ہی لے آئی تھی۔ بری میں بس مختصر سا یہی سامان تھا یا پھر ایک گولڈ کا سیٹ اور ان کی امی کی نشانی وہ چوڑیاں' جو انس اور حدید دونوں کی دلہنوں کے لیے رکھی تھیں۔ فی الحال حدید کے مشورے پر دونوں ہی چوڑیاں سوہا کو دی جا رہی تھیں۔ حدید نے اپنی بھابھی کی منہ دکھائی کے لیے کیا لیا تھا۔ یہ اس نے ابھی تک نہیں بتایا۔ سیڑھیاں اتر کے صحن عبور کرنے تک' ذہن میں آنے والی تمام ہی سوچیں سوہا اور حدید سے جڑی تھیں۔ وہ دل و دماغ کی بے اختیاری پر خود بھی مسکرا دیا اور بنا پوچھے دروازہ کھول دیا۔ دروازے پر حدید نہیں تھا۔

"ارے۔۔۔ تم لوگ یہاں۔" آنے والوں کو دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشی اور حیرت یکساں لہرائی تھی۔

☆ ☆ ☆

"امی کو دیکھو ذرا' حدید بھائی کے ساتھ مل کر مجھے چھیڑ رہی ہیں۔" سوہا نے کمرے میں قدم رکھا تو اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے ٹرے رکھ کر جلدی سے دروازہ بھیڑ دیا۔

"ویسے یار رماہا' ایک بات تو بتاؤ۔" دروازہ بند کرنے کی دیر تھی کہ ماہا کی دوست اٹھ کر بند دروازے کی جھری سے

کسی چھپکلی کی طرح چپک گئی۔ جیسے وہ اتنی دیر سے اسی موقع کی تلاش میں تھی۔
"وہ انس بھائی کیا بالکل حدید جیسے ہیں۔"
"تو انہیں دیکھو۔" ماہا اور سوہا ایک ساتھ ہنس دیں۔
"وہ انس کے ساتھ بھائی اور ان کو صرف حدید۔" اس نے بھائی اور حدید پر خاص زور دیا۔
"محترمہ ان دونوں کی پیدائش میں صرف پانچ منٹ کا فرق ہے۔" ماہا نے پانچوں انگلیاں کھول کر اس کے منہ پر پھیلائیں۔ اس نے جلدی سے ماہا کا ہاتھ جھٹک دیا۔
"تو مجھے لعنت کیوں دکھا رہی ہو۔" وہ پھر سے دلجمعی سے تاڑنے میں لگ گئی۔
"اس لیے کہ تم ان کو بھی بھائی بولو۔ کوئی ہنشں منٹ نہیں ملے گی۔" ایک بار پھر سب کی مشترکہ ہنسی گونجی۔
"میں ایویں کہوں ان کو بھائی۔ انس بھائی تو ہو گئے "اپنے دولہا بھائی" ہاں اگر انہوں نے تمہیں لفٹ کروادی تو ہم ان کو بھی کہہ دیں گے بھائی۔" اب کے اس نے سوہا کے ہاتھ پہ تالی ماری' ماہا خفیف سی ہو گئی۔ باقی سب کو اسے چھیڑنے کا موقع مل گیا۔ "چائے پی لو' ٹھنڈی ہونے سے پہلے۔" کمرے میں یہی موضوع گرم تھا۔ جب عفت اور نائلہ دھاڑ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں۔ گو کہ کوئی ایسی رازداری کی باتیں نہیں ہو رہی تھیں۔ مگر ان کا انداز ایسا تھا کہ سب ہی لڑکیاں اپنی اپنی جگہ چپکی ہو گئیں۔
"کیا بات ہے ہم غلط وقت پر آگئے کیا۔" نائلہ کی آواز میں نہ چاہتے ہوئے بھی تلخی آگئی۔
"نہیں' نہیں' ہونا بھی کب سے تو بلا رہی ہوں تم لوگوں کو۔" ماہا نے سنبھل کر ان کا خیر مقدم کیا۔
"ہاں یہ لوگ تو کافی دیر سے گانے وغیرہ گا رہی تھیں۔ تم لوگ بھی آجاتیں تو اور مزا آتا۔" سوہا بھی خلوص سے بول اٹھی۔
"ماہا کو کھانا کھلانا ہوتا ہے نا' اس میں دیر ہو گئی۔" عفت کے لہجے اور انداز نائلہ کے برعکس دوستانہ تھا۔ دونوں اندر آکے ساتھ ہی بیٹھ گئیں۔ پڑوس سے آئی ہوئی لڑکی جا چکی تھی۔ سوہا سسرال سے آیا ہوا سیٹ نکال کر انہیں کو دکھانے لگی۔ جوڑے' جیولری' عفت نے بہت تعریف کی۔ البتہ نائلہ خاموش بیٹھی رہی۔ اس کی چڑچڑاہٹ اور بے زاری کو ان کی دوستوں نے بھی محسوس کیا۔ حدید جانے سے پہلے ان لوگوں کے پاس آیا۔
"سوہا کے لیے ایک میسج آیا ہے۔" وہ سیل نکالے کھڑا تھا۔ ہونٹوں پر شرارتی مسکراہٹ' لمبا قد' گندمی رنگت اور بادامی آنکھیں۔ ماہا نے محسوس کیا' کمرے میں موجود سب ہی لڑکیوں کی نظریں اس پر جمی تھیں اور سب ہی نظروں میں اس کے لیے پسندیدگی اور ستائش تھی۔
دل ہی دل میں اس نے سوہا کی قسمت پر فخر محسوس کیا۔ کیونکہ انس حدید کا جڑواں بھائی تھا اور ظاہری شخصیت کی حد تک دونوں میں بے حد مماثلت تھی۔
"رہنے دیں' مجھے پتا ہے ایویں کوئی فضول سا میسج ہو گا۔" سوہا شرمائی سی بولی۔
اسے حدید سے بہت شرم آتی تھی۔ ایک تو اپنے رشتے اور اس کی بے تکلفی کی وجہ سے۔ دوسرے یوں کہ جب وہ پورے قد سے نازک سی سوہا کے سامنے کھڑا ہوتا تو اسے انس کا خیال آتا رہتا۔ اس سے بات کرنی محال ہو جاتی۔
"نہیں' نہیں' انس نے بھیجا ہے' خاص آپ کے لیے۔"
"مجھے نہیں دیکھنا۔" وہ نگاہیں چرا رہی تھی اور حدید زبردستی موبائل اسکرین اس کے سامنے کیے جا رہا تھا۔ نائلہ نے ان کی بے تکلفی کو دیکھ کر عفت پہ نظر ڈالی۔ دونوں کے لیے یہ منظر ہضم کرنا مشکل تھا۔
"رہنے دیں نا' اچھا ان سے کہیے گا میرے سیل پر بھیج دیں میں پڑھ لوں گی۔" اس نے بات ہی ختم کر دی۔ وہ

مسکراتا ہوا پلٹ گیا۔
"بہت شرارتی ہوتے جارہے ہو تم۔" امی نے محبت سے اس کے سر پہ چپت لگائی۔ لڑکیاں اسے سر سہلاتے ہوئے دیکھ کر کھلکھلانے لگیں۔
"تم نے موبائل لے لیا سوہا۔ ہمیں نہیں بتایا۔" اس کے جانے کے بعد نائلہ سوہا سے پوچھنے لگی۔
"ہاں بس ابھی تو لیا ہے۔" اس سے کوئی جواب نہیں بنا۔ بھلا یہ بھی کوئی بتانے کی بات تھی کہ اس نے موبائل لے لیا ہے۔
"اچھا! انس نے بھجوایا ہوگا۔ باتیں واتیں کرنے کے لیے۔" بظاہر تو اس نے بہت گہری سہیلی بن کر سوہا کو چھیڑنا چاہا تھا۔ مگر وہ دونوں ہی بہنیں نائلہ اور عفت کا مذاق اور مزاج خوب سمجھتی تھیں۔
"نہیں وہ دینے کا کہہ رہے تھے۔ مگر ہم نے خود ہی منع کر دیا۔ یہ تو ہم دونوں نے اپنی سیلری جمع کر کے لیا ہے۔ ہم دونوں ایک ہی یوز کرتے ہیں' دیکھو۔" اب کی بار ماہا نے مدلل اور مفصل جواب دینے کے ساتھ ہی ڈریسنگ پر سے اپنا نیا نکور سیل اٹھا کے نائلہ کے ہاتھ میں تھمایا۔
وہ جانتی تھی جب تک ان بکس نہ دیکھ لے چین نہیں ملے گا۔ مگر وہ مطمئن تھی۔ انس اور سوہا کے بیچ میں رابطہ تھا تو مگر اتنا حد سے بڑھا ہوا نہیں تھا۔
حسب توقع جب وہ اپنی دوستوں کو خدا حافظ کہنے کمرے سے نکل رہی تھیں' تو ماہا نے دیکھا۔ نائلہ اور عفت دونوں ہی بری طرح اس کے موبائل میں غرق تھیں۔ پرائیویسی کس چڑیا کا نام ہے۔ انہیں دور دور تک پتا نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

شادی کا موقع کسی کی زندگی میں ـــــ بہت خاص اور خوشیوں بھرا ہوتا ہے اور جب جیون ساتھی من پسند ہو تو اور بھی زیادہ۔ اس لیے بھی تھا ایسے میں اس کے دوستوں اور کولیگز کی آمد۔ انس انہیں اپنے گھر پہ دیکھ کر بے انتہا خوش تھا۔
یہ وہ کولیگز تھے جو صرف آفس تک محدود تھے۔ انہیں کبھی گھر بلانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور دوست دور طالب علم کے بعد بچھڑ گئے تھے۔ کبھی کبھار مہینوں بعد فون پر بات ہو جاتی تھی۔ ایسے میں ان کا یوں اچانک اور وہ بھی ایک ساتھ مل کر گھر پر دھاوا بولنے کا پلان۔ یقیناً" حدید کی کوششوں سے ممکن ہوا تھا۔
حالانکہ وہ خود ان کے ساتھ نہیں تھا۔ مگر انس کو پتا تھا۔ وہ ان ہی میں کہیں شامل ہے۔ خوشی سے اس کے ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔
وہ گھر میں بالکل اکیلا تھا۔ پھر بھی ان پانچ نفوس کے لیے اسے اپنا گھر ایک دم تنگ لگنے لگا تھا۔ وہ خود ہی بے تکلفی سے بڑھ کر سامنے نظر آتے کمرے میں گھس گئے اور جس کو جہاں جگہ ملی قابض ہو گیا۔ انس کے دانت مستقل بنیادوں پر باہر نکل آئے تھے۔
"اب دانت اور آنکھیں دونوں اندر کر لو۔" اس کے کولیگ حامد نے خود آنکھیں گھما گھما کر گھر کا جائزہ لیتے ہوئے اسے مفت مشورے سے نوازا۔
"ہاں۔ کیونکہ ہمیں پتا ہے کہ تمہاری عقل داڑھ نکل چکی ہے۔"
"اور آنکھیں موتیے سے قطعی پاک ہیں۔" وہ ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگے۔
"اور اگر کہیں اور بھی ڈیفیکٹ یا فالٹ ہے تو ابھی ٹھیک کرالو۔ بعد میں شکایت مت کرنا کہ بھابی خوش نہیں ہیں۔" قہقہوں کی پرشور آواز میں انس کی جھینپی شکل دیکھ کر اور اضافہ ہوا۔

"حدید کو مت بتانا کہ ہم آچکے ہیں۔" عذیر اسے فون اٹھاتے دیکھ کر کہنے لگا۔
"ویسے تو ہم نے پہلے سے بتا دیا تھا۔ مگر ابھی آئے گا تو اسے بھی سرپرائز ملے گا۔ کیونکہ ہم نے آج کا نہیں کل کا پروگرام سیٹ کیا تھا۔"
"اچھا۔ تو پھر آج کیسے۔" انس اٹھتے ہوئے یوں ہی پوچھنے لگا۔
"چلے جاتے ہیں' کل آجائیں گے۔" عذیر معصومیت سے بولا۔ وہ چائے بنانے کے ارادے سے کچن کی طرف آیا تھا۔ مگر کمرے سے صارم نے آواز لگائی۔
"بھوک لگ رہی ہے مجھے۔" کلاس فیلو رہنے کی وجہ سے اس سے سب سے زیادہ بے تکلفی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے گھر سے باہر نکل گیا۔

✲ ✲ ✲

مغرب کے بعد سوہا کو مایوں بٹھایا گیا۔ یہ ایک سادہ ترین رسم تھی۔ نہا دھو کر پیلے جوڑے میں ملبوس اداس سی سوہا کو سب نے باری باری ابٹن لگایا اور مٹھائی کھلائی۔ آج تو نانی امی بھی اپنے گھٹنوں کے درد کی پروانہ کرتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ کے اوپر آگئی تھیں۔ انہوں نے سو کا نوٹ وار کر ماہا کی مٹھی میں دبایا تو جانے کیوں امی کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ شاید خوشی کے موقع پر بچھڑے ہوؤں کی یادیں ہی اداس کر دیتی ہے۔ انہیں بھی اپنے جیون ساتھی کی بے طرح یاد آئی۔ جو سالوں پہلے دو بچوں کے ساتھ انہیں بھری دنیا میں تن تنہا چھوڑ گئے تھے۔ انہوں نے صحن میں آکے چپ چاپ اپنی آنکھیں صاف کیں اور واپس اندر آئیں تو منظر ہی بدلا ہوا تھا۔
سوہا' ماہا سے لپٹی دھواں دار رونے میں مصروف تھی۔ انہوں نے ڈپٹ کر دونوں کو الگ کیا۔ خوشی کے موقع پر یوں رو دھو کر بدشگونی پھیلانا کہاں کی عقل مندی ہے۔
جس گھر میں سارا بچپن' لڑکپن اور جوانی گزری تھی۔ جس گھر میں آنکھیں کھولنے سے لے کر اس بندھن میں بندھنے تک جیون کا ہر دکھ سکھ دیکھا تھا۔ اس گھر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر جانے کا تصور ہی بہت مشکل تھا۔ مگر یہ بھی زمانے کی ایک انوکھی ریت ہے۔
نئی زندگی' نیا سفر اور نیا ہم سفر تو ساتھ ساتھ 'گھر' ماحول اور جگہ بھی نئی۔ اس کے دل کو بھی الٹے سیدھے خیالات اور وہم ستاتے رہے تھے۔ جس کا نتیجہ ان آنسوؤں کی صورت میں نکلا تھا۔ کل دوپہر میں اسے مہندی لگوانے پارلر جانا تھا۔ امی کی ہدایت کے پیش نظر رات کو دیر تک جاگنے کا ارادہ ملتوی کر کے وہ لوگ جلد ہی سونے لیٹ گئی تھیں۔ ماہا دن بھر کی تھکی ہوئی تھی۔ فوراً" ہی گہری نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ سوہا سے نندیا دیوی روٹھی ہوئی تھی اور اس کا اسے منانے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔

✲ ✲ ✲

عشاء سے ذرا دیر بعد کا وقت تھا۔ گلیوں میں رونق آباد تھی۔ اس کی بائیک نے جوں ہی گلی کا موڑ کاٹا' اپنے گھر سے اٹھتی تیز موسیقی کی آواز سماعتوں کو چھونے لگی۔ وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔
اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس کے بنائے گئے پلان کا ستیاناس کر کے وہ سب کے سب انس کے ساتھ اسے بھی سرپرائز دینے کے چکر میں ایک دن پہلے ہی وہاں پہنچ گئے تھے۔
جس وقت اس نے گھر میں قدم رکھا پورے گھر میں "پریٹی وومن" کی دھوم تھی۔ دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی محو رقص دوست نے چھلانگ لگا کر اس کی ٹھوڑی چھوئی اور اسے حیران پریشان کھڑا چھوڑ کر ٹھمکے شروع۔

وہ تو پل میں خوش ہے پل میں خفا
بدلے وہ رنگ ہر گھڑی
پر جو بھی دیکھوں روپ اس کا
لگتی ہے پیاری بڑی
حدید بے سوچے سمجھے اس کا ساتھ دینے لگا۔
پریٹی وومن دیکھو دیکھو نا
پریٹی وومن دیکھتے ہو نا
پریٹی وومن تم بھی کہو نا
صارم ڈانس کرنے میں کمال مہارت رکھتا تھا۔
خدا خدا کر کے گانا ختم ہوا تو وہ دونوں بری طرح ہانپ کر ایک طرف ڈھیر ہو چکے تھے۔انس ان کے لیے چائے اور بچے کچے اسنیکس لے آیا۔
"کب آئے تم لوگ۔" اسے اب پوچھنے کا خیال آیا تھا۔
"بہت دیر ہو گئی۔"
"کل کا پروگرام بنا کر آج ہی۔" اس نے ہنس کر ایک چپس اٹھا کر منہ میں ڈالا۔
"اچھا لگ رہا ہے' گھر سونا ہو رہا تھا' رونق ہو گئی۔" اس نے بہت جلد اپنے احساسات کو زبان دے دی۔ حقیقت تھی بھی یہی۔ کمپیوٹر پہ لگا ٹریک چینج ہو کر سوپر ہٹ نمبرز کی طرف مڑ گیا۔ پہلے "منی کی بدنامی" عروج پر آئی۔ پھر۔۔۔ شیلا کی جوانی' صارم کی رگ رگ میں لگتا تھا پارہ بھرا ہوا ہے۔
میوزک کے ساتھ ساتھ جس قدر مضحکہ خیز انداز میں لڑکیوں کی طرح' مثلاً' شرماتا اور ٹھمکتا اور کبھی کبھی ہونٹوں کو دانتوں تلے دبا لیتا۔ ان سب کا ہنس ہنس کے برا حال ہو چکا تھا۔ خود انس کے پیٹ میں بل پڑ گئے تھے اور آنکھیں پانیوں سے لبالب بھر گئی تھیں۔
صارم نے شرٹ کا اوپری بٹن کھول کر گھونگھٹ نکال لیا۔ انس ڈیک بند کرنے اٹھا کہ پاس پڑوس میں لوگ ڈسٹرب ہوں گے' مگر صارم نے اس کو پکڑ لیا۔ وہ ناچتے ناچتے تھک چکا تھا۔ اس لیے ایک سلو ٹریک پر ہیروئن کی طرح ایکٹ کرنے لگا۔
کیوں تم کو دیکھتے ہیں کیا دل میں سوچتے ہیں
طوفان جو اٹھ رہا ہے ہم اس کو روکتے ہیں
اس نے ایک جوش سے سینہ پھلا کر انس کو چھیڑا۔ وہ بے طرح جھینپ چکا تھا۔ اوپر سے ان لوگوں کے بے ہودہ کمنٹس' اخلاقیات کی حدود پھلانگتے مذاق' یوں لگ رہا تھا وہ سب ہی روٹین لائف سے شدید بے زار ہو کر انجوائے منٹ کے لیے یہاں آئے ہیں۔ انس نے تیزی سے آگے بڑھ کر ڈیک بند کیا۔
"بات سنو' آوازیں باہر جاتی ہیں' سب ڈسٹرب ہوں گے' آہستہ ہنسو۔" اس نے مسکراتے ہوئے وضاحت دی۔ حدید پھر چائے بنانے اٹھ چکا تھا۔
وہ سب انس سے اس رشتے کی تفصیلات اور ہونے والی بھابھی اور ان کی فیملی کا حدود اربع پوچھتے رہے۔ انس مسکراتے ہوئے تفصیلات سے آگاہ کرتا رہا۔
کالج کے دور کی یادیں تازہ کی گئیں۔ پھر باتوں کا رخ جاب' انٹرویو کے ٹائم اور نوکری کے پہلے دن کی طرف مڑ گیا۔ باتوں اور یادوں کے اس نہ ختم ہونے والے سلسلے کو لوڈشیڈنگ نے ختم کیا۔ وہ سب جس طرح اکٹھے آئے

تھے ویسے ہی اکٹھے اٹھ کھڑے ہوئے۔
"یار دن حسیب نہیں تھا کالج میں۔ وہ بھی آنے کا کہہ رہا تھا۔ کل آئے گا دن میں۔ آج کل پاکستان میں ہے نا۔" صارم کو بالکل گھر سے نکلتے وقت یاد آیا تھا۔
"تو آج کیوں نہیں آیا۔"
"مصروف ہے' دبئی میں اس کا بزنس ہے نا' شاید پرسوں چلا جائے گا۔"

☆ ☆ ☆

اسے آج بھی وہ دن یاد تھا جب انس کی بادامی آنکھوں میں چھپے جذبے لو دینے لگے۔ بالکل اچانک ہی اسے ان کا انداز بدلا بدلا سا لگنے لگا تھا۔ خاندان ہی کی ایک تقریب میں بے تحاشا بھوک' برداشت کرتے کرتے اس کے سر میں درد کی شدید لہریں اٹھنے لگی تھیں۔ متلی الگ شروع ہو گئی تھی اور کھانے کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔
"چلو میرے ساتھ گھر کے اندر' میں دیکھتی ہوں۔" ماما اس کی حالت پر گھبرا کر کہتی اس کا ہاتھ پکڑ کر گھر کے اندر لے گئی۔ جس کے ساتھ ہی شامیانہ لگا کر مہمانوں کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔
"یہاں بیٹھو میں کسی سے کہہ کر کھانا منگواتی ہوں۔" وہ اسے ایک کرسی پر بٹھا کر اندر غائب ہو گئی۔
گھر کے اندر باہر آنے جانے والوں کی گہما گہمی تھی۔ مگر اس کی طرف دھیان دینے کا ٹائم کسی کے پاس نہیں تھا۔ آتے وقت وہ جتنی اہتمام سے تیار ہوئی تھی' اب یہی تیاری اسے زہر لگ رہی تھی۔ کیمرے' میک اپ اور جیولری سے وحشت ہو رہی تھی۔ اس نے بری طرح دکھتے ہوئے سر کو تھاما۔ قریب تھا کہ وہ بے بسی سے رو ہی پڑتی مگر سامنے سے گزرتے انس نے اسے دیکھ لیا۔
"کیا ہوا سوہا! ایسے کیوں بیٹھی ہو یہاں۔" وہ تشویش سے کہتا نزدیک چلا آیا۔
"بھوک سے سر میں درد ہو گیا ہے بس اور کچھ نہیں۔" اس نے زبردستی مسکرا کر تشفی کرانی چاہی۔
"میں کچھ کھانے کو لاتا ہوں۔"
"نہیں حدید بھائی پلیز آپ رہنے دیں۔ ماما گئی ہے نا' کچھ لے کر ہی آئے گی۔" وہ اس کے لیے غیر نہیں تھا۔ مگر اتنی بے تکلفی بھی نہ تھی کہ وہ یوں بے دھڑک اس سے کام کرواتی۔ مگر دوسری جانب تو جیسے سنہری موقع ہاتھ آیا تھا۔
"نہیں میں بس یوں گیا اور یوں آیا۔ ویسے بھی جینٹس کی سائیڈ پر کھانا کھل گیا ہے۔ ماما بے چاری کہاں سے لائیں گی۔"
"یہ لیجیے۔" چند منٹوں میں وہ بریانی کی پلیٹ تھامے واپس آیا تھا۔ گرما گرم بھاپ اڑاتی خوشبودار بریانی دیکھ کر اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ پٹ تین' چار' چمچے بھر بھر کے منہ میں ڈالے اور تیزی سے نگلے۔ اسے اس قدر پھرتی کا مظاہرہ کرتے دیکھ کر انس سے رہا نہیں گیا۔
"آرام سے کھاؤ۔ نہیں تو پھندا لگ جائے گا۔" وہ شرمندہ ہوئی' مگر ہاتھ نہ رکا۔ انس وہیں کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ سوہا جزبز ہوئی۔ ماما کہاں رہ گئی تھی خدا جانے۔
"میں کھا کے پلیٹ رکھ دوں گی۔" واضح اشارہ تھا کہ یہاں سے پھوٹ لیجیے۔
"میٹھا بھی تو چاہیے ہو گا۔" وہاں بھی کمال درجے کی ڈھٹائی تھی۔
"نہیں' میں خود لے لوں گی حدید بھائی۔ آپ بھی تو کھائیں کھانا۔" منہ پھوڑ کے اسے خود ہی کہنا پڑا۔ وہ مسلسل میٹھی میٹھی نظروں سے اسے تک رہا تھا۔

"ٹھیک ہے میں جا رہا ہوں۔ ماہا آرہی ہے' کچھ چاہیے ہو تو بتانا اور سنو۔"
"جی۔" اس نے بھرے منہ سے اس کا منہ دیکھا اور بمشکل جی بولا۔
"میں حدید نہیں' انس ہوں۔" اس کی شکل دیکھ کر اس کی ہنسی نکل گئی۔ اس نے نا سمجھی سے یوں کندھے اچکائے جیسے انس ہو یا حدید مجھے کیا فرق پڑتا ہے۔

✡ ✡ ✡

اس دن تو نہیں' مگر ہاں بعد میں آنے والے دنوں میں سوہا کو واقعی کافی فرق پڑا۔ انس نے ان کی تائی امی اور اپنی خالہ جان کے ہاتھ سوہا کے لیے پیغام بھیجا تھا۔ خیر ماہا' امی اور خود اس کے لیے خوشی کا باعث ہی تھی۔ ظاہر ہے' تعلیم یافتہ' برسرروزگار اور شریف النفس' انس میں وہ تمام خوبیاں تھیں جو کسی لڑکے کا رشتہ طے کرتے وقت دیکھی جاتی ہیں۔ خوش شکلی اور جاذب نظر شخصیت اس کے علاوہ تھیں۔ خاندان ایک ہی تھا۔ یوں ملنا ملانا ہوتا رہتا تھا۔ لیکن اس سارے قصے میں افسوس کی بات یہ تھی کہ انس نے اپنی خالہ جان کی امیدوں پر بری طرح پانی پھیرا تھا۔
وہ باتوں باتوں میں بہت اچھی طرح امی کو یہ بات جتا گئی تھیں کہ پہلا حق ان کا اور ان کی بیٹیوں کا تھا۔ خاندان کے دوسرے ملنے جلنے والوں کی زبانی یہ تک سننے میں آیا کہ انہوں نے بیان دیا تھا کہ "اگر میرے بہن اور بہنوئی آج زندہ ہوتے تو کبھی یہ رشتہ نہ ہونے دیتی۔" امی کو بے پناہ دکھ کا احساس ہوا۔
"کیا ماہا اور سوہا کو وہ اپنی بیٹیاں نہیں سمجھتیں۔" سوال سیدھا سادا تھا' مگر جواب سرے سے ندارد۔
"مگر ان کے سربراہ' بھائی سلامت نہیں تو یہاں کس کا آسرا ہے ہمیں۔" اولاد نرینہ سے تو وہ اور ان کی جٹھانی فیضیاب نہ ہو سکی تھیں۔ مگر ان کے سربراہ کا سایہ تو تھا۔ ہرچند کہ سالوں پہلے فالج کے اٹیک کے باعث تایا ابو بستر کے ہو کے رہ گئے تھے۔ مگر ان کا وجود نہ ہونے سے تو بہتر ہی تھا۔
ماہا اور سوہا کے ابو تو ان کے بہت بچپن میں ہی انتقال کر چکے تھے۔ اس کے بعد امی کی ساری زندگی دونوں بچیوں کی پرورش اور دیکھ بھال کی مشقت جھیلتے گزری تھی۔
انس جیسے کالڑکے رشتہ آج کل کے زمانے میں خاص طور پر اس کی اپنی اتنی قریبی کزنز کے ہونے کے باوجود کسی نعمت سے کم نہ تھا۔
لیکن خوشیوں کے ان رنگوں کو بھنگ زدہ کرنے کی تائی امی نے اپنی سی کوشش ضرور کی تھی۔
"چٹی رنگت اور چھریرے بدن چاہئیں۔ آج کل تو سب کو۔ بعد میں چاہے کھا کھا کر بھینس بن جائیں۔ پہچانی نہ جائیں۔ مگر ان موئے لڑکوں کو کون سمجھائے کہ اصل سلیقہ تو گھرداری اور گھرہستی سنبھالنے میں ہے۔" وہ محلے کی کسی تو بیا ہتا پر اپنے کمنٹس پاس کر رہی تھیں۔ مگر امی اور سوہا جانتی تھیں یہ اظہار خیال ان ہی کے سامنے کیوں کیا جا رہا ہے۔
انس اور حدید دو ہی بھائی تھے۔ سر سے اپنے ماں باپ کا سایہ اٹھ جانے کے بعد' خالہ جان کو ہی بزرگ کہتے اور مانتے تھے۔ جب ہی شادی کا خیال آتے ہی انس نے سیدھے سادے طریقے سے جا کر ان ہی کو اپنی پسند سے آگاہ کیا تھا۔ اور بظاہر تو وہ بھی راضی خوشی اس کا رشتہ لے کر ہتھیلی پہ سرسوں جمانے چلی آئی تھیں۔
"آج کل تو جتنی جلدی بیاہ دو اچھا ہے۔ لڑکیاں کیا لڑکے۔ کسی کا کچھ پتا نہیں۔ اے آنکھ مٹکا ہوتے دیر تھوڑا ہی لگتی ہے۔"
وہ اپنے نادر خیالات کا اظہار کر کے امی کو شرمندہ کرتی رہیں۔

"اللہ کا شکر ہے بھابھی جان۔ یہ میری لڑکیاں ایسی نہیں۔ مجھے ان پر پورا بھروسہ ہے۔" نہ نہ کرتے بھی اس کے انداز میں ناگواری سی جھلک آئی تھی۔

"ہاں ہاں میں کوئی ان کو تھوڑا ہی کہہ رہی ہوں۔ ماشاء اللہ میری تو چاروں لڑکیاں بہت سعادت مند ہیں۔" انہوں نے فوراً "پینترا بدل لیا۔

اسی وقت ماہا سیل فون ہاتھ میں لے کر کمرے سے نکلی۔

"یہ ایک اور نئی مشین ایجاد ہوگئی ہے۔ نری جان کا عذاب۔ نہ جاگتے سکون نہ سوتے چین۔" ماہا نے ایک دم ٹھٹک کر انہیں دیکھا پھر مسکرادی۔

"تائی امی۔ یہ جان کا عذاب ان کے لیے ہے۔ جنہوں نے اسے جان کا عذاب بنایا ہے۔ ہر چیز کا یہی حساب ہے۔ کچھ سیکھنے کے لیے یا اپنے فائدے کے لیے استعمال کرو تو سود مند ورنہ ہر چیز ہی جان کا عذاب۔ کیا ٹی وی۔ کیا کمپیوٹر۔ موبائل' انٹرنیٹ۔" وہ محبت سے بولتی ان کے برابر آن بیٹھی۔

"اب آپ خود دیکھیں نہ مجھے کیلنڈر کی ضرورت ہے نہ گھڑی کی۔ اور تو اور بوقت ضرورت میں اسکول میں کیلکولیٹر کے کام بھی اسی سے کرلیتی ہوں۔" اس میں صبح اٹھنے کے لیے الارم بھی ہے اور پانچوں وقت نماز کی ادائیگی کی یاددہانی کے لیے بھی۔

"یہ سب اس میں ہے۔ اتنی سی ڈبیا میں۔"

"جی اس میں سب کچھ ہے۔ ریڈیو بھی اسی میں ہے۔ خبریں بھی اسی پر سن لیتی ہوں۔ اور صرف پاکستان کا نہیں یہ دنیا کے زیادہ تر ملکوں کے ٹائم ایک سیکنڈ میں بتاسکتا ہے۔" تائی امی کا منہ کھل گیا۔ امی بھی مسکرانے لگیں۔

"لیکن جو لوگ اس سے غلط فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ فضول کے میسجز اور الٹی سیدھی کالیں کرکے لوگوں کو پریشان کرتے ہیں۔ جو لڑکیاں فون پر دوستیاں کرتی پھرتی ہیں۔ ان کے لیے ہے یہ جان کا عذاب' اور یہ عذاب ان کا اپنا خریدا ہوا ہے۔"

"ہاں ہاں۔ میں بھی تو یہی کہہ رہی تھی۔" تائی امی گڑبڑا گئیں۔

"امی نماز کا ٹائم ہورہا ہے۔" وہ اطمینان سے کہتی ہوئی اٹھ گئی۔

اس کے خیال میں تائی امی کے لیے اتنی ڈوز کافی تھی۔

☆ ☆ ☆

رشتہ طے ہونے کے بعد دن پر دن گزرتے چلے گئے۔

انس اور حدید بہت پابندی سے تو پہلے بھی نہیں آتے تھے۔ اب اس معمول میں اس طرح فرق آیا کہ حدید کی آمدورفت بڑھ گئی اور انس نے آنا جانا بہت کم کردیا۔

وہ خود بھی اپنی خالہ جان کی نقطہ چینی اور باتیں ملانے والی عادات و خصلت سے واقف تھا۔ اس کی اپنی خالہ زاد بہنیں ہی کم نہ تھیں۔ خصوصاً "نائلہ۔ اور صورت حال کچھ ایسی تھی کہ خالہ جان کو امید تھی کہ وہ نائلہ کے لیے سوال کرے گا۔ لیکن اس نے دونوں میں سے ایک کو بھی نہ پوچھا۔

سوہا اور اس کے درمیان فون پر رابطہ بھی کم رہا۔ کچھ سوہا کی شرمیلی طبیعت اور کچھ اس کی احتیاط پسند فطرت۔ بہرحال منگنی سے شادی تک کا عرصہ بہت رنگین نہ سہی مگر بہت بور بھی نہیں تھا۔ کبھی کبھی کوئی شوخ سا فقرہ یا محبت بھرا پیغام سیل پر موصول ہوجاتا۔ وہ بھی اس یقین دہانی کے بعد کہ ماہا اور سوہا کا مشترکہ موبائل اس وقت صرف سوہا کے تصرف میں ہے۔ آنکھیں جگمگاتی رہتیں۔ لب گنگناتے رہتے۔

"کیسی ہے یہ رت کہ جس میں پھول بن کر دل کھلے۔"

☼ ☼ ☼

"الصلوۃ خیر من النوم (نماز نیند سے بہتر ہے)۔"
اب کائنات کا بلاوا غفلت کی نیند میں غرق مسلمانوں کو اپنی سمت بلا رہا تھا۔
پوری رات آنکھوں میں کٹ گئی تھی۔
ایک پل کے لیے بھی پلک جھپکی 'نہ دھیان کسی اور ہی سمت مرتکز ہوا۔
"ماہا اٹھو۔ نماز پڑھو۔" وہ برابر میں سوئی ماہا کو اٹھا کر خود وضو کرنے چل دی۔ باہر صحن میں نکل کر اس نے دو تین گہرے سانس لیے۔ پوری رات کی جگار کے بعد بھی وہ یونہی تازہ دم تھی۔ جیسے بڑی گہری اور طویل نیند لے کر اٹھی ہو۔
تھکن اور سستی کا شائبہ تک نہ تھا۔ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے چہرے پر تازگی کا انوکھا احساس جگا رہے تھے۔
پورے ارتکاز اور خضوع و خشوع کے ساتھ نماز کی ادائیگی کے بعد' وہ تا دیر رب کے حضور اپنی آئندہ آنے والی زندگی میں' خوشی' رحمت اور اطمینان کے لیے دعا گو رہی۔ نماز پڑھ کر کمرے میں آکے اس نے ماہا کو ایک بار پھر ہلایا۔ اور بدقت تمام جگا کر کمرے سے باہر دھکیلا۔ اور تکیے کے نیچے ہاتھ ڈال کر سیل فون نکالا۔ اور کئی بار کی پڑھی ہوئی غزل ایک بار پھر پڑھنے لگی۔

دل کی طاق پر دیا جلانے آؤں گا
میں تم کو کچھ یاد دلانے آؤں گا
جیتنے دوں گا اس کو ہر بازی اور پھر
اپنی ہار کا جشن منانے آؤں گا
آرزو بہت تھی جن گلیوں میں بسنے کی
وہیں پر اک دن خاک اڑانے آؤں گا
بجھ جائے گی میری یہ سانسیں پھر بھی
روز تمہارے ناز اٹھانے آؤں گا

آخری شعر زیر لب دہراتے ہوئے اس کے دھیان میں زبردست خلل پڑا۔ باہر سے ماہا کے چیخنے کی آواز آئی تھی۔ وہ موبائل پھینک کر بھاگی۔ ماہا باتھ روم کی سیڑھیوں کے پاس بیٹھی ہائے وائے کر رہی تھی۔ اس کا پیر پھسل گیا تھا۔ اور اب زبردست ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

بارہ بجے اسے سوہا کو پارلر لے کر جانا تھا۔ مگر اسے فون پر معذرت کرنی پڑی۔ پیر میں درد اور شدید سوجن تھی۔
"شام تک کچھ کم ہو جائے تو چلی چلنا۔"
"شکر ہے موچ نہیں آئی۔ اس نے کہہ دیا ہے کہ پانچ بجے تک بھی آجائیں تو۔" وہ بغور اپنے پیر کا معائنہ کر رہی تھی۔
"ور کر لو سینکائی۔" سوہا کو بھی اسے دیکھ دیکھ کر فکر ہو رہی تھی۔ عفت کچن میں امی کے ساتھ ناشتا بنوا رہی تھی۔ سوہا کو مایوں کی دلہن کے ناتے منع کر دیا تھا۔

"ساری زندگی کام ہی کرنا ہوتا ہے ہر لڑکیوں نے۔ بس یہی چند دن آرام کے ہوتے ہیں۔" اس کی آواز میں خلوص تھا۔
یوں بھی وہ نائلہ کی طرح بغض و کینہ پرور نہیں تھی۔ ایک فطری جلن جو نائلہ سگی بہن کے بجائے سوہا کے نصیب کھل جانے پر اس کے دل میں تھی۔ اس نے اسے بڑی کمال مہارت سے چھپا لیا تھا۔ اس کے چہرے، باتوں اور انداز سے اتنا پتا نہیں چلتا تھا۔ جیسے نائلہ۔
اس کا معاملہ تھا بھی الگ۔ ایک تو وہ انس کو عرصہ دراز سے پسند کرتی تھی۔ دوسرے وہ کچھ تھی بھی ایسی منہ پھٹ طبیعت کی۔ سب کے سامنے کھلی کتاب۔
اس کے برعکس عفت کی طبیعت میں خلوص بھی تھا اور نرمی تھی۔ اور کچھ مقابلہ کرنے کی موہوم سی خود غرض جھلک بھی۔
"ویسے عین شادی سے پہلے یہ بدشگونی ہونی نہیں چاہیے تھی۔" ماما مصنوعی فکرمندی سے بول رہی تھی۔ مقصد سوہا کو پریشان کرنا تھا۔
"ہاں واقعی۔ آج اگر تم اندھوں کی طرح واش روم سے نہ نکلتیں۔ تو یہ بدشگونی آج کے بجائے کبھی آئندہ پر ٹل جاتی۔" سوہا نے بھی جواباً سنجیدگی دکھائی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج کاؤنٹر کے آگے لگی قطار کچھ خاص لمبی نہیں تھی۔ چند ایک عورتیں تھیں جنہیں شبیر حسین تقریباً "نپٹا" چکا تھا۔ اسے دیکھ کر جلدی جلدی کام سمیٹ کر اٹھا۔
"چلو پہلے تمہارے ابا کو دکھا دیں۔ پھر میڈیکل اسٹور سے دوا لانی پڑے گی۔ فارمیسی میں..." وہ باتیں کرتے ہوئے باہر لان میں نکلا اور نائلہ کے ساتھ ابا کی طرف آگیا۔
"سلام بڑے صاحب۔"
بڑے مودبانہ انداز میں پان کی پیک کی لمبی پچکاری ایک طرف نکال کر اس نے ابا کو سلام کیا۔ ابا جواباً "دعائیں دینے لگے۔
سرکاری اسپتالوں میں آج کل جس بے حسی کا دور دورہ ہے۔ اسے مدنظر رکھتے ہوئے یہ ایک بے غرض اور مخلص اللہ کا بندہ۔ ان کی بزرگی پر ترس کھا کر انہیں دھکم پیل سے بچا کر جتنے سکون سے ڈاکٹر سے نسخہ دلوا دیتا تھا۔ ایک بوڑھے وجود کے لیے یہ بہت کافی تھا۔ باقی رہا مرض تو وہ تو اب موت کے ساتھ ہی جاتا تھا یہ بات طے تھی۔
یہ تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ ان کی بزرگی پر ترس کھا کر نہیں، بلکہ ان کی بیٹی کی جوانی پر نیت لگا کر اپنا پن دکھاتا ہے۔ ڈاکٹر نے متعدد بار کی جاری کی ہوئی ہدایات کا پلندا پھر سے ابا کو تھمایا۔ پرانے نسخے میں درج دوائیوں میں سے چند ایک کی کمی اور کچھ کا اضافہ اور بس۔
"یہاں کی فارمیسی میں اسٹاک ختم ہوگیا ہے میں میڈیکل اسٹور سے لا دیتا ہوں۔" اس نے نائلہ کو چلنے کا اشارہ کیا۔
"تم اکیلے ہی چلے جاتے بیٹا۔ یہ کہاں دھوپ میں خوار ہوگی۔" ابا بیمار ضرور تھے۔ مگر ہوش و حواس تو قائم تھے ابھی۔
"میں تو جا ہی رہا ہوں چاچا جی۔ مگر ہر بار تو میں نہیں ہوں گا نا۔ اچھا ہے یہ بھی دو ایک بار دیکھ لیں تو آگے سے آسانی رہے۔" بات تو معقول تھی۔

چند لمحوں بعد ہی وہ بائیک پر اسے اپنے پیچھے بٹھا کر اڑا جا رہا تھا۔ نائلہ کے دل ہزار خدشوں اور وسوسوں کے باوجود بائیک کے ساتھ اڑان بھرنے لگا۔

☆ ☆ ☆

"بس اللہ کا کرم ہے۔ اس حال میں بھی اسی نے رکھا۔ یہ حال بھی اس کا بخشا ہوا ہے۔" انس رشک بھری نظروں سے اپنے دوست کو دیکھ رہا تھا۔

کالج کے زمانے میں وہ ان کے گروپ کا سب سے پڑھاکو لڑکا ہوا کرتا تھا۔ والد ایک معمولی ٹیکسی ڈرائیور تھے۔ اس لیے ایک ایکسیڈنٹ میں ان کی حادثاتی موت کے بعد گھر کی کفالت کی تمام تر ذمہ داری اس کے کندھوں پر آپڑی۔ اس کا تمام لڑکپن اور جوانی کا بڑا حصہ، تعلیم ادھوری چھوڑ کر حصول روزگار کی مشقت میں گزرا تھا۔ انس خود اور اس کے گروپ کے تمام لڑکے اس کے گھر کے بگڑے حالات سے واقف تھے مگر وہ خود اتنا خوددار تھا کہ ہمیشہ اپنے زور بازو پر بھروسہ کیا اور کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔

چودہ سال کی لگاتار محنت شاقہ کے بعد آج جب وہ عمر کے چونتیس بہاریں دیکھ چکا تھا۔ تو اللہ کے فضل سے اس کی حیثیت انس اور اس کے دوسرے تمام ساتھیوں سے بہتر ہو گئی تھی۔

وہ انس سے بھی سالوں کے بعد ملا تھا۔ دونوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ گزرے شب و روز کی تلخیوں اور سختیوں کا احوال سناتے۔ کبھی وہ ایک دم مسکرا رہا اور کبھی آنکھوں میں نمی چھلکنے لگی تھی۔

"تم ایک دن رک نہیں سکتے حسیب۔ میری شادی میں شرکت کر کے چلے جانا۔" انس اس سے بہت محبت سے کہہ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

بیوٹیشن بڑی مہارت سے سوہا کے پیروں پر گل بوٹے بنا رہی تھی۔ ماہا کو مارکیٹ میں کام تھا وہ سوہا کو بتا کر باہر نکلی۔

اسے میچنگ بریسلٹ چاہیے تھا مگر وہاں آس پاس کوئی جیولری شاپ بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اوپر سے پیر کی تکلیف۔ کسی بھی طرح کر کے وہ سوہا کو جیسے تیسے پارلر تک لے آئی تھی۔ مگر اب یہ بریسلٹ خریدنا دنیا کا مشکل ترین کام تھا سو اس نے ارادہ ترک کر دیا۔ اور واپسی کا قصد کا ہی تھا کہ ایک دکان سے حدید کو نکلتے دیکھ کر رک گئی۔ وہ بھی اسے دیکھ چکا تھا۔ سیدھا اس طرف آیا۔

"تم یہاں۔ وہ بھی اکیلی؟"

"اکیلی نہیں ہوں۔ سوہا کو لے کر پارلر آئی تھی۔ مہندی لگوانے۔"

"پیر میں کیا ہوا؟"

"آج سیڑھیوں سے پیر پھسل گیا تھا۔" وہ کچھ خجل سی ہو گئی تھی۔

"تمہیں سب سے زیادہ خوشی ہے۔" وہ اسے چھیڑنے لگا۔

"موقع تو خوشی کا ہے ہی آپ کو خوشی نہیں ہے کیا۔ آپ تو دولہا میاں کے جڑواں بھائی ہیں۔"

"اچھا تو ایک چھوٹا موٹا ایکسیڈنٹ تو مجھے بھی کروا لینا چاہیے۔"

"ہائے ہائے۔ اللہ نہ کرے فضول باتیں مت کریں۔" باتیں کرتے ہوئے دونوں دھیرے دھیرے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ اس کی مزے مزے کی باتوں میں ماہا کو بھی پیر کا درد بھولنے لگا۔ اس نے باتوں باتوں میں حدید کو بتایا کہ اسے کیا لینا تھا۔

"میں لادوں گا مجھے کلر بتا دینا۔ گھر چل رہی ہو میرے ساتھ۔"

حدید کو منع کرنا چاہتی تھی مگر حدید نے چلنے نہ دی۔

"امی کو پتا چلا تو۔"

"تو کیا۔ سوہا کو تھوڑا ہی لے کر جا رہا ہوں۔ چلو اپنی بہن کا کمرہ تو دیکھ لو۔ اب تک تو سج چکا ہوگا۔" اس نے لالچ دے کر حتمی انداز میں قدم موڑ لیے۔

"چلیں میں سوہا کو بتا کر آتی ہوں۔" اس نے فوراً شوق سے کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

انس کا کمرہ تیار ہو چکا تھا۔ بے دھڑک اندر داخل ہو گئی۔ مگر فوراً ہی اپنی جلد بازی پر افسوس ہوا۔ اندر کوئی اجنبی بیڈ پر بے تکلفی سے دراز تھا۔

وہ جتنا شاکڈ اسے دیکھ کر ہوئی۔ یقیناً وہ خود بھی ہوا ہوگا جبھی تیزی سے اٹھا۔ مگر تب تک ماہا واپس پلٹ چکی تھی۔

"وہ اندر کوئی ہے۔" وہ باہر آکر جھجک کر حدید سے بولی۔

"کون.... ہاں وہ حسیب ہوگا انس کا دوست۔ سوری مجھے خیال نہیں رہا۔" حدید اسے دو منٹ ٹھہرنے کا کہہ کر کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"چلتا ہوں انس۔ دیکھو پھر کب ملاقات ہو۔" لاؤنج میں انس اور وہ کھڑے تھے۔

"رک جاتے تو اچھا تھا۔ شادی میں اور دوستوں سے بھی مل لیتے۔" انس ایک بار پھر اس سے کہنے لگا۔

"اچھا دیکھو۔ میں پھر کوشش کروں گا۔"

ماہا کو محسوس ہوا وہ اسے ہی دیکھ رہا ہے۔ وہ بہت ان ایزی فیل کر رہی تھی۔ انس اور وہ باتیں کرتے باہر نکل گئے۔

ذرا دیر بعد جب وہ اور حدید گھر سے نکلنے لگے تو اس نے تائی امی اور نائلہ کو آتے دیکھا۔ نائلہ اسے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی یا شاید اس نے ایسا پوز کیا۔

"ہم سے تو چچی جان نے کہا تھا کہ تم اور سوہا پارلر گئی ہو مہندی لگوانے۔" اس کے لہجے میں کچھ تھا۔ ماہا جلدی سے وضاحت دینے لگی۔

"وہ وہاں عفی باگل، صبح سے سارے گھر کی صفائیاں کرتی مری جا رہی ہے۔" وہ بات سن کر کمنٹس دیتی اندر چلی گئی۔

"بس اب موتیے کی لڑیاں رہ گئی ہیں۔ وہ کل رات میں لگاؤں گا۔ ورنہ مرجھا جائیں گی۔" حدید واپسی میں اس سے بات کر رہا تھا۔ پھر اس کی غائب دماغی محسوس کر کے چپ ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

"پتا ہے میں آج امی کے ساتھ انس لوگوں کے گھر گئی نا تو وہاں نا حدید اور وہ ماہا اکیلے تھے گھر میں۔" نائلہ کی آواز کمرے کی خاموشی میں پراسراریت سے گونجی۔

"کیا کہہ رہی ہو تم۔" عفت کے کان کھڑے ہو گئے۔ بات ہی کچھ ایسی تھی۔

"یقین نہ آئے تو پوچھ لینا امی سے۔" اس کے پاس بڑی معتبر گواہی تھی۔

"نہیں خیر یقین کیوں نہیں آئے گا مگر۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر کچھ بالوں سے نکال کر تکیے کے

نیچے دبادیا۔
"فکر کیا۔"
"کچھ نہیں۔" وہ کچھ دیر خاموش نظروں سے اسے تکتی رہی۔
انہیں ہمیشہ سے ایک دوسرے کے ساتھ سونے کی عادت تھی۔ دن بھر کے واقعات سونے کے ٹائم ہی دہرائے جاتے۔ تمام تبصرے اور تجزیے اس وقت کے لیے بطور خاص اٹھا کر سنبھالے جاتے تھے۔
رشک، حسد، جلن، خوشی تمام مواقع کی مناسبت سے ابھرنے والے جذبات کا اظہار عموماً اسی وقت کیا جاتا تھا۔
"تجھے کیا لگتا ہے عفی۔ساما جھوٹ بول کر گئی ہوگی وہاں۔" ذرا دیر بعد نائلہ پھر بول اٹھی۔ گویا اس کے دھیان کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔
"جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے اسے۔ اس کی بہن کا سسرال ہے وہ۔"
"اونہہ! سسرال کوئی ایسی ہوتی ہے۔ نہ ساس سسر نہ کوئی نند نہ جٹھانی، دیورانی، لے کر ایک دیور۔ وہ بھی ہو بہو بہنوئی جیسا۔"
"ہوں۔" کھٹک تو اس کے دل میں بھی ہو رہی تھی۔ مگر وہ نائلہ کے سامنے اظہار کر کے۔ اس کے شک کو ہوا دینا نہیں چاہتی تھی۔
"ہوں کیا۔ بتانا۔ پتا ہے۔" اس نے کچھ یاد آنے پر جوش سے اس کی سمت کروٹ لی۔
"پتا ہے۔ حدید کے ساتھ ہی آئی تھی۔ کہہ رہی تھی۔ سوہا پارلر میں مہندی لگوا رہی ہے۔"
"ہاں تو میں کیا کروں۔" اس نے جان بوجھ کر سرسری انداز اختیار کیا۔
"لے۔ تجھے کوئی فرق نہیں پڑتا اور یہ حدید کو کیا پڑی ہے کہ اسے اپنی بائیک پر لیے لیے پھر رہا ہے۔"
"کل آئے گا نا بھائی کی برات لے کر تو پوچھ لینا۔" عفت نے تنگ آکر بات ختم کر دی۔
"اونہہ۔" نائلہ حسب عادت تنک گئی۔
"مجھے تو دال میں کچھ کالا لگتا ہے۔" اس نے گہری نگاہوں سے عفت کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو تولا۔
"میں تو کہتی ہوں۔ امی پر دباؤ ڈالو۔ اب حدید سے صاف صاف بات کرلیں۔"
"کیسی بات۔" عفت چونک پڑی۔
"تمہاری اور حدید کی شادی کی بات۔"
"پاگل ہوگئی ہو کیا۔" عفت بدک سی گئی۔
"امی خود سے کیسے کر سکتی ہیں۔"
"کیوں نہیں کر سکتیں۔ جب انس امی کی خواہش کا علم رکھنے کے باوجود ان کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کر سکتا ہے۔ تو امی ایسا کیوں نہیں کر سکتیں۔" عفت کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔ پھر چہرہ موڑ لیا۔
"اگر حدید کو میرا ساتھ چاہیے ہوگا تو وہ خود ہی کہہ دے گا۔ ورنہ یوں زندگی بھر کے لیے کسی کے سر پر مسلط ہونے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔" نائلہ نے دل ہی دل میں اس کی عقل پر ماتم کیا۔
"تو پھر بیٹھی رہ انتظار میں۔ اور وہ دیوتوں چڑیلیں نا۔۔۔" باقی بات اس نے منہ میں بڑبڑا کر پوری کی۔
ابا کے کھانسنے کی آواز آنے لگی تھی۔ عفت نے ہنوز چہرہ موڑ رکھا تھا۔ نائلہ اندازہ نہیں لگا سکی کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔
خاموشی اور سناٹے میں جھینگروں کے بولنے کی آوازیں تھیں۔ یا پنکھے کی سست گھرر گھرر۔ نائلوں کی سوچوں میں

شبو (بشیر حسین) کا سانولا چہرہ آن سمایا۔
وہ پلکیں موندے وہ وقت یاد کر رہی تھی جب اس نے میڈیکل اسٹور سے دوا لینے کے بہانے پورا گھنٹہ بھر ادھر ادھر گھمایا تھا۔ گولا گنڈا اور بریانی سے تواضع کی تھی۔ اور ابا کی طرف سے دیر کے استفسار پر فراٹے سے کہہ دیا تھا کہ نزدیک کے کسی میڈیکل اسٹور پر دوا نہیں مل رہی تھی۔ بہت دور سے لایا ہوں۔
ابا الٹا مشکور ہی ہوئے تھے۔

☆ ☆ ☆

اصل مسئلہ تو اب کھڑا ہوا تھا۔
وہ بڑی منت سماجت کے بعد امی سے سوہا کے ساتھ پارلر سے تیار ہونے کی اجازت حاصل کر پائی تھی۔ مگر اپنی دیرینہ پسندیدہ ہائی ہیل سینڈل پہن کر ایک قدم بھی نہ اٹھا سکی۔ سوجن تو کم ہو گئی تھی مگر درد ابھی باقی تھا۔
امی نے دوسری پرانی فلیٹ۔ گولڈن چپل نکال کر مسئلہ نمٹایا۔ اس کی صورت رونی سی ہو گئی سارا راستہ وہ اس چوٹ کو گالیاں دیتی رہی۔ میک اپ کروانے میں بھی منہ بنا رہا۔ مگر جب بیوٹیشن نے فائنل ٹچ دے کر چہرہ آئینے کی جانب کیا تو چند لمحے تو وہ خود کو پہچان ہی نہ سکی۔
"ارے! یہ میں ہوں۔" ماہرانہ ہاتھوں نے اس کی موہنی صورت کو الگ ہی نکھار دیا تھا۔
کانوں میں جھولتے بڑے بڑے آویزے۔ لمبے گھنے آبشاریاں اور اس قدر سلیقے کے میک اپ' وہ خود تو ایک طرف' دلہن بنی سوہا بھی اسے دیکھتی رہ گئی۔
"نظر اتروا لینا کسی سے۔ اتنی اچھی لگ رہی ہو۔ امی تو ضرور ہی اپنی اجازت پر پچھتائیں گی۔" دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر ہنسیں۔
مووی لائٹس کی چکا چوند روشنی نے جہاں سوہا کا نوخیز حسن دمکا دیا تھا۔ وہیں ماہا کو پہلی بار اس قدر سجا بنا دیکھ کر بہت سی ستائشی نظروں نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔
"ماشاء اللہ۔ آج تو دونوں بہنیں آسمان سے اتری پریاں لگ رہی ہیں۔" خاندان کی ایک بزرگ خاتون امی سے مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔
امی نے دل ہی دل میں کتنی بار دونوں کی نظر اتاری اور دائمی زندگی کی خوشیوں کے لیے دعا کی تھی۔ نکاح کے وقت' ایجاب و قبول کرتے ہوئے سوہا کی تو ہچکی بندھ گئی۔ زندگی بھر کے لیے اپنا آنگن چھوڑ کر کہیں اور جا بسنا۔ کوئی دل کو دونوں ہاتھوں میں لے کر دبائے دے رہا تھا۔ امی کا حال بھی مختلف نہ تھا۔ اور ماہا۔ اس کی تو اکلوتی سہیلی ہی صرف وہ تھی۔
"اتنا مہنگا میک اپ کیا' یوں آنسوؤں میں بہانے کے لیے کروایا ہے۔" حدید کے مذاق اڑانے پر اس نے بروقت تمام اپنے آپ کو سنبھال کر چہرہ صاف کیا۔ کاجل کی لکیریں چہرے پر پھیل رہی تھیں۔ اس نے جلدی جلدی ٹشو پیپر رگڑا۔
میک اپ کی فکر تو اسے بہرالحال تھی۔ رسموں کی ادائیگی اور نیگ کی وصولی کے وقت عفت اور نائلہ اس کے ساتھ ساتھ تھیں۔
وہ بڑھ چڑھ کر خاندان کے دوسرے کزنز اور انس کے دوستوں کے ساتھ نوک جھونک کرتی رہی۔ اور اسے علم نہ ہوا وہ مسلسل کسی کی گہری نگاہوں کا مرکز بنی رہی۔
اسٹیج کے دائیں طرف رکھے صوفوں میں سے ایک پر براجمان حسیب سوچ رہا تھا۔
"میں نے دبئی کا پروگرام پوسٹ پونڈ کر کے کوئی گھاٹے کا سودا نہیں کیا۔"

☼ ☼ ☼

تازہ بیلے کی کلیوں اور ایئر فریشنر کی خوشبو سے کمرہ مہک رہا تھا۔ نئے نئے لکڑی کے فرنیچر سے اٹھنے والی پالش' مہندی والے ہاتھوں اور وجود سے اٹھتی ابٹن کی باس۔

خوشبوؤں کا ایک دریا تھا۔ جس کی سبک لہروں میں اس کا انگ انگ مہکتا وجود دھیرے دھیرے ہلکورے لے رہا تھا۔ نئے نکور پردوں' وال پینٹ اور دبیز پردوں کارپیٹ سے سجے ہوئے کمرے میں "نو بیاہتا" کا بھرپور تاثر موجود تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر خوشبوؤں سے بوجھل اور مخمور فضا کو اپنے اندر اتارا اور ذرا آرام دہ انداز میں کمر پیچھے نکالی۔

عفت اور نائلہ دولہا کی بہنوں کا رشتہ نبھانے اس کے ساتھ ہی گھر چلی آئی تھیں۔

انس کافی دیر سے دوستوں میں گھرا حدید' کی گھر واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ جو کسی دوست کی گاڑی لے کر کسی کو ڈراپ کرنے چلا گیا تھا۔

"انس بھائی حدید کو فون کریں کافی وقت ہو گیا ہے۔"

دونوں کافی دیر اس کے پاس بیٹھیں۔ زیادہ وقت عفت تقریب کی باتیں کرتی رہی۔ اسی کو خیال آیا۔

"فون بند جا رہا ہے۔ اللہ خیر کرے۔ آج کل حالات اچھے نہیں۔" انس کی آواز میں تفکر سا تھا۔ اس کے کمرے میں انس کی آواز سنائی دی۔ دھڑکنوں میں انتشار سا بھر گیا۔

تقریباً" سب ہی دوست واپسی کے لیے نکل گئے تھے۔ سوائے صارم کے۔ جس کی گاڑی حدید لے کر چلا گیا تھا۔

اس کا کمرہ اوپری منزل پر تھا۔

وہ دونوں انس سے باتیں کرتی نیچے جا رہی تھیں۔ انس کی آواز دور ہوتے ہوتے معدوم ہو گئی۔ جس طرح وہ خود ابھی اس کے پاس آنے والا تھا۔ مگر پھر نیچے چلا گیا تھا۔ دھڑکتے دل میں اکتاہٹ سی ابھرنے لگی۔

ابھی جانے کتنی دیر اور ایسی طرح اسٹیچو بننا تھا۔ بھاری زیورات' ڈھیروں میک اپ اور بھاری کامدار جوڑے میں اسے تھکن کا ایک بے حد موہوم سا احساس تنگ کر رہا تھا۔ آنے والی تمام گھڑیوں کے خوش کن خیالات سے پرے۔

تبھی دروازے پر کھٹکا ہوا۔ انس نے سنبھل کر سر جھکا لیا۔ آنے والا اس کے خیالات کے برعکس انس نہیں عفت تھی۔ گھبرائی ہوئی شکل پر تذبذب کی پرچھائیاں۔ کسی انہونی کے خدشے نے اس کے دل میں چٹکی سی بھری۔

"وہ اسوہا!" عفت جھجک کر رک سی گئی۔ کہوں نہ کہوں کی اضطرابی کیفیت اس کے چہرے پر رقم تھی۔

"حدید کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔"

"کیا۔" اس نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔

اس بار عفت کچھ کہہ نہیں سکی۔ آنکھوں میں اکا ایک آنسو بھر آئے۔ اس نے سر جھکا لیا۔

"اس کی حالت نازک ہے۔ اور انس بھائی اسپتال چلے گئے ہیں۔" سوہا کو اپنی دھڑکنیں رکتی ہوئی سی لگیں۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☼ ☼

نگین

میں نے چندی گڑھ کے اس علاقے میں آنکھ کھولی تھی جس کی فضا گھنگھروؤں کی جھنکار اور حسن کی مہکار سے بجی ہوئی تھی۔ غریبی اور بے بسی کی آخری حدود شاید میرے بابا پہ آکر ہی ختم ہوگئی تھیں جب ہی وہ ہونٹوں پہ درود اور چہرے پر ڈاڑھی سجا کر نہلماں کے "دومسکن" کے آگے گجرے بیچا کرتے تھے۔

میں نے کبھی اپنی ماں کو خوش اور بابا کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ ہمارا خاندان شاید ان چند خاندانوں میں سے ایک رہا ہوگا جنہوں نے بٹوارے کے وقت ہندوستان کی سرزمین کو چھوڑنا گوارا نہیں کیا تھا اور اس فیصلے کا خمیازہ آج تک بھگتتے چلے آرہے تھے۔

آٹھ سال کی عمر تک میں سکینہ اور محمود الحسن کی ایک عام سی بیٹی تھی جو اسکول نہیں جاسکی تھی جس کا گھر سے باہر نکلنا منع تھا اور جو سر سے دوپٹا لپیٹ کر پانچ وقت کی نماز پڑھا کرتی تھی، مگر نویں سال میں قدم رکھتے ہی میں بہت خاص ہوگئی۔

بابا کو پچھلے بیس سالوں سے کینسر تھا جو بڑھ کر آخری اسٹیج پر آچکا تھا' اس رات بابا نے پوری رات خون تھوکا' اماں رو رو کر بے حال ہوگئی تو میرے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں جوڑ کر مجھ سے بولی۔

"عائشہ! بیٹا بابا کے لیے دعا کر۔ اللہ سے کہہ کہ بابا کو ٹھیک کردیں۔" اس ساری رات میں نے اپنے بابا کی صحت مانگی' صبح اماں اور بابا ڈاکٹر کے پاس گئے اس کا آخری جواب سننے جو یقیناً "یہ ہی ہونا تھا کہ اب ان کی زندگی کے چند دن ہی رہ گئے ہیں۔ واپس آئے تو اماں مجھے چوم چوم کر بے حال ہورہی تھی اور ابا دروازے سے ٹیک لگائے مجھے تکے جارہے تھے۔

ڈاکٹر نے کہا تھا کہ ابا کی رپورٹس میں کینسر کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ میری دعا قبول ہوچکی تھی۔ اس دن کے بعد سے میں بہت خاص ہوگئی۔ خدا سے مانگی میری ہر دعا قبول ہوجاتی تھی۔ کوئی اور ہوتا تو شاید میری اس خوبی سے اپنی غربت مٹالیتا مگر میرے بابا نے ایسا نہیں کیا۔

"یہ خدا سے مانگتی ہے اور وہ دے دیتا ہے۔ اس میں نہ میرا کوئی دخل ہے اور نہ میں دخل دوں گا۔" اس کے بعد سلسلہ ہی شروع ہوگیا۔ کیا ہندو اور کیا مسلمان.... لوگ میرے پاس دعائیں کروانے آتے تھے اور میں سب کے لیے دل سے دعا کرتی تھی۔ اٹھارہ سال کی عمر تک میں نے بہت لوگوں کے لیے خدا سے بہت کچھ مانگا۔

کسی کے لیے دولت....

کسی کے لیے شہرت....

کسی کے لیے صحت.... اور

کسی کے لیے اچھا مستقبل.... مگر کبھی اپنی ذات کے لیے کچھ نہیں مانگا۔ مجھے شاید کچھ چاہیے ہی نہیں تھا۔ میں مستجاب الدعا تھی مگر.... میں یہ کبھی نہ سمجھ پائی کہ میری دعائیں میرے باپ کی غریبی کیوں نہ مٹا سکیں....؟

✡ ✡ ✡

اپنی زندگی کے انیسویں سال کی اس رات میں نے رب سے پہلی بار اپنے لیے کچھ مانگا جب بابا بہت رات گوا سے گھر لے کر آئے۔ وہ یقیناً "کسی نے "دومسکن" پر آیا تھا۔ اس کی گہری سرخ آنکھیں گواہ تھیں کہ اس

مجھے اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ نہ اس کا نام' پتا' نہ شہر مگر میرے دل کو پتا تھا کہ وہ صرف میرا ہے' صرف میرا۔۔۔ اماں کے پہلو میں لیٹتے ہوئے بے ساختہ میرے لبوں سے دعا نکل گئی۔

"خدایا' اسے مجھے دے دے' اسے میرا بنا دے۔ مجھے صرف یہ چاہیے۔" اس رات میں نے رب سے اپنے لیے مانگا تھا۔ صبح جب میں نماز پڑھ کے اس کمرے کی طرف گئی تو بستر خالی تھا۔ وہ جا چکا تھا۔ میرا دل ایک دم بھر آیا۔ آنسو پلکوں کی باڑ پھلانگ کر گالوں پر چلے آئے اور پھر میں نے اپنے رب سے اسے رو کر مانگا۔

پھر میں نے اسے اپنی ہر سانس کے ساتھ مانگا۔ "خدایا' وہ مجھے دے دے۔"

پھر میں نے اسے اپنا ہی سمجھ کر مانگا۔ "اللہ پاک' مجھے وہ چاہیے۔"

پھر میں نے اسے راتوں کو رو رو کر مانگا۔ "خدایا' مجھے صرف وہ دے دے۔"

اور پھر۔۔۔

میں نے اسے ضد کر کے مانگا۔ "اللہ پاک مجھے وہ چاہیے' مجھے صرف وہی چاہیے۔" تب میں اکیسویں سال میں قدم رکھ رہی تھی

پھر میری زندگی نے ایک اور رخ موڑ لیا' اس روز صبح ابا کام پہ اور اماں کچھ چیزیں لانے کے لیے گھر سے نکلیں اور دونوں خون میں لت پت دوسروں کے کندھوں پہ گھر آئے' مجھ میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ لوگوں سے پوچھ لیتی کہ کیا ہوا تھا؟ میری خاموش نظروں کے سامنے دونوں چپ چاپ منوں مٹی تلے اتر گئے اور مجھے اکیلا چھوڑ گئے۔ مجھے کچھ نہیں پتا تھا کہ اکیلے زندگی کیسے جیتے ہیں۔ میں نے بہت ہمت اور حوصلے سے زندگی کی گاڑی اکیلے کھینچنے کی کوشش کی' مگر میرا مسئلہ یہ نہیں تھا کہ میں معاشرے میں تنہا لڑکی تھی بلکہ میں ہندو معاشرے میں ایک تنہا مسلم لڑکی تھی۔ لوگوں نے مجھے اکیلے جینے ہی نہ دیا۔ مجھے پتا ہی نہ چلا کہ کب میرے گھر پہ کسی اور کا قبضہ ہو گیا۔ آس پاس کے چند مسلمان گھر میری کچھ مدد نہ کر سکے اور پھر ایک رات میری زندگی' میرے رونے اور چیخنے کے باوجود میرے گھر کی چار دیواری سے کسی کوٹھے کی چار دیواری میں منتقل کر دی گئی۔ میری چیخیں گھنگروؤں کی جھنکاروں میں دب کر رہ گئیں۔ میرے رونے پیٹنے سے وہاں کسی کو کوئی سروکار نہیں تھا وہاں لڑکیوں کی زندگی دیکھ کر میرے اندر سناٹے اتر گئے تھے۔ مجھے وہاں گئے تین ماہ ہو گئے تھے جب میری باری بھی آ گئی۔

"بہت توڑ لیں مفت کی روٹیاں۔ چل اٹھ کر صاحب کے ہاں جانا ہے۔" نہ جانے کس نے میرا ہاتھ کھینچنے والے کے ہاتھ سے چھڑوایا تھا۔

"یہ تم ہندوؤں کی طرح نہیں ہے' بائیس سال چادر میں لپیٹ کر گزارے ہیں اس نے' ان بائیس سالوں کا ماتم تو کر لینے دے اسے۔" اس نے مجھے اپنے پیچھے چھپایا تھا۔ وہ نیلماں تھی۔ نیلماں رانی۔۔۔ جس کا ذکر میں نے صرف سنا ہی تھا' آج اسے دیکھ بھی لیا تھا۔ پھر میں نے اس کے بالا خانے پر چودہ ماہ گزارے۔ پاکیزہ چودہ ماہ صرف نیلماں کی وجہ سے اور میں شاید اپنی پوری زندگی یونہی گزار لیتی اگر وہ دوبارہ نہ آجاتا۔ میری زندگی کا تئیسواں سال چل رہا تھا جب وہ اس دن کسی دوست کے ساتھ نیلماں کے پاس آیا تھا۔ نہ جانے اس کا مسئلہ کیا تھا' مگر نیلماں نے اس روز پہلی بار مجھ سے کہا۔

"دیکھ عائشہ' میرے جیتے جی تو کوئی تجھے چھو بھی نہیں سکتا' مگر میرے بعد یہ لوگ تیری بوٹیاں نوچ لیں گے جب یہاں رہنا ہی ہے تو دھیرے دھیرے طور طریقے بھی سیکھ لے' چند دنوں کے لیے ویر کی بیوی بن کر اس کے گھر رہنا ہے۔ میں نے سمجھا دیا ہے اسے تیرے بارے میں' زیادہ الٹا سیدھا نہیں کرے گا۔ ٹھیک ہے۔" اس روز مجھے پتا چلا کہ اس کا نام ویر تھا۔ مجھے لگا میری دعائیں قبول ہو گئی ہیں۔ ویر کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میں شاید نیلماں کو منع کر دیتی کہ مجھ سے نہیں ہو گا' مگر وہ ویر تھا۔ جسے میں نے خود مانگا تھا' اب خود ہی کیسے ٹھکرا دیتی' میں ایک دم اپنے بابا کے گھر

گزارے حیا اور شرافت کے بائیس سال بھول گئی۔ میں ویر کا ہاتھ تھامتے ہوئے سب کچھ بھول گئی۔

✵ ✵ ✵

ویر کا مسئلہ یہ تھا کہ امریکا سے اس کے ابو کے وکیل یہ چیک کرنے کے لیے آرہے تھے کہ آیا اس نے شادی کی ہے یا نہیں۔ نہیں کی صورت میں اس کے ابو کی جائیداد میں سے اسے چند سکے بھی ملنے والے نہیں تھے اور ویر رسک لینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس کی پہلی فلم ریلیز کے آخری مراحل میں تھی۔ اس لیے چند ماہ کے لیے مجھے ویر کی بیوی بن کر رہنا تھا۔ میرا بدن ایک دم شلوار قمیص کی بجائے ساڑھیوں سے سج گیا۔ ماتھے پہ بندیا' بازوؤں میں چوڑیاں اور پیروں میں پازیب سج گئیں۔ مجھے لگا جیسے میری دعائیں قبول ہو گئی ہوں۔ صبح کا ناشتا میں اور ویر اکٹھے وکیل صاحب کے ساتھ کرتے تھے اس کے بعد ویر سارا دن باہر گزارتا' رات کا کھانا پھر سے میں اور ویر اکٹھے کھاتے تھے اور ویر کی رات بھی باہر ہی گزرتی' صبح وکیل صاحب کے اٹھنے سے پہلے جب وہ واپس آتا تو اس کا بدن اور آنکھیں گواہی دے رہی ہوتیں کہ وہ گناہوں میں نہا کر آیا ہے ان چند دنوں میں میرے چند ہی کام رہ گئے تھے۔

ویر کو دیکھنا
ویر کو سوچنا
اور صرف اور صرف ویر کا انتظار کرنا

اور ان دنوں میں یہ بھول ہی گئی کہ وکیل صاحب چند دنوں کے لیے آئے تھے جس رات وہ واپس امریکا گئے اس سے اگلے دن ہی ویر مجھے نیلماں کے پاس واپس چھوڑ گیا اس نے نیلماں سے کیا وعدہ پورا کر دیا تھا۔ مجھے ایک رات بھی اس نے ہاتھ نہ لگایا جس صبح مجھے واپس آنا تھا اس رات ویر نے مجھے کہا تھا۔

"عائشہ! تم جیسی لڑکی راتیں سجانے کے لیے نہیں دل سجانے کے لیے ہوتی ہے اور افسوس کہ میرے جیسے انسان کو راتیں سجانے والی چاہیے' دل سجانے والی نہیں۔"

"تو تمہارا دل سجانے والی کب آئے گی ویر۔۔۔؟"

میں اس کے لبوں سے اپنا نام سننا چاہتی تھی۔

"پتا نہیں۔" میرا دل ایک دم ٹوٹ گیا۔ ویر جب واپس گیا تو میں خود پہ قابو کھو بیٹھی بلک بلک کر روئی' میری دعائیں قبول نہیں ہوئی تھیں۔ مجھے تب سمجھ نہ آیا کہ جب ویر میرا نصیب نہیں بن سکتا تھا۔ جب اسے میرا نہیں بننا تھا تو وہ دوبارہ میری زندگی میں کیوں آیا۔۔۔؟ میری وہ پوری رات رو کے گزر گئی۔

"جب وہ میرا نہیں تھا تو دوبارہ میری زندگی میں کیوں بھیجا اسے۔" میں خدا سے سوال کر رہی تھی۔

"میں نے زندگی میں ایک شخص مانگا اور تو نے مجھے وہ بھی نہیں دیا۔" میں خدا سے شکوہ کر رہی تھی۔

"آئندہ میں تجھ سے کچھ نہیں مانگوں گی۔ نہ اپنے لیے نہ کسی اور کے لیے۔" میں خود سے عہد کر رہی تھی اور نعوذ باللہ خدا کو وارننگ دے رہی تھی۔

"آئندہ میری کوئی دعا قبول نہیں ہو سکے گی۔" نعوذ باللہ میں خدا کو چیلنج کر رہی تھی۔

ایک انسان کے عشق میں' میں کفر کی حدوں کو چھوتی جا رہی تھی۔ صحیح کہتے ہیں عشق اور شرک میں بہت کم فرق ہوتا ہے۔

✵ ✵ ✵

اور پھر میں نے ان راہوں پر قدم رکھ دیا جو ویر کی راتیں سجانے کی طرف جاتا تھا۔ دعا سے کام نہیں بنا تھا اس لیے میں اب کوشش کرنے لگی تھی۔ نیلماں نے ایک دن مجھ سے پوچھا تو میں اسے صرف اتنا کہہ سکی کہ

"نیلماں! مجھے اپنی دعائیں قبول نہیں کروانیں۔"

نیلماں چپ ہو گئی تھی' میں جن راہوں پہ چل نکلی تھی وہ میرے لیے نہیں بنی تھیں اس لیے میں چلتے چلتے بار بار گر جاتی تھی۔ بدن زخمی ہو جاتا' میرے آنسو بہہ نکلتے مگر میں پھر اٹھ کھڑی ہوتی۔ رفتہ رفتہ مجھے ان خاردار رستوں پہ چلنا آگیا۔ لوگوں کی نظریں سہنا آگیا'

میں نے اپنا پورا جسم جیسے بیچ چوراہے میں رکھ دیا تھا اور جب میں نے اپنی زندگی کے اٹھائیسویں سال میں قدم رکھا تو وہ راہیں میرے آگے بچھتی چلی گئیں۔ کئی سال پہلے جیسے گھر کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے میں نیلماں کے حسن اور اداؤں کے قصے سنتی تھی۔ ویسے ہی شاید اب چار دیواری کے اندر رہنے والی لڑکیاں میرے حسن کے قصیدے سنتی ہوں گی۔

ویر کی دنیا میں جانے کی کوشش کرتے کرتے میں نہ جانے کس دنیا میں پہنچ چکی تھی اور اس دنیا سے کبھی باہر نہیں نکلنا چاہتی تھی انتیسویں سال میں قدم رکھتے ہی مجھے لگا جیسے میری کوششیں کامیاب ہو گئی ہوں' میں ویر کی دنیا میں پہنچ چکی تھی۔ بچھڑنے کے پورے چھ سال بعد وہ مجھے دوبارہ مل گیا۔ ممبئی کے ایک ڈانس کلب میں وہ آج بھی ویسا ہی تھا جیسا تب تھا جب میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ اس نے تب بھی اجازت نہیں لی تھی' آج بھی نہیں لی اور سیدھا دل کے اندر اترتا چلا گیا' میں پلکیں بھی نہ جھپک سکی' آج میرے اور اس کے درمیان کوئی نہیں تھا۔ دھیرے سے اس نے مجھے بانہوں میں بھرا تھا اور میں پگھلتی چلی جا رہی تھی۔ ویر نے مجھے نہیں پہچانا تھا' مگر مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ ویر اب صرف میرے لیے تھا۔

✲ ✲ ✲

میں نے پورے دو سال تک ویر کی راتیں سجائیں' مگر میں اس کا دل نہ سجا سکی۔ وہ مجھ میں اور میں اس میں گم ہو کر رہ گئی۔ ویر کی ہر فلم کی ہیروئن میں ہوتی۔ میں بالکل بھول چکی تھی کہ میں کون ہوں اگر یاد تھا تو صرف لگتا کہ میں اب ویر کی تھی اور ویر میرا تھا۔ ویر کے ساتھ رہتے ہوئے مجھے یقین ہو چلا تھا کہ اس کا دل سجانے والی کبھی نہیں آئے گی' مگر میں غلط تھی' میرا اور ویر کا ایک ہونا اختتام نہیں تھا۔ اختتام تو شاید تب بھی نہیں ہوا جب ویر کا دل سجانے والی آگئی تھی۔ مجھے پتا بھی نہ چلا' میں سمجھ ہی نہ سکی کہ جب میں نے اپنا دل ویر سے سجایا تھا تو ویر کو بھی پورا حق تھا اپنا دل سجانے کا اس رات ویر نے مجھے اپنے گھر بلایا تھا' مجھے پورا یقین تھا کہ ویر مجھے پرپوز کرے گا مگر۔

"ایم سوری الیشا مگر میں تم سے شادی نہیں کر سکتا۔" مجھے اس لمحے پتا چلا کہ میرا تو نام ہی بدل چکا تھا۔ عائشہ کی جگہ الیشا نہ جانے کہاں سے آگئی تھی۔

"انکار کی کوئی ایک وجہ بتا دو ویر۔۔۔" میں نے بمشکل پوچھا تھا۔

"کیوں کہ میں اس سے بہت پیار کرتا ہوں۔" میں اسے بتانا چاہتی تھی کہ ویر میں بھی تم سے بہت پیار کرتی ہوں' مگر بتا نہ سکی۔

" She is Muslim اس کی خاطر شاید بھگوان کو بھولنا پڑے۔" میں اسے کہنا چاہتی تھی کہ ویر میں نے بھی تمہاری خاطر اپنے خدا کو بھلا دیا' مگر کہہ نہ سکی۔

"اگر مجھے اس کی خاطر یہ راہیں چھوڑنی پڑیں تو چھوڑ دوں گا۔" میں اسے بتانا چاہتی تھی کہ ویر میں نے بھی تمہاری خاطر یہ راہیں اپنائی تھیں مگر۔

میں چپ چاپ واپس آگئی' ایک بھی آنسو بہائے بغیر' ویر کو ایک بھی لفظ کہے بغیر' میں اس پوری رات نہیں روئی' پورا ہفتہ گزر گیا' مگر میں نہیں روئی' ویر اس لڑکی کی خاطر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے مسلمان ہو گیا' مگر میں اس دن بھی نہ روئی۔ میں ویر کی شادی والے دن بھی نہیں روئی۔

مجھے ایک بار پھر سمجھ نہیں آیا کہ جب ویر میرے نصیبوں میں لکھا ہی نہیں تھا تو پھر وہ تیسری دفعہ میری زندگی میں کیوں آیا تھا؟ وہ بھی پورے تین سال کے لیے۔ کیوں؟

میں اس رات روئی تھی جس رات میں نے ویر کو بہت عرصے بعد دیکھا' اپنی بیوی کے ساتھ' انتہائی خوش' انتہائی مطمئن۔۔۔

اس رات میرا ضبط جواب دے گیا۔ پلکوں پہ باندھے سارے بند کھل گئے۔ ضبط کے ساتھ میرا ظرف بھی کھو گیا۔ میرے لب ایک دم کھل گئے۔ آج

نہ جانے کتنے سالوں بعد میں خدا سے مانگ رہی تھی حالانکہ مجھے یقین تھا کہ میری دعا قبول نہیں ہو گی۔
عائشہ حسن مستجاب الدعا تھی
فلمسٹار الیشا نہیں
چار دیواری میں مقید' سفید چادر میں لپٹی' پانچ وقت کی نمازی اس معصوم لڑکی کی دعائیں قبول ہوا کرتی تھیں۔
پوری دنیا کے سامنے برہنہ ہو کر ناچنے والی اس بے ہودہ لڑکی کی دعائیں قبول کیسے ہوں گی؟
اور ویسے بھی یہ راستہ میں نے خود چنا تھا' میں نے خود جان بوجھ کر خود کو اس گندگی میں بھگویا تھا کیونکہ مجھے اپنی دعائیں قبول نہیں کروانی تھیں۔ نعوذباللہ میں نے خود خدا کو چیلنج کیا تھا کہ وہ اب بھی میری دعائیں قبول نہیں کر سکے گا تو پھر میں اب کیوں مانگ رہی تھی' اور کیا مانگ رہی تھی......؟
"خدایا' میں نہیں رہ سکتی دیر کے بغیر' مجھے دیر چاہیے میں اسے کسی کا ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔ دیر صرف میرا ہے' اگر میرا نہیں تو کسی کا بھی نہیں۔ اللہ پاک اسے میری طرف موڑ دے' اسے میرا بنا دے......" یہ دعا میں نے پہلے بھی مانگی تھی' مگر قبول نہ ہوئی تھی اس لیے نہ جانے کیسے میرے لبوں سے وہ لفظ نکلنے لگے جو میں نے پہلے بھی نہیں کہے تھے۔
"اگر میرا نہیں بنانا تو پھر کسی کا بھی نہ بنا۔ دیر اگر میرے نصیب میں نہیں تو کسی کے نصیب میں نہیں لکھ مالک' وہ اگر زندہ رہے تو میرے لیے' نہیں تو مر جائے۔"
رو رو کر میرا برا حال ہو گیا۔ میں سمجھی اختتام ہو گیا ہے۔

☆ ☆ ☆

وہ نئے سال کا پہلا دن تھا' میں نے اپنی عمر کے اکتیسویں سال میں قدم رکھا تھا۔ دیر کی شادی کو سوا سال ہو چکا تھا۔ ٹی وی پہ چلتی نیوز نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔
"سابقہ فلم پروڈیوسر اور ایکٹر دیر رعنا کی اپنی بیوی سمیت ایک کار ایکسیڈنٹ میں موت۔"
میں نے وہ نیوز کئی بار سنی تھی اور تب بھی یقین نہیں آیا تھا۔ قدم ایک دم من من کے ہو گئے تھے۔ میں بیڈ کے پاس فرش پر گر گئی تھی۔ آج مجھے سب سمجھ آ رہا تھا۔ وہ سب جو میں اپنی اکتیس سالہ زندگی میں کئی جگہ نہیں سمجھ سکی تھی۔ نصیب شاید دو طرح کے ہوتے ہیں۔
ایک وہ جو دعاؤں سے بدل جاتے ہیں' انہیں دنیا مقدر بھی کہتی ہے۔
اور ایک وہ جو دعاؤں سے بھی نہیں بدلتے' انہیں دنیا شاید اٹل حقیقت کہتی ہے۔
انسان کا مرنا اٹل ہے' مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا

اٹل ہے' جنت یا دوزخ کی زندگی اٹل ہے' اسی طرح میرے باپ کی غریبی اٹل تھی اسی لیے لے میری دعائیں نہ بدل سکیں مجھے آج سمجھ میں آیا تھا۔

دیر میرے لیے نہیں تھا۔ اس میں اور مجھ میں بہت فرق تھا' سب سے بڑا فرق یہ کہ وہ ہندو تھا۔ بہت سارے خداؤں کا ماننے والا اور میں مسلمان' صرف ایک خدا کو ماننے والی مگر میں نے اس فرق کو سمجھے بغیر خدا سے لے مانگا' بار بار مانگا' رو کر مانگا اور پھر ضد کر کے مانگا' میں تو ـــــ مستجاب الدعا تھی' میرے لبوں سے ایک بار کا نکلا خدا تعالیٰ قبول کرلیتا تھا تو کیا بار بار کا کہتا قبول نہ کرتا۔

رو رو کر مانگا ہوا مجھے نہ دیتا۔

وہ تو ایک بار کہنے پر مجھے دے دیتا تھا تو کیا ضد کرنے پر نہ دیتا۔

اس باری تعالیٰ نے میری سن لی تھی مگر وہ نہایت مہربان ہے۔ دوسری مرتبہ میں دیر کی زندگی میں داخل ہوئی تھی' وہ میری زندگی میں نہیں آیا تھا۔ پہلے اللہ پاک نے مجھے دکھلایا کہ وہ کون ہے' کیا ہے؟ مجھے دکھلایا کہ وہ میرے قابل نہیں تھا' میرے سامنے اچھا اور برا ہر پہلو رکھ دیا مگر میں سمجھ ہی نہ سکی۔ دیر کی زندگی دیکھنے کے بعد بھی اسے مانگنے سے باز نہ آئی بلکہ یہ سمجھ بیٹھی کہ میری دعائیں قبول نہیں ہوئیں' خدا سے لڑنے لگی نعوذباللہ اسے دھمکیاں دینے لگی' اور اپنے طے کیے ہوئے راستے پر چلنے لگی میں سمجھی تھی کہ شاید اس تاریک راستے پر میں خود چلی تھی مگر نہیں' اس راستے پر مجھے اللہ نے چلایا تھا۔ میں دیر جیسی نہیں تھی۔ اس لیے پہلے مجھے اس جیسا بننا تھا۔ پھر وہ مجھے ملتا۔

اللہ نے تو مجھے خیر کا راستہ دکھلایا تھا مگر میں نے دیکھا ہی نہیں' ضد کر کے اپنے لیے شر مانگا اور اللہ نے دے دیا۔ جب میں دیر جیسی ہوگئی۔ تب دیر میری زندگی میں آیا۔

مجھے آج سمجھ آرہا تھا۔

مگر دیر میرا وہ نصیب نہیں تھا جسے میں دعاؤں سے اپنا بنا لیتی' وہ دعاؤں سے کسی اور کا نصیب بنا تھا جب تک اس نے نہیں مانگا' دیر میرا بنا رہا مگر وہ میرا نہیں تھا' جس کا تھا مانگنے پر اس کا ہوگیا۔

میں نے دیر کو مانگا' نہ ملا تو ضد کی' اللہ نے مجھے دیر جیسا بنا کر وہ مجھے دیا۔

مجھے آج سمجھ آرہا تھا۔

لیکن میں اس کے بعد بھی نہ سمجھی۔ اس رات روتے ہوئے میں نے دیر کو مانگا تھا' مگر خدا مجھے وہ پہلے ہی دے چکا تھا۔ اس لیے میں نے جو اس کے ـــ بعد مانگا' خدا نے پھر سے مجھے دے دیا' میں ایک بار پھر غلط ثابت ہوگئی' خود کو گندگی میں ڈبو کر میں اپنا اور خدا کا رشتہ ختم نہ کرپائی کیونکہ میری دعائیں میرے دل سے جڑی تھیں' میرے جسم سے نہیں' دعاؤں کا رشتہ تو میری روح سے تھا' بدن سے نہیں تھا اور پھر میں کون ہوتی تھی اللہ کے کاموں میں ٹانگ اڑانے والی' میں کون ہوتی تھی اپنی دعاؤں کو قبول نہ ہونے دینے والی۔

مجھے آج سمجھ آیا تھا۔

مقدر میں لکھی ہر شے دعا سے نہیں بدلتی' وہ اٹل ہوتی ہے۔

جب دعا اور کوشش سے کام نہیں بنے تو تیسرا راستہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

اللہ سے صرف مانگنا چاہیے' ضد نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ضد شرک کی طرف لے جاتی ہے۔ اللہ کے کیے پر راضی ہوجاؤ کیونکہ ہم (نعوذباللہ) اللہ سے نہیں لڑ سکتے۔

جو رشتے اور تعلق روح سے بندھے ہوئے ہیں انہیں بدن کی آلودگی نہیں توڑپاتی۔ جب ہم اچھے ہوں تو دوسرا ہم جیسا ہو کے ہمیں ملنا چاہیے اور جب دوسرا زیادہ اچھا ہو تو ہمیں اس جیسا بن کر اسے ملنا ہوتا ہے۔

آج تیس سال کی عمر میں زندگی اور موت کی جنگ لڑتے ہوئے مجھے سب سمجھ آرہا تھا۔

☆ ☆

WWW.PAKSOCIETY.COM
مکمل ناول
بشریٰ گوندل
پھول، خوشبو اور بارشیں

"رابعہ۔۔۔ اے رانی' اٹھ میری دھی اب نماز پڑھ لے۔۔۔ دیکھ نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے۔"

دادی نے حسب عادت دو فرضوں کی نیت باندھنے سے پہلے ایک بار پھر رابعہ کو آواز دی اور اس نے بھی ہمیشہ کی طرح کروٹ بدل کر کھیس اچھی طرح سر کے اوپر تک تان لیا۔

"اف۔۔۔ ایک تو دادی بھی ہمیشہ اتنے خوب صورت خواب کا سلسلہ توڑ دیتی ہیں جب خواب انتہائی خوب صورت موڑ پر ہوتا ہے۔" اس نے پھر سے آنکھیں موند کر ٹوٹے خواب کا تسلسل وہیں سے جوڑنے کی کوشش کی مگر ادھورا خواب اس کی آنکھ میں چھوڑ کر نیند کی دیوی اپنے سفر پر روانہ ہو چکی تھی۔ وہ زچ ہوئی دادی نماز سے فارغ ہو کر دعاؤں میں مشغول ہو گئیں۔

ٹھنڈی ہوا سے لبریز صبح کا سہانا موسم تھا۔ کاں کاں' چوں چوں۔۔۔ پرندوں کی چہکار چھوٹے سے گھر میں گونج رہی تھی۔ ڈربے میں بند مرغیاں اور پنجرے میں غٹرغوں کرتے کبوتر بھوک بھوک پکار رہے تھے ایسے میں نیند دوبارہ کیسے آتی بھلا۔۔۔ مگر وہ کسل مندی سے چارپائی پہ پڑی پرندوں کی بھانت بھانت کی آوازیں سنتی رہی۔ معاً" سرہانے کے نیچے دبے موبائل کی میسج ٹون بجی اس نے کھیس کے اندر چھپے چھپے ہی فون نکالا۔ ان باکس کھولا تو ہمیشہ کی طرح عائشہ نے "اچھی صبح" کا میسج بھیجا تھا۔ Have a nice Day اس نے بھی جوابی میسج Reply کر دیا۔

"اب اٹھ بھی جاؤ کیا نشے کی پڑیا لے کر سوئی ہو' یا مردوں سے شرطیں لگائی ہوئی ہیں کہ روز قیامت ہی اٹھو گی۔" پرندوں کی بولیوں میں گونجتی یہ سو فیصد دادی کی ہی آواز تھی اس نے کھیس کی جھری میں سے دیکھا کبوتروں اور مرغیوں کو دانہ ڈالتی دادی غصے سے بھری بیٹھی تھیں۔ ایک بھرپور انگڑائی لے کر وہ اٹھ بیٹھی۔

"فرشتے رزق تقسیم کر کے جا بھی چکے ہیں تم خالی کشکول لیے پھرنا آخرت میں۔۔۔ اور اس جہان میں بھی نامراد ہی رہتے ہیں وہ لوگ جو رب کائنات کے احکام کو جھٹلائیں۔" دادی شروع ہو چکی تھیں اور اسے پتا تھا دادی اب دیر تک اس موضوع پر بولیں گی۔ وہ فوراً" چپل پاؤں میں اڑس کر غسل خانے کی طرف چل دی۔

☼ ☼ ☼

"جن لوگوں کی کھوپڑی الٹی ہوتی ہے ان کا ہر کام ہی الٹا ہوتا ہے اور پھر نصیب بھی ان لوگوں کے ساتھ کچھ سیدھا نہیں کرتے اور تمہارے نصیب کی طرف سے ہمیشہ میرا دل ہولتا رہتا ہے۔"

دادی کی بڑبڑاہٹ یقیناً" اسی کے لیے تھی حالانکہ اپنی طرف سے تو وہ سگھڑاپے کے تمام ریکارڈ توڑتے ہوئے ہر کام نمٹا چکی تھی اب دیوار کے سائے میں بچھی کرسی پر براجمان ٹانگیں چارپائی پر پسارے رسالے میں بری طرح غرق ہو چکی تھی۔

"اب کیا ہوا ہے دادو۔۔۔؟" اس نے بے زاری سے پوچھا۔

"کچھ نہیں ہوا اور شکر کر کہ کچھ نہیں ہوا۔ سو دفعہ کہا ہے کہ آدھی دھوپ میں اور آدھی چھاؤں میں نہ بیٹھا کر۔۔۔ یہ شیطانی طریقہ ہے اور اب تو جدید سائنس نے بھی بتایا ہے کہ اس طرح فالج کا خطرہ بڑھ جاتا ہے جسم سرد گرم ہو جاتا ہے۔"

رابعہ نے فوراً" ٹانگیں سمیٹ کر کرسی پہ رکھیں جانے جدید سائنس کی تحقیق کا ڈر تھا یا مذہب کا۔

"ہک ہا۔۔۔ حکم خدا سے روگردانی کا خوف نہیں اور سائنس کا ڈراوا اس کے حکم سے زیادہ اہمیت کا حامل ہو گیا۔" دادی نے شاید اس کی سوچ پڑھ لی تھی۔

دادی کی بات سے وہ اندر تک شرمندہ ہو گئی اور پھر اس سے کوئی حرف نہ پڑھا گیا۔

وہ اٹھی اور چارپائی برآمدے میں گھسیٹ کر منہ سر لپیٹ گئی۔ ویسے بھی کرنے کو اور کوئی کام جو نہ تھا۔ تین مرلے کے اس گھر میں وہ صرف دو "جی" تھے انتہائی مختصر کنبہ اور انتہائی مختصر کام۔ وہ دادی کی اور دادی اس کی واحد رشتہ دار تھیں رشتوں کے معاملے میں کچھ

لوگ کیسے تہی دست ہوتے ہیں۔ ایک ٹریفک حادثے نے اسے رشتوں کے معاملے میں کنگال کر دیا تھا۔ بہت چھوٹی عمر میں اس سے اس کے ماں باپ چھین کر اسے صرف بوڑھی دادی کا کر دیا تھا اب ایک عرصے سے وہ دونوں ایک دوسرے کا واحد رشتہ' واحد سہارا' واحد ہمراز و غم گسار تھیں۔ قریب دور کے رشتے دار اگر کوئی تھے بھی تو نفسا نفسی کے اس دور میں عمرو عیار کی زنبیل میں جا چھپے تھے۔

"زندگی اور موت تک کئی راستے آتے ہیں ہر راستے میں کچھ راحتیں اور کچھ تکلیفیں ہوتی ہیں کچھ تمغے ملتے ہیں اور کچھ قیمتیں ادا کرنا پڑتی ہیں۔ کوئی بھی راہ اختیار کر لو' کسی بھی رستے چلو لیکن گھوم کر وہیں آنا ہے جہاں انسان کی ابتدا ہے مٹی کا پتلا بالآخر مٹی کے حوالے... پوری زندگی کے فیصلے اس مالک کل کے ہاتھ میں ہیں لیکن ہم لوگ ایسے کم ظرف ہیں کہ اس کی طرف سے تمغے تو اعزاز کی طرح وصول کرتے ہیں لیکن جب قیمت ادا کرنے کا وقت آئے تو اس کی سابقہ نوازشات بھول جاتے ہیں۔ ہم کم فہم لوگ ہمیشہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ یہ دنیا تو امتحان گاہ ہے کبھی وہ دے کر آزماتا ہے اور کبھی لے کر۔"

اف... دادی بھی نا ہر وقت... اس نے انتہائی کوفت و بے زاری سے کروٹ بدلی۔ کچی نیند سے جاگ جانے پر وہ اسی طرح کوفت کا شکار ہوتی تھی۔

دادی کو علی الصباح کوئی سامع مل گیا ہے شاید۔ اس نے تکیہ کانوں پہ رکھ کے سماعتوں کو محفوظ کیا دادی کے پاس ہر وقت کوئی نہ کوئی محلے کی عورت آئی رہتی تھی محلے کے جو بچے دادی کے پاس سیپارہ پڑھنے آتے ان کی مائیں اکثر فارغ اوقات میں بقول ان کے دادی کے اقوال سے فیض یاب ہونے آیا کرتی تھیں اور جب بالفرض محال اگر کوئی اور میسر نہ آتا تو رابعہ تو ہر وقت موجود ہوتی تھی نا ان کے وعظ و نصیحت سننے کے لیے... یہ اور بات کہ اس وقت وہ اپنی سماعتیں کسی اور طرف لگائے رکھتی' کسی تازہ بہ تازہ پڑھی ہوئی کہانی کے پس منظر میں یا کسی فلم کی رومانٹک اسٹوری میں... یا ہیڈ فون کانوں میں لگا لیتی۔

"ہم اگر اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے احکامات پر عمل کرتے ہیں تو یہ اسی کی مہربانی ہے کہ جس کھال کو مالک حقیقی نے فاسفورس سے بنایا وہ اسے جلانا نہیں چاہتا کیونکہ وہ ستر ماؤں سے بڑھ کر محبت کرتا ہے اپنے بندوں سے۔"

اس نے اگرچہ تکیہ کانوں کے اوپر رکھا ہوا تھا مگر دادی کا وعظ پھر بھی حرف بہ حرف اس تک پہنچ رہا تھا۔ کیونکہ دادی کمرے کے باہر عین دروازے کے ساتھ بچھے تخت پر براجمان تھیں۔ وہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت عبادت میں گزارتیں۔ ہاتھ میں پکڑی تسبیح کا دانہ ان کی انگلیوں کے درمیان متحرک رہتا اور وہ ہر آخری دانہ پڑھ کے رابعہ کے اوپر پھونک مار دیتیں۔

"وہ جب ہمیں دینا چاہتا ہے تو دعا کا خیال ہمارے دل میں ڈال دیتا ہے۔ اپنی بیٹی سے کہو ان جعلی پیروں فقیروں کے آستانوں پر پیسہ اور وقت برباد نہ کرے۔ اولاد مانگنی ہے تو اس سے مانگے جو آدمی کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے وہ جسم میں لہو کی طرح ہے بات صرف محسوس کرنے کی ہے اور اس سے تعلق کی ہے جیسا تعلق ویسا احساس۔ جس کی محبت ستر ماؤں کی محبت پر حاوی ہے اسی سے رحم طلب کرو وہ انسان کو اپنی رحمتوں سے مایوس ہونے ہی نہیں دیتا وہ چاہے گا تو نوازے گا بات تو ساری اس کی چاہ کی ہے... آدمی کی کیا اوقات..." رابعہ ایک بار پھر غنودگی سے نیند میں چلی گئی اور جب دوبارہ بے دار ہوئی تو دادی اکیلی بیٹھی تھیں اپنے وظیفوں میں مشغول... اس پر نظر پڑی تو اسے اشارے سے اپنے پاس بلایا اور کافی دیر کی جمع کی ہوئی پھونکوں سے سر سے لے کر پاؤں تک نوازا۔

☼ ☼ ☼

بی اے کا رزلٹ آیا تو وہ حیرت سے گنگ رہ گئی اس کی تیاری اتنی اچھی نہ تھی جتنے اچھے اس کے مارکس آئے تھے دوسرے مضامین کی نہ سہی لیکن اسے سو فیصد یقین تھا کہ انگلش میں اس کی سپلی لازمی آئے گی

اور اب اتنے اچھے مارکس آنے کے بعد اس کی حیرت بجا تھی۔

"کیا ہوا اس طرح گم صم کیوں بیٹھی ہو رابعہ؟" اس کی حیران صورت دیکھ کر دادی نے پوچھا۔

"مجھے لگتا ہے مجھے سکتہ ہو گیا ہے۔" وہ بے ساختہ بولی۔

"استغفر اللہ۔ کیا فضول بات کر رہی ہو؟" دادی نے غصے سے اسے گھورا۔

"ظاہر ہے سکتہ تو ہو گا جب مجھے اندازہ ہی نہ تھا کہ میرے اتنے اچھے مارکس آئیں گے۔"

"توبہ توبہ۔ دادی نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ کیسی فضول اور کافرانہ عادتیں اور گفتگو ہم نے اپنالی ہے۔ سکتہ ہونے کا مطلب ہے کہ پورا جسم منجمد ہو جانا' ہلنے جلنے کی سکت نہ رہنا یا حواس کھو بیٹھنا۔ بے اندازہ خوشی و غم میں اس طرح کے لفظ استعمال کر کے خدا کے قہر و غضب کو بھول جاتے ہیں لوگ۔ اللہ کو پسند نہیں ہیں اس طرح کی باتیں۔ خدا نہ کرے کہ تمہیں کبھی سکتہ ہو یا دوسری کوئی اس جیسی بیماری۔ بدفال منہ سے نکالنے سے پہلے سوچ لیا کرو۔"

"اف توبہ۔۔۔ دادی کو تو بس موقع چاہیے ہوتا ہے مجھے ڈانٹنے کے لیے۔ اس نے منہ بنایا۔" دادو میں تو یہ کہہ رہی تھی مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ میں پاس ہو گئی ہوں۔"

"شکر کرو سوہنے رب کا جو نوازنے پہ جب آئے تو اسی طرح حیران کر دیتا ہے۔"

"میں یونیورسٹی میں ایڈمیشن لوں گی۔" اس نے لاڈ سے کہا جواباً" زبردست گھوری کا سامنا کرنا پڑا۔

"نا" دادی نے قطعی لہجے میں "نا" کہا تھا اور وہ چپ کی چپ رہ گئی۔ انہوں نے اسے کبھی کسی جائز بات سے نہیں روکا تھا اس کی ہر جائز خواہش و ضرورت کو ہمیشہ حتی المقدور پورا کرنے کی کوشش کی۔ اب اگر انہوں نے ایک بار "نا" کر دی تھی تو رابعہ کو اگرچہ معلوم تھا کہ ان کی یہ نا۔ کبھی ہاں میں نہیں تبدیل ہو گی ایڑی چوٹی کا زور لگالے تب بھی۔

وہ منہ پھلائے رہی شام تک اس کی چپ۔ نہ ٹوٹی دادی بڑی دیر تک انتظار کرتی رہیں کہ وہ کھانا بنائے گی۔ لیکن وہ سارا دھیان ٹی وی پہ نظریں جمائے بور ترین پروگرام دیکھتی رہی۔ بالآخر دادی کو خود ہی ہانڈی چڑھانا پڑی۔

"روٹی کھالو رابعہ۔" تیسری مرتبہ بلانے پر بھی وہ ٹس سے مس نہ ہوئی تو دادی نے برتن سمیٹ کر نماز کی نیت باندھ دی۔ وہ بھوک کی ہمیشہ سے کچی تھی بھوک اس سے برداشت ہی نہ ہوتی تھی ذرا سی دیر ہونے پر شور مچا دیتی تھی دادی کے سو جانے پر اس کا دل چاہا کہ کچن میں جا کر کم از کم آدھی روٹی ہی کھالے مگر وہ چپ چاپ کھیس اوڑھے سوئی رہی کہ بھوک ہڑتال کا پہلا اصول ہی یہ تھا کہ چھپ چھپا کر بھی ہڑتال نہ توڑی جائے چنانچہ وہ بھوکی سوئی رہی اور پوری رات انواع و اقسام کے مرغن کھانے اس کے خوابوں میں آتے اور جاتے رہے۔

صبح ابھی وہ بستر سے اٹھنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ عائشہ آن دھمکی۔

"ارے تم تو ٹھیک ٹھاک ہو جبکہ میں نے رات کو خواب میں خود کو تمہارے قل کے زردہ اور بریانی کھاتے ہوئے دیکھا تھا لوگ بتا رہے تھے کہ تمہاری موت بھوک ہڑتال کی وجہ سے واقع ہوئی ہے پوری ایک رات کی بھوک ہڑتال۔۔۔ مجھے یقین تو نہ آیا کہ کہاں تم اور کہاں پوری ایک رات کی بھوک ہڑتال۔۔۔" وہ آتے ہی شروع ہو گئی اس کا مطلب ہے دادی نے یہ اندر کی خبر عائشہ تک پہنچائی تھی کہ وہ دوڑی آئی۔

"مریں میرے دشمن۔" جوتا پاؤں میں اڑستے ہوئے وہ بولی۔

عائشہ نے کہا۔ "دشمن تو مریں گے ہی لیکن تمہارا زردہ اور بریانی کھا کے ہی مریں گے قل کا ہو یا نکاح کا۔۔۔ اور یہ تم نے کیا رولا ڈالا ہوا ہے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کا گریجویشن کر کے تم نے کون سا تیر مار لیا ہے جو ایم اے کر کے کمی پوری کرو گی۔"

"تم جیسے جاہل اسی طرح یہ باتیں کیا کرتے ہیں۔ تم لوگ کیا جانو تعلیم کی قدر۔" رابعہ اٹھی تو عائشہ بھی اس کے پیچھے چلتی صحن میں آگئی۔ رابعہ صحن کے کونے میں بنے واش روم میں گھس گئی تو عائشہ کچن میں آکر آٹا گوندھتی دادی کے پاس آبیٹھی۔

"میں نے سوچا آج آلو بھرے پراٹھے بناؤں گی رالی کو بہت پسند ہیں۔" دادی نے چولھے پر توا رکھتے ہوئے بتایا ان کے لہجے میں رابعہ کے لیے محبت ہی محبت تھی۔ "بیٹھ جاؤ پراٹھا کھا کے جانا۔" وہ چولھے کے پاس رکھی دوسری چوکی پر بیٹھ کر دادی کو پیڑا بناتے دیکھتی رہی۔

"میں اگرچہ ناشتا کر کے آئی تھی لیکن آپ کے ہاتھ کے بنے پراٹھے تو بنا بھوک کے بھی کھائے جاسکتے ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے دادو۔"

عائشہ رابعہ کی بچپن کی دوست تھی گھر سے گھر ملا تھا وہ اکثر فارغ وقت میں ادھر ہی پائی جاتی اور زیادہ سے زیادہ وقت دادی کی قربت میں گزارتی۔

"کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے تم میری نہیں دادو کی دوست ہو۔" رابعہ چڑتی اور وہ مزے سے ہنس دیتی۔

"لو کھانا شروع کرو۔" گرما گرم خستہ پراٹھا چنگیر میں رکھ کے دادی نے اس کے سامنے رکھا اور ایک چھوٹی سی کٹوری میں ہری مرچ کی چٹنی بھی ڈال دی۔

"آہ' ہاں.... مزا آگیا دادو۔" گرم گرم نوالہ توڑ کر منہ میں ڈال کر زبان جل جانے کے بعد منہ میں ادھر ادھر گھماتے ہوئے وہ بولی۔ "کچھ لوگوں کو آپ کی قدر ہی نہیں ہے۔" کچن میں داخل ہوتی رابعہ کو دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔

ردعمل کے طور پر ہاتھ میں پکڑا اسٹیل کا گلاس زور سے شلف پر پٹخ کر رابعہ نے اپنی آمد کی گویا اطلاع دی اور بتایا کہ میں ابھی تک حالت احتجاج میں ہوں۔

"آ میرا بیٹا شاباش جلدی آ.... دیکھ میں نے آج تمہاری پسند کا ناشتا بنایا ہے۔" دادی نے اس کے مزاج کی برہمی اور بگڑے تیور کو نہیں دیکھا تھا یا شاید جان بوجھ کر انجان بن رہی تھیں۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" روٹھا روٹھا جواب آیا۔

"ارے کیوں' کیوں بھوک نہیں ہے تمہیں۔ رات کو بھی بغیر کھانا کھائے سو گئی تھیں تم۔" دادی کو شاید اس کی بھوک ہڑتال مہم کا پتا ہی نہ تھا' تبھی پوچھا۔ "کہیں خدانا خواستہ صحت تو خراب نہیں ہے نا....؟"

دادی کی تشویش پر عائشہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"لو جی مرے تھے جن کے لیے وہ رہے وضو کرتے۔ دادو کو خبر ہی نہیں ہے کہ محترمہ بھوک ہڑتال کر کے احتجاجی مظاہرہ کر رہی ہیں۔"

"اچھا.... وہ کل والی بات۔" دادی فوراً" سمجھ گئیں۔ "رزق سے منہ موڑ کر کفران نعمت نہیں کرتے بیٹا اللہ ناراض ہوتا ہے۔ دنیاوی خواہشوں پر اللہ کی ناراضی نہیں لیتے۔ آؤ ناشتا کرو اور اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرو کہ بہت سے لوگوں کو یہ سب بھی میسر نہیں ہے۔"

گھی میں تلے ہوئے پراٹھے سے اٹھتی اشتہا انگیز مہک نے اسے بھوک ہڑتال مہم کو پھر کسی وقت کے لیے ٹالنے پر مجبور کر دیا اور یوں کھانے بیٹھ گئی جیسے دادی پر احسان کر رہی ہو۔

☼ ☼ ☼

وہ دوسرے دن بھی دادی سے روٹھی روٹھی سی تھی وہ کوئی بات کرتیں تو بمشکل ہوں ہاں میں جواب دے کر اٹھ جاتی۔ بھوک ہڑتال تو ویسے بھی ٹوٹ چکی تھی ناراضی کو برقرار رکھنا تھا ابھی۔

"رالی آؤ تمہارے سر میں تیل ڈال دوں۔" وہ تیل کی کٹوری لیے اس کے پاس آبیٹھی تھیں۔ اس کا دل چاہا ایک زوردار "نا" کر دے مگر دادی کے ہاتھوں کے سرور آمیز لمس کی مالش کو سوچ کے اس نے بالا خر ان کی گود میں رکھ دیا اور دادی کے ہاتھ اس کے بالوں میں تھرکنے لگے۔ دادی بولیں۔

"یہ جو طلب ہوتی ہے نا یہ کبھی کم نہیں ہوتی بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہے.... کسی شے کی بھی طلب.... طلب کی کئی صورتیں ہیں' طلب

کے کئی چہرے ہیں۔
ہر بار نیا چہرہ بدل کر آدمی کو آزماتی ہے۔ کبھی روپے پیسے کی ہوس تو کبھی آسائشوں کی چاہ، پھر مزید سے مزید ترقی کی لگن اور پھر کبھی آدمی کو آدمی کی چاہ۔۔۔ اور یہ جو چاہ ہے نا کسی بھی چیز کی چاہ یہ تو آدمی کو کہیں کا بھی نہیں رہنے دیتی۔ اس کا اپنا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا اور پھر آدمی کو بھی آوارہ پنکھ پکھیرو کی طرح بے ٹھکانہ کر چھوڑتی ہے جیسے کوئی راہ گم کردہ مسافر کوبہ کو قریہ قریہ بھٹکے اور صراط مستقیم کو بھلا دے۔"

دادی کے نرم ہاتھوں کا مساج جیسے اسے لوریاں دے کر تھپک تھپک کر سلا رہا تھا۔ وہ بمشکل آنکھیں کھولے ہوئے تھی نیند تھی کہ آنکھوں میں گھسی چلی جارہی تھی وہ اونگھتی اونگھتی دادی کے گھٹنے پہ سر رکھ دیتی ان کی مدھم آواز سرگوشی سے بلند نہ تھی۔ مالش ختم کر کے دادی نے اس کے بالوں کی کس کے چوٹی باندھ دی اور تیل کی بوتل کا ڈھکن بند کرتے ہوئے بہت نرمی سے اس کا سر اپنی گود سے ہٹا کر تخت پر لٹا دیا۔

"اٹھو، پہلے نماز پڑھ لو، پھر سو جانا۔"

وہ ہمیشہ کی طرح اسے تاکید کرتی ہوئی اٹھ گئیں اور جائے نماز بچھا کر نماز کی نیت باندھ لی اور وہ ہمیشہ کی طرح کروٹ بدل کر نیند کی وادیوں میں کھو گئی۔

☆ ☆ ☆

"یہ۔۔۔ یہ کیا لائی ہیں آپ میرے لیے۔۔۔؟"

"کپڑے لائی ہوں تمہارے لیے دیکھو تو سہی۔"

دادی نے سوٹ ایک بار پھر اس کے سامنے رکھے۔

"مجھے نہیں پسند یہ اتوار بازار سے خریدے ہوئے کپڑے۔ جن کے کلرز اور ڈیزائن سے ہی سستا پن ٹپک رہا ہے۔ بڑے معقول ٹوٹے چھانٹ کے لائی ہیں آپ میرے لیے۔" وہ ناگواری سے بولی۔ تو عائشہ نے حیرت و تاسف سے اسے دیکھا اور دوسری نگاہ دادی کے جھریوں بھرے تھکن سے چور چہرے پر ڈالی جو کپڑے سمیٹ کر کے شاپر میں ڈال رہی تھیں۔

"چلو کوئی بات نہیں، تمہیں نہیں پسند تو صبح میں تبدیل کر کے کوئی اور لا دوں گی۔" دکان دار نے کہا تھا کہ اگر پسند نہ آئے تو صبح تبدیل کر لیتا۔" دادی نے تحمل سے کہا جبکہ رابعہ "ہونہہ" کر کے اٹھی اور دھپ دھپ سیڑھیاں چڑھ گئی۔ عائشہ کو سخت غصہ آ گیا تبھی بولی۔

"دادو آپ نے اس کی عادتیں خراب کر دی ہیں دو جوتے لگایا کریں جب اس طرح کی حرکتیں کرے تو!"

"کوئی بات نہیں آہستہ آہستہ خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔" دادی مدھم سا مسکرا دیں۔ عائشہ بھی اس کے پیچھے سیڑھیاں چڑھ گئی۔ وہ بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے بے زاری سے منڈیر پر گھومتے سفید کبوتر کو دیکھ رہی تھی۔ عائشہ غصے سے کھولتی ہوئی اس کے سامنے چارپائی پر جا بیٹھی۔

"عمر دیکھو اپنی اور حرکتیں دیکھو، تمہیں شرم نہیں آتی اپنی بوڑھی دادی کو تنگ کرتے ہوئے۔" عائشہ اس کے سامنے بیٹھتے ہی شروع ہو گئی۔

"تم ان کی نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھاتی ہو رابی! ان کی جگہ میری اماں ہوتیں تو مجھے دس جوتے لگاتیں اس بدتمیزی پر۔ تمہیں احساس نہیں ہے وہ اس عمر میں دو دو بسیں بدل کر بڑے بازار گئی ہیں اور تمہارے لیے کپڑے خرید لائی ہیں انہیں احساس تھا کہ مہارانی کا کچھ دنوں سے موڈ خراب تھا خوش ہو جائے گی مگر تم ہو کہ بجائے خوش ہونے کے ان کے لائے ہوئے کپڑے بدرنگ، سستے اور ناپسند قرار دیے۔۔۔ وہ مہنگے بوتیکوں سے تمہارے لیے کپڑے کیسے خریدتیں۔ تمہیں ان کی جھولی میں چھوڑ کر جانے والے کوئی ملیں اور فیکٹریاں نہیں چھوڑ گئے تھے۔ تم نے کبھی سوچا انہوں نے تمہیں کیسے پالا تم نے کبھی سوچا انہوں نے اپنی اور تمہاری ضرورتوں کو کیسے پورا کیا، تمہاری تعلیم کا خرچا، گھر کے دوسرے اخراجات۔۔۔ مگر تم سوچو گی بھی کیسے۔۔۔؟ سوچتے وہ ہیں جن کے پاس عقل ہوتی ہے جن کے پاس دماغ ہوتا ہے، جن کے پاس حساس، دردمند دل ہوتا ہے۔" بولتے بولتے عائشہ کی

رقت آمیز آواز میں آنسوؤں کی نمی رابعہ نے اپنے دل پر محسوس کی تھی۔ کچھ دیر چپ رہنے کے بعد عائشہ بولی۔

"تم ان کی واحد رشتہ دار ہو تمہارے علاوہ ان کا کوئی نہیں ہے اس لیے شاید وہ تمہیں نہ ڈانٹ سکتی ہیں' نہ مار سکتی ہیں ورنہ تم کب کی سدھر چکی ہوتیں۔"

"وہ اکر اکیلی ہیں' ان کا اگر کوئی نہیں ہے تو میرا بھی تو ان کے سوا کوئی نہیں ہے۔" دو موٹے آنسو ٹوٹ کر رابعہ کے دوپٹے میں جذب ہو گئے۔ عائشہ نے بے ساختہ اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔ "جن کا کوئی نہیں ہوتا ان کا خدا ہوتا ہے اور خدا سے بڑھ کر کون سہارا ہو سکتا ہے' یہ دادو ہی اکثر کہتی ہیں نا۔"

"انہوں نے مجھے آگے پڑھنے کی اجازت نہیں دی لیکن جاب کی اجازت تو دے سکتی ہیں نا۔ انہوں نے جاب کے لیے بھی زوردار نا کر دی ہے۔" رابعہ کو پھر سے شکوہ یاد آیا۔

"تمہاری جاب کے لیے تو میں نے بھی دادو سے پرزور سفارش کی ہے۔ دیکھو تمہیں مشکل سے بچانا چاہتی ہیں ان کے خیال میں نوکری کوئی بڑا مشکل ترین کام ہے۔ ان کا تو بس آج کل ایک ہی خواب ہے کہ کسی نہ کسی طرح تمہارے ہاتھ پیلے ہو جائیں۔ ویسے یار میرا مشورہ ہے کہ چھوڑ یہ دو ٹکوں کی نوکری کے خواب' سیدھا سیدھا ہاتھ پیلے کروالو۔" آنسو پونچھ کے رابعہ ہنس دی۔

"ہاں جیسے تم نے انٹر کے بعد سے تعلیم چھوڑ کے ہاتھ پیلے کرنے کی آس لگا رکھی ہے اور ابھی تک کورے ہاتھ لے کر گھوم رہی ہو۔"

"ہاں۔" عائشہ نے ٹھنڈی ٹھار آہ بھری۔ "وہ ظالم میرا منگیتر جو ہنر کمانے گیا تھا تو ابھی تک نہیں لوٹا۔ میں نے اسے کئی بار لکھ بھیجا ہے۔ تیری دو ٹکیاں دی نوکری میرا لاکھوں کا ساون جائے.... مگر وہ ایسا کٹھور ہے کہ اس کے دل پر اثر ہی نہیں ہو رہا۔ اب سوچ رہی ہوں کہ دادو سے اس کی واپسی کے لیے دعا کراؤں' کوئی وظیفہ کراؤں کہ اس کا دل موم ہو اور بھاگا چلا آئے۔"

"ہائے کیسے مری جا رہی ہو۔" رابعہ ہنسی تو عائشہ نے فوراً" کہا۔

"جی نہیں' مری کوئی نہیں جانا آوٹ آف فیشن' میں نے تو کہہ دیا تھا ارشد سے کہ ہنی مون میں نے کویت ہی آ کے منانا ہے۔" عائشہ کی بات نے ماحول اچھا خاصا خوشگوار بنا دیا۔

"اچھا اب ایسا کرو۔" عائشہ بولی "فوراً" نیچے آ کر دادو سے سوری کرو اور وہ ناپسندیدہ سوٹ شاپر میں ڈال کر نا' مجھے دو میں کل تک سلائی کر دوں گی۔"

"لیکن وہ...." رابعہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن عائشہ کی طرف دیکھ کر چپ ہو گئی ویسے بھی دل پر چھائے بدگمانی کے بادل کسی حد تک صاف ہو چکے تھے۔ اسے پھر عائشہ کی دوستی پر فخر محسوس ہوا۔

☆ ☆ ☆

اس دن اس کا ہفتہ وار صفائی کا موڈ بنا تھا وہ ہر ہفتے پورے گھر کی تفصیلی صفائی کرتی تھی اور شاید اس کی یہ واحد خوبی تھی جو دادی کو پسند تھی کہ وہ گھر کا کونا کونا چمکا دیتی تھی۔ اب بھی دونوں کمروں کی خوب اچھی طرح صفائی کرنے کے بعد اس نے برآمدے کا پنکھا فل اسپیڈ میں چلا کر وائپر سے فرش خشک کرنے لگی جب عائشہ نے دیوار کے اوپر سے جھانکا اور صاف ستھرے گھر کو ستائشی انداز سے دیکھا۔

"ایک بات کہوں رانی.... آج تو تم کسی کہانی کی انتہائی سگھڑ ہیروئن لگ رہی ہو ایمان سے۔"

"ہاں کہانیوں میں بھی سب جھوٹ نہیں ہوتا کچھ نہ کچھ حقیقت پائی جاتی ہے۔ ویسے بھی مڈل کلاس گھروں کی لڑکیاں کم و بیش ایک جیسی ہی ہوتی ہیں وہ کہانی میں ہو یا حقیقت میں۔" وہ وائپر رکھ کے کرسی پر آ بیٹھی۔ تبھی عائشہ بھی سیڑھیاں اتر آئی ان دونوں گھروں کی چھتوں کے درمیان دیوار نہ تھی سو آنے جانے کے لیے سیڑھیوں کا استعمال بہ آسانی ہو جاتا اور یہ آمدورفت سارا دن ہوتی رہتی۔

"دیکھو' پورا گھر کیسا نکھرا نکھرا صاف ستھرا ہو گیا

ہے ابھی تھوڑی دیر کے بعد دیکھنا تم دادو کی مرغیاں اور کبوتر ساری محنت پر پانی پھیر دیں گے دادو نے یہ مصیبتیں خدا جانے کیوں پالی ہوئی ہیں جیسے ان کا ٹورنامنٹ کروائیں گی کہتی ہیں کہ رزق حلال نہیں ہوتا جب تک پرندے دانہ نہ کھائیں۔" رابعہ نے بھڑاس نکالی تو عائشہ ہنس دی۔

"تم ہمیشہ ان بے زبان بے چاروں سے تنگ آئی رہتی ہو۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ صبح صبح اتنی دل لگا کر صفائیاں کس خوشی میں ہو رہی ہیں کہیں کسی ہیرو کی آمد آمد تو نہیں ہے صحن دل میں کوئی مہمان تو نہیں آنے والا۔۔۔؟"

"کہاں یار' اپنے ایسے نصیب کہاں۔" رابعہ نے جھوٹ موٹ کی آہ بھری "تمہاری طرح کاش ہمارا بھی ہوتا کوئی کزن جو اور نہیں تو ہنی مون کا لارا ہی لگا جاتا اور اس لارے کی آس پہ دن گزر جاتے۔"

"اس نے کوئی جھوٹا لارا نہیں لگا رکھا۔ باقاعدہ منگنی کی انگوٹھی پہنائی ہے پوری برادری کے سامنے۔" عائشہ نے ہاتھ میں پہنی انگوٹھی اس کے سامنے لہرائی۔ "اور پکا وعدہ کیا ہے اس نے کہ دسمبر تک آجائے گا دشمنوں کے کلیجے میں ٹھنڈ ڈالنے۔"

"اچھا کون سے دسمبر تک؟" رابعہ نے تمسخر سے پوچھا۔

"اسی دسمبر تک۔" عائشہ نے دانت پیسے۔ "مجھے یقین ہے کہ تمہاری بد دعائیں مجھے نہیں لگیں گی کیونکہ دادو کی دعائیں میرے ساتھ ہوتی ہیں تم جتنی مرضی۔۔۔"

"رابی۔۔۔ برآمدے کا پنکھا بند کر دو۔ چھت سے دادی نے آواز لگائی وہ لحاف میں ڈورے ڈال رہی تھیں وہیں سے پکارا۔

"واپڈا والوں نے کب کا بند کر دیا ہے۔ وہ نہیں چوکتے۔ پورے دن میں آدھا گھنٹہ لائٹ دے رہے ہیں۔ تیس منٹ میں جتنی دل چاہے بجلی استعمال کر لو۔" رابعہ نے کوفت سے کہا۔ "ہم سے تو پچھلے زمانوں کے لوگ اچھے تھے کم از کم بجلی کی سہولتوں کے

عادی تو نہ تھے نا۔۔۔ اب الیکٹرونکس کی ہر چیز صرف نمائشی اور ڈیکوریشن پیسز بن کر رہ گئے ہیں چھتوں نے بے کار میں پنکھوں کا بوجھ اٹھا رکھا ہے۔"

"چھوڑو۔۔۔ یہ تم اکیلی کا ایشو نہیں ہے اور پھر فائدہ اپنا خون جلانے کا۔" عائشہ نے تحمل سے کہا۔

"فائدہ تو بہت ہوگا گیس کی لوڈشیڈنگ میں اپنا خون جلا لیا۔" وہ ہنس دی۔ "چلو دادو کے پاس چلتے ہیں تم ان سے بات کرنا تمہاری بات ویسے بھی وہ نہیں ٹالتیں۔ اسکول کی ٹھیک ٹھاک پیکج پر آفر ہے میرے پاس۔ لیکن دادو نہیں مان رہیں تم سمجھانا کہ ایسی آفرز روز روز نہیں آتیں۔"

"ہاں چلو ٹھیک ہے میں ان کو مناتی ہوں اتنی اچھی جاب ویسے بھی روز روز نہیں ملتی' اللہ کرے مان جائیں۔" رابعہ نے عائشہ کے خوشی سے چمکتے پر خلوص اور بے ریا چہرے پر نگاہ ڈالی۔

"کچھ لوگ واقعی آپ کے ساتھ اتنے مخلص ہوتے ہیں کہ آپ ان کے خلوص پر کبھی شک کر ہی نہیں سکتے۔ وہ آپ کی خوشی میں پورے دل سے خوش ہوتے ہیں اور آپ کے دکھوں پر آپ کو زیادہ دیر دکھی نہیں ہونے دیتے۔"

اس نے ایک بار پھر عائشہ کی دوستی پر فخر محسوس کیا اور خوشی کی پھوار دل میں اترتی محسوس کی۔

☼ ☼ ☼

آج وہ بہت خوش تھی اور خوب دل لگا کر تیار ہو رہی تھی کیونکہ آج اسکول میں اس کا پہلا دن تھا۔ دادی نے اگرچہ بقول عائشہ کے بہت "اڑی" ڈالی تھی اور کسی صورت بھی نہیں مان رہی تھیں۔ رابعہ نے رقت آمیز ترلے کیے جذباتی ڈائیلاگ بولے عائشہ نے منتیں کیں مگر وہ اعتراض یہ اعتراض کر رہی تھیں۔ ہزاروں خوف تھے ان کے دل میں۔

"گھر سے دو گلیاں اسکول دور ہے۔" (واہ کیا فاصلہ ہے۔۔۔؟) رابعہ منمنائی۔

"رستے میں بازار بھی آتا ہے۔۔۔ اکیلی تمہیں کیسے

بھیج دوں۔ اور میں بوڑھی جان چھوڑنے کیسے جاؤں گی۔" وہ بھی نیم رضامند ہوتیں بھی نقص نکالتیں۔ سو سو اندیشے تھے کئی کئی وسوسے تھے جو دادی کے دل کو جکڑ رہے تھے ایک پل وہ مانتی نظر آتیں اور دوسرے ہی لمحے انکاری ہو جاتیں۔ سب سے عظیم ترین اعتراض وہاں مرد ٹیچر بھی ہوں گے مردوں کے ساتھ نوکری توبہ توبہ!"

"اف دادو۔۔۔!" وہ دونوں سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ اگرچہ رابعہ حوصلہ ہار بیٹھی تھی لیکن عائشہ بضد رہی۔

"میری پیاری دادو۔" عائشہ نے ان کے گلے میں باہیں ڈالیں۔ "دنیا جہان کی لڑکیاں گھروں سے باہر نکل کر نوکری کرتی ہیں اور وہ کوئی غیر محفوظ نہیں ہو جاتیں' اللہ مالک ہے حفاظت کرنے والا ہے۔"

"لیکن ان کے ماں باپ زندہ ہوتے ہیں ان کی رکھوالی کرنے والی بوڑھی دادیاں نہیں ہوتیں۔"

"سب کے ماں باپ نہیں بھی ہوتے اور پھر اس میں میرا کیا قصور کہ میرے ماں باپ نہیں ہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ کو مجھ پر بھروسا نہیں ہے؟" گلوگیر لہجے میں بولتی رابعہ کے آنسو نکل آئے اور اس کے آنسو تو بقول دادی کے اس کا بہترین ہتھیار تھے پھر اس کے بعد وہ اپنی انکار پر زیادہ دیر تک قائم نہ رہ پاتی تھیں۔ وہ اگرچہ نیم رضامند تو ہو گئی تھیں لیکن زبان سے کچھ نہ کہا نہ ہاں اور نہ۔

لیکن اگلے روز وہ علی الصباح اسکول کے ماحول کی اچھی طرح جانچ پڑتال کے لیے خود اسکول چلی گئیں پرنسپل صاحب سے پون گھنٹہ ملاقات کے بعد ہر طرح کی اچھی طرح تسلی کر لینے کے بعد "فرداً فرداً" پورے اسٹاف کا انٹرویو لے کر بھی اگرچہ وہ سو فیصد مطمئن تو نہ تھیں لیکن اپنی عزیز از جان پوتی کی ضد کے سامنے بالا خر ہار گئیں۔ رضامند تیور جان کر رابعہ کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔

لانبے سیاہ بال کیچو میں جکڑ کر آنکھوں میں کاجل کی ہلکی سی لکیر لگائی آؤٹ لائن کے بعد ہونٹوں پر نیچرل کلر کی لپ اسٹک لگا کر دوپٹا اوڑھا اب وہ بالکل تیار تھی پاؤں میں سیاہ اسٹریپ والی نفیس سی سینڈل پہن کر بیگ کاندھے پر جمایا لیکن کمرے سے باہر نکلتے نکلتے ایک دفعہ پھر پلٹ آئی۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر از سر نو جائزہ لینے کے بعد ہونٹوں پر غیر محسوس سی نظر آتی لپ اسٹک کو ٹشو سے رگڑ رگڑ کر صاف کر دیا لپ اسٹک اگرچہ صاف ہو چکی تھی لیکن ہونٹوں کا گلابی پن برقرار تھا۔ باہر آئی تو دادی نے سر سے پاؤں تک اچھی طرح جائزہ لیا ہر ہر زاویہ نگاہ سے گویا ایکسرے کیا۔

"چادر اوڑھ لو۔" دادی کو اور تو کوئی نقص نظر نہ آیا تھا شاید۔ اس نے چپ چاپ دوپٹا اتار کر تہ کر کے بیگ میں رکھا اور چادر اوڑھ لی۔

"عائشہ کو ضرور ساتھ لے لینا۔" صبح کی کوئی دسویں مرتبہ یہ ہدایت ہوئی اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"جاؤ اللہ کی امان میں دیا' پروردگار تمہاری حفاظت کرے۔ شیطان کی میلی نگاہ سے محفوظ رکھے۔" دعا دیتے دیتے وہ اسے دروازے تک چھوڑنے چلی آئیں۔

"ٹھہرو" ابھی وہ چوکھٹ پار نہ کر پائی تھی کہ دادی کی آواز پر پلٹی انہوں نے نہ جانے کتنا کچھ پڑھ پڑھ کر اس پر پھونک دیا۔ وہ ہنس دی۔

"دادو آپ تو ایسے پھونکیں مار رہی ہیں جیسے میں کسی جنگ کے محاذ پر جا رہی ہوں۔"

"گھر سے باہر نکلنے والی عورت سمجھو کسی محاذ پر ہی نکلتی ہے اسے قدم قدم پر بہت استقامت اور حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ شیطان تو گھات لگائے بیٹھا ہے کب کوئی ذرا سا چوک جائے۔ کسی کا قدم ذرا سا ڈگمگائے۔"

"جس طرح آپ نے پھونکوں کا حصار باندھ دیا ہے اس "زمانے" کی جرات ہی نہیں ہو گی کہ اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھے۔" عقب سے آ کر عائشہ نے ڈرامائی انٹری دی اور دونوں چل دیں۔ ان دونوں نے مڑ کر دیکھا۔ دادی گلی کی نکڑ پر کھڑی دیر تک دعاؤں کا حصار باندھتی رہیں۔

☆ ☆ ☆

اسکول سے واپسی پر اس کے گھر ٹیوشن کے لیے بچے آنے لگے دادی کے پاس سپارہ پڑھنے محلے کی کئی بچیاں پہلے سے آتی تھیں۔ گھر کا ماحول بدل گیا۔ صبح و شام کی روٹین بدل گئی۔ زندگی بدل گئی تھی زندگی ایک نئے رستے پر چل پڑی تھی آنکھوں میں آنے والے دنوں کے حوالے سے خوب صورت خواب سج گئے۔

اس سے پہلے تو ایک لگی بندھی روٹین تھی ناک کی سیدھ میں چلو اور اسی سیدھ میں چلتے چلتے زندگی جینے کا اہتمام کرو۔ اب جب کہ اس نے گھر سے باہر قدم نکالا تھا لوگوں سے ملی تھی تو اسے احساس ہوا تھا کہ زندگی صرف گھر کی چار دیواری میں ہی سانس نہیں لیتی گھر سے باہر بھی لوگ بستے ہیں جو اگرچہ بظاہر ہم جیسے معلوم ہوتے ہیں مگر سب کی کہانیاں علیحدہ ہیں سب کے دکھ سکھ جدا جدا ہیں۔ آنکھ میں آنسو تو ہونٹوں پہ ہنسی۔۔۔ کیسی ہنرمندی ہے۔۔۔!

جب اسے پہلی تنخواہ ملی تو اس کے اعتماد میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ کتنا خوب صورت احساس ہوتا ہے اپنی کمائی اپنی محنت کا معاوضہ وصول کرنا۔۔۔ یہ اسے زندگی میں پہلی مرتبہ محسوس ہوا تھا۔ اس نے اپنی پوری تنخواہ دادی کے اجلے دوپٹے پر ڈال دی۔ دادی نے بے حد حیران ہو کر گود میں رکھے روپوں کو دیکھا اور پھر اپنے سامنے پورے قد سے کھڑی پوتی کو۔۔۔ ان کی آنکھ سے موتی گرا۔۔۔ اور بھی کبھی آنکھ کو رونے کا بس بہانہ چاہیے ہوتا ہے بعض اوقات بہت خوشی ملے تو بھی آنکھیں رو دیتی ہیں اور پھر بچھڑے ہوؤں کو یاد کر کے بھی کہ جانے والے اگر آج ہوتے تو اس خوشی کے موقع پر کتنا خوش ہوتے۔ وہ آہستگی سے جھکی اور دادی کی گود میں سر رکھ دیا۔ ضبط کا بندھن ٹوٹا تو سارے روپے بھیگ گئے۔

☆ ☆ ☆

"یہ بکس میں نے تمہارے لیے نکال کے رکھی ہیں چیک کر لو پورا سلیبس ہے۔" الماری کے دوسرے خانے سے بی اے کا پورا نصاب اس نے عائشہ کے سامنے رکھا تو وہ اچھل پڑی۔

"جی نہیں اپنے پاس ہی رکھو میں تمہیں شکل سے ردی خریدنے والی نظر آتی ہوں۔"

"تم ہو ہی عقل سے پیدل۔" رابعہ اس کے رد عمل پر ہنس دی۔ "میں نے تو سوچا تھا کہ فارغ بیٹھنے سے بہتر ہے تم بی اے کی تیاری کر کے ایگزام دے لو۔"

"چھوڑو یار کیا کرنا ہے بی اے کر کے بھی" رابعہ کے سامنے بکھری کتابیں ایک دوسرے کے اوپر رکھتے ہوئے وہ بولی۔ "میرا دل ہی نہیں لگتا اب پڑھائی میں۔"

"رسالوں میں جو دل لگا لیا ہے۔"

"رسالے پڑھنے کے لیے بھی اب ٹائم کہاں ملتا ہے اور پھر فارغ کہاں ہوتی ہوں سارا سارا دن مشین کے آگے بیٹھ کر کمر تختہ ہو جاتی ہے یہ کتابیں پڑھنے کے لیے ٹائم کہاں سے نکالوں گی۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"دیکھو عاشی۔۔۔" رابعہ نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ کے بولی "تعلیم ہر دور میں ضروری رہی ہے مردوں کے لیے بھی اور عورتوں کے لیے بھی۔ تعلیم کو اتنا غیر اہم اور غیر ضروری نہ سمجھو اگر تم گریجویشن کر لو گی تو کوئی جاب تمہیں مل سکتی ہے۔ اس طرح سارا دن لوگوں کے کپڑے سینے سے وہ بہرحال بہتر ہو گی۔ میں کسی بھی پیشے یا ہنر کو حقیر نہیں کہہ رہی لیکن اب مجھے تعلیم کی اہمیت کا اندازہ و احساس ہوا ہے۔ اب میرا انگلش میں ماسٹرز کرنے کا ارادہ ہے۔ اب مجھے اپنے چند مہینے بے کار میں ضائع ہو جانے کا افسوس ہے اور اس بات کا بھی افسوس کہ یہ آگہی یہ فہم و ادراک مجھے پہلے کیوں نہیں ملا۔" عائشہ حیرت و بے یقینی سے ایک ٹک اس کے جاذب نقوش میں کوئی نئی اور انوکھی سی بات محسوس کرتی رہی۔

متانت و بردباری اور انتہائی سمجھ داری سے عائشہ کو سمجھاتی ہوئی وہ پہلے والی ضدی اور ہٹ دھرم رابعہ تو لگ ہی نہیں رہی تھی۔ ان تین ماہ میں وہ پہلے سے بہت بدل گئی تھی اس کے اٹھنے بیٹھنے میں بول چال میں بات کرنے کے پر اعتماد انداز میں نمایاں مثبت تبدیلی تھی۔

وہ جو بازار جاتے ہوئے گھبراتی تھی ہاتھ پسینے پسینے ہو جاتے تھے اپنے لیے بھی کوئی چیز خرید نہ سکتی تھی اور دادی کی خریدی ہوئی اشیا میں سو سو نقص نکالتی ناپسندیدہ قرار دیتی اب وہ اکثر شاپنگ کرنے بازار جاتی ظاہر ہے اس کے ہاتھ میں رقم آئی تو خرچ کرنے کا سلیقہ بھی آگیا۔ وہ اپنے لیے دادی کے لیے کپڑے، جوتے ضرورت کی دوسری چیزیں خریدتی گھر کے لیے بھی چھوٹی موٹی ضروری اشیا خرید لاتی خرچ کرنے کے ہنر کے ساتھ کفایت شعاری دادی کی تربیت کی دین تھی اس روز وہ دادی کے لیے گرم شال خرید لائی تھی یونہی بازار سے گزرتے گزرتے پسند آئی تو اس نے خرید لی۔ "دادو۔ یہ میں آپ کے لیے شال خرید لائی ہوں۔ دیکھیں پیاری ہے نا۔؟"

"کیا ضرورت تھی بچے۔" دونوں پلوؤں پر میرون نفیس امبر ائڈری والی سیاہ شال پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے دادی نے اعتراض کیا۔

"ضرورت تھی نا اسی لیے' ویسے آپ بتائیں آپ کو پسند تو آئی ہے نا۔" وہ چمکتی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

"میرے پاس پہلے چادر ہے تو۔" دادی ہنوز معترض تھیں۔

"وہ۔ وہ چادر جس کو خریدے ہوئے معلوم نہیں کتنے سال ہو گئے ہیں اور جو دھل دھل کر اتنی گھس چکی ہے کہ اب پتا بھی نہیں چلتا کہ ابتدا میں اس کا رنگ کیا رہا ہوگا اور آپ ہیں کہ۔۔۔"

"نہ بچے اس طرح نہیں بولتے۔" دادی نے اسے مزید بولنے سے روک دیا۔ "کیا پتا کتنے لوگوں کو اس طرح کا بھی نصیب نہ ہو میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ۔۔۔ "ہمیشہ اپنے سے نیچے والوں کو دیکھو زندگی سہل ہو جائے گی" ہم غیر ضروری سامان اکٹھا کرتے ہیں اور اسراف کرکے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں ہمیں اپنے سے اوپر والوں کو دیکھنے کی عادت سی ہو گئی ہے اسی لیے تو ہماری فطرت میں لالچ' حرص اور طمع ہمارے گناہوں میں اضافہ کرتا جاتا ہے اور ہوس ہے کہ بڑھتی جاتی ہے۔"

"دادو کیا ہے' میری خوشی تو نہ ضائع کریں۔" وہ کچھ مایوس سی ہو گئی۔ "آپ کو نہیں پتا آپ کے لیے چیز خریدتے ہوئے میں کتنی خوشی محسوس کرتی ہوں۔"

"اللہ تمہیں اس کا اجر دے گا۔" دادی نے بہت نرمی سے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں کے پیالے میں تھام کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا تو اس نے بے ساختہ اپنی آنکھوں میں نمی سی محسوس کی۔ ہمیشہ دادی کی پرجوش محبت پر اس کی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔

"میری بات یاد رکھنا بیٹا۔ دلی خوشی اور محبت سے قرابت داروں پر خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ اپنا ہر کام رب کی رضا کے لیے کیا کرو وہ راضی ہو جائے گا' جو لوگ معمولی سے معمولی خریداری کرنے کی بھی استطاعت نہیں رکھتے کبھی ان کے لیے کچھ خرچہ کرکے دیکھو پھر دیکھنا رب تمہارے اندر کیسی خوشی بھر دے گا۔"

کسی اجلی اور نئی سوچ کا سرا دادی نے جب اس کے ہاتھ میں تھمایا تو اس نے بے ساختہ چونک کر برآمدے میں مصلے پر چھوٹی چھوٹی اوڑھنیوں سے سر ڈھانپے آگے پیچھے جھول کر قرآن مجید پڑھتی لڑکیوں کو دیکھا جن میں سے اکثر جھومتے ہوئے اب اونگھ رہی تھیں جن میں سے اکثر کی اوڑھنیوں کے چھید نمایاں تھے۔

"دادو۔ ان کی چھٹی کر دیں اس سے پہلے کہ یہ یہیں لمبی لیٹ جائیں۔" انگلی کی پور سے آنکھ کا کونا صاف کرتے ہوئے وہ ہنس دی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یار مانا کہ ہمسائیوں کے بڑے حقوق ہیں مگر اس طرح دن کے چوبیس گھنٹے ہمسائے اگر درمیانی دیوار پہ لٹکے رہے تو چاہت کیا خاک رہے گی۔" صبح صبح عائشہ کو دیوار سے جھانکتے دیکھ کر رابعہ نے کہا۔

"چلو میں ادھر سے آجاتی ہوں۔" وہ فوراً سیڑھیاں پھلانگ آئی۔

"صبح صبح تمہاری شکل دیکھ لی ہے اب دن تو یقیناً"

برا ہی گزرے گا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" عائشہ نے اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ لے کر منہ سے لگاتے ہوئے حساب برابر کر دیا۔

"تمہاری وجہ سے میں آج پوری رات نہیں سو سکی ہوں۔" چائے ایک گھونٹ میں ختم کر کے اس نے اطلاع دی۔

"کیا.... میری وجہ سے؟" رابعہ چونکی۔ "خدا کا خوف کرو یار میری شکل اب اتنی ڈراؤنی بھی نہیں ہے کہ تمہارے خوابوں میں آ آ کے ڈراتی رہوں۔ میری دادو سے پوچھو ان کے خیال میں دنیا کی سب سے حسین و جمیل دوشیزہ ہوں میں۔"

"اتنی لمبی لمبی نہ چھوڑا کرو۔" عائشہ اکتائی "میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ تمہاری باتوں پر رات میں نے بہت غور کیا اتنا سوچا ہے بلکہ ساری رات سوچا ہے۔ میں تم سے کتابیں لینے آئی تھی۔"

"اوہو تو کڑی گربجویٹ ہونے جا رہی ہے۔" رابعہ کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔

"ساری رات کی سوچ کا صبح تک یہی نتیجہ نکلا کہ علم ہی وہ گیہوں ہے جو غریبی کی چکی میں اگر ڈالو گے تو آٹا ضرور نکلے گا اور غریب کے لیے روٹی بہت ضروری ہے۔ حصول ممکن ہو یا ناممکن.... کھائے بنا گزارا نہیں ہے میں نے سوچا ہے اس طرح تو میں ساری عمر کپڑے ہی سیتی رہوں گی اور حالات جوں کے توں رہیں گے پھر پہلے یا تو نظر جائے گی یا کمر کا مہرا اپنی جگہ چھوڑے گا اس طرح تو زندگی نرا خسارہ ہے۔" وہ سامنے دیوار سے اترتی صبح کی نرم اور روشن دھوپ کو دیکھ رہی تھی اور آنکھ میں آنسو ٹھہرا تھا۔ رابعہ نے تاسف سے اسے دیکھا اور اس کے لہجے کی نمی اپنے دل پر محسوس کی۔ کچھ توقف کے بعد وہ بولی۔

"تم تو جانتی ہو نا رابی میں مشقت سے جی نہیں چراتی اور نہ ہی محنت سے گھبراتی ہوں مگر تم نے ٹھیک کہا تھا کہ کچھ حاصل وصول بھی ہونا چاہیے میں جو نکہ ابا کے بعد اپنے گھر کی واحد کفیل ہوں تو سوچا کہ کفیل کو تعلیم یافتہ کم از کم ضرور ہونا چاہیے ورنہ تبدیلی کہیں نہیں آئے گی نہ آپ میں اور نہ آپ کے حالات میں۔"

عائشہ نے پلکیں اٹھائیں تو اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں اور بھیگی آنکھیں آنے والے خوشگوار و خوشحال دنوں کے خوابوں سے جگر جگر کر رہی تھیں۔

"اللہ تمہارے خواب سلامت رکھے۔" رابعہ نے صدق دل سے دعا دی۔ وہ اسے بہت عزیز تھی۔ شاید اس لیے بھی کہ وہ اس کی واحد دوست تھی' شاید اس لیے بھی کہ اس کے ساتھ قربت و محبت کا رشتہ تھا اس کے ساتھ سانجھ کا رشتہ تھا دکھ سکھ کی سانجھ کا اور اس کے کتنے ہی آنسوؤں کی سیلن عائشہ کے دوپٹے میں جذب تھے اس کے جانے کے بعد بھی رابعہ بہت دیر تک وہیں بیٹھی رہی۔ صبح کی دھوپ پورے صحن میں پھیل چکی تھی۔ خوشگوار سی دھوپ نرم نرم سی دھوپ.....!

☆ ☆ ☆

"گھر میں کوئی آیا ہے کیا....؟"

وہ اسکول سے لوٹی تو گھر کی خاصی ابتر حالت دیکھ کر ہی اسے اندازہ ہو گیا صحن میں بچھی چارپائیوں کے بیچ میں رکھی میز کے نیچے اور چارپائیوں کے آس پاس گنے اور کینو کے چھلکوں کے ڈھیر تھے اور فرش پر جا بجا گرے مالٹوں کے رس اور شاید چائے کے داغوں پر بھنبھناتی مکھیوں کے قافلے' اس کی صفائی پسند فطرت کو یہ منظر خاصا ناگوار گزرا۔

کچن میں برتنوں کی کھٹر پٹر آواز پر وہ کچن میں چلی آئی دادی برتن دھونے کے لیے آستین فولڈ کر رہی تھیں۔

"رہنے دیں میں کر لوں گی۔" اس نے آگے بڑھ کر سنک کا والو بند کر دیا کچن کے پھیلاوے اور دھونے والے برتنوں سے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ آنے والوں کی خاصی آؤ بھگت کی گئی ہے۔ ڈرائنگ روم سے اب بھی

بلند آواز سے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

"کون آیا ہے دادو...؟"اس نے سوال پھر دہرایا۔

"گاؤں سے رشتے دار آئے ہیں۔" کیا مبہم سا جواب تھا اس نے چونک کر حیرت سے دادی کو دیکھا جو بے حد مگن و مسرور تھیں پھر اس کی نگاہ کچن کے کونے میں پڑے سامان کے ڈھیر پر پڑی پھلوں اور سبزیوں کے کریٹس' دودھ کے کین' چاولوں کی بوری' گنے اور نہ جانے کیا کچھ... وہ حیران ہو رہی تھی۔ "آپ کو یقین ہے دادو کہ یہ ہمارے ہی رشتہ دار ہیں کوئی کسی اور کی بھول میں ہمارے گھر میں نہ آگئے ہوں" وہ بے یقین سی تھی اور دادی ہنس دیں وہی مبہم اور پراسراری ہنسی۔

کیا ہمارے کوئی رشتہ دار بھی تھے... ویسے دادو نے تو آج تک نہ بتایا تھا کہ ہمارے کوئی رشتہ دار بھی ہوتے ہیں اور وہ بھی اتنے کھاتے پیتے رشتہ دار... ! اسے یہ بات ہضم ہی نہیں ہو رہی تھی اسے تو بس یہی معلوم تھا کہ وہ اور دادی ایک دوسرے کی واحد رشتہ دار ہیں اور بس ... پھر آج اچانک... دادی نے اسے اسی طرح خود سے الجھتے دیکھا تو اس کا ہاتھ پکڑ کر ڈرائنگ روم میں مہمانوں سے ملوانے لے آئیں۔ مہمانوں کا پرجوش رویہ اور والہانہ انداز دیکھ کر وہ پہلے حیران پھر نروس ہو گئی۔

"ارے... یہ اپنی رابی ہے اتنی بڑی ہو گئی۔" دادی کی ہم عمر خاتون اسے اپنے ساتھ لپٹائے ہوئے تھیں۔ دادی ساتھ ساتھ تعارف کا فریضہ نباہ رہی تھیں وہ آپا حلیمہ تھیں جو دادی کی ذرا دور کی کزن ہوتی تھیں ان کے خاوند بھی تھے جو ان کے ہم عمر یا ان سے ذرا سے بزرگ ہی ہوں گے۔ ایک سنجیدہ و سوبر سی خاتون زہرہ خاتون جو حلیمہ آپا کی بیٹی تھیں اور ان کے ساتھ صوفے پر براجمان زہرہ خاتون کا بیٹا۔ وہ اگرچہ ملنے کی رسمی کارروائی کے بعد وہاں سے رفوچکر ہونے کے چکروں میں تھی لیکن دادی نے اسے وہیں روک لیا اور وہ مجبوراً" بیٹھ گئی۔ آپا حلیمہ پرانے وقتوں کے قصے سنا رہی تھیں۔

"بچوں کو بڑے ہوتے دیر نہیں لگتی اب دیکھو کل کی بات لگتی ہے صفیہ جب تم ہمارے گاؤں آئی تھیں تو تب یہ رابی یہی کوئی ڈیڑھ دو سال کی ہو گی اور اپنا یہ شہریار چار سال کا تھا۔ اب تم بتا رہی ہو کہ رابی استانی بن گئی ہے اور اپنا شہریار وڈا افسر... ادھر تمہارے شہر میں ہی ہوتا ہے۔"

"اچھا..." دادی نے ناسمجھی سے شہریار کو دیکھا تو وہ حلیمہ آپا کے وڈا افسر کہنے پر اچھا خاصا جھینپا ہوا تھا۔

"جی میں پی آئی اے میں ملازم ہوں۔ تقریباً" چھ ماہ ہو گئے ہیں ادھر سرگودھا میں ٹرانسفر ہوئے۔"

"میں نے تو کہا ہے اس سے کہ جب تیرے جہاز اڑتے ہیں تو اور نہیں تو کم از کم نانی نانے کو حج ہی کروا دے اللہ سونے کا گھر دیکھ آئیں گے ہم نمانے لوگ بھی گناہ معاف ہو جائیں گے' آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔"

"نانو میرے کوئی ذاتی جہاز نہیں ہیں میں تو پی آئی اے کا ایک ادنیٰ سا ملازم ہوں۔" شہریار اچھا خاصا جھینپ گیا تھا۔ کیونکہ اس نے رابعہ کی بے ساختہ ہنسی دیکھ لی تھی اگرچہ اس نے رخ پھیر لیا تھا پھر بھی۔

"رہائش کا کیا بندوبست ہے بیٹا...؟" دادی نے شاید اس کی کھسیاہٹ بھانپ کر موضوع تبدیل کیا۔

"جی کچھ دوستوں کے ساتھ مکان شیئر کرتا ہوں۔" وہ مختصراً" بولا۔

"اب دیکھ اسے کملا نہ ہو تو بھئی جب تیری اپنی نانی صفیہ کا گھر ادھر موجود ہے تو کیا ضرورت ہے کرائے کے مکانوں میں رکنے کی۔" آپا حلیمہ کی اس بات پر تو کمرے میں موجود تمام افراد نے ایک دوسرے کو بے ساختہ دیکھا۔

"ہاں ہاں حلیمہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے تمہارا اپنا گھر ہے یہ۔" اب کے مروت کے تقاضے نباہتی دادی کو رابعہ نے اچھا خاصا چونک کر دیکھا اور اس کا بری طرح چونکنا شہریار کی نظر میں فوراً" آگیا۔

"نہیں نہیں صفیہ نانی۔" شہریار فوراً" بولا۔ "میں بالکل ٹھیک ہوں وہاں' رہائش کا کوئی پرابلم نہیں ہے بڑی اچھی جگہ ہے بالکل گھر کا ماحول ہے۔" وہ حلیمہ

نانی کی فرمائش پہ ہی بھر کے شرمندہ ہو چکا تھا۔
"میں ذرا کچن دیکھ آؤں۔" رابعہ کو وہاں اپنی موجودگی غیر ضروری لگی تو وہ اٹھ کر کچن میں آ گئی۔
برتن دھو کر ابھی وہ خشک کر رہی تھی کہ دادی کچن میں چلی آئیں۔
"آپ کو کیا ضرورت تھی دادو شہریار صاحب کو رہائش کی آفر کرنے کی ہمارا گھر کوئی گیسٹ ہاؤس نہیں ہے۔" دادی کو دیکھتے ہی وہ آواز دبا کر بولی۔ "اس طرح ہر ایرے غیرے کو ہم رہائش کی آفر نہیں کر سکتے۔"
"وہ کون سا رہنے پر آمادہ ہوا ہے۔" دادی سہولت سے بولیں۔ "ویسے بھی لوگ رشتہ داروں کے گھر رہتے ہی ہیں یہ کوئی انوکھی یا انہونی بات نہیں ہے۔
اب وہ لوگ ہاسپٹل جا رہے ہیں سردار صاحب نے ڈاکٹر سے ٹائم لے رکھا ہے شام تک آ جائیں گے مجھے بھی ساتھ چلنے کو کہہ رہے تھے لیکن میں نے معذرت کر لی کہ کھانا بنانے میں تمہاری مدد کروا دوں گی۔"
وہ اچھا خاصا چونکی۔ "کیا! وہ لوگ رات کا کھانا بھی کھائیں گے....؟"
"اور نہیں تو کیا.... نہیں کسی ہوٹل کا رستہ دکھا دوں اپنا گھر ہوتے ہوئے۔" دادی کی ڈانٹ سن کے وہ چپ ہو گئی۔
"مجھے بتا دو جو چیزیں بازار سے منگوانی ہے میں جلدی سے لے آتی ہوں۔ پہلے رائتہ اور سلاد بنا کے رکھ لو چکن قورمہ' بریانی' کباب' کھیر یا ٹرائفل...."
دادی کا ترتیب دیا مینیو سن کے وہ خاصی بد مزا ہوئی۔
"آپ کے پینڈو مہمانوں نے کبھی ان کھانوں کے نام بھی نہ سنے ہوں گے۔" اس نے دل ہی دل میں کہا۔ دادی سودا سلف کی لسٹ پکڑ کر بازار چلی گئیں اور وہ اپنے لیے چائے کا کپ بنا کر برآمدے میں پینے بیٹھ گئی اس کا کسی کام کو کرنے کا دل ہی نہیں کر رہا تھا شاید اس لیے بھی کہ وہ اسکول سے تھک کر آئی تھی یا شاید اس لیے بھی کہ ان کے گھر میں مہمان پہلی مرتبہ آئے تھے جبکہ وہ تو صرف دو افراد کا کھانا ناشتا بنانے کی عادی تھی اور آج دادی نے کافی مشقت طلب مینیو ترتیب دیا تھا۔ اس نے مدد کے لیے عائشہ کو بلا بھیجا لیکن وہ محترمہ نہانے کے لیے واش روم میں گھس چکی تھی۔
"یہ کون سا ٹائم ہے نہانے کا۔" اسے نئے سرے سے غصہ آیا۔ اسے چار و ناچار کچن میں گھسنا ہی پڑا۔ جبکہ دادی مطلوبہ سامان اسے تھما کر خود جائے نماز پر بیٹھ چکی تھیں۔
ابھی وہ بریانی کے لیے مسالا بھون رہی تھی جب بیرونی دروازہ کھلنے کی اور پھر اونچا اونچا بولنے کی آوازیں سن کر اس نے اندازہ لگایا کہ دادی کے خصوصی "رشتہ دار" تشریف لا چکے ہیں اس نے کچن کی کھڑکی میں سے جھانکا دادی ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول رہی تھیں۔
"کھڑکیوں اور جھروکوں میں سے چوری چوری دیکھنے کا بھی اپنا ہی مزا ہے۔" عائشہ پیچھے سے آ کر اچانک بولی تو وہ چونک گئی۔ "فلمی ہیروئین بھی اسی طرح کھڑکیوں کی اوٹ سے جھانکیاں ڈالتی ہیں۔"
"اف.... تم تو جب بھی آنا دبے پاؤں ہی آنا۔" رابعہ شرمندہ ہو کے پیچھے ہٹی۔
"اچھا آئندہ الارم بجا کے آیا کروں گی۔" عائشہ بولی۔
"تانک جھانک چھوڑو اور میری ہیلپ کراؤ' دیکھ نہیں رہی ہو میں کتنی مصروف ہوں۔"
"تم بھی غصہ چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ کچن کی کھڑکی میں سے چوری چوری کسے دیکھا جا رہا تھا میں بھی تو دیکھوں ذرا.... ہائے میں مر گئی...." کھڑکی کے کھلے پٹ سے باہر جھانکتے ہوئے وہ سینے پہ ہاتھ رکھ کے پلٹی.... آنکھیں پھٹی ہوئیں اور سینے پہ ہاتھ رکھ کے لمبے لمبے سانس لیتی ہوئی۔
"کرنٹ تو نہیں لگ گیا....؟" رابعہ کی ہنسی نکل گئی۔
"بس لگتے لگتے رہ گیا ہے ویسے بھی میں دوسروں کا حق نہیں مارتی۔" وہ شرارت سے آنکھ دباتے ہوئے بولی۔ "ویسے شکر کرو تمہاری زندگی میں بھی کوئی ہیرو تو آیا.... ہائے یہ تو بچی مچی کا بنا بنایا ہیرو ہے۔"

"باس۔۔۔ بس بھی کرو۔۔۔ تمہیں تو بولنے کا بس بہانہ چاہیے ہوتا ہے پھر موقع دیکھتی ہو نہ وقت۔" رابعہ نے اسے جھڑکا۔ "اب ادھر آؤ میرا ہاتھ بٹاؤ آدھا کام ابھی باقی ہے تم کھیر ڈونگے میں نکال کے فریج میں رکھو اور فریج سے دہی نکال کر رائتہ بنا دو میں بریانی کو بس دم پہ رکھنے لگی ہوں دادو ابھی آ کے جلدی جلدی کی ہڑبونگ مچا دیں گی۔" وہ خود تیز تیز ہاتھ چلاتے ہوئے ساتھ ساتھ عائشہ کو ہدایات دے رہی تھی اور وہی ہوا دادو کچن میں داخل ہوتے ہی بولیں۔

"بھئی لڑکیوں کیا دیر ہے جلدی کرو دسترخوان بچھاؤ مہمانوں کو بھوک لگی ہو گی۔" دادی کے چہرے تو گیا ہر ہر انداز سے دلی خوشی عیاں تھی۔ وہ کچن سے ڈرائنگ روم اور ڈرائنگ روم سے کچن کے پھیرے لگا رہی تھیں۔

"سنو۔۔۔ دادو تو ایسے خوش ہو رہی ہیں جیسے آنے والوں نے تمہارا رشتہ مانگ لیا ہو اپنے اس ہیرو کے لیے۔۔۔"

مہمانوں کو کھانا دے چکنے کے بعد وہ دونوں کچن میں بیٹھی تھیں جب عائشہ نے یہ پھلجھڑی چھوڑی۔ "تم تو نا۔۔۔ جب بھی بولنا فضول ہی بولنا۔" وہ گھورتے ہوئے بولی۔ تبھی اس کی نظر مہمانوں کے لائے گئے سامان پر پڑی۔

"اوہو۔۔۔ لگتا ہے یہ ساری سوغاتیں بھی تمہارے متوقع سسرال ہی لائے ہیں۔۔۔ بھئی بڑے دل والے ہیں تمہاری تو موجیں ہو جائیں گی۔"

"دادو۔۔۔ چائے بن گئی ہے لے جائیں۔" رابعہ نے بلند آواز میں دادی کو پکارا تھا لیکن یہ کیا اس کے ہاتھوں کے توتے کبوتر تو کیا سب کے سب چرند پرند اڑ گئے کچن کے دروازے میں شہریار کو کھڑے دیکھ کر۔

"لائیں میں چائے لے جاتا ہوں۔" وہ ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

"سی" رابعہ کے لبوں سے بے اختیار سسکاری سی نکلی کیونکہ ٹرے میں رکھا چائے سے لبالب بھرا کپ اس کے بائیں ہاتھ پہ گر گیا۔ یہ سب اتنا اچانک ہوا کہ عائشہ کے ساتھ شہریار بھی چونک گیا۔ اس سے قبل کہ عائشہ اس کا ہاتھ پکڑنے کے لیے آگے بڑھتی دروازے میں استادہ بت میں جان پڑ گئی فوراً لپکا۔

"ارے آپ کا تو ہاتھ جل گیا ہے۔" رابعہ کے بے حد سرخ پڑتے ہاتھ کو اس نے نرمی سے پکڑ لیا۔

"ارے۔۔۔ یہ تو بالکل فلمی سین ہو گیا ہے۔" عائشہ اس لمحے بھی باز نہ آئی۔ "فلموں میں بالکل ایسا ہی ہوتا ہے نا۔۔۔ جی۔۔۔"؟ شہریار نے نا سمجھی سے عائشہ کی طرف دیکھا جبکہ رابعہ نے فوراً شہریار کی انگلی اور انگوٹھے کے درمیان دبا اپنا ہاتھ آہستگی سے نکال لیا۔ عائشہ نے فوراً فریج کھول کر برنال نکالی اور شہریار کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے بولی۔

"یہ لیں اور ادھورا سین کمپلیٹ کریں پلیز۔"

"جی۔۔۔؟" وہ شاید اب بھی عائشہ کی بات کا مفہوم نہ سمجھا تھا لیکن رابعہ نے گھورتے ہوئے برنال کی ٹیوب اس کے ہاتھ سے چھین لی اور سینک کا نل کھول کر اپنا ہاتھ ٹھنڈا کرنے لگی۔

"وہ اصل میں۔۔۔ میں بیسن پہ ہاتھ دھو رہا تھا جب آپ نے صفیہ نانی کو چائے کے لیے پکارا' میں نے سوچا میں ہی لے لیتا ہوں۔" وہ شرمندہ سا وضاحت دے رہا تھا۔

"کوئی بات نہیں۔" عائشہ بولی۔ "ویسے بھی غلطی آپ کی نہیں ہے۔ یہ ہی بعض اہم موقعوں پر ایسے ہی بدحواس ہو جاتی ہے۔" شہریار نے زیرلب مسکرا کر رابعہ کی طرف دیکھا پھر عائشہ سے بولا۔

"میں نے آپ سے اپنا تعارف تو کرایا ہی نہیں۔۔۔ میں شہریار ہوں صفیہ نانو کا۔۔۔ مطلب رابعہ کی دادو کی کزن کا نواسا۔ ارے' واہ بڑا قریبی رشتہ ہے پھر تو۔" عائشہ کی بے لگام زبان ایک بار پھر پھسل گئی اور ہاتھ کی پشت پر برنال لگاتی رابعہ کی بے ساختہ ہنسی چھوٹ گئی۔

"جی۔۔۔ کیا مطلب؟" شہریار چونکا جبکہ رابعہ نے مارے خفت و شرمندگی کے رخ پھیر لیا۔

"وہ' میرا مطلب ہے کہ میں ہیروئن کی۔۔۔ اف'

مطلب رابعہ کی قریبی دوست ہوں قریبی اس لیے بھی کہ یہ گھر سے گھر ملا ہوا ہے۔"

"اچھا پھر تو بہت قریبی ہوئیں آپ۔" وہ کھل کے ہنس دیا اور باہر نکل گیا۔ تبھی دادو چلی آئیں۔

"رابعہ اور عائشہ بیٹا تم دونوں ایسا کرو پیٹی میں جو نئے بستر پڑے ہیں نا وہ نکال کے اندر کمرے میں لگا دو مہمانوں کے لیے۔"

"کیا۔۔۔؟" رابعہ اچھل پڑی۔ "کیا وہ رات بھی یہیں قیام کریں گے۔۔۔؟"

"ہاں تو اور کیا۔۔۔ اب رات کو وہ اتنی دور گاؤں کیسے جائیں گے۔" دادی کو اس کا اعتراض برا لگا۔

"گاؤں ہی ہے نا کوئی کالا پانی تو نہیں جانا تھا۔" اس نے اگرچہ آہستہ سے کہا تھا مگر دادی نے سن لیا۔

"اس طرح نہیں کہتے بیٹا۔۔۔ برکت اترتی ہے اور رحمت نازل ہوتی ہے ان گھروں میں جن میں مہمان آتے ہیں۔" دادی نے نرمی و سہولت سے ٹوکا تو وہ واقعی شرمندہ ہو گئی۔

"وہ دادو میں تو جگہ کی کمی کی وجہ سے۔۔۔"

"جگہ کی کمی تو بہانہ ہوتی ہے۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولیں۔ "گنجائش گھر میں نہیں دل میں ہونی چاہیے۔ اگر دلوں میں گنجائش نہ ہو تو پھر ایکڑ پر پھیلا گھر بھی تنگ لگنے لگتا ہے۔" اور اب کی بار وہ واقعی دل سے شرمندہ ہوئی۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن ڈرائنگ روم میں صوفے کے اوپر کمبل اوڑھ کے وہ خاصی دیر تک سوتی رہی ویسے بھی چھٹی کے دن وہ دیر تک سوتی تھی اور دادو بھی اسے ہفتہ بھر کی تھکن کے خیال سے نہ جگاتی تھیں۔

وہ جاگ جانے کے بعد بھی کافی دیر تک یونہی کسل مندی سے لیٹی رہی باہر مکمل طور پر خاموشی تھی۔ جبکہ اس کے خیال میں تو اچھا خاصا شور شرابا ہو گا کہ دیہاتی مہمان ایک دوسرے کے ساتھ بھی اس طرح بلند آواز میں بات کرتے تھے جیسے اگلا سننے کی حس سے محروم ہو۔

یہ سوچ کر وہ خود سے ہنس دی۔ جب چپل پہن کر باہر آئی تو دادی اکیلی تخت پر بیٹھیں۔۔۔ قرآن پاک پڑھ رہی تھیں۔

"دادو آپ کے رشتہ دار کہاں گئے ہیں صبح صبح۔۔۔؟" ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔ دادی نے کوئی جواب نہ دیا ویسے بھی قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے وہ اکثر ضروری باتوں کے جواب دینے سے بھی گریز کرتی تھیں۔

وہ آلکسی سے وہیں تخت پر گھٹنے موڑ کر لیٹ گئی تو اسے پھر سے اونگھ آنے لگی۔ تلاوت ختم کرنے کے بعد دادی نے قرآن پاک پر غلاف چڑھا کر رحل پہ رکھا اور صبح کی جمع کی ہوئی ساری پھونکوں سے اونگھتی ہوئی پھر سے نیند کی وادیوں میں اترتی رابعہ پر دم کیا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔

اس کے دیکھنے پر دادی بولیں۔ "مہمان تو صبح صبح چلے گئے تھے پہلی گاڑی پر' اب تو بارہ بجنے والے ہیں۔ کیسی رونق ہو گئی تھی نا گھر میں حلیمہ کو دیکھو کتنی ہنسوڑ اور خوش مزاج ہے اب اس عمر میں بھی جوانوں کی طرح دل کھول کے ہنستی ہے اس کی اور میری بڑی پکی دوستی ہوتی تھی پھر یہ بیاہ کر گاؤں چلی گئی اس کے سسرالیوں کا بھی عجیب ہی باوا آدم تھا سارے رشتے ناتے چھڑا دیے' بے چاری کے جو بھلے دن تھے وہ اچھے دنوں کی امید میں کٹ گئے بتا رہی تھی کہ میری ساس ایسی مردمار قسم کی عورت تھی جب تک اس میں سانس رہا۔ اس نے مجھے سکھ کا سانس نہیں لینے دیا اور ساس کی دائمی رخصتی کے بعد رہی سہی کسر سردار صاحب پوری کرتے رہے اب بڑھاپے میں وہ دم خم نہیں رہا اللہ رحم کرے ایسے لوگوں پر۔ ایک بیوہ بیٹی ہے اور پھر نواسا۔۔۔ یہی کل جمع پونجی۔۔۔ شہریار کی بڑی تعریفیں کر رہی تھیں حلیمہ آپا۔ ویسے ہے بھی تو بہت سمجھ دار لڑکا' ہے نا رابی۔"

وہ ان کے گھٹنے پہ سر رکھے ہلکے ہلکے خراٹے لے رہی تھی وہ نرمی سے ہنس دیں۔

☼ ☼ ☼

موسم بدل رہا تھا۔ دھوپ میں بیٹھنے سے دھوپ بدن جلانے لگتی جبکہ اندر کمروں میں سردی کا احساس ہوتا۔

وہ جامن کے چھدرے سائے میں بیٹھی اسکول سے لائی ہوئی کاپیاں چیک کر رہی تھی عائشہ نے دیوار سے جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"سنو۔ آج صبح سے منڈیر پر بیٹھا کوا کائیں کائیں کر رہا ہے لگتا ہے تمہارے دل کا مہمان آنے والا ہے۔"

"اچھا۔" وہ ہنس دی۔ "ویسے کوا تمہاری منڈیر پر بول رہا ہے اور مہمان میرے دل کا آنے والا ہے عجیب بات ہے۔ کہیں تمہارا پردیسی تو نہیں لوٹ کے آنے والا۔"

"ہاں ہا... کیا یاد کرا دیا ظالم۔" اس نے ٹھنڈی ٹھار آہ بھری۔

"رات کو بات ہوئی تھی میری ارشد سے اگست میں آنے کا وعدہ تو کیا ہے اس نے۔ میں نے بھی بلا جھجک کہہ دیا کہ اس سے پہلے کہ آنکھیں جھڑی لگا دیں تم برسات میں آجاؤ ساجن۔"

"واہ.... تم تو اپنے منگیتر کی جدائی میں لگتا ہے شاعری کرنے لگ گئی ہو۔"

" ارشد بھی یہی کہہ رہا تھا۔ میں نے کہا اس سے پہلے کہ میرا دیوان چھپ جائے تم بس لوٹ آؤ۔"

ہائے ہائے مجبوری
یہ موسم اور یہ دوری
مجھے پل پل یہ تڑپائے
تیری دو ٹکیاں دی نوکری
میرا لاکھوں کا ساون جائے...

گلی کے نکڑ والا بالم کریانہ مرچنٹ جو عرف عام میں ظالم کریانہ مرچنٹ مشہور تھا اور جس کے صور اسرافیل کی طرح چیختے ہوئے میوزک سے پورا محلہ عاجز تھا۔ اہل محلہ نے اس کا بائیکاٹ کیا، حقہ پانی بند کیا حتیٰ کہ سودا سلف تک خریدنا بند کر دیا لیکن اس نے میوزک بند نہ کیا بلکہ میوزک کا والیوم تک دھیما نہ کیا وہ کہتا تھا موسیقی روح کی غذا ہے اور میں پورے محلے کی روحوں کو مفت کی غذا فراہم کرتا ہوں اس منگائی کے دور میں اب بھی اذان کے فوراً بعد اس کے ڈیک کا بگل بجا تو کسی پردیسی کو دل کی گہرائیوں سے پکار آگیا۔ رابعہ کی ہنسی نکل گئی۔

"لو جی... تمہارے جذبات کی ترجمانی کر دی ہے ظالم نے۔" رابعہ نے اگرچہ بولنے میں پورا زور لگا دیا تھا لیکن اس کی آواز چیختے چنگھاڑتے میوزک میں دب گئی اور جواب میں عائشہ نے بھی یقیناً" کچھ کہا تھا جو میوزک کی نظر ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

اسکول سے واپسی پر بازار سے گزرتے ہوئے دکانوں کے شوکیسوں میں سجی اور کچھ دکانوں کے باہر لٹکتی فراکوں کو دیکھا تو رابعہ کو دادی کا تنبیہہ بھرا مبہم سا اشارہ یاد آیا اور نگاہوں کے سامنے دادی کے پاس سیپارہ پڑھنے کے لیے آنے والی لڑکیوں کی چھید زدہ اوڑھنیاں آگئیں اور اس کے قدم ٹھہر گئے۔ روشنی کا کوئی کوندا سا تھا جو اس کے ذہن میں لپکا اور بے ساختہ اس کے قدم دکان کی طرف بڑھ گئے۔ اگرچہ ان چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کے سائز پوری طرح اس کے ذہن میں نہیں تھے مگر... اس نے ذرا سے ردوبدل کے ساتھ چند ریڈی میڈ جوڑے اور میچنگ اسکارف خرید لیے۔

اور اس لمحے اسے احساس ہوا کہ ضرورت مندوں پر خرچ کرنے سے دل کیسے طمانیت اور خوشی سے بھر جاتا ہے... لبالب... اور پھر کوئی سکون و اطمینان بھرا احساس دل کی سرزمینوں کو دیر تک سیراب کرتا رہتا ہے۔

"یہ کیا... تم ہر روز شاپر بھر بھر کے چیزیں خرید لاتی ہو، فضول اور غیر ضروری... اور خواہ مخواہ اپنے پیسے ضائع کرتی رہتی ہو۔" دادی نے جب اس کو لدے پھندے ہوئے گھر کے اندر داخل ہوتے دیکھا تو باز

پرس کرنے لگیں۔ "میں تو کہتی ہوں کچھ کفایت شعاری اور بچت کی عادت اپناؤ اور اپنے جہیز کے لیے کچھ جمع چھوڑ رکھو کیا خالی ہاتھ لے کر اگلے گھر جاؤ گی......؟"

"اللہ مالک ہے۔" اس نے بے نیازی سے کہتے ہوئے خریدے ہوئے تمام جوڑے نکال کر جب دادی کے سامنے پھیلائے تو دادی کی آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے بھر گئیں اور وہ فرط جذبات سے لبریز بولیں۔

"اللہ تمہیں اس کی جزادے گا دوسروں کی خوشی کا خیال رکھا ہے وہ تمہارا دل سچی خوشیوں سے بھر دے گا اور یاد رکھو نیکی کے رستے میں اٹھا ہوا ایک قدم اگر بارگاہ الہیٰ میں مقبول ہو جائے تو پھر زندگی کی راہ دشوار نہیں رہتی۔"

اور اس سے اگلی صبح ہی اس نے دیکھا کہ دادی کے پاس سیپارہ پڑھنے آئی ہوئی لڑکیوں کی چھب ہی نرالی تھی۔ اجلے کورے، بے داغ لباس اور خوشی سے چمکتے چہرے اور آنکھیں۔

"دوسروں کی ضرورتیں پوری کرو، اللہ تمہیں محتاج نہیں کرے گا کسی کا۔" دادی نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کے دعا دی تو وہ پورے دل سے مسکرا دی۔

☼ ☼ ☼
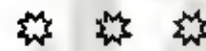
اس کی عادت تھی چھٹی کے دن صبح سے شام تک ہفتہ بھر کے التوا میں پڑے کام نمٹانے ہوتے تھے۔ چھوٹے سے گھر کی تفصیلی صفائی کے بعد پردے، کشن، بیڈ شیٹ، تکیے کے غلاف دادی کے اور اپنے دھلے ان دھلے کپڑے ڈھونڈ ڈھانڈ وہ واشنگ مشین کے پاس ڈھیر لگاتی جاتی۔

دادی اس کے سگھڑاپے، محنت لگن اور شوق کے دل ہی دل میں سراہتی تھیں اور گزشتہ عادتوں کے چھوٹ جانے پر اللہ کا شکر ادا کرتیں۔

آج کام قدرے جلدی ختم ہو گیا تھا جب وہ فارغ ہو کر بیٹھی تو یوں ہی ناقدانہ نگاہ سے گھر کی سیلن زدہ دیواروں کو دیکھنے لگی ان بدرنگ دیواروں پر جانے کب قلعی کی گئی تھی۔۔۔ شاید تب ہی جب کبھی کہیں اچھے وقتوں میں یہ گھر بنا ہو گا' اس کے بعد سے نہ حالات بدلے اور نہ گھر کی ظاہری حالت۔۔۔ وہ بڑی دیر تک بدنما نقش و نگار دیکھتی رہی اور پتا نہیں کیا کچھ سوچ کے ارادے باندھتی رہی۔

اگلے دن ہی وہ بازار سے پینٹ کے ڈبے اور دیگر سامان خرید لائی اور گھر کی ظاہری حالت کو بہتر بنانے کا تہیہ کر لیا۔ دادی نے بہت روکا کہ رہنے دو' بے کار کی مشقت۔۔۔ پھر کبھی پورا گھر پینٹ کروالیں گے' لیکن دادی کے منع کرنے کے باوجود بھی وہ اپنے ارادے سے باز نہ آئی اور بہت لگن اور عزم سے کام شروع کر دیا۔

اپنا پرانا جوڑا پہن کر ہاتھوں پر دستانے چڑھائے اور بالٹی مضبوطی سے پکڑ کر لکڑی کی سیڑھی پر سبج سبج قدم رکھتی جب دیواروں پر برش پھیرنے لگی تو اسے اندازہ ہوا کہ یہ کام اگرچہ اتنا بھی سہل نہیں تھا جتنا وہ تصور کر رہی تھی مگر وہ استقامت سے لگی رہی۔ عائشہ آئی تو اسے سیڑھی پر ٹنگے دیکھ کر پہلے حیران ہوئی پھر ہنسنے لگی اور دیر تک ہنستی رہی اور رابعہ نے اگرچہ منع بھی کیا مگر وہ بازو فولڈ کر کے اس کے ساتھ کام میں جت گئی اور کچھ ہی دیر بعد اس کے چہرے پر بھی وہی نقش و نگار تھے جنہیں رابعہ کے چہرے پر دیکھ کر وہ دیر تک ہنسی تھی۔

انہوں نے مل کے پہلے ڈرائنگ روم کا سامان باہر نکالا پھر بیڈ روم کی باری آئی اور آخر میں کچن اور واش روم کی قلعی کے بعد برآمدے اور صحن کی دیواروں کو چمکا دیا۔ چار دن کی مسلسل مشقت کے بعد جسم اگرچہ تھکن سے چور چور تھے مگر لش لش کرتا نیا نیا لگتا پورا گھر ساری تھکن اتار رہا تھا۔ رابعہ شام تک ایک ایک دیوار کی اجلی اور نرم سطح پر ہاتھ پھیرتی رہی۔

"دیکھ لیا دادو۔۔۔ یہ کوئی مشکل کام تھا بھلا۔۔۔ آپ کو خوامخواہ وہم تھا کہ میں یہ کام نہیں کر پاؤں گی عائشہ بھی اسکول سے آ کر جتنا ہو سکا میرا ساتھ دیتی رہی۔۔۔" وہ عائشہ کی مشکور تھی جو اسکول سے تھکی ہاری آتی اور

اس کے ساتھ رات گئے تک کام میں لگی رہتی۔

"کوئی کام بھی مشکل نہیں ہوتا' بس حوصلہ' لگن استقامت اور کام کرنے کی جستجو ہونی چاہیے پھر زندگی میں کوئی بھی کام دشوار نہیں ہوتا' حتیٰ کہ زندگی خود بھی۔" اس نے فلسفہ جھاڑا۔

"اللہ تمہارے حوصلے سلامت رکھے۔" دادی نے ہاتھ اٹھا کر دعا دی۔ تبھی عائشہ چلی آئی اور بولی۔

"دادی۔۔۔ میں ابھی ابھی پورے محلے میں اناؤنسمنٹ کروا کے آئی ہوں کہ اگر کسی نے گھر پینٹ کرانا ہو تو اس رنگ ساز سے رجوع کریں اعلا کام' مناسب دام۔" وہ عائشہ کے انداز پر ہنس پڑی۔

"ویسے ایک بات ہے تمہاری صلاحیتوں کو ماننا پڑے گا۔۔۔ ورنہ مجھے تو لگتا تھا کہ تو آدھا ادھورا کام چھوڑ کر میدان چھوڑ دو گی' اتنی استقامت اور لگن پہلی بار تمہارے اندر دیکھی ہے' واقعی امیزنگ۔"

"دیکھ لو۔" رابعہ نماز ہو کر فریش ہو کر بیٹھی تھی عائشہ کی تعریف پہ اترا گئی۔

"دیکھ رہی ہوں' قسم سے لگتا ہی نہیں ہے کہ یہ وہ پرانے والا گھر ہے اس کی تو لگتا ہے لک ہی چینج ہو گئی ہے اب اللہ کرے جلدی سے دادی کے وہ گاؤں والے مہمان آجائیں اور تمہارے سگھڑاپے کا منہ بولتا ثبوت دیکھ کر مارے خوشی کے بے ہوش ہو جائیں۔"

"لگتا ہے تم خود ان کی یاد میں مر رہی ہو۔" رابعہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کس کی یاد میں۔۔۔؟" عائشہ نے شرارت سے آنکھ میچی اور ٹھیک اسی لمحے دروازے پر ہونے والی ہلکی سی بیل نے ان کی توجہ کھینچ لی دادی نماز کی نیت باندھ چکی تھیں بادل ناخواستہ رابعہ کو ہی دروازے تک جانا پڑا اور ابھی ایک لمحہ قبل اسے اندازہ ہی نہ تھا احساس تک نہیں تھا کہ دروازہ کھولنے پر زمین اس کے قدم پکڑے گی' نگاہیں ساکت ہو جائیں گی اور وہ بولنا بھول جائے گی اگر۔۔۔ ابھی عائشہ گاؤں والوں کا تذکرہ نہ کر رہی ہوتی تو صورت حال یقیناً" مختلف ہوتی۔۔۔ اور اب وہ دروازے میں کھڑی بت ہو گئی تھی دونوں پٹ تھام کر آنے والے کا راستہ روکے کھڑی تھی یہ سوچے بنا کہ مقابل کی آنکھوں میں اس کی حالت زار دیکھ کر کتنی شوخی و شرارت ہے وہ اس کے بت بن جانے پر کتنا محظوظ ہو رہا تھا گھنی مونچھوں تلے دبے ہونٹوں پر کسی معنی خیز مسکان سجی ہے۔

"السلام علیکم۔۔۔ میں اندر آنا چاہتا ہوں کیا آپ راستہ دیں گی۔۔۔؟" بالآخر وہ بولا تو بے جان بت میں جان پڑی وہ جیسے گہری نیند سے جاگی اور ایک طرف ہو کر راستہ دیا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔

"میں نے کوئی ایسا منتر تو نہیں پھونکا تھا کہ دربان پتھر کے ہو گئے۔۔۔ ہاں آتے ہوئے ایک دعا مانگی تھی کہ آپ کو دروازے پر اپنا منتظر دیکھوں اور دیکھ لیں میری ایک دعا تو دروازے پہ ہی قبول ہو گئی ہے۔ اور۔۔۔ کیا میری آمد اتنی ہی غیر متوقع تھی کہ ہر کوئی دنگ رہ گیا ہے۔" اس نے صحن کے بیچ کھڑی عائشہ کو حق دق دیکھ کر پوچھا جس کی آنکھیں شاید حیرت کی زیادتی سے پھیل چکی تھیں۔

"مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ میرا آنا آپ لوگوں کے لیے اتنا سرپرائزنگ ہو گا کہ مس عائشہ تو لگتا ہے سانس لینا بھی بھول گئی ہیں۔" شہریار نے قریب جا کر عائشہ کی پھٹی پھٹی آنکھیں دیکھ کر ہنستے ہوئے تبصرہ کیا تو عائشہ اپنی ہی موجودہ حالت سے حظ اٹھاتے ہوئے بولی۔

"آپ ٹھیک ہیں شہریار بھائی۔ ویسے اس بات میں شک بھی نہیں ہے کہ ہمیں اچانک آپ کو سامنے دیکھ کر زبردست شاک لگا ہے کہ ابھی تک آفٹر شاکس لگ رہے ہیں وہ۔ بات دراصل یہ ہے کہ۔۔۔" اس نے اجازت طلب نظروں سے رابعہ کو دیکھا کہ شاید اصل بات نہ بتانے کا اشارہ ملے مگر وہاں۔۔۔ اس کی پلکیں شرم و حیا کی زیادتی سے رخساروں پہ جھک چکی تھیں اور عائشہ کو وہ پچھلی صدی کی کوئی شرمیلی ہیروئن لگ رہی تھی۔

"اصل میں ہم دونوں ابھی ابھی آپ کے آنے سے تھوڑی ہی دیر قبل آپ کو بہت شدتوں سے بلکہ

دل کی گہرائیوں سے یاد کر رہے تھے کہ آپ آ گئے۔"

"اوہ۔۔۔ واقعی۔" شہریار خوشی سے چہکا۔ "پھر تو خوش نصیبی ہے میری۔"

عائشہ بولنا شروع ہو چکی تھی اور رابعہ کا گھورنا اور دانت پیسنا مگر ایسے موقعوں پر عائشہ اس کی طرف کم ہی دیکھا کرتی تھی۔ پھر شہریار مصلے سے اٹھ کر ادھر آئی دادی کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ دادی شہریار سے شکوہ کر رہی تھیں کہ اس نے اتنے عرصے کے بعد چکر لگایا ہے۔

"نئی نئی جاب کی وجہ سے بزی ہوں ورنہ کئی مرتبہ پروگرام بنایا تھا مگر۔۔۔" وہ شرمندہ سا ہو کر وضاحت دینے لگا۔

"میری مانو تو تم ادھر ہی شفٹ ہو جاؤ بیٹا پردیس میں سو مسئلے مسائل ہوتے ہیں اور پھر میرے ہوتے ہوئے مجھے اچھا نہیں لگتا کہ تم ہوٹلوں میں رلتے پھرو۔"

دادی کی اس خلوص بھری آفر پر پوری طرح دل و جان سے حیران ہو کر عائشہ اور رابعہ نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ وہ ہر ایک کے ساتھ اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرتی تھیں مگر اتنا اخلاص۔۔۔؟ وہ جلدی سے بولا۔

"نہیں نہیں آپ میرے لیے بالکل بھی پریشان نہ ہوں میں نے بتایا تو ہے کہ میں کچھ دوستوں کے ساتھ مکان شیئر کر رہا ہوں۔ کوئی پرابلم نہیں ہے میں بہت آرام سے ہوں۔"

"پھر بھی بیٹا۔۔۔ چلو کسی چیز کی ضرورت جب محسوس ہو تو بلا جھجک میرے پاس آ جایا کرو' نانی ہوں میں تمہاری۔۔۔ حلیمہ کی بہن ہوں وہ کیا کہے گی آخر کہ میرے نواسے کا خیال بھی نہ رکھا۔"

دادی کے لہجے سے ٹپکتا بے پناہ خلوص جہاں رابعہ اور عائشہ کو ورطہ حیرت میں ڈال رہا تھا وہیں چائے کے سپ لیتے شہریار کو بے حد متاثر کر رہا تھا۔ معاً عائشہ گھر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا شہریار بھائی میں چلی" آپ سے ملاقات تو اب ہوتی رہے گی لگتا ہے۔"

"جی ضرور' شہریار نے بھی مسکرا کر جواب دیا پھر دادی کی طرف متوجہ ہو گیا جو کہہ رہی تھیں۔

"تمہاری نانی کی اور میری بہت دوستی ہوا کرتی تھی۔ پھر وہ بیاہ کر گاؤں چلی گئی تو دوستی بھی چھوٹ گئی اور ملنا ملانا بھی ختم ہو گیا۔ بہت روئے تھے ہم لوگ جدا ہوتے وقت۔" دادی گئے وقتوں میں کھو گئیں۔

"جی۔۔۔ بہت کٹھن اور دشوار ہوتا ہے مل کر جدا ہو جانا" شہریار کے لہجے میں نہ جانے کیا بات تھی کہ اپنے دھیان میں گم رابعہ نے چونک کر شہریار کی طرف دیکھا جو اسی کو دیکھ رہا تھا اور لمحے کے آخری حصے میں اس پر اس جملے کے معنی و مفہوم آشکار ہوئے اور پھر شہریار کی اپنی جانب متوجہ بولتی ہوئی آنکھیں۔۔۔ اس کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔ وہ ایک بار پھر پوری توجہ سے دادی کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ اچانک سیڑھیوں کے اوپر سے عائشہ کی اماں نے دادی کو آواز دی۔ وہ اٹھیں اور سیڑھیاں چڑھ گئیں۔

دادی کے سیڑھیاں چڑھتے ہی شہریار رابعہ کی طرف متوجہ ہوا جو چائے کے خالی برتن کچن میں رکھ کے ابھی ابھی آ کے بیٹھی تھی۔

"بہت اچھی چائے پلانے کا بہت شکریہ۔ کہتے ہیں کہ ہاتھ کا ذائقہ دل کے بند دروازوں کو کھولتا ہے تو مجھے بھی ایسا لگ رہا ہے کہ دل میں کچھ کھڑکیاں' کچھ دروازے کھل گئے ہوں۔" رابعہ نے بے ساختہ اس کی طرف دیکھا جس کی آنکھیں شوخی و شرارت سے جگمگا رہی تھیں اس کے ہونٹوں کے کنارے پہ مدھم سی مسکان آن ٹھہری اور دل کی دنیا متلاطم ہو چکی تھی۔

"رابعہ۔۔۔" ہلکا سا کھنکار کے وہ رابعہ سے مخاطب ہوا "میں نے آپ سے اپنے دل کی بات کہنی ہے مگر سوچ رہا ہوں کہ کیسے بیان کروں' ظاہر سی بات ہے میں ٹھہرا ایک دیہاتی آدمی۔۔۔ سو لفظوں کے ہیر پھیر مجھے نہیں آتے لیکن صاف لفظوں میں صرف یہ کہوں گا کہ آپ بہت اچھی ہیں' میرے گھر والوں کی بھی آپ کے بارے میں یہی رائے ہے اگر آپ کی اجازت ہو تو میں ان کو آپ کے گھر لانا چاہتا ہوں میرا مطلب ہے کہ۔۔۔

"وہ جھجک کر ٹھہر گیا جیسے مزید موزوں لفظ تلاش کر رہا ہو... مگر اسے مزید کچھ کہنے کا موقع نہ ملا کہ دادی سیڑھیاں اتر آئی تھیں شہریار بھی جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا جی اب مجھے اجازت دیں۔" وہ دادی کے سامنے جھکا تو دادی مزید ٹھہرنے اور کھانے کے لیے اصرار کرنے لگیں۔

"نہیں جی پھر کبھی سہی... ویسے بھی میں گھر والوں کے ساتھ جلدی حاضر ہو جاؤں گا آپ کی خدمت میں۔" بڑی سہولت سے دل کی خواہش کہتا وہ مخاطب اگرچہ دادی سے تھا مگر نگاہ رابعہ کے رنگوں سے سجے چہرے پر ٹھہری تھی اور اس کی طرف سے جواب اسے مل گیا تھا... کہ کچھ باتوں کے لیے لفظوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔

چوکھٹ پار کرتے ہوئے اس احساس کے ساتھ کہ ایک خوشگوار و خوب صورت شام وہ بے حد مخلص و مہربان اور دل کو بہت اپنے لگتے ہوئے لوگوں کے ساتھ گزار کے رخصت ہو رہا تھا لیکن کسی کے دل کے موسم بدل گیا تھا' پوری ہستی بدل گیا تھا اس کی پیغام دیتی آنکھوں کو رابعہ نے اس کے جانے کے بہت دیر بعد تک بھی خود پر محسوس کیں اور اس رات اسے نیند نہ آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"محبت اگرچہ اندھی ہوتی ہے لیکن ہمسائے اندھے نہیں ہوتے۔"

اس کی بچپن کی دوست' اس کی ہر دکھ سکھ کی ساتھی عائشہ نے اس کی آنکھوں میں اترتے' منڈلاتے' جگمگ کرتے جگنوؤں کے قافلے تاڑ لیے تھے اور اس کے چہرے پر سجے قوس قزح کے رنگ پہچان لیے تھے۔

"کیا مطلب ہے تمہاری اس بات کا...؟" اس نے لمحے میں خود کو سنبھالا اپنی کیفیت پر بے نیازی کا پردہ ڈالا۔

"مجھے لگتا ہے پینڈو اس مرتبہ کوئی لارا لگا کے گیا ہے' ہے نا...؟" عائشہ نے شرارت سے اسے دیکھا۔

"کوئی نہیں۔" اس نے جھٹلایا حالانکہ اس لمحے بہت تیزی سے کوئی جانا پہچانا عکس اس کی آنکھوں میں لہرایا تھا۔

"ڈیئر دوست... جب آنکھیں کسی کے خوابوں سے بوجھل ہو جائیں' کسی کے ذکر پہ جب چہرہ رنگ رنگ ہو جائے' کوئی ایک ہی سوچ ہر دھیان پر حاوی ہو جائے تو سمجھ جانا چاہیے کہ کوئی ہے جو دل کا مہمان ہو گیا ہے پھر آدمی لاکھ جھٹلائے' انکار کرے مگر جو دل کا مکین ہے اس نے تو مکان نہیں بدلنا۔"

عائشہ کی شوخی و شرارت بھری نگاہیں اس پر جمی تھیں مگر وہ پھر بھی مکر رہی تھی۔

"عائشہ تم بھی نا بس... لگتا ہے جیسے تم نے محبت میں پی ایچ ڈی کیا ہوا ہے۔"

ہاں نا... ہم ان راہوں کے بڑی دیر کے مسافر ہیں' ہمیں پتا ہے کہ وہاں کیسی کٹھن اور دشوار گھاٹیاں ہیں' کتنے پرپیچ راستے ہیں' کتنے انتظار کے زمانے ہیں اور ہجر کی صدیاں ہیں۔" عائشہ نہ جانے کن بھول بھلیوں میں گم تھی' رابعہ ہنس دی۔

☼ ☼ ☼
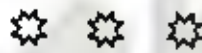
بادل کا کوئی چھوٹا سا ٹکڑا آیا اور سورج کے سامنے آن ٹھہرا اور ڈوبتے سورج کی سرخی منعکس ہو کر پوری کائنات پر پھیل گئی اور زمین کی ہر شے کو اپنے رنگ میں رنگ دیا۔ شام ہونے میں اگرچہ ابھی کچھ دیر تھی مگر ہر طرف گلابی سی شام پھیل گئی۔ وہ دونوں اس وقت اپنے اپنے دھیان میں گم اونچی دیواروں والی چھت پر ٹہل رہی تھی۔

"رات میں نے ایک بہت برا خواب دیکھا تھا۔" عائشہ چلتے چلتے رک کر بولی تو رابعہ نے کہا۔

"آیت الکرسی پڑھ کر سویا کرو۔"

"کئی دنوں سے مسلسل اس طرح کے پریشان کن خواب دیکھ رہی ہوں۔" عائشہ بے بسی سے بولی۔ "یاد

ہے میڈم رضوانہ کہا کرتی تھیں اس طرح مسلسل نظر آنے والے خواب کسی عنقریب آنے والی پریشانی یا مصیبت کا سندیسہ ہوتے ہیں جیسے ہماری چھٹی حس کا الارم بجتا ہے کہ جیسے کچھ ہونے والا ہے۔ برا وقت کوئی مصیبت یا کوئی پریشانی۔۔۔ کچھ ہے ضرور۔" موسم کی ساری اداسی اس وقت عائشہ کے چہرے پہ رقم تھی۔

"کچھ نہیں ہوتا۔" رابعہ نے تسلی دی۔ "دل میں کوئی وہم نہ پالو صدقہ دو وہم اور خوف ٹل جائے گا۔ ویسے بھی میرا خیال ہے تم نے ایگزامز کی ٹینشن زیادہ لی ہوئی ہے جبکہ تمہاری اچھی خاصی تیاری بھی ہے۔" عائشہ بولی۔

"نہیں رابی ایگزامز کی تو کچی بات ہے مجھے زیادہ ٹینشن نہیں ہے تیاری بھی ٹھیک ٹھاک ہے باقی اللہ مالک ہے۔ بس ارشد کے حوالے سے کوئی خواب ہر رات ایسے تنگ کرتا ہے جیسے کوئی چور دل میں ٹھہر جائے۔ میں دیکھتی ہوں کہ ارشد کسی ویران اور سنسان راستے میں میرا ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔ میں گھپ اندھیرے میں کھڑی دیر تک اس کو پکارتی رہتی ہوں لیکن میری پکار کی بازگشت جنگل کے اندھیروں سے ٹکرا کر لوٹ آتی ہے رات کے پہلے پہر نظر آنے والا خواب پھر پوری رات کی نیند نچوڑ لیتا ہے۔" اس کے لہجے میں کوئی محسوس کیے جانے والا وہم اور خوف تھا جبکہ رابعہ ہنس دی۔

"چھوڑو یار۔۔۔ ایک فضول سے خواب کو جان کا عذاب بنا لیا تم نے۔۔۔ ویسے ایک بات بتاؤں میں' تمہیں' تم نے ارشد کی محبت کو خود پر طاری کر لیا ہے بہت زیادہ۔۔۔ تم ہر وقت اسی کے بارے میں سوچتی رہتی ہو اور زیادہ تر نیگٹو ہی۔۔۔ تم نے محبت تو کر لی ہے مگر اگلے بندے کی وفا پر بھروسا نہیں ہے تمہیں۔ تمہیں ہر پل یہ لگتا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ بے وفائی کر جائے گا' تمہیں دھوکا دے جائے گا جبکہ محبت کے سفر میں اعتبار ہی زادِ راہ ہوا کرتا ہے سب سے قیمتی زادِ راہ' سب سے قیمتی متاع۔ اور اس متاع کو کسی پل بھی نہیں چھوڑنا چاہیے۔"

"محبت بڑی وہمی اور شکی ہوتی ہے یار۔" عائشہ نے پر حبس فضا میں ایک بھرپور سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔

"محبوب کے کھو جانے کا دھڑکا' بے وفائی کر کے بیچ راہ میں تنہا چھوڑ دینے کا دھڑکا جان ہی نہیں چھوڑتا' دل کو کاٹتا رہتا ہے۔ ارشد جب تک آ نہیں جاتا میری جان اسی سولی کے عذاب پر ٹنگی رہے گی۔"

رابعہ کی بات نے اگرچہ اس کے دل کے آسمان پر چھائے بدگمانی' وہم اور خواب کا خوف کسی حد تک کم تو کیے تھے مگر وہ مکمل طور پر مطمئن نہیں تھی۔

"تم نہیں سمجھو گی۔" رابعہ سر جھٹک کر ہنس دی۔

☆ ☆ ☆

عائشہ کے پیپرز جب شروع ہوئے تو وہ ایسی مصروف ہوئی کہ کئی دن تک چکر نہ لگا سکی بلکہ دیوار سے بھی بقول دادی کے "جھاتی" تک نہ ڈالی تھی۔ رابعہ اگرچہ اس کے گھر کم کم ہی جاتی تھی ایک تو دادی کی طرف سے بھی زیادہ اجازت نہ تھی اور پھر اسے خود بھی پسند نہ تھا کیونکہ اس کے گھر میں دو جوان بھائی تھے اور بقول دادی کے محلے دار کیا کہیں گے سو سو باتیں نہ بنائیں گے۔ بے شک ہماری اپنی نیت صاف ہو' دل میں کھوٹ اور میل نہ ہو' مگر دیکھنے والے نیتوں کا پوسٹ مارٹم کہاں کرتے ہیں وہ تو اپنی نظر کے آئینے میں ہر کسی کو دیکھتے ہیں اور کہانیاں گھڑ لیتے ہیں اپنے خیال کے تناظر میں دوسروں کا شفاف عکس بھی میلا کرنے میں دیر نہیں لگاتے۔۔۔ خود آپ کو ہی اپنا دامن بچا کے رکھنا چاہیے۔ اسی لیے وہ بہت محتاط رہا کرتی۔

عائشہ کی اتنے دنوں کی غیر حاضری نے اسے اداس کیا تو وہ دادی سے اجازت لے کر عائشہ کے گھر چلی آئی۔ کبھی کبھی تو اسے عائشہ کا دم غنیمت لگتا تھا ورنہ تو اسکول میں کسی کولیگ کے ساتھ بھی اس کی سلام دعا سے آگے رسم و راہ نہ بڑھی تھی۔ ہاں عائشہ کی بات دوسری تھی وہ اس کی بچپن کی دوست تھی بہنوں سے بھی عزیز دوست۔۔۔ اور اس کی مخلص' بے ریا اور بے

غرض دوستی نے ایک بہن کی کمی پوری کردی تھی۔ وہ دل کی ساری باتیں ایک دوسرے کے ساتھ شیئر کرتی تھیں کوئی رازداری نہیں تھی اور ایک دوسرے کے راز دلوں میں مدفن ہوتے جاتے۔

عائشہ اسے سامنے ہی ملی تھی' خوش باش' ہنستی آنکھیں چمکتا چہرہ۔ وہ ٹھٹک گئی۔

"کیا بات ہے یار آج تو تمہارے ڈھنگ ہی نرالے ہیں؟" کمرے میں آکر رابعہ نے اسے ٹٹولا۔

"ہاں بات ہی ایسی ہے۔" وہ جھومی "لوگ کہتے ہیں کہ خواب کی تعبیر ہمیشہ الٹی ہوتی ہے جو کچھ ہم خواب میں دیکھتے ہیں ہوتا اس کے برعکس ہے تو ایسا ہے کہ...."

"کیا۔ پھر کوئی خواب دیکھ لیا ہے۔" رابعہ کو مایوسی ہوئی۔

"نہیں .... اب حقیقت میں اسے دیکھوں گی روبرو' آمنے سامنے۔" خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔

"کیا ہے .... کیوں سسپنس کری ایٹ کر رہی ہو....؟" عائشہ نے کہا۔

"کوئی سسپنس نہیں ہے .... سنو ارشد پاکستان آگیا ہے.... ہے نا خوشی کی بات اور ناقابل یقین بھی۔ وہ کہتا تھا میں اچانک پاکستان آکر تمہیں سرپرائز دوں گا۔ کل شام کی فلائٹ سے پاکستان پہنچا ہے اور میرا تو نکال دیا ہے میں جو دوسروں کے "تو" نکالتی تھی۔"

"چلو شکر ہے تمہارا انتظار تو ختم ہوا ہے' مبارک ہو۔ اب اسے کہنا جلدی سے ڈولی لے کر آجائے اور انتظار نہیں ہوتا۔" رابعہ کی بات پر اس کے چہرے پر پھلجھڑیاں سی پھوٹیں اور دھڑکن بے ربط ہوئی۔

"شکر ہے پچھلے کچھ دنوں سے تمہیں جو خواب اور وہم ستا رہے تھے وہ تو بے بنیاد ثابت ہوئے۔ اب خوب صورت سپنے آنکھوں میں سجانا تم اور آنے والے خوب صورت و خوشگوار دنوں کے حوالے سے خواب دیکھنا۔"

"اور کیا۔ ایک تو مجھے اس طرح کے خوابوں نے بڑا تنگ کیا ہوا تھا اور اوپر سے ارشد کا رویہ.... گھڑی ماشہ اور گھڑی تولہ والا.... کبھی بات کرتا تو ٹھیک ٹھاک لمبی اور رومانٹک موڈ میں اور کبھی فقط دو منٹ کی کال اور سرد اور خشک رویہ۔ جیسے مارے باندھے بات کر رہا ہو' پھر وہم تو ہو ہی جاتا ہے نا....؟" "اب اس سے وجہ پوچھی ہے؟" رابعہ نے پوچھا۔

"کہاں۔ ابھی ملا کہاں ہے .... ملے تو پوچھوں نا اور فرصت سے پوچھوں گی ایک ایک بات' اور بتاؤں گی اپنے وہم اور خواب۔" اس کے انگ انگ سے کوئی انوکھی خوشی پھوٹ رہی تھی۔

"کیا محبوب کے لوٹ آنے پر اتنی خوشی ہوتی ہے....؟" رابعہ نے چپکے سے دل میں سوچا۔

مگر وہ صرف اس کا محبوب تو نہ تھا' منگیتر بھی تھا' کزن بھی اور عنقریب شادی بھی ہونے والی تھی۔ "اماں مٹھائی خریدنے گئی ہوئی ہیں ابھی اس کو ملنے جائیں گے سب لوگ۔" عائشہ نے بتایا تو رابعہ نے پوچھا۔

"تم بھی....؟"

"نہیں پاگل' مجھے ملنے تو وہ آئے گا اور آنا بھی اسی کو چاہیے۔" عائشہ کے انداز میں نخرہ تھا۔

☆ ☆ ☆

اگلے دن شام کو اس نے رابعہ کو بلا بھیجا تھا اور اس کی طرف سے رابعہ کے لیے ایسا بلاوا یقیناً "ایمرجنسی" میں ہی ہوتا تھا' اسے کوئی ضروری کام ہوتا یا کوئی گھریلو مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ رابعہ کو بلا بھیجتی اور آج بھی اس کا پیغام ملتے ہی رابعہ چلی آئی تھی گھر میں داخل ہوئی تو تین مرلے کے گھر میں کوئی عجب سوگوار سی اداسی اور گہری چپ کا راج تھا اس کے دل کو کچھ ہوا عائشہ اپنے کمرے میں بیٹھی تھی روئی روئی آنکھیں' ملگجا پرشکن لباس' تباہ حال اور ویران سا حلیہ....

یقیناً "کوئی بڑی بات ہوئی ہے.... ورنہ کل وہ کیسے قلانچیں بھرتی' کھلکھلاتی ہوئی ملی تھی اور آج اس کا اداس حلیہ دیکھ کر رابعہ کے دل کو دھچکا سا لگا۔

کیا ہوا ہے عائشہ' خیریت تو ہے نا.... کیا ارشد سے

کوئی بات ہوئی ہے۔۔۔ رابعہ کو اگرچہ ارشد سے وابستہ کسی عائشہ کو دکھ دینے والی خبر کا اندیشہ تو ہوا مگر وہ پورے دل سے چاہتی تھی کہ اس کے حوالے سے سب خیریت ہو اور دل میں دعا مانگ رہی تھی کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جو عائشہ کے دکھ کا باعث ہو۔

"ارشد سے کیا بات ہونی تھی اس نے تو کسی بات جوگا چھوڑا ہی نہیں ہے ساری باتیں ہی ختم کردی ہیں۔" عائشہ بولی تو اس کی آواز میں ساری رات ہونے والی برسات جیسی سیلن تھی۔

رابعہ چونکی۔ "کیا ہوا ہے۔"

"کچھ بھی نیا نہیں ہوا' بس محبت کی کہانی کا اینڈ ہو گیا ہے اور ضروری تو نہیں کہ محبت کی سب کہانیوں کے اینڈ خوشگوار ہی ہوں' میری محبت نے بھی ٹھجلدی موڑ کاٹا ہے اور میری خوش فہمی کا چولا اتار دیا ہے۔" اس کے مبہم جملوں میں چھپے مایوسی نے رابعہ کو چونکایا۔

"پوری بات بتاؤ کیا ارشد سے جھگڑا ہو گیا ہے۔۔۔؟"

"جھگڑا۔۔۔! زخموں سے چور مسکراہٹ نے عائشہ کے ہونٹوں کے دائیں کنارے کو چھوا تو رابعہ نے اپنے دل میں درد محسوس کیا۔ وہ بولی۔

"جھگڑے میں تو صلح صفائی کی گنجائش پھر بھی باقی رہ جاتی ہے۔ اس نے تو کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی' سارے تعلق ہی توڑ دیے ہیں' سارے ناتے ہی ختم کر دیے ہیں۔" اس کی آنسوؤں سے بھیگی آواز نے ڈھلتی اداس شام کو اور بھی سوگوار کر دیا۔ رابعہ چپ کی چپ بیٹھی رہ گئی سارے سوالوں کے جواب عائشہ کے زار زار بہتے آنسو دے رہے تھے۔

"مجھے کتنا انتظار تھا کہ وہ آئے گا تو سکھ کے موسم ساتھ لائے گا' صحن دل میں پھول ہی پھول کھلا دے گا مگر مجھے کیا خبر تھی کہ اس کے آنے سے صحن دل میں صف ماتم بچھ جائے گی' دل کو لہو لہو کر دے گا اس کا آنا۔۔۔ کاش میں ساری عمر اس کی منتظر ہی رہتی وہ کبھی نہ لوٹتا۔۔۔ بس اس کا انتظار ہی رہتا ہمیشہ۔۔۔ وہ اس طرح تو نہ آتا اپنی عربی بیوی کو ساتھ لے کر۔۔۔ پردیس جانے والوں کو یاد ہی نہیں رہتا کہ پیچھے کون' کتنی شدت سے ان کا انتظار کر رہا ہے ان کے آنے کے لیے گن رہا ہے ایک ایک دن گن کے گزر رہا ہے وہ کتنی بے دردی سے بھول جاتے ہیں عمر بھر ساتھ کے وعدے' وفا کی قسمیں' ساتھ جینے اور مرنے کے لارے۔۔۔" بے ربط جملے وہ یوں بول رہی تھی جیسے بین کر رہی تھی اور بین ہی تو رہ جاتے ہیں جب کوئی دل سے گزر جائے یا دنیا سے۔

اس نے ایک نظر بیڈ پر ڈھیر ہوئے ان تحائف پر ڈالی جو عائشہ کا محبوب منگیتر اسے وقتاً "فوقتاً" بھیجتا تھا اور وہ سنبھال سنبھال کر رکھ دیتی تھی دل سے لگا کر۔۔۔ نشانیاں' تحائف' چیزیں۔۔۔ کیا انسانوں کا نعم البدل ہو سکتی ہیں۔۔۔؟ بہترین اور کھری دوست کے گہرے دکھ پر وہ گہرے صدمے کے احساس میں گھری سوچتی ہی رہ گئی کوئی دلاسے کا لفظ' کوئی تسلی کا بول۔۔۔!

✡ ✡ ✡

کئی دن گزر چکے تھے اور عائشہ بھی بظاہر سنبھل گئی تھی مگر زیادہ ہنستی بولتی نہ تھی پہلے کی طرح ہر وقت آنسو نہ بہاتی تھی مرے ہوؤں کو بھی بالآخر لوگ بھول ہی جاتے ہیں اور دل کو مارنے والوں کا کوئی کب تک سوگ منائے۔۔۔ گہری خاموش چپ کی چادر اوڑھ کے پھرتی عائشہ کو دیکھ کے رابعہ کو نئے سرے سے غصہ آنے لگتا ارشد کے فعل پر۔۔۔

کیا ضروری ہوتا ہے کہ بیرون ملک جانے والا ہر شخص بے وفائی کا مرتکب ٹھہرے۔۔۔ لڑکیاں تو بڑے مان اور بھروسے کے ساتھ آنکھوں میں آنے والے خوشگوار دنوں کے خواب سجا کے محبوب کو پردیس رخصت کرتی ہیں پھر گن گن کر ہجر میں گزرے دنوں کا حساب رکھتی ہیں ایڑیاں اٹھا اٹھا کر حساب رکھتی ہیں۔۔۔ اور جب اچانک خبر ملے کہ جانے والا ہر وعدے سے ہی مکر گیا ہے ہر عہد بھلا کر ہر تعلق کو ختم کر کے کسی اور کے سنگ زندگی کا سفر شروع کر چکا ہے تو کلیج

جیسی لڑکیاں اندر سے ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں۔۔۔ عائشہ بھی اسی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئی تھی بے جرم سزا پانے والے پھر اپنا قصور ہی ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ اپنا قصور، اپنی غلطیاں، اپنے جذبوں کی کمی پشیماں خود احتسابی کا عمل توڑ دیتا ہے۔

عائشہ کی روئی روئی آنکھیں دیکھ کر اس کی دل جوئی کرتی رابعہ اپنی جان سے پیاری دوست کے دکھ پر دکھی ہو جاتی۔۔۔ کبھی کبھی اس کا دل چاہتا کہ وہ جا کر ارشد کا گریبان پکڑے اور جھنجھوڑ کر اپنی دوست کے ایک ایک آنسو کا حساب مانگے۔

"چھوڑو عاشی۔۔۔ ایسے لوگوں کے لیے کیا رونا۔۔۔ جن کو ہمارے ہنسنے یا رونے سے کوئی فرق ہی نہ پڑے۔ ایسے لوگوں کی بے وفائی پر خون رونے سے کیا حاصل۔۔۔"

اور عائشہ ہنس دی زخم زخم ہنسی۔ ایسے لوگوں کے لیے ہی تو رویا جاتا ہے جن کو ہماری پروا نہ ہو اور دل ان کی پروا میں پاگل ہو جائے۔

"دادی کیا کہتی ہیں عاشی کا ہر معاملہ اللہ پر چھوڑ دو، وہ جیسا دل چاہے معاملہ کرے اور جو لوگ کسی کے ساتھ برا کرتے ہیں ان کے ساتھ برا ہی ہوتا ہے' دیکھنا تم ارشد کے ساتھ بھی۔۔۔"

عائشہ نے رابعہ کے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ دیا۔ "نہیں رابی۔۔۔ میرا دل نہیں مانتا اسے بددعا دینے کو جن لوگوں سے محبت کی جاتی ہے جن کے لیے دن رات دعائیں مانگی جاتی ہیں ہاتھ اٹھا اٹھا کر، جھولیاں پھیلا پھیلا کر۔۔۔ دل پھر ان کو کبھی بددعا نہیں دینا چاہتا ہے وہ بیچ راہ میں ہی کیوں نہ چھوڑ جائیں۔"

اور رابعہ نے بہت حیران ہو کر اس کے چہرے پر اجڑی محبت کی شاداب فصل دیکھی۔ وہ بھونچکا رہ گئی کیا محبت ہمیشہ ہری بھری اور شاداب ہی رہتی ہے ویران اور خزاں رسیدہ موسموں میں بھی۔۔۔؟ پھر کتنے ظالم ہوتے ہیں وہ لوگ جو محبت بھرے دلوں کو توڑ کر اپنے قدموں تلے روند کر زندگی کے سفر میں آگے بڑھ جاتے ہیں۔

عائشہ کو اگرچہ اس صدمے سے نکلنے میں بڑے دن لگے مگر وہ بہرحال سنبھل گئی اور رابعہ کو خوشی ہوئی تھی۔

"شکر ہے تم اس صدمے سے باہر نکلیں۔" رابعہ نے شکر گزاری سے کہا۔ "میں کتنی ٹینس رہی ہوں۔ دیکھو مایوس نہ ہونا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یقیناً بہت اچھا سوچ رکھا ہوگا۔"

وہ ہولے سے ہنسی تو آنکھوں میں جمع ہونے آنسو پلکوں کا بند توڑ کر بہہ نکلے۔

"اوں ہوں۔۔۔ اب نہیں بس، پلیز عاشی اب نہیں، بہت لٹا دیا ہے تم نے ان انمول موتیوں کو۔" رابعہ نے اپنی ہتھیلی سے اس کے آنسو صاف کیے۔

"پتا ہے کیا رابعہ۔۔۔" وہ کہنے لگی بھیگی اور اداس آواز میں۔۔۔ "ہر کسی کو اپنے اپنے دکھ رلاتے ہیں میں ارشد کی بے وفائی پر روتی ہوں تو میری ماں اپنی بہن کے وچھوڑے پر آنسو بہاتی رہتی ہیں وہ اس لیے دکھی اور اداس رہتی ہیں کہ ان کی بہن ان سے شاید پوری زندگی کے لیے جدا ہو گئی ہیں۔ میں نے کہا ہے کہ وہ خالہ سے جس وقت دل چاہے ملتی رہیں اس سارے قصے میں خالہ کا تو کوئی قصور نہیں ہے وہ تو باقاعدہ رو رو کے اماں سے معافی مانگنے آئی تھیں۔"

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو ارشد کے اس فعل میں تمہاری خالہ کا تو کوئی قصور نہیں ہے نا اور تم پلیز ارشد کو یہ سمجھ کے بھول جاؤ کہ وہ تمہارے نصیب میں نہیں تھا ہمیں زندگی میں جو کچھ بھی ملتا ہے سب نصیب سے ہی ملتا ہے۔"

اور پہلی بار اس ذکر پر عائشہ کی آنکھیں نم نہ ہوئیں اس کا مطلب ہے وہ اپنے دل کو کافی حد تک سمجھا چکی ہے رابعہ نے مطمئن ہو کر اسے دیکھا۔

☼ ☼ ☼

پھر بہت سارے دن گزر گئے۔

کبھی کبھار فون کی مخصوص ٹون بجتی اور شہریار کی طرف سے کوئی فارورڈ میسج موصول ہوتا ایک آدھ

مرتبہ اس نے رابعہ سے بہت مختصر سی بات بھی کی، دادی کی اور اس کی خیریت پوچھی اور فون بند۔ اسے حیرت تو ہوئی مگر جب سے عائشہ کی آنکھوں میں لگی ساون کی جھڑی دیکھی تھی اس نے اپنے دل کو سمجھالیا تھا کہ بہت زیادہ امیدیں وابستہ نہیں کرنی اور نہ ہی آنکھوں کو خوابوں کے حوالے کرنا ہے کہ خواب اگر ٹوٹ جائیں تو پھر آنکھیں بڑی دیر تک روتی ہیں۔

اور حیرت انگیز طور پر اچانک اس کی زندگی میں وہ خوشگوار شام چلی آئی جب اس کی انگلی میں شہریار کے نام کی انگوٹھی پہنادی گئی اس کے دل میں کوئی انوکھے سے جلترنگ بج اٹھے۔ زندگی ایک دم خوب صورت ہو گئی سارے موسم سہانے لگنے لگے۔

اور موسم تو واقعی انسان کے اندر کا ہوتا ہے خوشگوار ہو یا ناخوشگوار۔۔۔ من کا موسم اگر خوشیوں بھرا ہو تو چار سو خوشیاں رقصاں نظر آتی ہیں۔

بہت اچانک، غیر متوقع طور پر اس کے اور شہریار کے درمیان ایک خوب صورت رشتہ استوار ہو گیا بہت غیر یقینی صورت حال تھی جب اچانک کوئی بہت بڑی خوشی ملے تو آدمی اس طرح دنگ رہ جاتا ہے اور شہریار تو ویسے بھی کچھ عرصے سے اس کے دل کی خوشی ہو گیا تھا۔

اس روز شہریار اور اس کے گھر والے حسب وعدہ کلوس کی خالص سوغاتوں سے لدے پھندے محض ملنے کی غرض سے آئے تھے کہ اماں حلیمہ نے شہریار کا رشتہ ڈال دیا اور بات پکی ہونے میں چنداں دیر نہ لگی شہریار کی امی نے اپنے ہاتھ میں پہنی ڈائمنڈ رنگ اتار کے رابعہ کی انگلی میں سجادی۔

شرم و جھجک، بے یقینی صورت حال، اچانک کارروائی۔۔۔ رابعہ کی پلکیں ہی نہ اٹھ رہی تھیں۔

"کچھ شرماؤ بھئی۔۔۔ ایسی سچویشن میں لڑکیاں شرماتی ہیں۔" ساتھ جڑ کے بیٹھی عائشہ نے سرگوشی کی جو کہ اتنی بلند ضروری تھی کہ سب کے کانوں تک پہنچ گئی اور سب ہنسنے لگے۔

اب کے اسے سچ مچ شرم آئی کیونکہ سب کی نگاہیں اس پر ٹکی تھیں اور شہریار کی سچی خوشیوں کی چمک لیے روشنیاں لٹاتی نگاہیں۔۔۔ اس کے چہرے سے ہٹ ہی نہ رہی تھیں وہ جلدی سے اٹھی اور کچن میں چلی آئی۔

زندگی کے کچھ لمحے کتنے انمول ہوتے ہیں۔ دل نے بہت چپکے سے اس نرم گفتار، سلجھے ہوئے، وجیہہ شخص کی آرزو کی ہے اور خدا نے کسی بن مانگی دعا کی صورت اتنا ڈیسنٹ اور قابل شخص اس کے نصیب میں لکھ دیا، سردی کی میٹھی میٹھی نرم دھوپ کے جیسا مزاج رکھنے والا مرد۔۔۔ جس کی آنکھوں میں عقیدت، خلوص، اخلاق اور شرافت کے نرم چشمے پھوٹتے تھے ایسے افسانوی ہیرو کی تو کوئی بھی لڑکی چاہ کر سکتی تھی کسی بھی لڑکی کا خواب ہو سکتا تھا اور اس کی نگاہ ٹھہری تو۔۔۔ چھوٹے سے گھر میں رہنے والی، نگاہ جھکا کر آہستگی سے بات کرنے والی رابعہ پر۔

وہ کچن میں کھڑی یوں ہی ہاتھ پہ ہاتھ جمائے نہ جانے کن کن خوابوں کے خوب صورت جزیروں میں کھوئی تھی کہ چہرے پر ہلکے تبسم کے ساتھ کئی رنگ بکھرے تھے اور اسے خبر ہی نہ ہوئی کہ اس لمحے کسی نے بہت مبہوت ہو کر بڑی محبت سے اس کے چہرے پہ سجے ان حسین رنگوں کو دیکھا تھا جن میں خود اس کا عکس جھلملا رہا تھا۔

یہ شاید دلچسپی و لگن سے دیکھنے والے کی آنکھوں کی کشش تھی کہ رابعہ نے دفعتاً چونک کر دروازے میں ہونٹوں پہ بڑی دلکش سی مسکان سجائے اس بت کو دیکھا جو اس کے دل کے سنگھاسن پر بڑی تمکنت اور شان سے اور پورے استحقاق سے استادہ تھا۔ وہ سٹپٹائی تو دروازے میں کھڑے بت میں جان پڑی وہ ایک قدم آگے بڑھا اور رابعہ چاہ کر بھی قدم پیچھے نہ موڑ سکی۔

"اس وقت آپ کے چہرے پر اتنے خوب صورت رنگ سجے میں دیکھ رہا تھا کہ میرا دل چاہا وقت یہیں کہیں اسی لمحے میں ٹھہر جائے اور میں ایک ایک کر کے یہ سارے رنگ چرا لوں۔"

امرت کا رس ٹپکاتا بہت گمبھیر لہجہ سماعتوں سے

ٹکرایا تو دل کو بے ساختہ دھڑکا گیا اور وہ خود میں سمٹ کر رہ گئی۔ اس نے بس ایک نظر ہی دیکھا سفید کاٹن کے کلف لگے کڑکڑاتے شلوار قمیص میں ملبوس 'بلیک واسکٹ کی دونوں جیبوں میں ہاتھ پھنسائے وہ اس سے ذرا ہی فاصلے پر کھڑا تھا۔ اس کی گھنی مونچھوں تلے بکھری مدھم مسکراہٹ اور لباس سے اٹھتی دھیمی دھیمی مہک کو وہ اپنے اوپر برستا محسوس کر رہی تھی... جو بے دھڑک دل کی بات کہہ رہا تھا۔

"میں نے جب آپ کو پہلی بار دیکھا تو آپ مجھے اچھی لگی تھیں ایک دم معصوم اور دلنشین... جیسے آپ کو زمانے کی ہوائیں چھو کے بھی نہ گزری ہوں۔ میں فون پہ آپ کو اپنے دل کی بات بتانا چاہتا تھا مگر بتا نہ سکا... پھر میرے دل کو یہ بھی خوف لاحق تھا کہ آپ مجھے ناپسند کر کے میرے پرپوزل کو ٹھکرا نہ دیں 'ظاہر ہے میں ٹھہرا ایک عام سادہ سا دیہاتی آدمی... اور دیہاتی بیک گراؤنڈ بہت سے لوگوں کو اپیل نہیں کرتا... پھر جب اپنی امی کو بتایا تو وہ بھی آپ کے بارے میں اسی طرح سوچے بیٹھی تھیں۔" وہ ٹھہر ٹھہر کے مدھم و متوازن بول رہا تھا دلنشیں لہجہ اور شیریں انداز...

رابعہ کی نگاہ جھک گئی کیونکہ اس کی آنکھوں سے نکلتی روشنی براہ راست رابعہ کی آنکھوں میں پڑ رہی تھی۔ اف... کچھ لوگوں کی آنکھیں کتنی چمک دار اور روشن ہوتی ہیں۔

ذرا سے توقف کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوا۔

"ایک بات کا یقین کیجیے گا رابی کہ آپ میری زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی ہیں 'میری آنکھوں کا پہلا خواب 'میرے دل کی پہلی خواہش... زیادہ وعدے نہیں کروں گا لیکن زندگی بھر آپ کو خوش رکھنے کی پوری کوشش کروں گا۔ میں چاہوں گا کہ آپ کے ہونٹوں سے کبھی ہنسی جدا نہ ہو۔"

رابعہ بہت حیرانی سے اسے بولتا اپنے جذبوں کا اظہار کرتا سن رہی تھی وہ بہت نرم و ملائم اور میٹھے اور دل آویز لہجے میں بولتا ہوا غیر محسوس طریقے سے دل میں گھر کر رہا تھا اور کچھ لوگوں کو یہ کتنا پیارا ہنر آتا ہے بہت آسانی سے 'بڑی سہولت سے دلوں میں گھر کر لینا' ہمیشہ کے لیے! اور اس نرم گلابی خوشگوار سی شام شہریار حسن اس کے دل میں ہمیشہ کے لیے گھر کر گیا تھا۔

دل کی سنہری زمینوں پر پھول ہی پھول کھل گئے تھے۔

اب وہ اسے فون کرنے لگا تھا کسی کمپنی کا سستا ترین پیکیج لے کر رات گئے تک اگرچہ دل کی باتیں نہیں کرتا تھا نہ ہی اپنا اور اس کا وقت ضائع کرتا تھا بلکہ ہر روز رات سونے سے قبل چند حرفی گفتگو اس نے روٹین بنالی۔ اس کی خیریت پوچھتا' دادی کا حال احوال پوچھتا اور اپنا خیال رکھنے کی تاکید کے ساتھ فون بند کر دیتا اور وہ اپنا بہت خیال رکھنے لگی تھی۔ کیونکہ اس کے ساتھ ہونے والے چند جملوں کی گفتگو اسے اگلا پورا دن سرشار رکھتی اور رات کو خوابوں کے سفر میں وہ اس کے ساتھ ہوتی خوابوں کی ان چھوئی اور ان دیکھی سبز جزیروں کی خوب صورت سرزمین۔

محبت کو بھی یہ کیسا منتر آتا ہے کہ جن کے دل میں گھر کرتی ہے ان کو پھر اپنے جیسا بنا دیتی ہے 'خوب صورت بانکپن اور دلنشین... اور رابعہ کے گالوں پر پھوٹتی محبت کی شفق دیکھ کر عائشہ ہنس دیتی۔ "اپنی نظر اتارا کرو رابی کیونکہ محبت کے رستوں پر بڑے بد نظرے ہوتے ہیں۔" اور وہ محبت کی برسات میں پوری پوری بھیگی سرشار ہوئی جاتی۔

☼ ☼ ☼

عائشہ کے بی اے میں اچھے نمبرز آئے تھے چنانچہ اس نے بھی اسکول جوائن کر لیا تھا کبھی کبھی رستے میں چلتے ہوئے وہ رک جاتی۔

"تم گاؤں چلی جاؤ گی تو میں کیا کروں گی رابی...؟" بہت اداسی سے کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں پانی بھر آتا۔

"گاؤں کوئی دوسری دنیا ہے' آتی جاتی رہوں گی نا۔" ... اور رابعہ کی روح اس لمحے گاؤں پگڈنڈیوں پہ چلنے کو مچلنے لگتی اور سنگ چلتے کسی ہمراہی کی مانوس خوشبو اس

کے گرد درقصاں ہو جاتی۔

"صبر اور شکر کے ساتھ اللہ سے مانگو تو وہ اسی طرح نوازتا ہے دیکھو بیٹھے بٹھائے کیسے نیک اور سعادت مند لڑکے کا رشتہ مل گیا۔ یہ ہم گناہ گاروں پر اس کی خاص نظر کرم ہی تو ہے۔"

دادی اٹھتے بیٹھتے شکر ادا کرتے نہ تھکتیں۔ ان کے چہرے پہ ان دنوں کسی آسودگی اور طمانیت نے احاطہ کیا ہوا تھا ان کی عبادت میں شکر کے نوافل کی تعداد زیادہ ہو گئی۔ پھر بہت سے دن گزر گئے۔

☆ ☆ ☆

وہ کالی سیاہ رات تھی۔۔۔!

کچھ راتیں بہت کالی سیاہ ہوتی ہیں ساحروں کے عمل کی طرح اپنے اندر ڈھیروں اندھیرے سمیٹے ہوئے۔۔۔ بادل چونکہ سرشام آسمان پہ اکٹھے ہونا شروع ہو گئے تھے اور بارش کے آثار بھی تھے اور اب آدھی سے زیادہ رات بیت چکی تھی جب اچانک اس کی آنکھ کھلی تھی بجلی غائب ہو چکی تھی سو ہر سو اندھیرے کا راج تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا وہ کھڑکی کے ساتھ بستر لگا کے سوتی تھی پردہ ہٹا کے باہر جھانکا موسم کے تیور انتہائی خطرناک تھے گھپ اندھیرے میں وقفے وقفے سے چمکتی بجلی بہت خوف ناک سا منظر پیش کرتی۔ تیز ہواؤں نے جھکڑ کی صورت اختیار کر لی تھی اتنی تند ہوائیں دیواروں سے پاگلوں کی طرح سر پٹختی پودوں اور درختوں کو جڑوں سمیت اکھاڑ رہی تھیں۔ چھما چھم برستی بارش کے قطرے اور قطروں کے ساتھ اولے برسنے کی آواز بھی آ رہی تھی۔

یا اللہ خیر۔۔۔ اس نے دہل کر ایکدم پردہ چھوڑ دیا۔ دادی کے خراٹوں کی آواز سن کر وہ چونکی کہ اتنے خراب موسم میں دادی اتنی گہری نیند میں کیسے سو رہی ہیں جبکہ وہ تو رات کا بیشتر حصہ جاگ کر عبادت میں گزارنے کی عادی تھیں۔

"دادی۔۔۔!" اس نے آہستہ سے پکارا مگر دادی کے خراٹوں میں کوئی خلل نہ پڑا دو تین آوازوں کے بعد بھی جب ہنوز خاموشی دیکھی تو اس خوف زدہ دل لرز گیا لمحے کے ہزارویں حصے میں اسے کسی انہونی کا احساس ہوا وہ اٹھی اور فوراً" ایمرجنسی لائٹ جلا کر دادی کے بستر پر آ کر ان کو تقریباً" جھنجھوڑ ڈالا مگر پھر بھی جسم میں کوئی جنبش نہ ہوئی چہرے پر روشنی ڈالی تو ان کی نیم وا آنکھیں اور ہونٹوں کے کناروں میں ٹھہرا جھاگ دیکھ کر اس کی جان نکل گئی بمشکل ہمت کر کے ایک بار پھر ان کو ہلایا جلایا' آوازیں دیں مگر بے سود۔۔۔ ہاں البتہ خراٹوں کی آواز وقفے وقفے سے جاری تھی۔

"میں کیا کروں۔۔۔؟ کس کو بلاؤں۔۔۔؟ کسے آواز دوں۔۔۔؟ کون ہے میرا۔۔۔؟" اسے سارے رشتے یاد آئے' بہت سارے لوگوں کے پاس کتنے بہت سے رشتے ہوتے ہیں' سگے' سوتیلے' منہ بولے۔۔۔ دور کے' نزدیک کے۔۔۔ اور وہ کتنی تنہا ہے' کتنی اکیلی۔۔۔ اس کے گرد تنہائی کے جنگل اگے ہوئے ہیں اور وہ پیاس پیاس پکار رہی ہو۔۔۔ اس کا دل چاہا وہ روئے' بے تحاشا دھاڑیں مار مار کے' سر پہ ہاتھ رکھ کے۔۔۔ کسی اپنے کے کاندھے پہ سر رکھ کے۔۔۔ اتنا روئے اتنا روئے' ساری عمر کی محرومیاں روئے۔۔۔ وہ بے بسی کے انتہا پر تھی اس کا جسم کپکپا رہا تھا اور دانت بج رہے تھے۔ بار بار دادی کا پیلا زرد ہوتا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ ایسی صورت حال میں کیا کرتے ہیں اسے تو یہ تک نہیں پتا تھا وہ ننگے سر اور ننگے پاؤں دروازے تک آئی تو بے تحاشا برستی بارش میں سر سے پاؤں تک بھیگ گئی۔ وہ پلٹ کر پھر سے بے سدھ ہوتیں دادی کو آوازیں دینے لگی اس کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے ایسی لاچاری اور بے چارگی پوری زندگی میں نہیں جھیلی تھی جیسی اس سیاہ طوفانی رات میں۔۔۔

اس کا دماغ ماؤف ہوا جا رہا تھا اور ذہن سوچنے سمجھنے کی ہر صلاحیت سے محروم۔۔۔ وہ خود میں ہمت صبر' حوصلہ۔۔۔ مجتمع کر رہی تھی پھر بھی حوصلے ٹوٹ رہے تھے ہمتیں' بکھر رہی تھیں' صبر کا دامن ہاتھوں سے چھوٹ رہا تھا۔

"اب کیا کروں۔۔۔؟" وہ بار بار شہریار کا نمبر ڈائل کر

رہی تھی کیونکہ اس مشکل کی گھڑی میں اسے پہلا خیال شہریار کا ہی آیا تھا لیکن بار بار ٹرائی کرنے پر بھی جواب موصول نہ ہو رہا تھا شاید سیل پاور آف تھا شاید سروس کا مسئلہ تھا' سگنل پرابلم تھا یا۔۔۔ یا پھر رابعہ کی کم نصیبی۔

اس کا دل چاہا دادی کی پائنتی بیٹھ کر دھاڑیں مار مار کے رونا شروع کر دے اور تب تک روتی رہے جب تک دادی کو ہوش نہ آجائے "کیا دادی کو ہوش آجائے گا۔۔۔؟" اس سوچ نے اس کے رونگٹے کھڑے کر دیئے اسے بے پناہ خوف محسوس ہوا وحشت ناک اندھیرے سے' تیز شوریدہ سر ہواؤں سے' چھما چھم برستی بارش سے اور۔۔۔ دل میں جنم لینے والے طرح طرح کے وسوسوں سے' حتیٰ کہ دادی کے لحہ بہ لحہ مدھم ہوتے خراٹوں سے۔۔۔

اس کا دل چاہا وہ بھاگ جائے۔۔۔ مگر بھاگ کر بھی کہاں جائے۔۔۔ یہ کالے اندھیرے تو اسے دبوچ لیں گے' یہ خوف ناک آندھی تو اسے مار ڈالے گی۔

"میں کہاں جاؤں۔۔۔؟" بار بار ٹرائی کرنے پر عائشہ کا نمبر بھی نہیں مل رہا تھا پھر اس نے سوچا کہ عائشہ کے گھر دیوار سے کود جائے۔۔۔ معاً" بادل گڑگڑائے اور بجلی اس زور سے کڑکی اور ادھ کھلے دروازے سے روشنی کا کوئی گولہ سا اندر لپکتا محسوس ہوا تو خوف و دہشت سے اس کی چیخ نکل گئی اور وہ ایک بار پھر دادی کے کم حرارت وجود سے لپٹ گئی وہ جو دیوار پہ چڑھ کے عائشہ کے گھر کود کے اسے بلانے کا سوچ رہی تھی ارادہ ملتوی کر کے ایک بار پھر عائشہ کا نمبر ملانے لگی۔

"یا اللہ۔۔۔ عائشہ فون اٹھا لے۔" وہ روتے ہوئے گڑگڑا کر مسلسل نمبر ملا رہی تھی اور چوتھی مرتبہ نمبر ملانے پر بالآخر عائشہ کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری تھی پھر وہ دیر تک ہیلو ہیلو پکارتی رہی اور دوسری جانب رابعہ سے کچھ بولا ہی نہ جا رہا تھا فقط ہچکیاں تھیں' آنسو تھے' دھاڑیں تھیں۔۔۔ وہ کرلا رہی تھی اور اس کی صدمے سے چور کرلاہٹ سن کر اس کی جان سے پیاری سہیلی اس بھیگتی رات میں اپنی ماں اور دونوں بھائیوں کو لے کر دوڑی چلی آئی تھی کہ رابعہ پر کوئی آفت آگئی ہے اور آفت تو بس آ ہی گئی تھی۔۔۔

☼ ☼ ☼

گزشتہ اڑتالیس گھنٹوں سے دادی ہاسپٹل کے انتہائی نگہداشت روم میں بیڈ پر آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھیں جسم کو گلوکوز کی صورت غذا ایک ٹیوب کے ذریعے فراہم کی جا رہی تھی جس کی سوئی ان کے بائیں بازو سے منسلک تھی دل کی دھڑکن بتانے والی مشین اپنا کام کر رہی تھی اسکرین پر آڑی ترچھی لکیر زندگی کی ضمانت تھی تو سانسوں کی آمد و رفت آکسیجن ماسک کی مرہون منت تھی۔ ماسک اگر الگ کیا جاتا تو سانس اکھڑنے لگتی تھی ان کی حالت ابھی خطرے سے باہر نہیں تھی۔

ویٹنگ روم کے کونے میں رکھے بینچ پر بیٹھی رابعہ کیسی اجڑی اجڑی لگ رہی تھی رو رو کے اس کی آنکھیں سوجی ہوئی اور چہرہ متورم تھا۔ وہ کئی کئی گھنٹے آئی سی یو کے ڈور میں نصب آئی ڈور سے جھانک کر دادی کے بے حس و حرکت جسم کو اور ایک ہی زاویے پر ٹھہرے چہرے کو دیکھتی رہتی۔ جب ٹانگیں شل ہو جاتیں تو واپس بینچ پر آکر بیٹھ جاتی۔۔۔ دو دنوں میں ہی وہ خود کیسی کمزور اور لاغر دکھائی دیتی جیسے برسوں کی بیمار ہو۔ عائشہ اور اس کی امی ناشتا لے کر صبح آتیں اور دن کا زیادہ وقت ہاسپٹل میں گزار کے جاتیں' رابعہ کو زبردستی ضد کر کے ہی کوئی چیز کھلاتی پلاتی تھیں۔

شہریار کو ہاسپٹل ایڈمٹ ہو جانے کے بعد عائشہ نے اطلاع دی تو وہ سنتے ہی بھاگا چلا آیا تھا پھر دادی کو سرکاری اسپتال سے اس شہر کے مہنگے ترین اسپتال میں لے آیا تھا رابعہ اگرچہ چپ چاپ دیکھتی رہی مگر منع نہیں کیا کیونکہ اس وقت اسے دادی کی صحت اور زندگی سے اہم کوئی چیز محسوس نہیں ہوئی اس کے اصول اور خودداری بھی۔۔۔

شہریار دن کو آفس میں ہوتا اور شام کے بعد ہاسپٹل آجاتا۔ وہ دونوں پوری رات ایک بینچ پر بیٹھ کر گزار

دیتے... وہ آنسو بہانے لگتی تو وہ اسے تسلی دیتا' دل جوئی کرتا' دلاسے دیتا' دادی کے جلد ٹھیک ہوجانے کی امید دلاتے ہوئے اسے دعا مانگنے کی تاکید کرتا... وہ زیادہ وقت گپ چپ' بنجر' ویران آنکھیں لیے بیٹھی رہتی اور کبھی بے ساختہ رو دیتی... وہ بھاگ کر جوس اور فروٹ لے آتا۔ اسے پرسکون رکھنے کی ہر ممکن سعی کرتا اور کوئی لمحہ ہوتا کہ رابعہ کے ناامید اور مایوس دل سے ڈھارس لپٹنے لگتی تھی وہ جو دادی کے بیمار ہونے کے بعد خود کو تنہا' لاوارث' پوری دنیا میں اکیلا تصور کرتی تھی اب اس کا بے انتہا خیال رکھنے والا شہریار دل کو کیسے اپنا اپنا سا لگتا تھا اور وہ خود کو اکیلی نہ سمجھتی اور یہ ملال بہت قوی ہو کر دل کو تسلی دیتا کہ خدا انسان کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا۔

"دنیا کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے بجائے جو بھی مانگنا ہو اپنے رب سے مانگو... صدق دل سے' خلوص سے اور پورے یقین کے ساتھ... پھر جیسا گمان رکھو گے اللہ ویسا ہی کردے گا۔ زندگی کی سلامتی' صحت' دولت' دنیاوی آسائشیں' بیماریوں اور مصیبتوں سے نجات... ہر حالت کا سرا بس اسی ذات واحد سے جاملتا ہے تم مانگ کے تو دیکھو..."

اس لمحے رات کے آخری پہر... جب وہ تقریباً" دو بالشت کے آئی ڈور میں سے دادی کے زرد زرد بیمار اور لاغر مگر پرنور چہرے کو دیکھ رہی تھی کہ دادی کی کسی وقت میں پڑوسن کو کی گئی کوئی بات کسی بازگشت کی طرح اس کے کانوں میں ایسے سنائی دی جیسے دادی کے ایک دوسرے میں پیوست ہونٹوں میں جنبش ہوئی ہو اور وہ اس سے دعا کا تقاضا کررہی ہوں۔

اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور شل ہوئی ٹانگیں بے جان ہوتی محسوس ہوئیں۔

کیا میں اتنی غافل اور دنیا دار ہوں کہ یہ اہم بات فراموش کرگئی کہ ہر راستہ بند ہوجائے مگر دعا کا راستہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔

☆ ☆ ☆

اس کی رتجگوں کی تھکی ہوئی آنکھوں نے برسات کردی آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے ہچکیاں تھیں کہ رک ہی نہ رہی تھیں گزشتہ کئی گھنٹوں سے مصلے پہ بیٹھی وہ دعا مانگ رہی تھی... رو رو کے' گڑگڑا کے... بے بسی و لاچارگی' گمراہی و لاچارگی کے آنسو تھے وہ سخت شرمندہ تھی اور پورے دل سے شرمندہ تھی' ندامت تھی کہ سر اٹھنے ہی نہیں دے رہی تھی دادی ہمیشہ کہتی تھیں کہ اپنے گناہوں' غلطیوں اور کوتاہیوں پر نادم انسان اللہ کو بہت پسند ہے' بہت پیارا ہے۔

ہر اذان کی پکار ختم ہونے پر دادی اسے نماز کے لیے پکارتیں پھر ہر سلام کے بعد آوازیں دیا کرتیں مگر وہ کان لپیٹ کر پڑی رہتی اور کبھی ہیڈ فون لگا کے کان ہی بند کر دیتی۔ ایک ایک کوتاہی تھی جو کوڑے برسا رہی تھی۔

ایک ایک غلطی تھی جو آنسوؤں کے سیلاب میں غرق کررہی تھی۔

ہم کیسے کم نصیب ہیں ضرورتوں پر اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اسے بھی اللہ یاد آیا تھا بہت شدت اور تڑپ کے ساتھ یاد آیا تھا لیکن اس وقت جب دادی کی آنکھیں بند تھیں وہ زندگی اور موت کے دوراہے پر کھڑی تھیں۔

جب وہ اپنی خطاؤں اور کوتاہیوں پر جی بھر کے رو چکی تب اسے احساس ہوا کہ کوئی اور ہے جو پورے قد سے اس کے عقب میں کھڑا ہے اس کا محافظ' اس کا ہمراز و دم ساز... ایک ٹھنڈی سانس خارج کرکے دوپٹے سے آنسو پونچھتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور جاء نماز تہ کرتے ہوئے اس نے دیکھا شہریار اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑا تھا بہت غم زدہ خاموشی سے اس کے روئے روئے چہرے کو دیکھتا ہوا وہ اسی مخصوص بنچ پر جا بیٹھا۔

وہ آپس میں بہت کم بات چیت کرتے تھے ان کے مابین جو بھی گفتگو ہوتی وہ دادی کی بیماری کے متعلق ہوتی... بے ہوشی و غنودگی کا طویل ہوتا دورانیہ' رپورٹ کی پروگریس' ڈاکٹرز کے اجتماعی راؤنڈز اور ڈسکشن' پھر رابعہ کی بڑھتی ہوئی مایوسی اور ناامیدی اور

شہریار کی تسلیاں دلاسے۔۔۔ ہفتہ ہو گیا تھا وہی ایک جیسی روٹین۔۔۔ سات دن گئے اسے ویٹنگ روم میں چکراتے اور آئی سی یو کی کھڑکی پل پل جھانکتے ہوئے۔۔۔ عائشہ اور شہریار نے اگرچہ بہت اصرار کیا کہ وہ ایک بار گھر کا چکر لگالے' ایک آدھ دن آرام کرلے مگر وہ نہ مانی۔

"تمہیں نیند کی ضرورت ہے اس طرح تو تم خود بیمار پڑجاؤ گی۔" اس کے زرد رو چہرے اور آنکھوں کے گرد حلقے دیکھ کر شہریار نے نرمی سے کہا تو رابعہ بولی۔

"آپ کو بھی تو نیند کی ضرورت ہے آپ بھی تو مسلسل میرے ساتھ جاگ رہے ہیں۔۔۔؟"

"میری اور بات ہے پھر میں شام سے پہلے دو تین گھنٹے کی نیند لے لیتا ہوں تم پلیز صرف ایک رات کے لیے گھر چلی جاؤ' یہاں میں ہوں نا۔" شہریار کے لہجے میں رابعہ کے لیے پریشانی' اپنائیت' محبت اور خلوص کو ساتھ کھڑی عائشہ نے رشک سے دیکھا تھا۔

پھر شہریار عائشہ کے ساتھ جاکر گھر سے اس کی ضرورت کی چیزیں لے آیا تھا۔

گھر جاکر وہ کیا کرتی' گھر میں کون تھا اس کا گھر تو دادی کے ساتھ تھا تنہا' ویران گھر میں دادی کے بغیر وہ کس طرح رہ پاتی' اکیلا گھر تو اسے کاٹ کھانے کو دوڑتا۔۔۔ اور اگر دادی کو کچھ ہو گیا تو پھر۔۔۔؟ کیسا زہریلا سوال تھا جس نے بہت بے رحمی سے ڈنک مار کے اس کا دل لہو لہو کردیا۔ "نہیں' میرے اللہ میری دادی کو سلامت رکھنا' اے رب رحمٰن میرا ان کے سوا کوئی نہیں ہے میرا واحد رشتہ' میرا واحد سہارا۔۔۔ ان کو صحت کے ساتھ زندگی عطا کر میرے پروردگار۔۔۔!"

وہ ہر وقت دعائیں مانگتی رہتی یہ خوف اس کے اندر کنڈلی مار کے بیٹھا تھا کہ دادی کو اگر کچھ ہو گیا تو پھر اس کا کیا ہو گا' وہ کہاں جائے گی۔۔۔ زندگی کو کیسے جی پائے گی۔۔۔؟

مرنے والوں کے لواحقین شاید اسی لیے ان کی زندگی کی دعائیں مانگتے ہیں ان کو مرنے والوں سے زیادہ اپنی پڑی ہوتی ہے کہ ان کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد گزارا کیسے ہو گا خون کے انتہائی قریبی رشتوں پر بھی اس وقت غرض اور ضرورت حاوی ہو جاتی ہے۔ صدق دل سے مانگی ہوئی۔۔۔ کچھ دعائیں دنیا میں ہی قبول ہو جاتی ہیں اور کچھ آخرت میں اجر و ثواب کے لیے رہنے دے جاتی ہیں اور اس کی صدق دل سے زار زار رو کر مانگی ہوئی دعائیں بارگاہ الٰہی میں قبول ہو گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

یہ کیسی خوشی کی خبر تھی۔۔۔؟

بے یقینی سی بے یقینی۔۔۔ اس کی آنکھیں ایک بار پھر چھلک پڑیں۔ آنکھ کا پانی بھلا کب گواہی دیتا ہے کہ آنسو خوشی کے ہیں یا غم کے' کبھی خوشی کے موقع پر بھی آنکھ برس جاتی ہے اور اب تو انہونی ہی ہو گئی تھی اور خوشی سے آنسو جھر جھر بہہ رہے تھے کیونکہ پورے سولہ دنوں کے بعد اس کی دادی کو ہوش آگیا تھا اور ڈاکٹروں نے تصدیق کی کہ وہ اب بالکل صحت مند ہیں بس کچھ نقاہت اور کمزوری ہے جو آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گی۔

وہ موسلا دھار بہتی آنکھوں سے دادی کے پرحرارت ہاتھ چوم رہی تھی صد شکر کہ یہ ہاتھ نہیں چھوٹے تھے یہ ساتھ نہیں چھوٹا تھا اور رب نے صدق دل سے گڑگڑا کر مانگی ہوئی اس کی دعاؤں کی لاج رکھ لی تھی۔

جو دن کڑا تھا گزر گیا وہ
جو رات کالی تھی کٹ گئی وہ

عائشہ اس کے گلے سے لپٹ لپٹ کر مبارک باد دے رہی تھی اور عائشہ کے ساتھ کھڑا ہوا شہریار خوشی سے چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا' رابعہ اسے دیکھ کر مسکرائی تو اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں آنکھوں کے جگنو جیسے لوٹ آئے تھے اور اس لمحے رابعہ کو یوں لگا جیسے اس نے ابھی ابھی شہریار کو یہاں موجود دیکھا ہو' اور محسوس کیا ہو۔۔۔ وہ بیچ کی کئی جاگتی اور پراذیت راتیں تو جیسے آئی ہی نہیں تھیں جب شہریار شام

ڈھلے اپنا اور اس کا کھانا لے کر آجاتا تھا اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے اصرار پر کچھ نہ کچھ کھا لیتی۔

وہ پوری رات اس کے ساتھ جاگتا رہتا تھا اس کا دل گھبراتا تو وہ کھڑکی کے قریب جاتی یا کوریڈور میں ٹہلنے نکل جاتی حتیٰ کہ دادی کو دیکھنے جاتی تب بھی کسی محافظ سائے کی طرح غیر محسوس قدموں سے اس کے پیچھے چلا جاتا' کسی نگران کی طرح اس کی حفاظت کرتا۔ زبردستی اسے بنچ پر لٹا کر کمبل اس پر اوڑھا دیتا اور خود کرسی پر بیٹھ کر رات ختم ہونے کا انتظار کرتا رہتا' وہ کبھی اونگھتی' کبھی سو جاتی اور کبھی سوتے سوتے ڈر جاتی۔

جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ جاتی تو اس کے بنچ سے پاؤں ٹکائے کرسی پر نیم دراز شہریار برق رفتاری سے اٹھ کر پاس رکھی بوتل سے گلاس میں پانی انڈیل کر اسے تھماتا اور اسے پرسکون رہنے کی تلقین کرتے ہوئے دوبارہ سے کمبل اس کے اوپر تان دیتا۔ اس نے اس کا بہت خیال رکھا تھا بغیر کچھ کہے' جتلائے... یوں جیسے کوئی فرض نباہ رہا ہو۔

تب تو وہ غم و پریشانی کی گھڑی بکل میں خود کو بھی بھولے ہوئے تھی اور اب اسے ایک ایک بات یاد آ رہی تھی اور وہ دل ہی دل میں اس بہت خیال رکھنے والے مخلص اور مہربان شخص کے ساتھ پر فخر محسوس کر رہی تھی اور عائشہ کی دوستی پر بھی۔ جس نے اس دکھ کی گھڑی میں اسے تنہا نہیں چھوڑا تھا وہ اکثر صبح آجاتی اور پورا دن اس کے ساتھ گزارتی اور شام کو جب شہریار آتا تو وہ اسے گھر چھوڑ آتا... رابعہ تو اس عرصے میں اسکول اور ڈیوٹی کو بھول بھال گئی تھی مگر اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس کی خاطر عائشہ نے بھی اسکول سے بہت چھٹیاں کی ہیں وہ پورے دل سے ان دونوں کی مشکور تھی کہ ایسے مخلص اور خالص لوگ تو دعاؤں سے بھی فی زمانہ نہیں ملتے اسے اپنی خوش نصیبی کا یقین ہونے لگا۔

☆ ☆ ☆

ہاسپٹل سے ڈسچارج ہونے کے بعد وہ دادی کو لے کر شہریار کے ہمراہ جب گھر میں داخل ہوئی تو دھلا دھلایا چم چم کرتا گھر دیکھ کر اسے۔ بہت مسرت ہوئی یہ یقیناً" عائشہ کی پورے دن کی محنت کا نتیجہ تھا اف... آج پھر اس نے اسکول سے چھٹی کی ہوگی... عائشہ کا خلوص اس کی محبت و اپنائیت رابعہ کو زیر کرتا جا رہا تھا۔ اور شہریار کے خلوص اور مروت پر بھی اب اسے شک نہ رہا تھا وہ اب بھی ہر روز آفس سے واپسی پر شام کو کچھ دیر کے لیے چلا آتا دادی کے لیے جوس کے ڈبے' فروٹ اور ادویات لے آتا اور ہر روز جاتے ہوئے قریب رکھی دواؤں میں سے دیکھ کر جاتا کہ کون سی دوا ختم القریب ہے۔ رابعہ کچھ دن تو خاموشی سے دیکھتی رہی بالآخر ٹوک دیا۔

"آپ یہ سب چیزیں نہ لایا کریں میں خود خرید لوں گی دوائیں وغیرہ... آپ نے پہلے جو کچھ ہمارے لیے کیا ہے وہ ہی بہت زیادہ ہے۔" شہریار کچھ لمحے اس کے بے غرض چہرے کو دیکھتے ہوئے سادہ لہجے پر غور کرتا رہا پھر بولا۔

"میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا... میرا فرض تھا یہ... اور پھر تمہاری دادی میری بھی تو کچھ لگتی ہیں۔"

"پھر بھی... آپ نے میرے حصے کا بہت غم بانٹا ہے۔" وہ آہستگی سے بولی۔ وہ کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر اٹھا اور اس کے روبرو کھڑا ہو گیا۔ کچھ لمحے خاموشی کی نظر ہوئے پھر وہ بہت مضبوط لہجے میں بولا۔

"غم تو ہے ہی بانٹنے کی چیز کہتے ہیں کہ غم بانٹو تو آدھا رہ جاتا ہے... دیکھو رابعہ' کچھ جذبے ایسے ہوتے ہیں جن میں حصہ تو ہوتا ہے مگر حصوں کی تقسیم نہیں ہوتی' بس ساجھ ہوتی ہے اور ہم دیہاتی لوگوں کے بیچ فقط ساجھ کا رشتہ ہوتا ہے جو دلوں کو جوڑ کے رکھتا ہے اور پھر محبت... محبت تو ہے ہی ساجھ کا رشتہ...!"

اور رابعہ کو اس لمحے اپنا دل کسی انمول جذبے سے لبالب ہوتا محسوس ہوا' کتنے آرام اور سہولت سے اور مختصر لفظوں میں اس نے اپنے اور رابعہ کے مابین رشتے کو واضح کیا تھا اور کتنی خوب صورتی سے اس نے

اپنے دل میں پوشیدہ جذبے کی وضاحت کرتے ہوئے پہلی مرتبہ اپنی محبت کا اظہار کیا تھا اور اس کے حصے میں اپنے حصے کی سانجھ شامل کی تھی۔
رابعہ نے ہلکا سا مسکرا کر اپنے بہت سامنے کھڑے وجیہہ اور پرکشش ڈیل ڈول کے چٹانوں جیسے ارادے رکھنے والے اس دیہاتی کو دیکھا اور اپنی قسمت پر نازاں ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

☆ ☆ ☆

اسے کیا خبر تھی کہ وقت ابھی اسے اور آزمائے گا نصیب کے ترکش میں ابھی اور جانے کتنے تیر باقی تھے اس کے لیے.... وہ پوری رات نہ سو پائی تھی، کسی غیر یقینی صورت حال کا شکار ہوئی تھی وہ کہ دل مان نہیں رہا تھا اور یقین متزلزل بھی ہو رہا تھا ابھی تو محبت کا بیج دل کی سرزمین سے پھوٹا تھا ابھی تو اس ننھے سے پودے نے تناور درخت بننا تھا، ابھی تو اس درخت نے رتوں کے شاداب موسم دیکھنے تھے کہ شک کا تیزاب جڑوں میں اترنے لگا اور حق دق کھڑی رہ گئی اور بے یقینی سے دیکھتی رہی۔ یہ کیسی خبر تھی جس نے اس کی نیندیں نچوڑ لی تھیں، اس کا چین و قرار لوٹ لیا تھا اس کی ذات کے پرخچے اڑا دیے تھے اینٹ اینٹ رکھ کر بنائی عمارت کو جیسے ایک زوردار جھٹکے سے زمین بوس کر دیا جائے.... وہ دیر تک بیٹھی عمارت کے ملبے پہ بیٹھی خون روتی رہی۔
اگر وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھتی تو شاید یقین نہیں کرتی، جھوٹ اور وہم قرار دے کر جھٹلا دیتی مگر.... عائشہ کی زبانی اسے صرف سچ لگا اسے جھوٹ بولنے کی ضرورت کیا تھی....!
وہ ایک ہی جست میں پچھلی دیوار سے جا لگی۔
”نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے....؟“ یہی ایک جملہ اس کے پپڑی زدہ ہونٹوں نے ادا کیا وہ بھی بہ مشکل۔
”یقین نہیں آیا نا.... مجھے خود یقین نہیں آیا تھا مگر آنکھوں دیکھے کو کیسے جھٹلا دیتی شہریار بھائی کی بائیک پر ان کے ساتھ وہ ایک ماڈرن، خوب صورت اور طرح دار لڑکی تھی.... وہ بائیک پر شہریار بھائی کے ساتھ ایسے جڑ کے بیٹھی تھی کہ مجھے تو آگ ہی لگ گئی.... اسی لیے پھر میں نے ان کو ٹریس کرنے کا فیصلہ کیا وہ یوں بے دھڑک گھوم رہے تھے ایک شاپ سے دوسری شاپ پہ.... شاپنگ بیگز بھر رہے تھے مگر نیت نہیں بھر رہی تھی.... پھر انہوں نے ریسٹورنٹ میں کھانا بھی کھایا تھا۔“ عائشہ غصے سے اب بھی لال ہوئی بیٹھی تھی۔
”کوئی رشتہ دار ہو گی....؟“ رابعہ نے یوں کہا جیسے خود کو پرسہ دیا ہو۔
”رشتہ دار....؟“ عائشہ نے نفی میں سرہلایا۔ ”ہوں ہوں، میں مان ہی نہیں سکتی اور ویسے بھی تم نے ہی ایک بار بتایا تھا کہ ان کے سارے رشتے دار گاؤں میں رہتے ہیں اور گاؤں کی لڑکیاں ابھی اتنی کھلی ہوئی نہیں ہیں وہ اپنے چاچے مامے کے ساتھ ہی آ سکتی ہوں گی اس طرح کھلے عام بے حیائی، توبہ توبہ....!“ عائشہ نے کانوں کو ہاتھ لگائے اور ”غضب خدا کا مجھے دیکھ کر بھی نہیں پہچانا دیکھا، گاؤں کا سیدھا سادا شریف بندہ.... شکل دیکھو اور کرتوت۔“ عائشہ غصے سے بھری ہوئی تھی۔
”میں نے پہلے سوچا تھا کہ تمہیں نہیں بتاؤں گی مگر رہا نہیں گیا کہ لوگ کیسے دو دو چہرے سجائے پھرتے ہیں کہ اصل اور نقل کا پتا ہی نہیں چلتا۔“
اگرچہ رابعہ کا دل یہ حقیقت ماننے سے انکاری ہو رہا تھا مگر ذہن مختلف خیالوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

اعتبار اک
ایسا پنچھی ہے
جو شک کا دانہ
چگتے ہی
اڑ جاتا ہے
کبھی نہ لوٹ کر
آنے کے لیے....!

کیا وہ اب کبھی بھی شہریار بھی اعتبار نہیں کر سکے گی؟ اس کے خلوص پر، شرافت پر، محبت پہ.... کسی جذبے پر کسی بول پر.... وہ ہمیشہ بے یقین ہی رہے گی....؟ وہ

رات اس نے مایوس کن خیالات کے کانٹوں اور زخمی احساس کے انگاروں پر بسر کی تھی اذیتوں کے نشتر جو اس کے دل پر گڑے تھے' جو وہ خود پر جھیل رہی تھی وہ کس کو بتاتی۔۔۔؟ بوڑھی دادی کو جو ابھی اسپتال میں کئی دن گزار کے آئی تھیں رشتوں کا ایک خلا اپنی تمام سفاکی کے ساتھ پھر اس کے احساس پر محیط تھا اور وہ خود کو پہلے سے کہیں زیادہ بے آسرا اور تنہا محسوس کر رہی تھی جیسے اس کی ذات کے گرد تنہائیوں کے جنگل اگے ہوں۔

اس روز شہریار نے فون پر اسے بتایا تھا کہ وہ گاؤں جا رہا ہے کچھ دنوں کے لیے۔۔۔ گویا وہ گاؤں نہیں گیا تھا بلکہ اسی شہر میں موجود تھا پھر اس سے جھوٹ بولنے کی ضرورت کیا تھی ویسے ہی رابطہ نہ کرتا تو رابعہ نے کون سا بازپرس کرنا تھا' وہ اس کی بیوی نہیں تھی کہ آتے ہی پوری تفصیل پوچھتی' سوالوں کی بوچھاڑ کر دیتی۔

مگر اس کے ساتھ اب ایک رشتہ تو تھا نا۔۔۔ اس نے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہنی انگوٹھی کے چمکتے ہیرے کو دیکھ کے سوچا۔ ایک رشتہ تو بہرحال ان کے بیچ تھا اسی لیے دل کو درد لگ گیا تھا۔ اس نے انگوٹھی اتار کے دراز میں ڈال دی' نہ جانے کب اس کی واپسی کا تقاضا ہو جائے۔

محبت تو ویسے بھی ہمیشہ خوف کے سائے میں پروان چڑھتی ہے اور بچھوڑے کا دھڑکا اس کی جان ہی نہیں چھوڑتا' شک کے زہریلے ناگ ہر وقت ڈسنے کو تیار ہوتے ہیں۔ آپ کے محبوب کے حوالے سے جب کوئی دوسرا خبر دے کہ وہ آپ کی آنکھوں میں دھول جھونک کر آپ کو دھوکا دے رہا ہے محبت کا ڈھونگ رچا کر بے وفائی کا مرتکب ہو رہا ہے تو آپ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ آپ کی محبت میں کہاں' کب کمی بیشی ہوئی ہے۔

ان گزرنے والے چند دنوں میں وہ نچڑ گئی تھی زرد چہرہ' رتجگوں کی غماز آنکھیں اور آنکھوں کے گرد پڑے گہرے حلقے۔۔۔ آنکھوں کی جوت بجھ گئی تھی اور ان میں اداسیوں کے زرد موسم اتر آئے تھے۔

شہریار اگرچہ اب بھی معمول کے مطابق ہر روز سونے سے قبل چند لفظی بات کرتا تھا دادی کی اور اس کی خیریت دریافت کرتا' کسی چیز کی ضرورت پوچھتا اور فون بند کر دیتا۔۔۔ اور وہ اس کے چند بہت عام سے جملوں سے اخذ کرتی رہتی' قیاس کرتی رہتی کہ اس کی آواز اور لہجے میں جذبوں کی شدت نہیں رہی جیسے وہ کسی مجبوری کے تحت کوئی عہد نباہ رہا ہو اور دل کی دنیا تو کہیں اور آباد کر لی ہو۔۔۔

کیا کسی عہد کا نباہ محبت کا بدل ہو سکتا ہے۔۔۔؟

کیا محبت کو کوئی وعدہ پہنا کر مجبور یا پابند کیا جا سکتا ہے۔۔۔؟

ایک ایک قدم سینت سینت کر رکھ کر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچنے والے کا آخری قدم لڑکھڑا جائے اور اچانک ہزاروں فٹ کی بلندی سے کسی گہری اندھی کھائی میں گرنے والے کے کیا جذبات ہو سکتے ہیں' رابعہ آج کل اسی توڑ پھوڑ کا شکار تھی۔

وہ اسے بھولنے کی کوشش کرنے لگی مگر ایسا ممکن کہاں تھا۔۔۔

جو دل کی بستی میں آن ٹھہرے سانسوں کی ضرورت بن کر زندگی کے لیے ضروری ہو جائے' آنکھوں میں آنے والے خوشگوار دنوں کے حوالے سے اس کی سنگت کے خواب سج جائیں تو۔۔۔ پھر بڑا دشوار ہوتا ہے اس کو بھول جانا' پھر بھولتا کون ہے۔۔۔؟

اگرچہ اس نے رابعہ کی جھولی میں بہت وعدے نہیں ڈالے تھے اور نہ ہی محبت کو لفظوں کی دلکش زنجیر پہنا کر محبت کے حوالے سے کوئی ڈائیلاگ بولے تھے مگر اس کی آنکھ میں لکھی کہانی رابعہ نے پڑھ لی تھی تو کیا وہ سب غلط تھا یا رابعہ کی بھول۔۔۔ جیسے "نظر کا دھوکا" کوئی جھوٹا افسانہ۔۔۔!

کیا وہ بے وفا تھا۔۔۔ یہ خیال دل کو کسی آری سے چیر گیا۔

اور جب پورے پانچ دنوں کے بعد وہ اس کے سامنے آیا تو کیسا نکھرا نکھرا اور شاداب لگ رہا تھا۔ رابعہ نے فقط ایک نظر اس کو دیکھا بدظن اور شاکی نگاہ

۔ جبکہ وہ ایک ٹک بہت الجھ کر رابعہ کے زرد نڈھال اور پژمردہ چہرے کو دیکھ اور کھوج رہا تھا جیسے کچھ جانچ رہا تھا۔

"کیا ہوا۔۔۔؟ سب خیریت تو ہے۔۔۔؟" اس کی آواز میں پریشانی تھی وہ بھاگ کر اندر کمرے میں نیم دراز قرآن پاک پڑھتی دادی کو دیکھ کر پلٹ آیا تھا اور اب اس کے روبرو ٹھہر گیا جس کے چہرے پر اندر کے کرب کی تحریر واضح رقم تھی جیسے کوئی دور کے سفر سے بے حال لوٹا ہو۔ چہرے کی زرد رنگت اور ویران آنکھوں میں ٹھہری اجنبیت۔۔۔ وہ حیران رہ گیا۔

وہ ابھی بھی گاؤں سے لوٹا تھا اور سیدھا یہاں آیا تھا اور سارے راستے سوچتا ہوا آیا تھا کہ رابعہ اسے دیکھ کر خوش ہوگی والہانہ استقبال کرے گی اگرچہ زبان سے کچھ نہ بھی کہے پھر بھی۔۔۔ چہرے پہ رنگ بکھر جائیں گے مگر۔۔۔ کوئی اور بات ہوئی تھی کوئی ایسی بات جس نے رابعہ کو صبیح چہرے کی رنگت بدل دی تھی۔۔۔ وہ اسے کیسا دیکھنا چاہتا تھا اور وہ کس حال میں ملی تھی۔۔۔ تھکی ہوئی، مضمحل، پریشان اور ویران بھی اب کے دھکا شہریار حسن کے دل کو لگا تھا اور بڑی زور کا لگا تھا۔

"تم ٹھیک تو ہو رابعہ۔۔۔؟" اس کے تشویش بھرے لہجے میں محسوس کی جانے والی نرمی اور محبت تھی۔ مگر رابعہ اب کسی بہکاوے میں آنے والی نہیں تھی کیونکہ عائشہ نے کہا تھا اب آئے تو زیادہ منہ لگانے کی ضرورت نہیں ہے ایسے بے وفا شخص کو۔

اور کیا یہ شخص واقعی بے وفا ہے۔۔۔؟ رابعہ نے اک نظر ڈالی اس کے الجھے الجھے نقوش میں پریشانی نہاں تھی اور سحر انگیز آنکھوں میں کسی گہری سوچ کا عکس۔ اس کا دل اگرچہ ڈوب کے کسی اتھاہ سے ابھرا مگر وہ نگاہ پھیر گئی۔۔۔ پھر وہ پوچھ پوچھ تھک گیا۔ مگر رابعہ کے ہونٹوں کا قفل نہ ٹوٹا اور وہ لوٹ گیا جتنا پر جوش اور خوش باش آیا تھا جاتے وقت اتنا ہی نڈھال اور اداس تھا اگرچہ دادی نے بہت روکا کہ نہ جاؤ موسم کے تیور ٹھیک نہیں ہیں۔ سر شام ہی ساون کی مست و شوخ ہوائیں بادلوں کو جانے کن دیسوں سے گھیر گھار کے لے آئی تھیں اور بادل آج زور سے برسنے کے موڈ میں تھے اور اس کو شہر کے دوسرے کونے جانا ہوتا تھا سو دادی کو تشویش ہوئی مگر وہ ضروری کام کا بہانہ کر کے چل دیا جاتے جاتے رابعہ کے قریب رکا اور بہت بوجھل آواز میں کہا۔

"رابعہ۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ کوئی بات ایسی ہوئی ہے میری غیر موجودگی میں جس نے تم میں اداسیاں بھر دی ہیں' غصہ' ناراضی' خفگی' گلے شکوے سب اپنی جگہ مگر میں صرف اتنا کہوں گا تم سے کہ بدگمانی رشتوں کو کھا جاتی ہے اور رشتوں میں موجود احساس کو ختم کر دیتی ہے اگر میرے متعلق دل میں کوئی برا گمان ہوا تو مجھ سے بات کر لینا میں جھوٹ نہیں بولوں گا اور محبت کے سفر میں بچھڑنے کا ارادہ اگر ہو تو آپس میں مشورہ کر لینا چاہیے کیونکہ محبت میں کوئی فیصلہ بھی ذاتی نہیں ہوتا۔"

وہ رکا' ٹھہرا اور رابعہ کی طرف دیکھا کہ رابعہ کوئی تو بات کرے گی مگر وہاں چپ کا قفل نہ ٹوٹا۔

"اب چلتا ہوں۔" ایک طویل ٹھنڈی سانس خنک ہواؤں کے حوالے کر کے وہ رخصت ہو گیا۔ رابعہ کی نگاہ اگرچہ ہوا سے جھومتے بوٹل برش کے اونچے درخت کے موٹے تنے پر جمی تھی مگر جاتے جاتے وہ اس کی آنکھوں میں اگے شک اور بدگمانی کے پودے کو دیکھ چکا تھا۔

وہ چلا گیا اور رابعہ کا سکون بھی ساتھ لے گیا۔

شام کے بعد بادل اور وہ اکٹھے روئے' چھم چھم روئے ٹوٹ کے زار زار روئے۔۔۔

جس روز میرا دل ٹوٹا

اس روز بڑی برسات ہوئی

ظالم کریانہ مرچنٹ نے اپنے ڈیک کا والیوم تیز کر کے موقع کی مناسبت سے گیت لگا دیا۔ کیا میری محبت انجام پذیر ہو گئی ہے۔۔۔؟ دل آخری ہچکیاں لے رہا تھا۔

کیا وہ شخص ہمیشہ کے لیے مجھ سے جدا ہو جائے گا دل جس کی ہمیشگی ساتھ کی آرزو کرتا رہا ہے۔۔۔؟ کیا میں

اس کے بغیر جی پاؤں گی۔۔۔؟
یا کیا میں ایسے شخص کے ساتھ رہ پاؤں گی۔۔۔؟
شک کی کرچیاں آنکھوں میں چبھنے لگیں۔
برآمدے کے پلر کے ساتھ لگ کے بیٹھی وہ زاروقطار برستی بارش کو دیکھ رہی تھی وہ کئی پہروں سے اس طرح بیٹھی تھی کسی جوگن کی طرح۔۔۔ ویرانیوں کا چولا پہن کر۔
رات کافی بیت چکی تھی اور بارش کا زور بھی تیدرے ٹوٹ چکا تھا مگر ہلکی پھوار میں اب بھی روانی تھی۔
وہ چونکی۔۔۔ گیٹ پر کوئی تھا بیل کافی دیر سے بج رہی تھی اور پھر بجتی ہی چلی گئی۔ نہ جانے رات کے اس پہر برستی بارش میں کون آیا ہے۔۔۔؟ وہ اگرچہ دروازہ نہیں کھولنا چاہتی تھی مگر دادی جو سکون کی دوا کھا کے سوئی تھیں ان کی نیند ڈسٹرب ہونے کے خیال سے اس نے دروازے پہ آکے پوچھا کون ہے۔۔۔؟
اور جواب میں جانی پہچانی 'آشنا' بہت مانوس آواز سن کر اسے سکتہ ہی ہو گیا۔ یہ آواز تو وہ لاکھوں کروڑوں آوازوں میں بھی پہچان سکتی تھی 'یہ آواز تو اس کے کانوں کے رستے دل میں دھڑکتی تھی۔
اتنا خراب موسم 'رات کا دوسرا پہر' چھم چھم ہوتی برسات۔۔۔ کوئی پاگل ہی ہو گا 'کوئی دیوانہ ہو گا اور۔۔۔ محبت آدمی کو پاگل بھی کر دیتی ہے اور دیوانہ بھی۔
جب دروازہ کھولا تو سامنے کھڑے سر سے پاؤں تک بھیگے ہوئے کھڑے اس شخص کو دیکھ کر رابعہ جہاں کی تہاں کھڑی تھی۔ اس بات سے بے پروا کہ بارش خود اس کو بھی بہت تیزی سے بھگو رہی ہے۔

☼ ☼ ☼

صبح۔۔۔ بس ہونے ہی والی تھی۔
بادل برس برس کے ہواؤں کے سنگ کسی اور دیس روانہ ہو چکے تھے اور آسمان کا چہرہ صاف تھا۔ صبح گلاب کی اجلی روشنی میں آنکھ دیکھے گی کہ ہر شے دھل کر کیسے نکھر گئی ہے گرد اور دھول مٹی صاف ہو چکی ہوگی۔۔۔۔ ہر چیز اپنی اصلی شکل پیش کرے گی کچھ شفاف اور خوب صورت نکھرے نکھرے اور کچھ بدصورت 'کراہیت آمیز اور آلودہ۔۔۔
دادی جب نماز کے لیے اٹھیں تو کچن میں ایک دوسرے کے روبرو بیٹھے دو نفوس کو گپ چپ اپنے اپنے خیالوں میں گم یوں دیکھا جیسے وہ دنیا جہان کی باتیں کر چکے ہوں 'تمام موضوعات پر بول چکے ہوں اور اب کرنے کو کچھ نہ رہا ہو۔ چائے کے خالی کپ سامنے رکھے تھے۔
انہیں ذرا بھی حیرت نہیں ہوئی تھی کیونکہ رات کو دروازے پہ ہونے والی تیز گھنٹی پر وہ جاگ گئی تھیں اور پھر رابعہ کے سنگ شہریار کو کپڑے نچوڑتے ہوئے کچن میں داخل ہوتے دیکھا تھا انہیں اس بات پر بھی حیرت نہیں ہوئی تھی کیونکہ وہ کچھ دنوں سے محسوس کر رہی تھی کہ ان دونوں کے بیچ کوئی غلط فہمی ہے 'کوئی جھگڑا ہے اور پھر رابعہ کی ہر وقت روئی روئی آنکھیں 'کھویا کھویا انداز اور پھر شہریار کی گاؤں سے واپسی پر رابعہ کا گریز اور چپ کی بکل۔۔۔ وہ انجان نہیں تھیں 'نہ ہی کم فہم۔۔۔ یہ اور بات کہ معاملے کو چھیڑنا نہیں چاہتی تھیں۔
"ارے۔۔۔ تم تو بالکل ہی چپ کر گئی ہو 'کچھ تو کہو۔۔۔ کوئی تو بات کرو۔" بالآخر شہریار کی مدھم سرگوشی کی آواز نے بہت دیر کے سکوت کو توڑا۔
"کیا بات کروں۔۔۔؟" رابعہ کی آواز میں برسات کی سیلن تھی اور چہرے پہ حزن و ملال کے سارے رنگ۔
"کوئی بھی۔۔۔ کوئی خوشبو جیسی بات۔" شہریار کا لہجہ اب کے پہلے سے بھی مدھم ہو گیا اور اس نے ٹیبل پر پھیلے رابعہ کے ملائم مگر سرد ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا پورے استحقاق سے اور عقیدت و محبت سے۔
رابعہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا کیونکہ گزرے تمام گھنٹوں میں پہلی بار اس نے چھوا تھا ورنہ وہ روئی تھی 'حوصلہ ہاری تھی 'آنسوؤں کی جھڑی لگا دی تھی اور اب اس کے حوصلہ دیتی چھوان نے اس کے دل کو بہت ڈھارس دی تھی۔ اس نے نظر اٹھا کر

سامنے دیکھا تو وہ کھل کر مسکرا دیا جیسے کہہ رہا ہو "میں ہوں نا اور میرے ہوتے ہوئے تم نہیں رونا۔"

رابعہ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیکی تھی مگر مدھم اور پھیکی سی۔

شہریار اگرچہ دل کا سارا بوجھ اتار کر خود ہلکا پھلکا تھا مگر جانتا تھا کہ اب سارے کا سارا بوجھ رابعہ کے ناتواں کاندھوں پر ہے خود اپنی پلکوں سے پونچھ کر رابعہ کا دل صاف کر چکا تھا مگر اس کو اس صدمے سے کیسے نکالتا جو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے دے چکا تھا ابھی کچھ دن تو لگنے تھے کچھ تکلیف دہ حقیقتوں اور انکشافات کے بعد سنبھلنا واقعی بہت دشوار ہوتا ہے۔

وہ رابعہ کی اس وقت کی کیفیت کو اور جذبات کے تلاطم کو سمجھ سکتا تھا جب رابعہ کے سامنے کوئی آسمان کو چھوتی ہوئی بلند عمارت زلزلے جیسے کسی ایک ہی جھٹکے سے زمین بوس ہوئی تھی تو خدا معلوم کیسے وہ اپنا توازن برقرار رکھ پائی ہوگی۔

ابھی تو اس کی آنکھوں میں بارود کی چبھن تھی ابھی تو اس نے بڑی دیر تک اس عمارت کے ملبے پر بیٹھے رہنا تھا جس میں کتنے رشتے مدفن ہوئے تھے خلوص، دوستی، مروت محبت ہمسائیگی اور سب سے عظیم رشتہ انسانیت۔۔۔ وہ کس کس کو روتی، کون سے خسارے کا حساب لگاتی۔۔۔ وہ دھاڑیں مار مار کے کیوں نہ روتی۔۔۔؟

ابھی تک تو وہ گہرے صدمے میں تھی حالت شاک میں تھی۔ ابھی تو یقین اور بے یقینی کے درمیان معلق تھی۔ ابھی تو وہ دل ہی دل میں اسے سونامی جیسے سانحے کو غیر حقیقی، جھوٹ، پروپیگنڈا قرار دے رہی تھی تبھی اسے اپنے ہاتھ پر شہریار کے ہاتھ کا نرم لمس پوری طرح محسوس بھی نہیں ہو رہا تھا۔ ابھی تو اسے اسی حقیقت کو تسلیم کرنے میں کچھ دن لگنے تھے اور اتنا وقت تو شہریار حسن نے اس کو دینا ہی تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ آدھے راستے سے پلٹ آیا تھا۔

پھر بہت وقت تک ٹریفک میں پھنسا رہا خراب موسم کے تیور دیکھ کر ہر کسی کو اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچنے کی جلدی تھی۔ سو اسے بہت وقت لگ گیا واپس آنے میں۔

جاتے جاتے وہ رابعہ کی آنکھوں کی زمینوں پر کوئی شکوہ اگا ہوا دیکھ کے گیا تھا، جس پر بدگمانی کے شگوفے تھے، غلط فہمی کی کونپلیں تھیں اور شک کی ٹہنیاں تھیں۔۔۔ اسے لگا کہ اسے رابعہ کے دل سے بدگمانی کو دور کرنا چاہیے، اسے لگا کہ اگر اس نے ذرا سی بھی دیر کر دی تو پھر بہت دیر ہو جائے گی۔ سو اس نے وہیں سے یوٹرن لے لیا۔

اس نے اگرچہ اپنے آپ سے یہ عہد کیا ہوا تھا کہ پوری زندگی وہ اس راز سے پردہ نہیں اٹھائے گا وہ کبھی بھی رابعہ سے ان باتوں کا ذکر نہیں کرے گا جو عائشہ کے اور اس کے درمیان ہوئی تھیں جو کچھ عائشہ نے رابعہ کے بارے میں اسے بتایا تھا وہ جان گیا تھا کہ وہ اسے رابعہ سے متنفر اور بددل کرنا چاہتی ہے وجہ کوئی بھی رہی ہو۔۔۔ اور یہ شہریار کی اچھی عادت تھی کہ وہ دوسروں کے عیبوں کی پردہ پوشی کرتا تھا رازوں سے پردے نہیں اٹھاتا تھا اور ٹھنڈے دماغ سے ہر بات کے تمام پہلوؤں پر غور کرتا تھا فوراً" غصے یا طیش میں نہیں آتا تھا۔۔۔ پھر عائشہ تو رابعہ کی بہت قریبی دوست تھی ٹھیک ہے وہ شیطان کے بہکاوے میں کسی کمزور لمحے کی زد میں آکر شہریار کو رابعہ کے حوالے سے بدگمان کرنے کی کوشش کر بیٹھی تھی محبت، خلوص، مروت۔۔۔ جیسی اس کی تمام اعلا صفات پر حسد غالب آ گیا تھا جس طرح ناگن اپنے بچوں کو کھاتی ہے اسی طرح حاسد اپنے قریبی لوگوں پر منہ مارتا ہے پھر سارے رشتے بھول جاتے ہیں سارے تعلق فراموش کر کے اپنی ہی نیکیوں کو فراموش کر دیتا ہے۔

اور شہریار نے تو پورے خلوص نیت سے اس کی نادانی کو معاف کر دیا تھا مگر اسے یہ نہیں پتا تھا کہ حسد کی تو کوئی انتہا نہیں ہوتی، حاسد تو ہر ممکن حد تک ہمیشہ خوشیوں کی جڑیں کاٹنے میں مصروف رہتا ہے جو کبھی وار کرتا ہے۔

جب رابعہ نے شک بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا کہ اس روز بائیک پر اس کے ساتھ کون لڑکی تھی شہر کی سڑکوں پر' بازار میں گھومتی ہوئی اور ریسٹورنٹ میں کھانا کھاتی ہوئی... شہریار مکر گیا' بہت انکار کیا کہ اس واقعے کا کوئی وجود ہی نہیں ہے ایسا موڑ تو اس کی زندگی میں کبھی آیا ہی نہیں ہے۔ لیکن رابعہ ماننے کو تیار ہی نہیں تھی اسے شک ہی نہیں جیسے پورا یقین تھا کہ شہریار جھوٹ بول رہا ہے۔

وہ بھونچکا رہ گیا۔ اسے اپنی ذات کے اصول اور اپنے گرد اوڑھی ہوئی شرافت کی چادر کے پرخچے اور چیتھڑے اڑتے دکھائی دیے وہ بھی انتہائی آلودہ...

وہ کچھ لمحے تو حیرت و بے یقینی' شاک اور صدمے کی کیفیت میں گم صم بیٹھا رہا۔

یہ کیسا بدنما داغ تھا جو ناحق اس کے ماتھے پر سجا دیا گیا... یہ کون تھا جس نے اس کی شرافت کا چولا لیرلیر کر کے اس کے کردار پر کاری وار کیا تھا...؟

جب اسے خبر ہوئی کہ دو دلوں کی بستی اجاڑنے کی کوشش رابعہ کی عزیز ترین دوست عائشہ نے کی ہے تو حیرت نہیں ہوئی ہاں صدمہ ضرور ہوا کہ رابعہ نے جسے اتنی بلند مسند پر بٹھا رکھا تھا وہ اپنی سطح سے اس قدر انتہائی پستی میں کیونکہ گری اور رابعہ کی برداشت کیا یہ سب سہار پائے گی۔

اور اس لمحے شہریار نے خود سے کیا ہوا وہ عہد توڑ ڈالا کہ اپنی عزت سے زیادہ تو کچھ بھی عزیز نہیں ہوتا پھر یہاں تو محبت کا معاملہ تھا۔ اس نے اپنے دامن پر لگا داغ دھونے کے لیے ایک ایک بات بتا دی' سب سچ سچ کہہ دیا۔

اس نے بتا دیا کہ جس طرح عائشہ نے رابعہ کو شہریار سے بدگمان اور متنفر کرنے کے لیے جھوٹ کہانی گھڑی ہے شہریار کے حوالے سے اسی طرح شہریار کو رابعہ کے حوالے سے کئی جھوٹے افسانے سنائے تھے اسے رابعہ سے بدگمان کرنے کے لیے' اس کے دل میں وسوسے ڈالنے کی اور ان دونوں کے درمیان جدائی ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کی... اسے بتایا کہ رابعہ جو ہر وقت گم صم اور چپ رہتی ہے بدر حقیقت شہریار سے منگنی پر دل سے راضی نہیں تھی دادی نے اپنی محبت کے واسطے دے کر بمشکل راضی کیا تھا' اس کے بیان کے مطابق رابعہ محلے کے کسی لڑکے کو پسند کرتی تھی اور اب بھی اس کے ساتھ تعلقات ہیں اب بھی دونوں کی ملاقاتیں ہوتی ہیں پہلے وہ ایک دوسرے کو خط لکھتے تھے جب رابعہ کو دادی کی طرف سے فون رکھنے کی اجازت نہیں تھی پھر اس لڑکے نے رابعہ کو سیل گفٹ کیا تھا اس نے رابعہ کے سیل فون کا خالی ڈبا بھی شہریار کو دکھایا تھا کیونکہ رابعہ کے لیے اکثر تحائف وہ لڑکا عائشہ کے ذریعے ہی بھیجا کرتا تھا پھر عائشہ نے مزید ثبوت کے طور پر چند عشقیہ خطوط بھی شہریار کو دکھائے جو بقول عائشہ کے اس لڑکے نے رابعہ کو کبھی لکھے تھے۔

عائشہ ہر وہ حربہ آزماتی رہی کہ شہریار کسی نہ کسی طرح رابعہ سے بدگمان ہو جائے وہ مسلسل رابعہ کو شہریار کی نظر میں ایک بداخلاق اور بدکردار لڑکی ثابت کرنے کی کوشش کرتی رہی۔

یہ شہریار کی اچھی تربیت اور اس کے گھر کے ماحول کا اثر تھا اور اس کی فہم و فراست اور رابعہ سے محبت یا پھر... رابعہ کے لیے دادی کی دن رات جھولیاں پھیلا کر مانگی ہوئی دعاؤں کا ثمر... جو عائشہ شہریار کا دل میلا نہیں کر سکی تھی اتنے ثبوت فراہم کرنے کے باوجود بھی... عائشہ کو خبر نہ ہو سکی تھی کہ شہریار کے قدم لڑکھڑائے تھے وہ بہت الجھ گیا تھا' بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا مگر... کوئی چیز تھی جو اسے کوئی انتہائی قدم اٹھانے سے روک رہی تھی... بے شک عائشہ اس بات سے لاعلم تھی کہ شہریار اگرچہ رابعہ کی طرف سے بدگماں نہیں ہوا تھا ثبوت دیکھ کر بھی... اس کی محبت میں کوئی کمی نہ آئی تھی مگر دل کا سکون غارت ہو گیا تھا اور آنکھوں سے نیند ختم ہو گئی تھی۔

یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب رابعہ دادی کے ساتھ ہاسپٹل میں تھی وہ عائشہ کو گھر چھوڑنے آتا تو وہ رستے میں اسے روک لیتی کسی نہ کسی بہانے سے... اور پھر وہ

وہ انکشافات کرتی کہ شہریار دنگ رہ جاتا۔ وہ ہاسپٹل میں پوری رات رابعہ کے پاس ہوتا تھا وہ اگر لمحے بھر کے لیے سو بھی جاتی تو وہ جاگتا رہتا۔ اس کے چہرے کے معصوم' بے ریا اور پاکیزہ نقوش کو دیکھتا رہتا' دوپٹے کے ہالے میں سے دیکھتا اس کا پر تقدس چہرا اسے حوروں کے دیس کی یاد دلا دیتا۔

اگر عائشہ نے وہ سب جھوٹ بولا ہے فقط شر پھیلایا ہے تو اس میں اس کا کیا مفاد ہے؟ وہ اپنی اتنی قریبی اور عزیز ترین دوست کے بارے میں جھوٹ کیوں بولے گی۔۔۔؟

ہر وقت اس کے اندر جنگ چھڑی رہتی' دماغ ماؤف ہوا رہتا' رگ پھٹنے کے قریب ہو جاتی۔ اضطراب' بے سکونی' بے چینی' وہم' خوف دل کی بستی کو اجاڑ رہا تھا۔ جب اسے لگا کہ دل کی بستی ویران اور بیابان ہونے کو ہے۔۔۔ تب وہ ایک صاحب علم آدمی سے ملا جو ایک معروف مدرسے کا طالب علم تھا۔ اس نے بہت تحمل سے پوری بات سن لینے کے بعد بہت نرمی سے معمولیت سے اس کے دل پہ ٹھہری تمام گرد صاف کر دیا تمام میل اتار دیا تھا۔

نرم لہجے میں آہستہ روی سے بولتا رہا' مدلل انداز خطابت پر وہ متاثر بھی ہو رہا تھا۔

"جب کوئی دوست آپ کے عیبوں سے پردہ اٹھائے' آپ کے اندر موجود خامیوں کی تشہیر کرے' آپ کے رازوں کی حفاظت نہ کر سکے وہ دوستی کی آڑ میں آپ سے دشمنی کرتا ہے چنانچہ ایسے دوست کے ساتھ دشمنی کا رشتہ بھی نہ روا رکھا جائے۔ سارے معاملے میں ایک ہی بات سمجھ آئی ہے کہ وہ لڑکی حاسد ہے اور حسد کی آگ میں جل کر اپنی دوست سے دشمنی کی مرتکب ہو رہی ہے۔"

وہ وہاں سے ہلکا پھلکا ہو کر لوٹا تھا۔

وہ پہلے سے بھی زیادہ رابعہ کا خیال رکھنے لگا۔ ہاسپٹل میں عائشہ کے سامنے جب وہ رابعہ کو محبت و وارفتگی سے دیکھ رہا ہوتا تب وہ اپنے چہرے پر جمی عائشہ کی شکی اور آلودہ نظریں محسوس کرتا تھا جن میں غصہ' بغض' کینہ' حسد' رقابت۔۔۔ نہ جانے کون کون سے غلیظ جذبوں کے چھوٹے چھوٹے سنپولیے لپکتے محسوس ہوتے اور شہریار اس لمحے رابعہ کی عزیز از جان دوست کی ذہنی پستی کی انتہا کو سمجھ رہا ہوتا تھا اور اس کی ذہنی کیفیت کو بھی جو کسی لمحے' کسی طرح رابعہ کو کوئی طلسم ہو کوئی اسم' منتر یا کوئی جادو پھونک کے وہ منظر عام سے غائب کر دینا چاہتی ہو۔۔۔!

شہریار کو اندازہ ہو گیا کہ حسد کی آگ نے عائشہ کو بھسم کر دیا تھا۔ کیونکہ رابعہ کی زبانی اسے علم ہو چکا تھا کہ وہ بچپن سے اپنے خالہ زاد سے منسوب تھی جو باہر جا کر بدل گیا اور اس کی چاہتوں کو ٹھوکر مار کر نئی دنیا بسا چکا تھا شہریار نے اس کی نفسیاتی اذیت کے پیش نظر سوچا کہ ہوتے ہیں ایسے کچھ لوگ جو اپنی محرومیوں کا بدلہ اپنے قریبی لوگوں کی زندگی میں زہر گھول کر لیتے ہیں کہ جو صدمہ اور جو دکھ کی اذیت خود اس نے جھیلی ہے۔ دوسرا بھی اسی دکھ کے پل صراط سے گزرے۔۔۔ لیکن شہریار کی معاملہ فہمی کی وجہ سے اس کا غلیظ منصوبہ ناکام رہا۔ وہ تھک کر بیٹھ جانے والوں میں سے نہیں تھی اس نے وہی داؤ دوسری جانب کھیلا مگر۔۔۔ اس نے رابعہ کو شہریار سے بدظن کرنے کی پوری کوشش کی'

رابعہ کا یقین اگرچہ متزلزل ہوا مگر... دادی کا اس کے گرد کھینچا گیا دعا کا حصار مضبوط تھا سو تمام حقیقتوں سے پردے اٹھتے چلے گئے کوئی راز' راز نہ رہا۔ شہریار ہر راز سے پردہ اٹھا کے چلا گیا تھا اور رابعہ... ریت کی بھربھری ڈھیری کی طرح بیٹھی تھی اور گزرے ایک ایک لمحے کا حساب لے رہی تھی۔

اپنی پہچان پہ آدمی کو کبھی کبھی بڑا غرور ہوتا ہے کہ وہ باہر سے اندر تک دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر اس کی یہ محض بھول ہوتی ہے فقط خام خیالی... ہر لحہ بدلتے چہرے بھلا پہچان میں کہاں آتے ہیں۔ لیکن کیا کوئی اتنا ظالم ہو سکتا ہے بھلا...؟ یقین' اعتماد' مان' بھروسا' محبت' دوستی' ہمسائیگی... وہ ایک بار پھر کتنے رشتوں سے محروم ہو گئی تھی رات و رات... اتنے سارے رشتوں کا ایک ساتھ ایک ہی وار سے خون کر کے کیا کوئی اتنا بھی اپنی سطح سے گر سکتا ہے...؟

مختلف سوالوں کی برچھیاں تھیں اور دل اپنے ہی لہو میں ڈوب رہا تھا۔ وہ بری طرح ٹوٹ کے بکھری تھی۔

☆ ☆ ☆

اسے شدید قسم کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔

کئی دن ہاسپٹل میں گزارنے کے بعد جب وہ گھر لوٹی تو اس بات پر حیران تھی کہ وہ اتنے دکھ بھرے انکشاف کے بعد زندہ کیسے ہے...؟ وہ دادی کے ہاتھوں پہ سر رکھ کے پھوٹ پھوٹ کر رو دی جیسے کوئی کسی کے مرنے پہ روتا ہے اور مرا تو کوئی گیا تھا۔

دادی کے ہمراہ شہریار ہاسپٹل میں اس کے پاس رہا تھا... اس کا ہر طرح سے خیال رکھا' دل جوئی کی' ٹوٹ اگرچہ وہ گئی تھی مگر اس نے بکھرنے نہیں دیا۔

عائشہ کو خبر ہوئی تو ہاسپٹل دوڑی چلی آئی۔ رابعہ نے اس کی کریہہ صورت دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لیا اور زور سے آنکھیں میچ لیں... کیونکہ پلکوں کے پار آنکھوں نے برسات کر دی تھی۔

دادی کبھی اکثر کہا کرتی تھیں کہ سات گھر تو ڈائن بھی چھوڑ دیتی ہے اور عائشہ اس لمحے اسے ڈائن سے بھی کریہہ' بدصورت اور قابل نفرت لگی تھی لیکن... اس نے سوچ لیا تھا کہ عائشہ کے ساتھ اب اس نے نفرت کا رشتہ بھی نہیں رکھنا تھا۔

☆ ☆ ☆

گاؤں کی سبز زمین پر کھیتوں اور کھلیانوں کے بیچ کسی سہاگن کی مانگ کی طرح سجی پگڈنڈیوں پر وہ شہریار کے سنگ قدم سے قدم ملا کر چلتی خود کو بہت مکمل اور آسودہ تصور کر رہی تھی اور یہ حقیقت بھی تھی شہریار کی سنگت نے اس کی زندگی سے محرومیوں کے تمام کانٹے ایک ایک کر کے چن لیے تھے۔ وہ اگر کبھی اداس ہوتی' گزشتہ زندگی کا کوئی ڈراونا خواب یاد آجاتا تو شہریار اسے ہنسانے کے لیے' خوش کرنے کے لیے لطیفوں کی برسات کر دیتا۔

"میں تمہیں کبھی اداس نہیں ہونے دوں گا۔" یہ اس نے عہد کیا تھا اور نباہ رہا تھا وہ ہمیشہ اسے خوش باش دیکھنا چاہتا تھا۔ "میرا گاؤں کیسا لگا آپ کو میڈم...؟"

رات ہونے والی ہلکی سی بارش کے بعد ہر چیز دھل کر نکھر گئی تھی اور پتا پتا اب بھی ٹپک رہا تھا۔ بدلتے موسم کا سندیسہ دیتی ہوائیں خوشی کے گیت گاتی پھر رہی تھیں کوئل محبت کے سر بکھیر کر ساون کی سیلی سیلی ہواؤں کے ساتھ مل کر تال ملا رہی تھی۔

کچی مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو کو اپنے اندر اتارتے ہوئے رابعہ ہنس دی۔

"بہت خوب صورت' بہت سندر ہے آپ کا گاؤں۔"

"اوں ہوں... صرف میرا نہیں' اب تمہارا بھی۔" شہریار ذرا سا جھک کر بولا تو اس نے اپنے بہت سامنے کھڑے شہریار کو دیکھا جس کے ہونٹوں کی تراش میں بڑی پیاری سی مسکان تھی اور آنکھوں میں محبت ہی محبت۔

معاً" ایک سات رنگی تتلی شہریار کے کاندھے پہ آن بیٹھی شاید محبت کی خوشبو پر چلی آئی تھی۔ رابعہ مسکرا دی۔

☆ ☆

ندا حسنین
ایک دن روٹھے یار کے ساتھ

کمرے میں پھیلی ایرکنڈیشن کی ٹھنڈک اور مدھم مدھم سی روشنی نے ماحول کو خواب ناک بنا ڈالا تھا اور اسی خواب ناک ماحول کے زیر اثر میں نیند کی وادیوں میں کھونے لگی تھی کہ اچانک اس لڑکی کی آواز نے جو میرا فیشل کر رہی تھی واپس فیشل روم میں لا پٹخا۔

"تم نے شکیلہ کو دیکھا کتنا اتراتی پھر رہی ہے۔ ہیر ڈائی کروانے کے بعد تو نہ جانے خود کو کیا سمجھنے لگی ہے۔ ہونہہ!"

"اوہو ہو... اسے تو میں نے ذرا بھی لفٹ نہیں کرائی۔ سخت تپی ہوئی ہے مجھ سے وہ' پتا ہے تھوڑی دیر پہلے مجھے نیچے شہلا ملی تھی کہہ رہی تھی اللہ سارا تم نے ایسا کیا کہہ دیا شکیلہ کو' وہ تو نیچے اسٹاف میں کہتی پھر رہی ہے کہ سارا تو میرے نئے ہیر اسٹائل سے جل کر کوئلہ ہوئی جا رہی ہے۔" ساتھی ورکر جس نے باتوں باتوں میں اپنا نام بھی بتا دیا شہلا کی نقل اتارتے ہوئے بولی۔ میں ان کی باتیں سن کر بے ساختہ مسکرا اٹھی شکر کہ گفتگو میں مگن دونوں ورکرز نے مجھے مسکراتے نہیں دیکھا۔

"یہ رفعت لوگوں نے ہی اسے سر چڑھا رکھا ہے جھوٹی تعریفیں کر کر کے... ورنہ حقیقتاً" تو بالکل سلنکا کی بہن لگ رہی ہے۔" اس انوکھے خطاب کو سن کر میں نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔

"ہاہاہا... کیا آفت خطاب دیا تم نے اسے نادیہ... واقعی اس کے گھنگھریالے سنہرے بال سلنکا کی ہی یاد دلا رہے ہیں۔" میرے حصے کا قہقہہ سارا بی بی نے مار لیا اور داد بھی دے ڈالی۔

"اور رفعت کیوں نہیں چڑھائے گی شکیلہ کو سر... اسی نے تو ڈائی کیا ہے اس کے بالوں کو۔" سارا نے اپنا سلسلہ کلام پھر سے جوڑتے ہوئے کہا اس کی کلائنٹ کی مسلسل چی چی کرتی آوازیں میری سماعتوں سے ٹکرا رہی تھیں غالباً "بلیک ہیڈز" نکالتے ہوئے اسے اپنی کلائنٹ کے چہرے پہ شکیلہ نظر آ رہی تھی۔

"ہائے! تمہیں معلوم ہے کہ رفعت کے ساتھ کیا کیا رابعہ نے؟" نادیہ جو سارا کی بات پہ ہنس رہی تھی اچانک کچھ یاد آ جانے پر جوش سے بولی۔ سارا کے ساتھ ساتھ میرے کان بھی کھڑے ہو گئے۔ بھئی بیٹھے بٹھائے نت نئی کہانیاں سننے کو مل رہی تھیں۔ برا کسے لگے گا پھر...!

"نہیں تو! کیا کیا رابعہ نے...؟" سارا نے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے استفسار کیا۔

"مینجمنٹ میں اس کے خلاف شکایت لکھ کر بھیجی ہے کہ وہ اس کے خلاف سازشیں کر رہی ہے اور اس کی ان حرکتوں کی وجہ سے وہ اطمینان و سکون سے کام نہیں کر پا رہی ہے۔" نادیہ میرے چہرے پہ ماسک لگاتے ہوئے بتا رہی تھی۔ میرا فیشل اب اختتامی مراحل سے گزر رہا تھا۔

"اچھا! تمہیں یہ سب کیسے پتا چلا...؟" سارا کے لبوں سے تجسس بھرا سوال ابھرا۔

"میں نے ہی تو اکسایا تھا اسے کہ رفعت کے خلاف شکایت لکھے' میرے ہی تعاون سے تو یہ معرکہ سر کیا ہے اس نے۔" نادیہ کے لہجے میں فخر بول رہا تھا۔

میں حیران رہ گئی۔ یہ لڑکیاں جو یہاں ایک ہنر سیکھنے آئی تھیں ہنر کے ساتھ نہ جانے اور کیا کیا سیکھ رہی تھیں۔

"واہ میری شیرنی! کیا کمال دکھایا تم نے...!" سارا' نادیہ کی پشت تھپتھپاتے ہوئے بولی اور پھر دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

میرے چہرے پہ ماسک لگ چکا تھا اور میں بے حس و حرکت لیٹی' ماسک کے خشک ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ نادیہ اب سارا کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ اب کوئی بھی کہانی میری سماعتوں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ مجھے بوریت نے آگھیرا۔

مگر جلد ہی میں اس بوریت سے باہر نکل آئی۔ میرا ماسک اتر چکا تھا اور فیشل کمپلیٹ ہو چکا تھا۔ اب مجھے مینی کیور ٹریٹمنٹ لینا تھا اور پھر ہیر کٹنگ...

دراصل کل میرے دیور کی برات تھی' میری نندیں اور جٹھانیاں سر سے پیر تک خود کو سجانے

سنوارنے میں مصروف تھیں تو پھر میں کیوں کسی سے پیچھے رہتی۔؟ اسی لیے آج کافی دنوں بعد میں نے شہر کے ایک بڑے اور مشہور پارلر کا رخ کیا۔ میں ہمیشہ سے یہیں آتی تھی۔ اپنی شادی میں تیار بھی یہیں ہوئی تھی مگر تب اتنا ہوش ہی کہاں تھا کہ ارد گرد ہونے والی باتوں پہ دھیان دیتی۔ اس وقت تو خود اس قدر گھبرائی ہوئی تھی کہ اپنا ہوش نہ تھا۔

☆ ☆ ☆

فیشل سے فارغ ہو کر میں ایک بار پھر ویٹنگ روم میں بیٹھی اپنے اگلے ٹریٹمنٹ کے لیے باری آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ تب ہی اوپری منزل سے سیڑھیاں اترتی ایک لڑکی کاؤنٹر پر بیٹھی لڑکی کے پاس آ کر کہنے لگی۔

"شمو یار مینجمنٹ نے مجھے اس فلور پر بھیجا ہے۔ اب جلدی بتاؤ مجھے کس سیکشن میں جانا ہے۔"

"یار تم ایسا کرو مینی پیڈی سیکشن میں چلی جاؤ۔ وہاں آج ورکر کم پڑ رہی ہیں۔" شمو نے اپنا رجسٹر چیک کرتے ہوئے کہا۔ وہ لڑکی سامنے بنے روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ پر چند ہی لمحوں میں تیزی سے پلٹ کر واپس کاؤنٹر کی جانب بڑھی۔

"کیا ہوا؟ اندر کیا بھوت دیکھ لیا ہے۔" شمو نے اس کے اس طرح گھبرانے پہ چوٹ کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں! سلمیٰ آپا کو دیکھ لیا ہے۔" لڑکی منہ بسور کر بولی۔

"تو...؟" شمو نے بھنویں اچکا کر کہا۔ "سلمیٰ آپا تمہیں کھا جائیں گی کیا۔" کہہ کر دوبارہ رجسٹر چیک کرنے لگی۔

"کھا نہیں جائیں گی نکال باہر کریں گی... کل اوپر جب ہمارے روم میں آئی تھیں تو میں نے بھی انہیں کمرے سے نکلوا دیا تھا نا یار..." اس لڑکی نے ہال میں بیٹھی خواتین کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"ایک تو تم لوگوں کے ان روز روز کی نوک جھونکوں سے میں بہت پریشان ہوں۔" شمو نے بے زاری سے جواب دے کر میرا نام پکارا اور اسی روم میں بھیج دیا' جہاں مجھ سے پہلے اس ورکر کو بھیجا تھا۔ ہال نما کمرے میں داخل ہو کر میں نے چاروں اطراف نظریں دوڑائیں۔ میری نظریں سلمیٰ آپا کی متلاشی تھیں۔ ارے خصوصاً "ٹریٹمنٹ تھوڑی لینا تھا ان سے وہ تو بس ذرا دیکھنے کا اشتیاق ہو رہا تھا جلد ہی مجھے احساس ہو گیا کہ وہاں موجود ورکرز بھی مجھے ہی گھور رہی ہیں۔

"آئیں میم... یہاں بیٹھ جائیں!" ان میں سے ایک نے شائستگی سے مجھے مخاطب کر کے سیٹ کی طرف اشارہ کر کے بیٹھنے کے لیے کہا۔ میں بڑی تمکنت سے چلتی ہوئی سیٹ پہ جا بیٹھی۔

میرے بیٹھتے ہی اس ورکر نے میرے ہاتھوں پہ اپنا کام شروع کر دیا۔ میری نظریں ابھی بھی سلمیٰ آپا کو ڈھونڈ رہی تھیں مگر وہاں موجود نازک نازک سی نو عمر لڑکیاں "آپا" کے خطاب سے انکاری تھیں۔ تب ہی کمرے کے ایک کونے میں بنے چینجنگ روم سے ایک درمیانی عمر کی خاتون برآمد ہوئیں۔

"آئی تو نہیں پھر دوبارہ وہ پھاپھا کٹنی...؟" ان کے سوال نے ان کے سلمیٰ آپا ہونے کی تصدیق کر دی تھی۔ اب وہ اپنی کلائنٹ کا کام شروع کر رہی تھیں۔

"ارے سلمیٰ آپا... اتنی مجال کہاں جو آپ کے راج میں قدم رکھے وہ..." ساتھ بیٹھی لڑکی نے آنکھ مارتے ہوئے کہا اور ہال نما کمرہ قہقہوں سے گونج اٹھا۔ میرا دل مچل اٹھا یہ قصہ جاننے کو کہ اس راج کی ملکہ نے اس راج کی ملکہ کو کیسے نکال باہر کیا تھا۔

"دیکھنا نزہت کیسے سبق سکھاتی ہوں اس کو... لگ پتا جائے گا کہ کس سے پنگا لیا ہے اس نے۔" سلمیٰ آپا زخمی شیرنی کا روپ دھارے ہوئی تھیں۔

"ہم دیکھیں گے... لازم ہے ہم دیکھیں گے... ہم دیکھیں گے!" نزہت نے لہک لہک کر گانا شروع کر دیا جس پر ہال میں ایک اور زوردار قہقہہ گونج اٹھا میرے لب بھی بے ساختہ مسکرا اٹھے۔

"سلمیٰ آپا یہ شبینہ وغیرہ آج کل کہاں ہوتی ہیں...؟" ایک اور ورکر نے آپا سے سوال پوچھا۔

"بھئی بڑا واویلا مچا رکھا تھا۔ شبینہ لوگوں نے کہ سینئرز کو بڑے بڑے کام کرنے کی ڈیوٹی لگا دی جاتی اور ہمیں چھوٹے چھوٹے کام دے دیے جاتے جب ہمارا ہنر آزمایا ہی نہیں جاتا تو ہماری صلاحیتیں باہر کیسے آئیں گی۔۔۔ تو ہم سینئرز نے فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان چھوٹے موٹے کاموں کی ذمہ داری سنبھال لی اور ننھی کاکیوں کو فیشل اور میک اپ ڈیپارٹمنٹ میں بھجوا دیا۔ بھئی ہم تو وہ لوگ کہ جو کام کریں' اس میں چار چاند لگا دیں ان بے چاریوں کو ضرورت تھی بڑی اپنا ہنر دکھانے کی' تو ہم نے ان کے حق میں میدان صاف کر دیا۔" سلمیٰ آپا شاید جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھیں۔

"یہ تو بڑی اعلا ظرفی ہے آپ کی' ورنہ شادیوں کے سیزن میں اپنی اتنی اہم جگہ کون چھوڑتا ہے۔" نزہت نے داد دیتے ہوئے کہا۔

"بس نزہت دیکھ لو تمہاری آپا کا دل کتنا بڑا ہے۔" سلمیٰ آپا نے انکساری سے جواب دیا۔

ان سب کی باتیں جاری تھیں' مگر میرا اپائنٹمنٹ مکمل ہو چکا تھا۔ سو میں وہاں سے نکل کر گراؤنڈ فلور پر آ گئی۔ میری ہیر کٹنگ یہیں ہونا تھی۔

☆ ☆ ☆

شکر ہے اللہ کا' یہاں مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا' جلد ہی مجھے ربیعہ مل گئی۔ میں ہیر کٹنگ ہمیشہ اسی سے کرواتی تھی۔ وہ مجھے ہیر واش کے لیے واشنگ ایریا میں لے گئی۔

اف خدایا! یہاں تو ایک جمگھٹا لگا ہوا تھا عورتوں کا۔۔۔ ہر ورکر اپنی کلائنٹ کو لیے ادھر سے ادھر پھر رہی تھی۔ واش بیسن تعداد میں زیادہ نہ تھے۔ صورت حال بالکل ایک انار سو بیمار والی تھی۔ ربیعہ مجھے لیے تیزی سے ایک واش بیسن کی جانب بڑھی۔

"شکیلہ اپنے بعد واش بیسن مجھے دینا۔" ربیعہ نے شکیلہ کے قریب ہو کر آہستہ سے کہا تو وہ سر ہلا گئی۔ میں شکیلہ کا نام سن کر چونک گئی۔ وہ اچھی خاصی پیاری سی لڑکی تھی جس کے سنہری بال اس پر بے حد جچ رہے تھے۔ میری نگاہوں میں ملنگا کا سراپا گھوم گیا۔ میں سر جھٹک کر دل ہی دل میں بڑبڑائی۔

"توبہ ہے! یہاں کی لڑکیاں تو حد سے زیادہ مبالغہ آرائی سے کام لیتی ہیں۔" شکیلہ جلد ہی اپنی کلائنٹ کو لے کر وہاں سے ہٹ گئی اب وہاں میرا سر دھل رہا تھا۔ واش کے بعد مجھے دوبارہ کٹنگ روم میں لے جایا گیا۔ شکیلہ میری سیٹ کے برابر والی سیٹ پر کٹنگ میں مصروف تھی۔

"تمہیں پتا ہے شکیلہ' سلمیٰ آپا کو انتظامیہ نے برائیڈل اور پارٹی میک اپ سے ہٹا دیا ہے۔" ربیعہ نے میرے بالوں میں ہیر ڈرائیر مارتے ہوئے کہا۔ اس کی بات نے مجھے بھی چونکا دیا۔

"ہائے ایسا کیوں؟ وہ تو بہت اچھا میک اپ کرتی ہیں۔" شکیلہ نے تعجب سے پوچھا۔

"بتانا نہیں کسی کو۔" ربیعہ نے رازدارانہ انداز میں کہا۔ "دراصل ان کا دردانہ میڈم سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا ہے' سو میڈم کے کہنے پہ انہیں ہٹا دیا گیا ہے۔"

"اوہ! یہ بات ہے۔۔۔! پر تمہیں کیسے پتا چلا یہ سب۔" شکیلہ نے حیرت سے سوال کیا۔

"بس یار۔۔۔ ہیں کچھ اپنے بھی ذرائع۔۔۔ سمجھا کرو جانی۔" ربیعہ نے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔۔۔ سمجھ گئی بھئی سمجھ گئی۔۔۔!" شکیلہ کے لہجے میں معنی خیزی بول رہی تھی۔

مجھے حیرانی نے آگھیرا۔۔۔ ادھر سلمیٰ آپا اپنی دریا دلی کا قصہ سنا رہی تھیں جبکہ اصل کہانی کچھ اور تھی یہاں ہر کوئی "ہیں کواکب کچھ' نظر آتے ہیں کچھ" کے مصداق پر عمل پیرا تھا۔

"پتا ہے کل رات میں نے اپنے شوہر کو رفعت اور رابعہ والا قصہ سنایا کہ کیسے رابعہ' رفعت کو بدنام کرتی پھر رہی ہے۔ وہ تو کہنے لگے کہ بچ کے رہا کرو ایسی عورتوں سے' آج کل زمانہ بڑا خراب ہے۔ کہیں کوئی تمہیں ہی نہ پھنسا دے' تم تو ویسے ہی اتنی معصوم

ہو۔" ربیعہ بڑے مزے سے بتارہی تھی۔
"ہاں بھئی صحیح کہتے ہیں تمہارے شوہر۔" شکیلہ نے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔
میں لفظ "معصوم" پر مسکرا کر رہ گئی۔ میری کٹنگ کافی حد تک مکمل ہوچکی تھی۔ ربیعہ اب میرے بالوں کو بلو ڈرائیر سے سیٹ کرنے میں لگی ہوئی تھی، مغرب کا وقت ہوچکا تھا شہزاد مجھے لینے آنے ہی والے ہوں گے انہوں نے آفس سے واپسی پہ یہاں سے مجھے پک کرلینا تھا۔ میں نے ربیعہ سے پوچھا کہ اور کتنا ٹائم لگے گا تو اس نے دس منٹ کا اشارہ کیا۔ وہ میرے بالوں کو بڑی مہارت سے بلو ڈرائی کرنے میں مصروف تھی۔ اسی اثنا میں میرا موبائل بج اٹھا حسب توقع شہزاد کا فون تھا۔
"جی بس..... دس منٹ رک جائیں۔" انہیں بتا کر میں اپنے ہیر اسٹائل کے مکمل ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ شہزاد باہر میرا انتظار کررہے تھے۔
دس منٹ میں میری ہیر اسٹائلنگ مکمل ہوچکی تھی۔ بلو ڈرائی کے بعد میرے بال اس قدر حسین لگ رہے تھے کہ میں دن بھر کی کوفت بھلا کر خود کو بے حد فریش محسوس کرنے لگی۔
میں پارلر سے باہر نکلی تو سامنے ہی شہزاد گاڑی میں بیٹھے میرا انتظار کررہے تھے۔ میں فرنٹ ڈور کھول کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔
"کیسا لگ رہا ہے میرا ہیر کٹ شہزاد۔" میں نے مسکرا کر بڑے اشتیاق سے پوچھا۔
"بہت، بہت، بہت ہی خوب صورت۔" پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے انہوں نے جواب دیا۔
"کیسا گزرا آج کا سارا دن آپ کا پارلر میں....." شہزاد نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا ہمیں امی کے گھر جانا تھا صبح بچوں کو ہم نے وہیں چھوڑا تھا کہ واپسی پہ گھر لیتے جائیں گے۔
"آپ کو پتا ہے شہزاد! وہاں ساری ورکرز ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔" ان کے پوچھنے کی دیر تھی اور میں احوال سنانا شروع ہوگئی۔ بھئی اتنی باتیں جمع تھیں

نہیں بتاتی تو پیٹ میں درد ہو جاتا تھا۔

"خوب صورتی میں۔۔۔!" شہزاد کے شرارت سے دیے گئے جواب نے مجھے بری طرح تپا دیا۔

"جی نہیں! ہوشیاری' تیز طراری اور چالاکیوں میں!" میں نے پہلے انہیں گھورا' پھر منہ بنا کر کہا۔

"ہاہاہا۔۔۔!" میرے چڑنے پہ انہوں نے ایک جاندار قہقہہ لگایا' پھر مجھے ناراض دیکھ کر فوراً' بولے۔

"اب کیا چھیڑ بھی نہیں سکتا آپ کو جان۔۔۔ اچھا بتائیں کیا' کیا ان ورکرز نے۔"

اور میں ناراضی بھلائے الف سے یے تک ساری کہانی سنانے لگی۔

"شہزاد وہ ساری لڑکیاں ایک دوسرے کی جڑیں کاٹنے میں مصروف رہتی ہیں' ہمہ وقت 'ایک دوسرے کی برائیاں کرتے رہنا' ایک دوسرے کے خلاف اکسانا بس یہی کام ہے ان لوگوں کا اتنی منافقت ان لوگوں میں کہ اپنے فائدے کی خاطر وہ دوسروں کا انتہائی نقصان بھی کر سکتی ہیں اور مزے کی بات یہ کہ ان کے شوہر پھر بھی انہیں معصوم سمجھتے ہیں۔" سارا احوال سنا کر آخر میں' میں اپنا تجزیہ بیان کرتے ہوئے بولی۔

"دراصل بات یہ ہے بیگم صاحبہ منافقت' جڑیں کاٹنا' سازشیں کرنا یہ سب برائیاں ہر اس جگہ عام ہیں جہاں بہت سے افراد اپنے اپنے ذاتی مفادات حاصل کرنے کے جتن میں لگے ہوں۔ اپنے سروائیول اور اپنی ملازمت محفوظ رکھنے کے لیے انہیں مقابلہ کرنا پڑتا ہے آگے بڑھ کر اپنی جگہ بنانے کے لیے انہیں کسی نہ کسی کو تو پیچھے کرنا پڑتا ہے۔" شہزاد نے اپنی بات روک کر مجھے ایک نظر دیکھا اور پھر کہا۔

"آپ نے بس ایک دن ان کی سرسری سی باتیں سن کر نتیجہ اخذ کر ڈالا' ان کے بارے میں رائے دے ڈالی وہاں کے حالات و معاملات ایسے ہوں گے انہیں ایسے رویے رکھنے پڑتے ہوں گے اور جہاں برتن ہوں تو کھنکتے بھی ہیں۔ اس طرح کے معاملات تو اکثر گھرانوں میں بھی پائے جاتے ہیں اس کا مطلب یہ تھوڑی کہ وہ خراب لڑکیاں ہیں یہاں تو خواتین ہی سے مقابلہ تھا جہاں انہیں مردوں کے ساتھ کام کرنا پڑتا ہے وہاں تو حالات ان کے لیے حد سے زیادہ مشکل ہوتے ہیں اور ان سب کے بعد انہیں اپنی گھریلو ذمہ داریاں بھی نبھانی ہوتی ہیں۔"

"شکر کریں اللہ کا کہ اپنے گھر کی راجدھانی کی ملکہ ہیں آپ اور آپ کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ ہمارے پیارے گھر کو اپنے پیار سے بنائے رکھیں۔" شہزاد نے اپنی کے گھر کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے میری ناک کھینچتے ہوئے کہا۔ ان کی اس حرکت پہ میں تائیدی انداز میں سرہلا کر مسکرا دی میری مسکراہٹ میں اپنے ہمسفر کے لیے پیار' احترام' اعتماد اور فخر چھپا ہوا تھا۔

میں نے آج جو کچھ بھی پارلر میں دیکھا وہ تصویر کا ایک رخ تھا۔ تصویر کا دوسرا رخ مجھے شہزاد نے دکھایا۔ بلاشبہ عورت کو اللہ نے چار دیواری میں اس لیے محفوظ رکھا کہ وہ زمانے کے سرد و گرم سے محفوظ رہے کسی کی بری نیت' بری نظر' برا اخلاق اس کی وجود و شخصیت کو گہنا نہ دے' مگر وہ خواتین جو کسی نہ کسی مجبوری کے تحت اپنی فیملی کو سپورٹ کرنے کے لیے گھر سے باہر قدم نکالتی ہیں مشکل حالات کا مقابلہ کرتی ہیں سازشوں اور چالوں کے درمیان بھی اپنا سیدھا راستہ بناتی ہیں انہیں اللہ تعالیٰ اپنے حصار میں رکھتا ہے اور ان کی حفاظت بھی فرماتا ہے۔

بیوٹی پارلر میں گزارا ہوا ایک دن میرے لیے سوچ کا ایک نیا در کھول گیا۔۔۔!

ناولٹ
فاخرہ گل
خار سا اُس نے چبھو ڈالا

ہم کو تو بڑھاپے نے کہیں کا بھی نہ چھوڑا
محرومی جذبات کو بیٹھے ہیں چھپائے
خوش ہوتے ہیں ہم لوگ اگر کوئی حسینہ
اس عمر میں ہم پر کوئی تہمت ہی لگائے

خالہ کے ساتھ ابا کی پہلی ملاقات جس انداز میں شروع اور جس موڑ پر ختم ہوئی تھی وہ ابا کو اب تک سکون سے بیٹھنے نہیں دے رہی تھی۔ وہ منظر جب وہ خالہ کا ہاتھ تھامے ان کی آنکھوں میں اپنے کپڑوں کی سفیدی تک دیکھ پا رہے تھے ذہن کے پردے پر کچھ ایسا نقش ہوا کہ لگتا پردہ ذہن کا نہیں بلکہ سینما اسکرین کا ہے جہاں ریل عین اس وقت کسی تکنیکی خرابی کا شکار ہو کر رک گئی ہو جب ہیرو اپنی ہیروئن کو محبت کے اظہار کے لیے عملی اقدامات میں یوں مصروف تھا کہ فیملی ہال میں موجود خواتین اپنا سر پرس میں ڈال کر نیم تاریکی میں بھی خود کو حاضر سے غائب کے صیغے میں بدل ڈالنے کی حسرت کرنے لگیں۔

لاکھ چاہنے کے باوجود اب ابا کے ہاتھ وہ وقت واپس نہیں آ رہا تھا جب انہوں نے خالہ سے اظہار محبت کیا' ان کے خیال میں اس معاملے کو پوشیدہ رومانس کے طور پر برتنا چاہیے تھا' جس میں چھپ چھپ کر آہیں بھرنا' ایک دوسرے کے خیالوں میں آنا' اچانک آمنا سامنا ہو جانے پر دل کی دھڑکن کا رکشے میں بیٹھے مسافر کی طرح ہچکولے کھانا' منظم حکمت عملی کر کے یوں پرپوز کرنا کہ انکار کی گنجائش نہ رہے۔ لیکن آخر دل تو بچہ ہے جی' کیا کرتے لمحہ بھر میں چھوہاروں سے ابلی تک کا جو خیالی سفر شروع کرنا چاہا تو پہلے قدم پر ہی لڑکھڑا کر ایسے گرے کہ انہیں لگا گویا خود اپنی ہی نظروں میں آ گرے ہوں اور ان سے بڑھ کر بھلا کون جانتا تھا کہ اپنی کیا تمام دنیا کی نظروں میں گر جانے کے بعد بھی کس طرح فخر اور مان کے ساتھ سر اٹھا کر چلا جاتا ہے اور وہ یہ بات بھلا کسی سے چھپاتے بھی تو کیوں کہ یہ ہنر انہوں نے کسی غیر سے نہیں بلکہ اپنے ہی ملک کی چند اداکاراؤں سے سیکھا تھا۔

سو انہی کا طرز عمل اپناتے ہوئے ابا نے بھی باہر جانے کا سوچا' ہاں فرق تھا تو اتنا کہ وہ "کامیاب" اداکارائیں ملک سے باہر جاتی ہیں جبکہ ابا نے اپنے کمرے سے باہر جانے کا ارادہ کیا تھا اور ان کی منزل بیرون ملک کسی فائیو اسٹار ہوٹل کا کمرہ بھی نہیں تھا بلکہ وہ تو چندا کے کمرے تک پہنچے ہی تھے کہ بیڈ پر کشنز اور تکیوں کے جھرمٹ میں لیٹی چندا کو دیکھ کر انہیں اپنے نظام تنفس کا ٹریفک جام ہوتا محسوس ہوا' خود چندا بھی ان کے چہرے پر لکھی دردناکی پر بوکھلا کر اٹھ بیٹھی تھی کہ آج ابا یوں دروازے پر دستک دیے بغیر ایک دم گداگروں کی طرح اندر کیسے آ گئے تھے اور دل کا یہ احساس آخر حرفوں کی شکل میں زبان تک آ ہی گیا۔

"ابا' آپ کو دیکھ کر مجھے ہو گیا ہے یقین کہ برا وقت کبھی پوچھ کر نہیں آتا۔"

"یعنی تو چاہتی ہے کہ میں کمرے سے نکل نکل جاؤں؟"

"کہاں میری ایسی قسمت کہ جو چاہوں ہو جائے وہی۔"

"ویسے اگر ایک سرہانے سے کام چل سکتا ہے تو کیا ضرورت ہے اتنے سرہانوں کا جلسہ کروانے کی۔" ابا نے بڑی ناگواری سے صرف ایک تکیہ بیڈ پر چھوڑتے ہوئے باقی سب اٹھا کر کپ بورڈ میں رکھے انداز ایسا ہی تھا کہ گویا قومی سرمائے کا نقصان ہو گیا ہو۔

"ویسے ابا... میں سوچتی ہوں کبھی کبھار کہ..." بچ جانے والے اکلوتے تکیے کو گود میں لے کر آلتی پالتی مارتے ہوئے چندا نے بند کپ بورڈ کو دیکھا۔

"خوش کر دتا ای پتری... شاباشے کدی کدار ہی سوچا کر' روز نہ سوچتے سے تو بڑا ہی خرچہ ہو جاتا ہے نا۔" ابا نے ڈریسنگ ٹیبل کی کرسی گھسیٹی اور اس پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"سوچنے سے خرچہ؟"

"لے تے اور کیا۔ سوچنے سے دماغ (دماغ) خرچ ہوتا ہے کہ نئیں؟" چندا نے تائید میں سر ہلا دیا۔

"دماغ خرچ ہوتے پکھ لگتی ہے؟" ایک بار پھر چندا کی طرف سے بات کرنے کے بجائے سابقہ عمل دہرایا گیا۔

"تے فیر پکھ لگے تے کھانے پینے میں بھی خرچہ ہی ہوتا ہے نا۔" ابا کی اس منطق پر چندا کی آنکھیں پھیل کر رمضان میں قیمتوں کی طرح دگنی نظر آنے لگیں۔

"تو کیا آپ اس لیے کرتے ہیں سوچنے سے پرہیز؟"

"کرنا تو تھا پر اب کش سوچنا ہی پڑے گا۔!" ابا کی گردن پینڈولم بن کر ہلی۔ "کھانے پینے کے بارے میں؟"

"او نئیں پتری' ان شتومیڑوں کے بارے میں' جو نیچے رہتے ہیں۔" ابا نے وضاحت کی۔ "دیکھا نئیں تھا' کیسے رولا ڈال رہے تھے؟"

"ہاں ابا' کہتے تو ہیں آپ ٹھیک ہی۔۔۔" ابا اور چندا کے درمیان بہت کم باتوں پر حقیقتاً "اتفاق ہوتا تھا۔ ورنہ عموماً" چندا بس اوپری دل سے تائید میں گردن ہلا کر بری الذمہ ہو جایا کرتی۔

"مجھے لگتا ہے ہمارا ان کے ساتھ ٹیم پاس نئیں ہو سکتا۔" خالہ کے ساتھ معاملہ بگڑنے کا غم ابا نے دل پر لے لیا تھا۔ اور اسی انداز نے چندا کو بھی کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔

"پھر ہم کریں گے کیا ان کے ساتھ؟"

"وہی کریں گے جو آج تک حکومتیں ہمارے ساتھ کرتی آئی ہیں۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں ان کا جینا دو بھر کر دوں گا' زندگی تنگ کر دوں گا ان پر۔۔۔ تو بس دیکھی جا۔"

"لیکن ابا اتنی جلد بازی نہیں ہے ٹھیک۔۔۔ کم از کم انہیں دے لینے دیں آپ کے طعنے کا جواب۔"

"ہوں۔۔۔" چندا کی بات ان کے دل کو فلم میں عین لڑائی کے سین کے دوران آئٹم نمبر بن کر بے حد مزا دے گئی تھی۔ سو اسی ترنگ میں اٹھے اور کمرے سے باہر نکلتے نکلتے ایک دفعہ پھر مڑے۔

"چل لیٹ جا میں بتی بجھا کے ہی جاؤں۔"

"نہیں ابا۔۔۔ مجھے لگتا ہے بہت ڈر اندھیرے سے۔" ابا نے اس کی بات کو گھسا پٹا لطیفہ سمجھ کر نظر انداز کیا اور جیب سے ننھی سی ٹارچ نکال کر اس کی بسائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے آن کر دی۔

"یہ لے اب ڈر نئیں لگے گا۔" چندا کو صدائے احتجاج بلند کرنے کا موقعہ دیے بغیر انہوں نے لائٹ بند کی اور باہر نکلتے ہوئے دروازہ بند کرنے کے دوران بولے۔

"سو جاں کر۔۔۔ پر سوتے ہوئے بجھا دیں خواہ مخواہ سیل ضائع ہوں گے۔" ☼ ☼

طرز لباس تازہ ہے اک شکل احتجاج
فیشن کے اہتمام سے کیا کچھ عیاں نہیں
لڑکیوں کو شکوہ ہے کیوں لڑکیاں ہیں ہم
لڑکوں کو یہ گلہ ہے وہ کیوں لڑکیاں نہیں

چینا' ضمیر بھائی اور خالہ ناشتے کی میز پر بیٹھے علی کا انتظار کر رہے تھے کہ باقی معاملات تو جیسے بھی ہوں لیکن صبح' دوپہر اور رات کا کھانا ہمارے قومی اصولوں کے مطابق مل کر کھایا جاتا تھا اور کھانے کے بعد اگر کوئی مسئلہ درپیش ہو تو ہضم کروانے میں بھی ساتھ دیا جاتا۔

سب اپنی کرسیوں پر بیٹھے بیٹھے اس وقت ایک دم مڑے جب علی کے داخلے کے ساتھ ہی تیز خوشبو ان کی ناک سے ٹکرائی۔ اسٹریٹنر کی مدد سے کسی بھلی مانس بہو کی طرح بالکل سیدھے بال جو نارمل حالت میں مناسب معلوم ہوتے اب کندھوں کو چھوتے لگے تو عقب سے لڑکی کا شائبہ پڑتا محسوس ہوا۔ عام دنوں کے برعکس عجیب ڈھیلی سی پینٹ۔۔۔ اس پر دن رات کی ورزش کی مدد سے جسامت ہلنرڈ کے میز سے مشابہ ہونے لگی۔ ایسا لگتا تھا جیسے آج وہ اپنے لڑکا ہونے اور لڑکی نہ ہونے پر یوم سوگ منانے کے ارادے سے نکلا ہے۔

"علی۔۔۔ خیر تو ہے نا' طبیعت تو ٹھیک ہے؟" سب سے پہلے خالہ نے خاموشی توڑی تو علی کو احساس ہوا کہ

وہ سب تو اسے یوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے ہیں جیسے لوگ ایک ماڈل و ایکٹریس کا نائٹ شو دیکھتے ہیں۔

"چینا کو ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے تم چینا کے بھائی کے بجائے بہن بننا چاہ رہے ہو۔" چینا نے اس کے صاف ستھرے چمکدار چہرے کو دیکھ کر خدشے کا اظہار کیا۔ کہ ایک تو ویسے ہی اس کی رنگت صاف تھی اس پر یقیناً" آج اس کا چہرہ فیشل سے بھی دوچار محسوس ہو رہا تھا۔ ضمیر بھائی بھی اپنی رائے دینے کے لیے ہونٹوں کو وارم اپ کر ہی رہے تھے کہ علی خود بول اٹھا۔

"آپی کیا ہو جاتا ہے آپ سب کو ایک دم' میرے کالج میں آج فیشن شو ہے۔ بس اس لیے۔"

"تو کیا اس لیے تت تت تم لڑکی بنے ہو؟" آخر کار ضمیر بھائی کی زبان چل ہی گئی تھی۔ "مگر تمہارا یہ حال ہے تو صنف لاغر کا کیا حال ہو گا؟" خالہ کے انداز میں تعزیت ہی تعزیت تھی۔

"صنف لاغر نہیں خالہ صنف نازک۔" چینا نے سمجھانا چاہا۔

"ارے جب یرقان زدہ حسن' نچڑے ہوئے قحط یافتہ جسم' پچکے ہوئے چہرے' سوکھی سوکھی بانہیں ہی خوبصورتی کی علامت کہلائیں گی تو کیا اسے صنف لاغر کہنا ٹھیک نہیں ہے؟"

"ہاں بات تو سچ ہے۔" کاش چینا آپ کو بھولے سے ہی ذہین کہہ سکتی۔" خالہ نے خوشی سے پھولے نہ سماتے ہوئے فرداً" فرداً" تینوں کو دیکھا۔

"لیکن چینا بھی کیا کرے' زبان سے جھوٹ نکلتا ہی نہیں۔" سر جھکا کر ناشتا شروع کرتے ہوئے چینا نے سچ اگلا۔ اور بدقسمتی ہی تو ہے کہ اب جھوٹ بولتے ہوئے فخر سے سر اٹھا لیا اور سچ بولتے ہوئے شرم اور خوف سے سر جھکا لیا جاتا ہے۔ یقین نہ آنے کی صورت میں بالترتیب سیاستدانوں کو الیکشن کے جلسوں میں اور آئی سی یو میں ڈاکٹرز کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ناشتے کا پلیٹ سے معدے تک کا سفر مکمل ہوا تو علی اپنی کرسی پیچھے کھسکا کا اٹھ کھڑا ہوا۔ "اچھا آپی۔۔۔ میں اب چلتا ہوں۔

"فکر نہ کریں' آج ایک مسئلہ ختم کرنے کے لیے سرپرائز لاؤں گا۔" علی نے اوپر والے پورشن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مسکرا کر کہا جو خالہ کے دماغ میں غریب کی فائل بن کے پھنس گیا۔

"سرپرائز رکھ کر کوؤں کو کھلانے ہیں کیا؟"

"کوؤں کو کھلانا نہیں خالہ' کسی کا منہ بند کروانا ہے۔" چینا نے لوٹ پوٹ ہوتی خوشی کو سنبھالتے ہوئے خالہ کو اشارے کے ساتھ سمجھایا اور اتفاقاً" وہ سمجھ بھی گئیں۔

"ہاں ان کا منہ تو واقعی بہت کھل گیا ہے۔" لفظ "چھوٹا" ایک مرتبہ پھر خالہ کو اپنے اردگرد خٹک رقص کرتا محسوس ہوا۔

"لگتا ہے سوتے ہوئے بھمب بھمب بھی کھلا ہی رہتا ہے۔"

ضمیر بھائی کی بات پر ہنسی سب کے چہرے پر دوڑتی نظر آئی۔

☼ ☼ ☼

ابا چونکہ شروع ہی سے گاؤں میں پیدا ہوئے پلے بڑھے اس لیے شہری آبادی کی نسبت ان کی صحت اور صحبت بگڑنے کے امکانات اتنے ہی کم تھے جتنے اب غیر ملکی ڈراموں کے واپس جانے کے' لہٰذا جب تک گاؤں میں تھے کنجوسی کی عادت پر ہلکا سا پردہ ضرور پڑا رہا مگر جب سے شہر شفٹ ہوئے تھے وہ ہلکا سا پردہ بھی یوں گرا گویا شام ہوتے ہی تاروں کی طرح ابا کی بھی سب عادتیں عیاں ہو گئیں اور قیاس غالب تھا کہ یہ عادتیں انہیں مہنگی ہی نہ پڑیں۔ اب یہ الگ بات ہے کہ اگر انہیں کہا جاتا کہ آپ کو کنجوسی کی یہ عادت مہنگی پڑ سکتی ہے تو وہ یہ شاید یہ عادت ہی چھوڑ دیتے کہ مہنگی انہیں کوئی بھی چیز گوارا نہیں' خواہ وہ عادت ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ عادت کا نام اگر وہ فطرت رکھ لیں تو یہ بات بھی خارج از امکان نہیں کیونکہ کنجوسی اور ابا در اصل ایک ہی کالے سکے کے دو رخ ہیں۔

اسی عادت کے طفیل ابا صبح دن چڑھتے ہی لاؤنج کی دیوار میں نصب آگ بجھانے کے آلے کو بڑے ہی افسوس سے دیکھ کر جانے کیا سوچ رہے تھے جب چندا

جمائی لیتے ہوئے گیلا چہرہ پونچھتے ہوئے اپنے کمرے سے نکلی اور انہیں یوں دیوار کے سامنے سوچوں میں غرق دیکھ کر چونک گئی کیونکہ اس کا ذاتی خیال تھا کہ اس طرح کے سنجیدہ و پیچیدہ تاثرات تو حاضرین کے چہرے پر کسی مصور کی پینٹنگز کی نمائش کے وقت ہوتے ہیں جب وہ ہر ایک پینٹنگ کے سامنے چپ چاپ کھڑے دل ہی دل میں یقیناً "یہ تصویر بھی سمجھ نہیں آئی۔" کہتے ہوئے پہلے خود کو اور پھر اس نا سمجھ مصور کو کوستے ہیں۔

"کیا ہوا ہے ابا؟ دیکھ رہے ہیں کیوں ایسے؟" آخر رہا نہ گیا تو چندا نے پوچھ ہی لیا۔ جس پر ابا نے ایسا لاجواب ہو کا بھرا کہ چندا کو پاکستانی فلموں میں کرداروں کی عین مرنے کے وقت کی گئی وصیت اور پھر وہ آخری ہو کا بھرتی لمبی سانس یاد آگئی کہ جس کے بعد جب تک ان کی گردن ایک زوردار جھٹکے سے دائیں یا بائیں نہ ڈھلتی انہیں مردوں میں شمار نہ کیا جاتا۔ اب یہ بحث بالکل الگ ہے کہ کبھی کبھار ان مردوں کو اسکرین پر ہی بڑے آرام سے پلکیں بھی جھپکتا پایا جاتا۔ سو بالکل اسی انداز میں ابا نے بھی پلکیں جھپکاتے ہوئے چندا کی طرف گردن موڑی۔

"کس سوچ آگئی تھی دماغ میں۔"

"وہی تو میں بھی پوچھ رہی ہوں کہ آگئی تھی کونسی سوچ دماغ میں؟"

"محاشتے نے یہ آگ بجھانے کا ڈبا لٹکا کر بڑا خرچہ ہی کیا ہے نا؟" ابا نے جواب دیتے ہوئے چندا ہی سے سوال کر ڈالا۔

"لیکن میں سمجھی نہیں۔"

"مطلب میرا یہ ہے کہ پتری کہ آگ نے ابھی تک لگی نہیں کہیں بھی۔ ایویں ای بکار لگا ہوا ہے دیوار پہ۔" لفظ لفظ میں اس قدر سنجیدہ افسردگی تھی کہ لگتا اب نہیں تو تب آبدیدہ ہو کر ہچکی لینے لگیں گے۔

"دواروں پر بھی خواہ مخواہ سیٹیاں لگوانے کے پیسے لیے ہم سے اور آج تک کسی چور نے دیوار پھلانگ کر یا چھت کے ذریعے کود کر ان سیٹیوں کی آواز تک سنے

نہیں دی۔" بات ختم کر کے انہوں نے اس دفعہ اختتامی ہو کا بھرا لیکن اس با آواز بلند ہو کے (آہ) کے ساتھ ہی چندا نے ناگواری سے اپنی ناک بند کرتے ہوئے کچن کا رخ کیا۔

"خدا کا واسطہ ہے ابا۔۔۔ کبھی صرف پانی سے ہی برش کر لیا کریں۔"

"او پتری' وہ جو میری دانت صاف کرنے کی برشی تھی نا اس کے بال جھڑ گئے ہیں۔" اس کی تقلید میں ابا بھی کچن تک جا پہنچے۔

"جو تھوڑے سے ہیں کر لیں ان سے ہی' پھر نئی آجائے گی۔"

"کہہ تو رہا ہوں اس کے بال جھڑ گئے ہیں' اب تیری کیا مرضی ہے خالی ڈنڈی مار کے اپنے کیلشیم کی گولیوں جیسے سفید دانت توڑ دوں؟" ابا نے ناراض ہوتے ہوئے ڈائننگ ٹیبل کی کرسی گھسیٹی اور اس کی حرکات و سکنات پر نظر رکھنے کے لیے وہیں بیٹھ گئے مگر اس کے باوجود وہ بڑبڑاہٹ میں مصروف اس کے ہونٹوں کی زبان نہیں سمجھ پائے تھے۔ لیکن جیسے ہی چندا نے فریج سے دو انڈے نکالے' ابا یوں تیزی سے اپنی کرسی سے اٹھ کر چندا تک پہنچے جیسے کرسی میں کرنٹ دوڑا ہو۔

"پتری' ان دو انڈوں کا کیا کرنا ہے۔"

"ایک بوائل اور دوسرا کروں گی فرائی۔" چندا نے بڑے سکون سے جواب دیا مگر ابا کو سکون تب آیا جب انہوں نے چندا کے ہاتھ سے ایک انڈا لے کر واپس فریج میں رکھا۔

"اب اس ایک انڈے کے ساتھ جو تیری مرضی ہے کر۔"

"ہائے۔۔۔" اس وقت چندا کا بڑی شدت سے جی چاہا تھا کہ باقی بچ جانے والا انڈا اپنی دائیں کنپٹی پر مار کر ابا ہی کے قدموں میں پھڑپھڑا کر اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دے۔

"ایسا کر پتری۔۔۔ میری مان تو اس انڈے کو آدا فرائی کر لے اور آدے کو بوائل۔"

"آخر کرتے ہیں کیوں اتنی کنجوسی؟" شکوہ چندا کے ہونٹوں سے نکلا۔

"نہ کروں تو چل تو خود بتا دے کہ دو سال بعد کیا کریں گے؟"

"لیکن دو سال بعد ہو گا کیا؟"

"وہی جو ابھی نہیں ہو رہا۔"

"ابھی کیا نہیں ہو رہا؟"

"جو دو سال بعد ہو گا۔"

"ابا پلیز بتائیں نا۔۔۔ کیوں سرکاری گواہوں کی طرح چھپا رہے ہیں اصلی بات۔"

"او پتری دو سال بعد جب ہر بندہ کہے گا دو ہزار سو۔۔۔ لا' تو تجا کہاں سے لاؤں گا۔"

ابا نے دلیل ہی ایسی دی تھی کہ اس دفعہ چندا بھی متفق ہو کر تائید میں سر ہلانے لگی۔

☼ ☼ ☼

گھریلو کام کاج سے فارغ ہو کر چندا ہاتھ میں اخبار لیے بیٹھی ہی تھی کہ ابا بھی اس کے پاس آکر بیٹھے۔ کچھ دیر تو خاموشی سے رخ بدلتے رہے مگر رہا نہ گیا تو بول ہی اٹھے۔

"پتری' سارا اخبار آج ہی پڑھ لے گی تے پورا ہفتہ کیا کرے گی؟"

"پریشان نہ ہوں ابا' پڑھ لوں گی دوبارہ اسے ہی۔"

"اس لیے تے مجھے ٹی وی سے زیادہ اخبار اچھا لگتا ہے۔" چندا کے جواب نے انہیں مطمئن کر کے ان کا موڈ خوشگوار کر دیا تھا۔

"پڑھا جا سکتا ہے بار بار' اس لیے؟"

"او نئیں نئیں۔۔۔" ابا نے تہبند سنبھالتے ہوئے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائی۔

"بندہ اخبار میں روٹیاں لپیٹ سکتا ہے' اس لیے۔" کھی کھی کر کے اپنی بات پر وہ خود ہی ہنسے تو چندا سر جھٹک ایک بار پھر اخبار کی طرف متوجہ ہوئی لیکن چند ہی لمحوں بعد پھر بولی۔

"سوچتی ہوں' کاش ہمارے ملک میں ہوتی روپوں

کی بارش۔" لہجے میں افسوس اور دکھ تھا' لیکن ابا نے جوش میں آکر اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کاٹ دی اور وہ بس منہ ہی تکتی رہ گئی۔

"بارش ہوتی تے میں نے فیر اپنی چھت ہی تڑوا دینی تھی سب کمروں کی۔"

"اوہو ابا' آپ کے پاس اتنے پیسے ہیں' پھر بھی کرتے ہیں کیوں ایسی باتیں؟"

"اس لیے کہ بیٹی جوان ہوتے ویسی باتیں تو نئیں ناں کرسکتے کھل کے۔" ذہن میں خالہ کی شرماہٹیں گھبراہٹیں جون کی گرمی کی طرح پورے عروج پر تھیں۔ جب ہی ابا کے چہرے پر جو سرخی دوڑی اس نے تازے تربوز کو مات دے ڈالی۔

"یعنی آپ اب بھی...؟"

"او چل' بوتیاں گلاں نہ کر میرے ساتھ' جا جا کے ٹماٹر پیا زدیکھ۔" ابا نے سیاسی یوٹرن لیا۔

"ویسے سال میں جتنے ٹماٹر پیدا ہوتے ہیں' این جی اوز بنتی ہیں اس سے کہیں زیادہ۔" اس کا دھیان اب تک ہاتھ میں موجود اخبار پر تھا۔

"او پر کرتی کیا ہیں' ٹماٹروں کی طرح گل سڑ رہی ہیں' کم شم تو کوئی کرتی نئیں۔" اتنی عقلمندی کی بات ابا ملک میں ایک دن عید ہونے کی طرح شاذ ہی کیا کرتے تھے سو چندا حیران ہوئے بغیر نہ رہ پائی۔

"واہ ابا... آپ بھی کر لیتے ہیں کبھی اچھی بات۔"

"تو کیا اب کروں گا تیرے ساتھ گندی بات...؟ نئی جھلیے۔" اپنی تعریف پر ابا کا موڈ بیٹھے بٹھائے خوشگوار ہو گیا تھا۔

"میں اک جاہل انسان... کیا اچھی بات کروں گا؟"

"لیکن کبھی کبھار کر لیتا ہے ایک جاہل انسان بھی اچھی بات۔"

"ہاں یہ تے تو نے بڑی اچھی بات کر دی ہے کدی کدار۔"

"اچھی بات تو تب ہو اگر چل جائے اس لڑکی کا ایڈریس... دیکھیں ذرا۔" چندا نے اخبار ان کے سامنے پھیلاتے ہوئے انگلی سے نشان دہی کی۔

"نہ فکر کر پتری' ڈھونڈ لوں گا... میں تے خود کڑیوں کو ڈھونڈتا رہتا ہوں۔" ابا کے منہ سے پھسل جانے والے جملے پر چندا چونکی۔

"او مدد شدد کے لیے... ہور کیا میں نے ان سے مارننگ شو کروانے ہیں؟"

"ویسے ابا' لڑکیاں کوئی موبائل کے سگنل نہیں ہیں جو آپ رہتے ہیں ڈھونڈتے۔" ابا کی کھسیاہٹ چندا کو کچھ کچھ اشارہ دے رہی تھی۔

"شاوا شے' تجھے کڑیوں اور موبائل کے سگنلوں میں کوئی فرق نئیں لگتا۔" صنف نازک کی توہین صنف مخالف سے قطعاً برداشت نہیں ہوئی تھی۔

"فرق تو نظر آتا ہے نا ابا' کہ دہشت گردی کے خطرے کے تحت ہم نہیں بند کر سکتے لڑکیوں کو موبائل کے سگنلز کی طرح۔"

"بس تے فیر تو پریشان نہ ہو' اس اشتہاری کڑی کی میں آپے مدد کروں گا۔ آخر دو مربوں کا مالک ہوں کوئی مذاق نئیں ہوں۔"

ابا کی اس قدر سخاوت پر چندا پھولے نہ سمائی تھی اور اس سے پہلے کہ ابا مزید کوئی بات کرتے چندا کو ایک اور بات یاد آگئی۔

"اور وہ میرا کالج کا ایڈمیشن... آپ نہیں نا گئے بھول؟"

"نا پتری میں بھلیا تے نئیں ہوں پر یاد نئیں آرہا کہ جانا کیوں ہے تے کرنا کیا ہے جا کر؟" آئی بروکے بالوں کو کھینچ کر ان کی لمبائی ماپتے ہوئے ابا نے ذہن پر زور دیا کہ یہی ان کے سوچنے کا انداز تھا مگر چندا کے منہ بسورنے پر فوراً بولے۔

"یاد آیا' پر تیرے داخلے کے لیے تے شید میرا ڈی پدیشی سائیفکیٹ مانگیں گے نا۔"

"تو کیا ہوا ابا... نیچے ہی تو ہے دکان ڈاکٹر کی بنوا لیں۔"

"او ایسو ای تے مسئلہ ہے نا کہ میں کوئی سیاستدان نئیں کہ ایک دن گالیاں دوں اور دوسرے دن جا کر

جھونک ڈال لوں۔" ابا صحیح معنوں میں پریشان تھے۔
"سمجھا کریں نا ابا' ہمارا کام بھی ہو جائے گا اور وہ نہیں لیں گے پیسے بھی۔" چندا جانتی تھی کہ ان کی ذہنی رفتار پیسوں کے ذکر سے کم زیادہ ہوتی ہے۔
"یہ آخری بات بڑی چنگی ہے' ورنہ خواہ مخواہ دس پندرہ تے دینے ہی پڑتے۔" ابا نے کھڑے ہو کر یوں کن انکھیوں سے چندا کے ہاتھ میں اخبار کو دیکھا جیسے عام طور پر میٹرک کے بچے کمرہ امتحان میں نگران استاد کو دیکھتے ہیں۔
"جا رہے ہیں ابھی آپ؟" ابا یقیناً" یوں دیکھ کر اس کی اخبار پر گرفت کا اندازہ کر رہے تھے سو یقین ہو جانے کے بعد فوراً" اخبار جھپٹ لیا۔ اور کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے بولے۔
"جا تو رہا ہوں' اور یہ اخبار تے میں نے اس لیے لیا ہے کہ اتنی گرمی ہے بندہ ذرا ہوا شوا ہی کر لیتا ہے۔" ابا نے ہاتھ میں پکڑے اخبار کے ساتھ ہوا کرتے ہوئے سیڑھیوں کی راہ لی تو چندا اخبار کے یوں چھن جانے پر کچھ کہہ بھی نہ سکی۔

☼ ☼ ☼

چینا دوپہر کے کھانے کی تیاری کے دوران اپنے موبائل فون کی تلاش میں باہر نکلی تو خالہ کی کچھ عجیب و غریب نظر آنے والی حرکات نے اسے چونکا دیا۔ دھیرے دھیرے ہونے والی ترقی کی رفتار سے وہ خالہ تک پہنچی اور پھر ہمیشہ کی طرح کچھ سمجھ نہ آنے پر پوچھنا ہی پڑا۔
"خالہ' چینا کو بتانا پسند کریں گی کہ آخر آپ کیا کر رہی ہیں؟"
لاؤنج کے کارنر میں رکھے ان ڈور پلانٹ کے ساتھ ہاتھ میں بلب لیے مشکوک سرگرمیاں کرتی خالہ نے "تمہیں کیا تکلیف ہے" جیسے تاثرات چہرے پر سجائے ایک نظر چینا کو دیکھا اور پھر سے اپنی حرکات و سکنات کو جاری رکھتے ہوئے بولیں۔
"ملکی ترقی میں حصہ لے رہی ہوں.... اور کیا میں تمہیں ٹرک چلاتی ہوئی نظر آ رہی ہوں۔"
"لیکن خالہ...." چینا کی بات کو خالہ نے ٹریفک سگنل کے طور پر توڑا۔
"پہلی بات تو یہ کہ میں کتنی دفعہ کہوں کہ یہ آپ جناب میرے ساتھ نہ کیا کرو' عمر میں ایک دو سال کے فرق سے کچھ نہیں ہوتا۔"
"اوہ آئی سی... کاش چینا تمہیں کمپلیکسڈ.... کہہ سکتی۔" جملے کا آخری حصہ چینا نے بڑبڑاہٹ کو سونپا۔
"لیکن خالہ ملکی ترقی میں حصہ بلب لگا کر نہیں بجھا کر لیا جاتا ہے۔" چینا نے خالہ کو دانت پیستے ہوئے دیکھا جن کی زندگی کا شاید واحد مقصد اور آخری خواہش اس بلب کو ان ڈور پلانٹ پر لگاتے یا لٹکانے کی تھی۔ مگر اس کے جواب میں خالہ نے افسردگی سے اتنی گہری سانس خارج کی کہ اگر بلب کی جگہ ہاتھ میں موم بتی ہوتی تو یقیناً" بجھ جاتی۔
"ارے بلب' چولہے اور دل تو پہلے ہی بجھ گئے ہیں۔"
"تو پھر آپ بلب میرا مطلب ہے خالہ.... تم بلب کے ساتھ آخر کیا سلوک کرنا چاہتی ہو؟"
"ارے دیکھ نہیں رہیں کیا.... پاور پلانٹ لگا رہی ہوں۔"
"پاور پلانٹ؟؟" حیرت سے چینا کی آنکھیں منہ سمیت کھل گئی تھیں۔
"آف کورس میں...." بڑی بے نیازی سے خالہ نے کندھے اچکائے۔
"اور پورے سو والٹ کی پاور دے گا یہ پاور پلانٹ۔" مگر چینا سے خالہ کی حرکت بہت دیر تک برداشت کرنا بڑا مشکل تھا۔ اسی لیے اس نے یہ بشکل جھیلنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے فوراً" ان کے ہاتھ سے بلب اور تار لی۔
"خالہ بلب نہ توڑ دینا۔ اور.... اور یہ چینا کا فیورٹ پلانٹ ہے چھوڑ دو اسے۔" چینا نے خالہ کو موقع سے ہٹانے کی کوشش کی۔

اور اسی وقت سیڑھیوں سے اترتے ابا کے سنہری تلے دار کھسوں کی چیں چیں نے چینا کو پیچھے مڑنے پر مجبور کردیا۔ ادھر خالہ یوں ایک دم انہیں اپنے سامنے دیکھ کر پچھلا موڈ بھلا کر بڑی ادا سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرنے لگیں کہ وہ ابا سے ناراض ہیں۔ اور تب ابا کی وارفتگی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی کبھی خالہ کی طرف پاؤں مڑتے تو کبھی بیرونی دروازے کی طرف ۔ جیسے ہی ابا بیرونی دروازے کی جانب رخ کرتے' خالہ انہیں قدموں پر کھڑی پوری کی پوری آگے کی جانب یوں لپکتیں جیسے انہیں روک رہی ہوں۔ جیسے ہی ابا کے قدم ان کی طرف مڑتے وہ ہونٹ سکیڑ کر مسکراہٹ دباتیں اور آنکھوں سے ناراض ہونا ظاہر کرتیں۔ جبکہ چینا ابا کے یوں سورج مکھی بننے پر شدید غصے میں تھی۔

آخر کار ابا نے خالہ کی طرف مڑنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنی بل دار مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کھنکار کر گلا صاف کیا۔

"خالہ' یہ کھانسی کیسے ہورہی ہے؟" ابا کو مکمل نظر انداز کرکے بے نیازی سے چینا نے خالہ کو مخاطب کیا تو حسب معمول جذبات کے پرزور ریلے میں ان کی سماعت بہنے لگی۔

"یہاں تو کسی کو پھانسی نہیں ہورہی چینا۔" خالہ نے جواب چینا کو دیا لیکن مخاطب ابا تھے جو آہستہ قدموں سے چلتے اب ان کے قریب ہی کھڑے تھے سو وارفتگی سے بولے۔

"پھانسی کیا... ہم کو تے کسی کی سانسوں نے اک منٹ میں جیتے جی مار دیا ہے۔" اپنی دانست میں انتہائی رومانٹک جملہ بول کر ابا دل ہی دل میں خود کو سراہ رہے تھے مگر ان کی یہ خوشی چینا نے خاک میں ملادی۔

"خالہ' کاش تم ماؤتھ واش یوز کرتیں' تو تمہاری سانسوں کی بو سے لوگ جیتے جی نہ مرتے۔" جب دو پیار کرنے والے دل آمنے سامنے ہوں تو وہ بجلی کی بندش اور گیس کی لوڈ شیڈنگ تک کو بھول جاتے ہیں۔ یہ تو پھر چینا تھی۔ لہٰذا خالہ کے چہرے پر وہی شرمیلی مسکراہٹ اب بھی قائم رہی اور وہی ابا کا مونچھیں مروڑنے کا انداز۔ جسے دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ اپنی مونچھیں نہیں موٹر سائیکل کا ریس مروڑ رہے ہیں۔

"یہ آپ کی مونچھیں...." خالہ نے جملہ ادھورا چھوڑ کر گمان کیا کہ دل کی بات دل تک جا پہنچی ہے۔

"اوہ... اسی لیے ضمیر کلین شیو ہے!"

"خالہ...." چینا کو خالہ کا 'بہکنا' ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا سو ابا نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہا اور چینا کی بات کاٹ کر بولے۔

"آہو جی.... میں تے خود پہلے آپ کی طرح کلین شیو ہوتا تھا۔"

چینا نے سخت نظروں سے گھورتے ہوئے ناک پھلائی۔

"او نئیں جی میرا مطلب تھا کہ شادی کے بعد بندہ' بندہ تھوڑی رہتا ہے خاوند بن جاتا ہے نا تے مونچھوں کی ضرورت نہیں رہتی۔" ابا نے گڑبڑاتے ہوئے بات سنبھالنے کی کوشش کی جو جعلی عامل کے منتر کی طرح الٹی پڑ گئی۔

"کاش چینا آپ کو بددماغ کہہ سکتی.... یعنی کبھی تو اچھی بات بھی کرلیا کریں۔" اس وقت ابا کو بھی غصہ تو آیا مگر جانتے تھے کہ اس وقت کا غصہ ان کے حق میں برا ثابت ہوسکتا ہے اس لیے مفاہمت کی پالیسی کو جاری رکھا۔

"دراصل جب میرے ہونٹ نئیں ناں ملتے' اس وقت میں ساری اچھی باتیں ہی کررہا ہوتا ہوں۔"

جی جی فکر نہ کریں بلکہ بولتے رہا کریں کوئی بات تو اچھی بولیں گے ہی۔"

"ہاں تو کچھ بولیے نا...." خالہ نے ایک نظر چینا کو دیکھتے ہوئے ابا سے فرمائش کیا۔

"بس.... خدا کا واسطہ ہے بس کردیں۔" خالہ کا ہاتھ پکڑ کر چینا نے کمرے کی طرف گھسیٹا خالہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کبھی ابا کو دیکھتیں اور کبھی کمرے میں جانے کے لیے آمادگی سے قدم اٹھاتیں' ادھر ابا جو سمجھ نہیں پارہے تھے کہ آیا انہیں پروٹوکول وی آئی پی

لوگوں کا دیا گیا ہے یا کہ عام آدمی کا یہی تا ثر بھی ان کے انداز پر حاوی تھی سو پر سوچ طریقے سے بولے۔

"بھسنی بھسنی (بے عزتی) پتا نہیں کیوں محسوس ہو رہی ہے؟"

☼ ☼ ☼

"اتنی جلدی بھول گئیں کہ ابھی پچھلے ہی دن انھوں نے تمہیں کیا کہا تھا؟" کمرے میں داخل ہوتے ہی چینا نے پہلا سوال داغا جس نے خالہ کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔

"مجھے بیاہ کا کہا تھا؟ لیکن کب؟"

"دھو بیاہ کا نہیں خالہ، تمہیں ہلاک ہونے کا کہا تھا۔" چینا نے دانت پیسے۔

"لیکن میرے ہلاک ہونے سے انہیں کیا فائدہ ہو گا؟" خالہ نے جھنجلا کر کہا تو چینا نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سائیڈ ٹیبل پر موجود خالہ کی ہیرنگ ایڈ اٹھائی اور ان کے کانوں میں گھسائی۔

"خدا کے لیے، چینا کی جان پر رحم کرو اور یہ دونوں کانوں میں ٹھونس کے رکھا کرو۔"

"لیکن یہ تو میں صرف میڈونا کے سونگز کے لیے لگاتی ہوں۔"

"کیوں وہ تمہاری ماسی لگتی ہے؟"

"خبردار چینا۔۔۔ اگر میڈونا کو کچھ کہا تو۔۔۔"

"اسے تو نہیں لیکن کاش چینا تمہیں کھڑوس کہہ سکتی۔"

اتنا کہنا تھا کہ خالہ کا ضبط جواب دے گیا اور جب ان کا غصہ نظر آیا تو چینا کا غصہ خود بخود غائب ہو گیا۔

"نن نن نہیں میرا مطلب تھا کہ کاش کہہ سکتی۔۔۔ لیکن کہا تو نہیں نا۔"

"کہنا بھی نہیں، ورنہ مجھے بغیر بتائے کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

"تمہیں تو نہیں البتہ تمہیں برداشت کرنے والوں کو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔" چینا نے زبردستی خود کو کول ڈاؤن کیا۔

"ہاں بہت کچھ تو نہیں، مگر کچھ کچھ تو مجھے بھی ہو سکتا ہے نا۔۔۔ اور ہو سکتا ہے بہت کچھ ہو بھی چکا ہو۔" خالہ نے شرماتے ہوئے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبایا اور دونوں ہاتھوں کی کنگھی بنائے کندھے سکیڑ کر جھومنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

تھرما میٹر کی کامیاب تلاش کے بعد اب ضمیر بھائی مریضوں کے انتظار میں آنکھیں بچھائے خود کو یہ دلاسہ دے رہے تھے کہ چونکہ ان کو بھی ابھی شفٹ ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا اس لیے عام لوگوں کو ان کے کلینک کے متعلق اتنی ہی آگاہی ہے جتنی عام آدمی کو شماریات کی اور وہ وقت دور نہیں جب ان کے کلینک کے سامنے سی این جی حاصل کرنے کے لیے پیٹرول پمپ پر موجود لوگوں کی طرح قطاریں نظر آیا کریں گی اور کچھ بعید نہیں کہ وہ ایک ہی گھر کے چھ مریضوں کے چیک اپ پر ڈیڑھ پاؤ سی این جی دینے کا بھی سوچ لیں۔

اپنی تمام سوچوں کے ساتھ ضمیر بھائی اپنی ٹیبل کی ڈسٹنگ کر رہے تھے کہ کھلے دروازے سے ابا کو آتا دیکھ کر فوراً "اپنا ڈسٹر چھپایا اور خود کو بے حد مصروف ظاہر کرنے کی غرض سے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

"کیا۔۔۔ آپ چھ سس سس سات لوگ میرے پاس علاج کے لیے آنا چچ چاہتے ہیں؟ سات آٹھ دوست بھی ہیں جو صرف مم مم مجھ سے علاج کروانے کی خاطر بہت دور سے آئے ہیں؟" اندر داخل ہوتے ابا کو ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کا کہہ کر ضمیر بھائی نے اپنی بات جاری رکھی مگر ابا شاید اشاروں کی زبان سے نابلد تھے سو آگے بڑھتے ہی چلے گئے۔

"معاف کریں، مم مم میں تو آج صبح سے مریض چیک کر کر کے تھک گیا ہوں، آپ سب کک کک کل تشریف لے آئیں۔"

"او کاکے، لگتا ہے فون کی تار چھ سات مریضوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکی۔" ابا نے آگے بڑھ کر ٹیلی فون کی

ین نیچے سے اٹھاتے ہوئے اس کا ایک سرا ضمیر بھائی کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے کہا تو ضمیر بھائی کو خیال آیا کہ شاید ڈسٹر چھپاتے ہوئے تار کا یہ سرا نکل گیا ہو۔ جب ہی گڑبڑاتے ہوئے ریسیور رکھا۔
"اف۔ تت تت تار آپ کے ہاتھ میں تھی؟ شاید اسی لیے آواز بب بب بہت کٹ کٹ کے آرہی تھی۔"
"کٹ کٹ کے؟ کیوں اوئے میں نے واز کو چھریاں ماری ہیں؟" ابا نے تار نیچے پھینکتے ہوئے غصے سے اچھا تو اپنے سے تگڑے بندے کو سامنے پاکر ضمیر بھائی کا مزاج خود بخود دھیما ہوا۔
"اچھا اچھا چچ چلیں چھوڑیں، یہاں آنے کا کوئی مقصد؟"
"بلا مقصد۔" ابا نے کندھے اچکاتے ہوئے کرسی گھسیٹی اور بیٹھ گئے۔ ضمیر بھائی کی نظروں کو کسی غریب کی عزت و آبرو کی طرح خاطر میں نہیں لایا گیا تھا۔
"میرا مطلب تھا کہ بلا مقصد آنے کا تے میرا کوئی مقصد نہیں تھا۔"
"وہی تو پوچھ رہا ہوں کہ آپ آئے کک کک کیوں ہیں؟"
"کام سے آیا ہوں، ہور کیا میں نے صرف ٹیلی فون ںَ تار ہلانی تھی؟" انہوں نے بڑی دھوم دھام سے برا مناتے ہوئے منہ پھلایا۔
"یہی تت تو پوچھ رہا ہوں اتنی دیر سے کہ کس کام سے آئے ہیں۔"
"اپنے ذاتی کام سے۔" وہ آج ضمیر بھائی کو زچ کرنے کے ناپاک عزائم کے ساتھ ہی داخل دفتر ہوئے تھے۔ یہ خیال اب بے زار بیٹھے ضمیر بھائی پر سوار ہوچکا تھا۔
"تو بتائیں نا کوئی کام۔"
"کیوں؟ تو فارغ ہے؟ اور کوئی کام نہیں تجھے؟" اتنا کہنا تھا کہ ضمیر بھائی کے مزاج کا پارہ ڈالر کی طرح چڑھ گیا اور وہ فوراً" اٹھ کھڑے ہوئے۔
"آپ یہاں۔۔۔"

"برتھ سرٹیفکیٹ بنوانے آیا تھا۔" ضمیر بھائی کی بات کاٹتے ہوئے ابا نے ادھر ادھر دیکھا۔
"پر کیا یہ ڈاکٹری دکان نئیں؟"
"دکان نن نن نہیں یہ کلینک ہے۔" ضمیر بھائی کو اپنے کلینک کی توہین بالکل پسند نہیں آئی۔
"کس کا برتھ سرٹیفکیٹ بنوانا ہے؟ بب بب بچے کا؟" ضمیر بھائی نے بیٹھتے ہوئے کاغذ قلم سنبھالا۔
"آہو' بچے کا ہی بنوانا ہے۔" اچک کر انہوں نے کاغذ پر نظر جمائی۔
"تاریخ پیدائش؟"
"(1947ء) انی سو سنتالی۔"
جواب تھا کہ نب کے آگے آئی روئی، قلم ایک دم رک گیا تھا خود ضمیر بھائی بھی چونکے۔
"انیس سو سینتالیس۔۔۔؟ یہ کوئی بچہ ہے؟"
"اپنے ماں پیو کے لیے تو میں بچہ ہی ہوں کہ نئیں؟" شرمندہ ہونے کا تکلف کیے بغیر جواب آیا تو ضمیر بھائی جل کر بولے۔
"توبہ توبہ انیس سو سینتالیس کے فسادات بھب بھب بھی کیسے بھیانک نقش چھوڑ گئے ہیں۔" نشانہ براہ راست ابا ہی تھے۔
"سرٹیفکیٹ بناتا ہے کہ۔۔۔" حسب عادت انہوں نے مونچھیں مروڑیں تو بکرا ہاؤس کے اس خود رو گلو بٹ سے ضمیر بھائی سہم گئے۔
"یہ۔۔۔ یہ کک کک کیا کر رہے ہیں آپ؟"
"میں آٹا گوندھ رہا ہوں، چاہییے دو چار پیڑے؟"
"کیا۔۔۔؟" ایک تو ان مونچھوں کی دہشت، پھر دھمکی آمیز لہجہ اور یہ حکومتوں کی پالیسیوں سا نہ سمجھ میں آنے والا جواب۔ ضمیر بھائی کی تو بس ہوگئی تھی۔
"او بس۔۔۔ نظر نئیں آتا مونچھیں مروڑ رہا ہوں اور جب ہم زیویں داروں (زمینداروں) نے کوئی بندہ مروڑنا ہوتا تے پہلے مونچھیں ہی مروڑتے ہیں۔۔۔ پہلے گیئر کے طور پے۔"
ابا کا تفصیلی بیان ضمیر بھائی کو بہت کچھ سمجھا گیا تھا جب ہی خود کو اکیلا جان کر مزید سہم گئے اور فوراً" سے

قلم چلانے لگے۔ ضمیر بھائی کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ سے ابا کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"ڈرتا ورتا تو میں کسی سے نہیں ہوں۔۔۔ یہ تت تت تو ویسے ہی آج کل ذرا کمزوری ہو گئی ہے۔" اپنا بھرم رکھنے کی خاطر انہوں نے وضاحت دینا ضروری خیال کیا جسے ابا نے ان کا خیال خام سمجھتے ہوئے خاطر میں لائے بغیر رد کر دیا۔

☆ ☆ ☆

دوپہر کے کھانے کے انتظام سے فارغ ہو کر چینا اور خالہ دونوں ہی اب ٹی وی کے سامنے موجود تھیں اور خالہ تو ان خواتین میں شامل تھیں جو صوفے پر بیٹھتے ہی دونوں پاؤں یوں اوپر کرتی ہیں جیسے صوفہ اور یہ انداز لازم و ملزوم ہیں۔ ہر پروگرام دیکھتے ہوئے ان کے بیٹھنے کا انداز مختلف ہوتا' اکثر تو بغیر آواز سنے چینا صرف ان کے بیٹھنے کے انداز سے ہی جان جاتی کہ وہ کس نوعیت کا پروگرام دیکھ رہی ہیں۔

ہارر پروگرام ہوتا تو دونوں پاؤں صوفے پر رکھے گھٹنوں کو جوڑ کر ان پر یوں بازو لپیٹتیں کہ تھوڑی کی تھوڑی عین دائیں ہاتھ کی کلائی پر ٹک جاتی۔ سین اگر زیادہ وحشت ناک ہوتا تو کلائی پر تھوڑی کی جگہ جہاز کے رن وے کی مانند کشادہ ماتھا لے لیتا۔ اپنی اسی خندہ پیشانی کو دنیا کی نظروں سے چھپانے کے لیے وہ فرنٹ ہیئر کٹ استعمال کرتی تھیں۔

رومانٹک پروگرام وہ بیٹھتے ہوئے اسٹارٹ کرتیں اور چند ہی سیکنڈ بعد لیٹے ہوؤں میں شمار ہونے لگتیں۔ اکثر ہیروئن کو برا بھلا بھی کہتیں جو ایک خوبرو ہیرو کی قدر کرنے کے ڈھنگ سے واقف نہیں اور پھر دعا کرتیں کہ اللہ جلد از جلد ضمیر بھائی کے لیے کسی ہیرو نما خالو کا بندوبست کر دے۔ ساتھ ہی الیکشن میں کیے گئے پیشگی وعدوں کی طرح پروگرام کے وقفے کے دوران آنکھیں بند کر کے کشن بڑے معنی خیز انداز میں سنبھالتے ہوئے بڑے موڈ میں نور جہاں کے یہ بول گنگناتے ہوئے پائی جاتیں۔

ماہی آوے گا میں پھلاں نال دھرتی سجاواں گی
اونوں دل والے رنگلے پلنگ تے بٹھاواں گی
جھلاں گی پکھیاں عیر پٹاچ کین گیاں اکھیاں

یہ الگ بات ہے کہ آج کل ہر پاکستانوں کی اکثریت ماہی کے آنے جانے کی تھرل کے بغیر ہی ہاتھوں میں پکھیاں (ہاتھ کا پنکھا) لیے آنکھوں کے بجائے زبان سے وہ کچھ کہہ رہی ہوتی ہے کہ غصے میں ادا کیے گئے یہ جملے سن کر دسمبر میں بھی واپڈا کے شریف افسران کو پسینہ آجائے۔

(یاد رہے شریف ہونا شرط ہے ورنہ کوئی ذمہ داری قابل قبول نہ ہوگی۔)

سرکاری چینل پر خبریں ہمیشہ اس وقت سنتیں جب سونے کا ارادہ ہوتا اور تب بے اختیار خبرنامے کی پوری ٹیم کو تھوک کے حساب سے دعائیں بھی دے ڈالتیں کہ جن کے سبب عوام کو بغیر نیند کی گولیوں کے اس قدر جلدی نیند آجاتی ہے اور ذہن اتنا پر سکون ہو جاتا ہے کہ لگتا ہمارا ملک عالم خواب میں ہے جہاں ڈھیروں وسائل کی موجودگی میں مسائل ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتے اور خالہ کا تو ماننا تھا کہ اگر ملک عالم خواب میں ہے تو عوام بھی تو گہری نیند میں ہے جسے جگانے کا ہنر صرف اور صرف واپڈا کے پاس ہے ورنہ تمام ملکی و قومی مسائل۔۔۔ کیا پدی کیا پدی کا شوربہ۔۔۔!

میوزیکل پروگرام دیکھتے ہوئے وہ خود کو (اردو کے حرف) د جیسی ہے میں یوں ڈھالتیں کہ صوفے پر ان کی ٹانگیں تو جسم کے بوجھ تلے مقید ہوتیں اور وہ خود اس قدر روانی سے ساتھ ساتھ میوزک کے بول دہرا رہی ہوتیں کہ ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر انجان لوگ یہی سمجھتے کہ وہ کسی کو گالیاں دے رہی ہیں۔ اور ریاپ میوزک کو تو ایسا انجوائے کرتیں کہ صوفہ بے چارہ اپنے صوفہ ہونے پر بلبلاتا۔ ہاں البتہ اس وقت وہ آلتی پالتی مار کر گود میں باپ کارن کا باؤل رکھے ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھیں سو چینا کی موجودگی کا فائدہ اٹھا کر بولیں۔

"چھا ویسے یہ جو کامیڈی گیم ہوتا ہے۔۔۔"

"کامیڈی گیم نہیں خالہ کامیڈی پلے۔" چینا نے بات کاٹ کر درست کی۔

"گیم اور پلے دونوں کا مطلب کھیل ہوتا ہے نا؟" چینا نے منصفانہ انداز میں سر کو نیچے اور اوپر کیا۔

"تو پھر میں تو وہی کہوں گی جو میرا دل چاہے گا۔" چینا نے بے زاری سے دیکھ کر بغیر جواب دیے ٹی وی کی طرف رخ موڑا تو خالہ نے معذرتی رویہ اختیار کیا۔

"اچھا بابا کامیڈی پلے ہی سہی' لیکن ان میں پیچھے سے ہنسنے کی آوازیں کیوں آتی ہیں؟"

"وہ لوگ اس لیے ہنستے ہیں کہ بھلا اس میں ہنسنے کی کون سی بات تھی۔"

"میں پھنسنے کا نہیں چینا' ان کے ہنسنے کا پوچھ رہی ہوں۔" تسلی بخش جواب نہ پاکر انہوں نے پہلو بدلا۔

"ہاں تو چینا بھی تو یہی کہہ رہی ہے نا۔"

"اچھا چلو' یہ ونڈو تو شٹ ڈاؤن کرو' ہوا میں کھلی کتنی پالیوشن اندر آرہی ہے۔" اس کے جواب پر نیم رضامندی ظاہر کرتے ہوئے انہوں نے مٹھی میں پاپ کارن بھرے اور چھت کی طرف منہ کرکے مٹھی کا آخری سرا نیم وا کرکے منہ میں منتقل کرنا شروع کیے۔ اسی دوران ضمیر بھائی اور علی بڑے خوشگوار موڈ میں ہاتھ میں اخبار پکڑے اندر داخل ہوئے۔

"خالہ پالیوشن نہیں پالوشن۔۔۔" چینا نے کھڑکی بند کرتے ہوئے فرض نبھایا۔

"ایک ہی بات تو ہے' دونوں ہی بے قابو ہیں۔"

"خیر تو ہے۔۔۔ چینا دیکھ رہی ہے کہ آج تم دونوں میں بڑی بن رہی ہے۔" چینا نے بڑے غور سے پہلے علی اور پھر ضمیر بھائی کو دیکھا۔

"بس بس ڈیئر' ضرورت کے وقت تو دشمن کو بھی اتحادی ماننا پڑتا ہے۔" ضمیر بھائی نے علی کو دشمن کہا' لیکن پھر بھی وہ ان کے خلاف کچھ نہ بولا تو چینا کو یقین ہو چلا کہ کوئی ڈیل ہو چکی ہے' جس میں فائدہ مشترکہ ہے۔

"آپی' آپ نے آج کا اخبار دیکھا؟" علی نے چینا کے قریب بیٹھتے ہوئے بڑے پرجوش انداز میں پوچھا تو وہ ان دونوں کے بدلے ہوئے انداز میں گم لاپروائی سے بولی۔

"ہاں' ابھی کل ہی تو دیکھا تھا۔"

"آپی میں آج کے اخبار کی بات کر رہا ہوں۔"

"چھوڑو علی' بھینس کے آگے بین بجانے کا کیا فف فف فائدہ۔" ضمیر بھائی نے چینا کے دماغ کی غیر حاضری کا فائدہ اٹھایا ورنہ عام حالات میں وہ یہ بات چینا کے سامنے سوچ بھی نہیں سکتے تھے' اس کام کے لیے کلینک جو تھا۔

"ارے لیکن بھینس کے آگے بین بجا کر کیا اسے ڈانس سکھاؤ گے؟" پروگرام کے درمیان اشتہارات کے وقفے کے دوران دکھائے جانے والے ڈانس شو میں موجود چند اسپیشل گیٹس کو دیکھا تو خالہ کی زبان پھسل گئی اور علی کا ضبط جواب دے گیا سو وہ کھڑا ہو گیا۔

"آخری دفعہ پوچھ رہا ہوں آپی کہ آپ نے آج کا اخبار دیکھا ہے؟"

"آخری مم مرتبہ؟ کیوں اس کے بعد تم خودکشی کرنے لگے ہو؟"

"آپ سب کے ساتھ رہنے سے تو بہتر ہے کہ خودکشی ہی کرلوں' سرمایہ کاری تو ہونے سے رہی۔" وہ آخری حد تک زچ ہو چلا تھا جس کا واضح ثبوت یہ تھا کہ اس نے ہاتھ میں پکڑے موبائل کو (جسے وہ ہر تین سیکنڈ بعد ضرور دیکھتا تھا) جیب میں ڈال دیا اور اس کا یہ انداز ہی خالہ کو فلمی انداز میں دونوں ہاتھ کانوں پر رکھے زور سے "نہیں" کا نعرہ بلند کرنے پر مجبور کر گیا۔ سو انہوں نے افراتفری کے عالم میں چینا کو جھنجھوڑا۔

"تمہارا بھائی کاردکاری کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہے چینا۔۔۔ خدارا اسے بچالو۔"

"علی یہ چینا کیا سن رہی ہے؟"

"بکواس!" چونک کر پوچھے گئے سوال کا مختصر جواب چینا کو دیا گیا۔

"کاش چینا تمہیں انتہائی بدتمیز کہہ سکتی۔"

"تت تت تت تو کہہ لو۔۔۔ تمہارا بھائی ہے کوئی عدالتی فیصلہ تھوڑی ہے کہ تم ڈڈ ڈر رہی ہو۔" موقع

"کامیڈی گیم نہیں خالہ کامیڈی پلے۔" چینا نے بات کاٹ کر درست کی۔

"گیم اور پلے دونوں کا مطلب کھیل ہوتا ہے نا؟" چینا نے منصفانہ انداز میں سر کو نیچے اوراوپر کیا۔

"تو پھر میں تو وہی کہوں گی جو میرا دل چاہے گا۔" چینا نے بے زاری سے دیکھ کر بغیر جواب دیے ٹی وی کی طرف رخ موڑا تو خالہ نے معذرتی رویہ اختیار کیا۔

"اچھا بابا کامیڈی پلے ہی سہی' لیکن ان میں پیچھے سے ہنسنے کی آوازیں کیوں آتی ہیں؟"

"وہ لوگ اس لیے ہنستے ہیں کہ بھلا اس میں ہنسنے کی کون سی بات تھی۔"

"میں پھنسنے کا نہیں چینا' ان کے ہنسنے کا پوچھ رہی ہوں۔" تسلی بخش جواب نہ پا کر انہوں نے پہلو بدلا۔

"ہاں تو چینا بھی تو یہی کہہ رہی ہے نا۔"

"اچھا چلو' یہ ونڈو تو شٹ ڈاؤن کرو' ہوا میں کھلی کتنی پاپولیشن اندر آرہی ہے۔" اس کے جواب پر نیم رضامندی ظاہر کرتے ہوئے انہوں نے مٹھی میں پاپ کارن بھرے اور چھت کی طرف منہ کر کے مٹھی کا آخری سرا نیم وا کر کے منہ میں منتقل کرنا شروع کیے۔ اسی دوران ضمیر بھائی اور علی بڑے خوشگوار موڈ میں ہاتھ میں اخبار پکڑے اندر داخل ہوئے۔

"خالہ پاپولیشن نہیں پالوشن۔" چینا نے کھڑکی بند کرتے ہوئے فرض نبھایا۔

"ایک ہی بات تو ہے' دونوں ہی بے قابو ہیں۔"

"خیر تو ہے۔ چینا دیکھ رہی ہے کہ آج تم دونوں میں بڑی بن رہی ہے۔" چینا نے بڑے غور سے پہلے علی اور پھر ضمیر بھائی کو دیکھا۔

"بس بس ڈیئر' ضرورت کے وقت تو دشمن کو بھی اتحادی ماننا پڑتا ہے۔" ضمیر بھائی نے علی کو دشمن کہا' لیکن پھر بھی وہ ان کے خلاف کچھ نہ بولا تو چینا کو یقین ہو چلا کہ کوئی ڈیل ہو چکی ہے' جس میں فائدہ مشترکہ ہے۔

"آپی' آپ نے آج کا اخبار دیکھا؟" علی نے چینا کے قریب بیٹھتے ہوئے بڑے پرجوش انداز میں پوچھا تو وہ ان دونوں کے بدلے ہوئے انداز میں گم لاپروائی سے بولی۔

"ہاں' ابھی کل ہی تو دیکھا تھا۔"

"آپی میں آج کے اخبار کی بات کر رہا ہوں۔"

"چھوڑو علی' بھینس کے آگے بین بجانے کا کیا ففف ففف فائدہ۔" ضمیر بھائی نے چینا کے دماغ کی غیر حاضری کا فائدہ اٹھایا ورنہ عام حالات میں وہ یہ بات چینا کے سامنے سوچ بھی نہیں سکتے تھے' اس کام کے لیے کلینک جو تھا۔

"ارے لیکن بھینس کے آگے ٹین بجا کر کیا اسے ڈانس سکھاؤ گے؟" پروگرام کے درمیان اشتہارات کے وقفے کے دوران دکھائے جانے والے ڈانس شو میں موجود چند اسپیشل گیسٹس کو دیکھا تو خالہ کی زبان پھسل گئی اور علی کا ضبط جواب دے گیا سو وہ کھڑا ہو گیا۔

"آخری دفعہ پوچھ رہا ہوں آپی کہ آپ نے آج کا اخبار دیکھا ہے؟"

"آخری مم مرتبہ؟ کیوں اس کے بعد تم خودکشی کرنے لگے ہو؟"

"آپ سب کے ساتھ رہنے سے تو بہتر ہے کہ خودکشی ہی کر لوں' سرمایہ کاری تو ہونے سے رہی۔" وہ آخری حد تک زچ ہو چلا تھا جس کا واضح ثبوت یہ تھا کہ اس نے ہاتھ میں پکڑے موبائل کو (جسے وہ ہر تین سیکنڈ بعد ضرور دیکھتا تھا) جیب میں ڈال دیا اور اس کا یہ انداز ہی خالہ کو فلمی انداز میں دونوں ہاتھ کانوں پر رکھے زور سے "نہیں" کا نعرہ بلند کرنے پر مجبور کر گیا۔ سو انہوں نے افراتفری کے عالم میں چینا کو جھنجھوڑا۔

"تمہارا بھائی کاروکاری کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہے چینا۔ خدارا اسے بچالو۔"

"علی' یہ چینا کیا سن رہی ہے؟"

"بکواس!" چونک کر پوچھے گئے سوال کا مختصر جواب چینا کو تھما دیا گیا۔

"کاش چینا تمہیں انتہائی بدتمیز کہہ سکتی۔"

"تت تت تت تو کہہ لو۔ تمہارا بھائی ہے کوئی عدالتی فیصلہ تھوڑی ہے کہ تم ڈر ڈر رہی ہو۔" موقع

پا کر ضمیر بھائی نے اپنی فطرت کے مطابق اکسایا۔

"ویسے علی' یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔" خالہ نے علی کے ہاتھ میں بھونپو کی شکل اختیار کیے رول نما چیز کے بارے میں دریافت کیا۔

"یہ اخبار ہے' جس کی میں بات کر رہا تھا۔" شکایتی نظروں سے چینا کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"شام کا اخبار ہے؟"

"نہیں خالہ' شام کا نہیں پاکستان کا اپنا اخبار ہے۔"

"یہ کوئی عام اخبار نہیں ہے چچ...چینا۔"

"ڈیٹ ہی تو نئی ہوئی ہے ضمیر' باقی سب وہی پرانا۔"

"لو یہ والا اشتہار پڑھو۔" علی کے ہاتھ سے اخبار لے کر انہوں نے چینا کی طرف بڑھایا تو وہ باآواز بلند سامنے نظر آنے والا اشتہار پڑھنے لگی۔

"باتھ روم کے لیے دلفریب' جاذب نظر..."

"یہ نہیں ساتھ والا..." ضمیر بھائی نے خبر کانی۔

علی نے اس کے ہاتھ سے اخبار چھینا اور آخر کار خود ہی اشتہار پڑھ کر سنانے لگا۔

"مخیر حضرات سے اپیل کی جاتی ہے کہ میں ایک نوجوان یتیم بے سہارا لڑکی ہوں' جس کا اکلوتے بھائی کی جان ایک موذی مرض سے بچانے کے لیے آپ سب کی زیادہ سے زیادہ مالی امداد چاہیے۔" لمحہ بھر رک کے اس نے میڈونا اور چینا کی طرف دیکھا تو ان کے چہرے پر وہی تاثرات نظر آئے جو خود اس کے چہرے پر لیکچر کے دوران ہوتے تھے... کچھ نہ سمجھ آنے والے!

"فف فف فون نمبر اور اکاؤنٹ کا نمبر بھی ہم نے سس... ساتھ لکھا ہے۔" بات کرتے ہی ضمیر بھائی اور علی ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگے تب کہیں جا کر چینا کچھ سمجھی۔

"تو کیا یہ اشتہار تم دونوں نے دیا ہے؟"

"دونوں نہیں' صرف علی نے... لیکن کیا پتا خدا اس... تمہارا دیا ہے۔"

"واہ علی تم تو بڑے تیز ہو۔" خالہ کو بھی تعریف کرنا پڑی۔

"بس خالہ' کبھی غرور نہیں کیا۔" اتراتے ہوئے کالر سیدھا کیا۔

"ہاں بنا ابھی نہیں ہے۔"

"اب دیکھیے گا ہمارا اکاؤنٹ بھی ہسٹنگ منسٹلز کے اکاؤنٹ کی طرح بھرے گا۔" علی نے بڑے جوشیلے انداز میں چٹکی بجائی۔

"کوئی پتا نہیں علی' اس تت تت تنہا اور بے سہارا' مگر نوجوان لڑکی کو کچھ اور بھی آفرز آجائیں۔" ضمیر بھائی نے انجوائے منٹ کے مزید امکانات کے تحت مسکراتے ہوئے دائیں آنکھ بند کی تو علی کی بولنے کی ٹون ہی بدل گئی۔ ایک دم نسوانی آواز بناتے ہوئے بولا۔

"ہائے اللہ' مردوں کے اس معاشرے میں ایک خوب صورت جوان اور تنہا لڑکی اتنے ہمدردوں کو کیسے سنبھالے گی۔"

"فف فف فکر نہ کرو میں ہوں نا ہر وقت تمہارے سس... ساتھ۔" ضمیر بھائی نے فوری خدمات پیش کرنے میں 1122 کو پیچھے چھوڑا۔

"اوہ ہاں' میں تو بھول ہی گیا تھا کہ جراثیم تو ہر وقت' ہر جگہ ہمارے ساتھ ہی ہوتے ہیں۔"

چینا اور خالہ کو حیران چھوڑے علی نے شرارت بھرے انداز میں کہا تو ضمیر بھائی نے مصنوعی خفگی سے ہاتھ میں پکڑا اخبار اس کے سر پر دے مارا۔

☼ ☼ ☼

میں تنہا ہوں مجھے ایسے ملازم کی ضرورت ہے
کہ جو تنخواہ لے مجھ سے فقط دو وقت کا کھانا
وہ صبح شام دے گا حاضری دربار داتا پر
وہاں سے لائے گا کھانا' اپنا دونوں کا روزانہ

اور اس میں بھلا کیا شک تھا کہ ابا کا بس چلتا تو یقیناً" اپنے دونوں وقت کا کھانا حاصل کرنے کے لیے کسی دربار کے لنگر خانے سے ایگریمنٹ کر لیتے اور اسی بات پر چندا کا ابا سے دائمی اختلاف تھا۔ سو ابھی بھی وہ ہاتھ

میں شوگر پاٹ پکڑے کھڑے تھے جب وہ اپنے کمرے سے ابا کو آوازیں دیتی ادھر ادھر دیکھنے کے بعد کچن میں آپہنچی۔

"او کیا ہے پتری' کیوں صبح ہی صبح نعرے لگا رہی ہے؟" ابا نے ڈسٹرب ہونے پر برا منایا۔

"اخبار ڈھونڈ رہی تھی' رکھ دیا ہے کہاں آپ نے؟"

"کیوں؟ تو نے خبار سے شیشے صاف کرنے ہیں؟"

"نہیں ابا' اس لڑکی کا نمبر لینا تھا۔" ابا ایک دم چونکے پھر سنبھل کر موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"اوڈبا بعد میں کریں' نا پہلے مجھے یہ سے بتا کہ میں نے جو خبار والے کو کہا تھا کہ رات کو خبار دینے آیا کرے' تے فیر کیوں لیا صبح کا تازہ خبار؟"

"لیکن رات تک تو اخبار ہو جاتا ہے نا پرانا۔" وہ منمنائی۔

"ہاں تے پر پیسے وی تے ادے ہو جاتے ہیں نا۔" پیسے بچانے کے لیے ان کے پاس لاتعداد دلائل تھے۔

"اچھا ابا اب رات کو لے لوں گی' لیکن وہ نمبر۔"

"پریز بانڈ کا نمبر نہیں ہے وہ' جو تو اتنا پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ دے دوں گا اسے میں سوپچاس۔"

"سوپچاس۔" چندا کی حیرت دیدنی تھی۔

"اوئے آہو' فیر زکوۃ میں سے کاٹ لیں گے نا۔" ابا کے سامنے ہمیشہ ہی لاجواب ہونے والی چندا سر جھٹک کر جانے لگی کہ اس وقت ان کے ہاتھ میں موجود شوگر پاٹ دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"کیا آپ کھڑے ہو کر گن رہے ہیں چینی کے دانے؟"

"یاد نہیں رہا' پنڈ (گاؤں) کے ڈاکٹر نے کہا تھا روز شگر چیک کرنا۔"

"تو آپ کر رہے ہیں اپنی شوگر چیک؟" انتہائی صدمہ چندا کی آواز میں ہی نمایاں تھا۔

"تے ہور کیا۔ شوگر زیادہ ہوتی ہے تے بسم اللہ پر کم نہیں ہونی چاہیے۔"

"اف... میرے تو ہونے لگا ہے سر میں ہی درد۔"

چندا نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر یوں پکڑا جیسے خواتین دیگچی پکڑتی ہیں۔ صرف انگوٹھوں اور انگلیوں کی نصف لمبائی سے۔

"جا جلدی جا' نیچے لان میں چکر لگا کے آ۔ خواہ مخواہ دوائی کا خرچہ نہ پڑ جائے۔" شوگر پاٹ بند کر کے وہ تیزی سے چندا کے پاس آئے تھے' لیکن شاید اس کے لیے یہ مشورہ قابل عمل نہ تھا۔ جب ہی حیران ہوئی۔

"ابا لان میں؟"

"او پتری لان تے سانجھا ہے نا دونوں گھروں کا' جا دلیر ہو کے۔" اس کے سر درد سے زیادہ ابا کو اس فیس کی فکر تھی جو درد زیادہ ہونے کی صورت میں کسی بھی ڈاکٹر کو ادا کرنی پڑتی۔ سو اسے نیچے لان میں بھیجنے کے بعد انہوں نے سکون کا گہرا سانس خارج کرتے ہوئے شوگر پاٹ کو کیبنٹ میں رکھا اور بولے۔

"شکر ہے رہا سوہنیا۔ شوگر تے ابھی تک نارمل ہی ہے۔"

☆ ☆ ☆

پڑھائی نہیں آسان بس اتنا سمجھ لیجیے
اک فینائل کی گولی ہے اور چوس کر کھانی ہے

علی ہاتھ میں کتاب لیے لان میں سست قدموں سے چلتا ہوا آیا' دونوں بازو اوپر کر کے ایک بھرپور انگڑائی لی اور گرنے کے انداز میں کرسی پر بیٹھتے ہوئے اندر کی طرف منہ کا رخ کر کے آواز لگائی۔

"آپی میں لان میں بیٹھا پڑھ رہا ہوں' پلیز گھنٹے بعد جگا دیجیے گا۔"

علی کے اس پیغام کا ہرگز یہ مقصد نہیں تھا کہ اسے پڑھنا لکھنا پسند نہیں ہے بلکہ وہ تو چلتے پھرتے بھی پڑھنے والوں میں شامل تھا' موبائل کے میسجز' فیس بک پر کمنٹس اور اخباروں میں غیر ملکی اداکاروں کے اسکینڈلز پڑھنے میں وہ بھی اپنی ساتھ کی نوجوان نسل کے شانہ بشانہ تھا۔

کتاب منہ پر رکھے جس سکون سے نیند آتی ہے اتنے سکون سے تو جہاز میں ایر ہوسٹس نہیں آتی' لیکن

شرط یہ ہے کہ وہ جہاز غیر ملکی ہو' ورنہ قومی ایرلائن کی اکثر ہوسٹس سے بات کرنے کے بعد دوران فلائٹ سکون ناپید ہی رہتا ہے' یہ علی کا ماننا تھا اور اسی لیے وہ کتاب سے چہرہ چھپائے سونے کی کوشش میں تھا جب کہ چندا لان میں داخل ہوئی اور اسے پہچاننے کی کوشش کرنے لگی۔

اسی دوران جیب میں رکھے موبائل پر میسج کی بیپ ہونے پر علی نے جیب سے موبائل نکالنا چاہا تو کتاب گر گئی جس سے چندا ایک دم گڑبڑا سی گئی۔ علی نے ایک خوشگوار حیرت کے ساتھ اسے دیکھا اور میسج دیکھے بغیر ہی موبائل بند کر دیا۔

"اچھا ہوا تم نے جگا دیا' ورنہ تو شاید ساری رات نیند نہ آتی۔"

"تم نے شاید نہیں سنا وہ محاورہ؟" چندا جس کا موڈ ابا کی وجہ سے خراب تھا علی کو دیکھا تو اس خیال سے کہ شاید کچھ دیر بات چیت سے ذہن فریش ہو جائے بولی۔

"ہاں وہ... وہ شاید نہ سنا ہو' کون سا تھا؟" علی نے نجالت کے ساتھ سر کھجایا۔

"جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے۔" مسکراتے ہوئے جواب آیا تو علی نے فری ہونا خود پر فرض خیال کیا۔

"اور جو سوتی ہے وہ...؟"

"اوہو' یہ تو ہے صرف ایک محاورہ" کرسی گھسیٹ کر وہ بیٹھی۔

"تو میں نے کب کہا کہ آئٹم نمبر ہے۔"

"کتنا چھوٹا دماغ ہے تمہارا۔" اتنی اچھی شکل و صورت اور خوب صورت شخصیت کے دماغ کا خانہ نہ پا کر چندا کا دل تعزیت کرنے کو چاہا تھا' لیکن علی بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا سو بغیر شرمندہ ہوئے بولا۔

"پتا نہیں میں نے تو آج تک ناپا ہی نہیں۔"

"بچپن میں یقیناً" مٹکے میں رکھ کر سوتے ہوگے سر' "وہ چڑ ہی تو گئی تھی۔

"مٹکے میں تو نہیں البتہ ملکے میں ضرور رکھتا تھا۔" علی نے درستگی کی۔

"سر؟"

"نہیں پر...!" وہ مسکرایا۔

"پر؟"

"ہاں تو اور کیا' بچپن میں' میں پرندوں کے پر ملکے میں رکھ دیتا تھا۔" کندھے اچکاتے ہوئے اس نے بڑی دلچسپی سے اس کی آنکھوں میں موجود حیرت کو انجوائے کیا۔

"مگر پر کہاں آ گئے بیچ میں؟" چندا نے الجھ کر علی کو دیکھا جو اس سے آنکھیں چار کرنے کا چارہ کرنے میں مصروف تھا۔

"پر تو ہوتے ہی بیچ میں ہیں نا' آگے سر پیچھے دم۔"

"دفعلی تم..." اب تک وہ دانت پیسنے کی اسٹیج پر پہنچ چکی تھی اور علی کا تو خیال تھا کہ وہ کافی صبر اور حوصلے والی ہے جو اتنی دیر باتیں کرنے کے بعد دانت پیس رہی ہے ورنہ عام طور پر تو جاننے والے لوگ صرف اسے دیکھتے ہی دانتوں کی رگڑائی کرنے لگتے۔

"نہیں دم۔"

"نہیں دیں..." اس کے منہ سے تمہیں کے بجائے دیں نکلنے کی دیر تھی کہ علی ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہونے لگا اور اس قدر ہنسا کہ ہنسنے کے بعد بھی اس کی سانسوں میں پرانی پاکستانی فلمی اداکاراؤں کا زیرو بم محسوس ہو تا رہا۔

"میرا بس چلے تو اس بے ہودہ ہنسی پر اتنا ماروں کہ بھول جائے تمہیں تمہارا نام۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"علی... علی نام ہے میرا۔"

"میں نے تمہارا نہیں پوچھا نام۔"

"بتایا اس لیے ہے کہ مار کھانے کے بعد بھول جاؤں تو یاد دلا دینا پلیز۔"

"لگتا ہے سارے ہی پاگل ہو... مجھے تو آتا ہے ترس تم سب پر۔" رحم بھری نظروں سے اس نے دیکھا۔

"اچھا؟ لیکن مجھے تو اتنی گرمی میں صرف پسینہ ہی آتا ہے۔" علی کی باتوں کا بہترین جواب یہ تھا کہ اسے کوئی جواب نہ دیا جاتا للذا وہ خاموشی اسے واپس جانے کے لیے مڑی۔

''اچھا اچھا سنو۔۔۔ ایک بات تو بتاتی جاؤ۔'' علی کی پکار وہ مڑی تو وہ بڑا ہی جھجک کر شرماتے ہوئے بولا۔

''وہ۔۔۔ پوچھنا یہ تھا کہ۔۔۔ تمہارا کوئی بوائے فرینڈ تو نہیں ہے نا؟''

''بوائے فرینڈ۔۔۔؟ نہیں تو!'' سوال نہ سمجھ آنے کے باوجود اس نے جواب دیا۔

''بس تو پھر ٹھیک ہے۔۔۔ میرا بھی نہیں ہے۔'' علی نے ذو معنی انداز میں اس کے چہرے پر نظریں جما کر مسکراتے ہوئے کہا تو وہ الجھ کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

تجھے مجھ سے مجھ کو تجھ سے جو بہت ہی پیار ہوتا
نہ تجھے قرار ہوتا۔۔۔ نہ مجھے قرار ہوتا
ترا ہر مرض الجھتا میری جان ناتواں سے
جو تجھے زکام ہوتا تو مجھے بخار ہوتا
جو میں تجھ کو یاد کرتا تجھے چھینکنا بھی پڑتا
مرے ساتھ بھی یقیناً ''یہی بار بار ہوتا
کسی چوک میں لگاتے کوئی چوڑیوں کا کھوکھا
ترے شہر میں بھی اپنا کوئی کاروبار ہوتا
غم و رنج عاشقانہ نہیں کیلکولیٹرانہ
اسے میں شمار کرتا جو نہ بے شمار ہوتا
وہاں زیر بحث آتے خط و خال و خوئے خوباں
غم عشق پر جو انور کوئی سیمینار ہوتا

ابا کے ابا مرحوم جس عمر میں مرنے سے ڈرنے لگے تھے عین اسی عمر میں ابا کا دل کسی پر مرنے کو بے طرح بے چین رہنے لگا تھا اور آج کل تو وہ یہ بات سوچ کر بھی افسردہ ہو جاتے کہ مجھ یتیم کا اس دنیا میں کوئی تو چوبیس گھنٹے خیال رکھنے والا ہو کوئی ہو جس سے وہ کبھی کبھار منہ کا ذائقہ بدلنے کو لڑ جھگڑ بھی لیا کریں اور پھر وہ انہیں منایا بھی کرے اور انہیں اس بات کا بھی قوی یقین تھا کہ اگر ان کی شب و روز کی محنت رنگ لے آئی اور وہ کسی کے سر کا تاج بن بھی گئے تو اس سے گھر میں چندا کے لیے بھی کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوگا' ہاں چندا کی شادی کے بعد ملک میں ایک نیا مفروض لانے سے

انہیں کوئی نہیں روکے گا کہ نومولود کے آنے اور سخت گرمی کے جانے سے عام طور پر ہمارے ملک میں سکھ کا سانس لیا جاتا ہے۔

اپنے مستقبل کے انہی ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ابا دبے قدموں اپنے کمرے میں آئے چندا کے دیکھ لینے کے قوی امکانات کے تحت انداز ایسا تھا جیسے کچھ چرا کر کمرے میں لائے ہوں۔ اندر داخل ہو کر سب سے پہلے دروازے کو اندر سے بند کیا اور تنہا ہونے کے باوجود ادھر ادھر دیکھنے کے بعد تکیے کے غلاف کے اندر سے تہ شدہ اخبار نکال کر ایک مرتبہ پھر اس نمبر کو بغور دیکھا جس پر ریڈ پین سے دائرہ لگایا گیا تھا۔

ہاتھ میں پکڑے اخبار اور اس پر لکھے نمبر کو دیکھنے کے دوران بڑے اسٹائل سے ان کی اپنی مونچھوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ بھی جاری تھی۔ اتنے آرام اور پیار سے وہ ان پر ہاتھ پھیر رہے تھے جیسے عام طور پر کسی جانور کو اپنائیت کا احساس دلانے کے لیے سہلایا جاتا ہے۔ کچھ دیر یہی ان ڈور گیم جاری رکھنے کے بعد آخر کار انہوں نے نیلے رنگ کے موٹی لفافے سے اپنا وہ موبائل فون نکالا جس میں ایک رات گاؤں کی تصویریں دیکھنے کے دوران ان کی آنکھ کیا لگی موبائل ہاتھ سے ایسا گرا کہ بالکل دونوں بھنوؤں کے درمیان ٹینس کی بال جتنا یادگاری تمغہ چھوڑ گیا۔ وہ دن تھا اور آج کا دن انہوں نے کبھی بھی اس حالت میں فون استعمال نہیں کیا تھا کہ وہ لیٹے ہوئے یا غنودگی کی حالت میں ہوں۔ ہمیشہ ہشاش بشاش ہو کر فون اس کے شاپر سے نکالتے۔

سو اب بھی کچھ دیر خیالوں اور تصورات میں چند منٹوں بعد ہونے والی گفتگو کو ترتیب دیا۔ یوں بھی ان کا ذاتی فلسفہ تھا کہ بے ترتیب گفتگو اور کپڑوں سے آتی بو کے ساتھ بندہ کبھی بھی نئی رشتے داری قائم نہیں کر سکتا۔

اور آخر کار جب تمام خیالات اور الفاظ پولنگ اسٹیشن میں لگی قطار کی طرح ترتیب وار نظر آئے تو انہوں نے نمبر ملایا۔ ان کا نمبر ملانے کا انداز بھی جہان سے منفرد اور نرالا تھا موبائل فون کو کسی شیر خوار بچے کی طرح ہاتھ میں لے کر اپنی آنکھوں کی متوازی سطح تک لاتے اور پھر دائیں ہاتھ کی وہ انگلی جس سے وہ اکثر دوسروں پر انگلی اٹھایا کرتے تھے اس سے ہر ایک نمبر کو یوں ہلکا سا دبا کر دائیں بائیں ہلاتے جیسے شیر خوار بچے کی تھوڑی پر انگلی رکھے اسے ہنسانے کی کوشش کر رہے ہوں حالانکہ بچے ہنسانے کے لیے ان کا حسب اوقات چہرہ ہی کافی تھا۔ اس کے برعکس چندا کا خیال تھا کہ ابا اپنی انگلی کو ربڑ تصور کرتے ہوئے موبائل سے نمبر مٹانے کی جدوجہد کرتے ہیں کوئی دیکھنے والا اگر ابا کا موبائل دیکھتا تو یقیناً" چندا کے تجزیے پر یقین کرتا کہ اکثر نمبر کسی کسی جگہ سے اڑ چکے تھے۔

دوسری طرف علی جو رات دیر تک فیس بک پر ایکٹو رہنے اور گڈ نائٹ فرینڈز کا اسٹیٹس لکھنے کے، تین تین گھنٹے بعد بھی آن لائن رہ کر کمنٹ کرنے اور جواب دینے کی بیماری میں بری طرح مبتلا تھا ابھی کچھ ہی دیر پہلے سویا تھا کہ سائیڈ ٹیبل پر رکھے موبائل پر ہوتی بیل پر پہلے تو بے خوابی کی دائمی مریضہ کی طرح یہاں وہاں کروٹیں بدلیں اور اس آس پر کہ شاید فون کرنے والا تھک ہار کر فون بند کر دے لیٹا ہی رہا، مگر خلاف توقع ایسا نہ ہونے پر.....

فون کرنے والے کو رات کے اس پہر ڈسٹرب کرنے پر دل ہی دل میں چند تمغے ارسال کرنے کے بعد اس نے خود پر سے کمبل ہٹایا اور کمپیوٹر کے بالکل سامنے رکھے فون کو جھپٹا اور نسوانی آواز میں بڑی ہی نزاکت سے بولا۔

"ہیلو.... اس وقت کون؟"

ابا جو اتنی دیر تک بیل جانے اور فون ریسیو نہ ہونے کی وجہ سے اب بے زاریت کا شکار ہونے لگے تھے اور فون کی بیٹری ضائع ہونے پر منی بس میں بیٹھے مسافروں کی طرح پہلو بہ پہلو بدل رہے تھے ایک دم اس قدر خوب صورت آواز سننے پر حواس باختہ ہو کر ترتیب دیے گئے تمام الفاظ الیکشن میں جیتے ہوئے

امیدوار کے وعدوں کی طرح پل بھر میں بھول گئے۔

"او جی کون؟ علیشا...؟"

"جی ہاں میں علیشا اور آپ؟"

"او جی میں... آپ کا اپنا۔" ابا خواہ مخواہ ہی سترہ سالہ دلہن کی طرح شرمائے۔ ان کا انداز علی کو کچھ جانا پہچانا محسوس ہو رہا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ بات کرنے کے ساتھ ساتھ بڑے ہی دھیان سے ان کی آواز بھی سن رہا تھا۔

"میرا اپنا...؟ لیکن میرا اپنا تو صرف فیس بک اکاؤنٹ ہی ہے۔"

"او جی دراصل... میرے پاس نا آپ کے لیے ایک خوشخبری ہے۔"

"خوشخبری؟ کیا آپ اسپتال کے لیبر روم سے بات کر رہے ہیں؟" وہ چونکا۔

"او نہیں جی' میں تے اپنے دل سے بات کر رہا ہوں... دوستی کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔" ڈرتے ڈرتے سابقہ تجربے کو ذہن میں رکھتے ہوئے ابا نے اپنے دل کی بات کی۔

"لیکن میں تو آج کل صرف دولت مند لوگوں کو ڈھونڈ رہی ہوں۔" علی نے براہ راست بات کی۔

"تلاشی کے لیے؟" ابا نے آنکھوں کو آخری حد تک سکیڑ کر ب کا نقطہ بنا ڈالا۔

"نہیں عیاشی کے لیے!"

"کیا مطلب؟" ابا نے ایک مرتبہ فون کو دیکھا اور پھر بات کی۔

"نہیں میرا مطلب ہے کہ بھائی کی جان بچانی ہے' عیاشی تھوڑی کرنی ہے میں نے۔"

ناک کے رستے زوردار طریقے سے سانس اوپر کھینچتے ہوئے علی نے ظاہر کیا کہ جیسے وہ رو رہا ہے اور نوجوان لڑکیوں کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر تو بڑے بڑوں کا دل ہمدردی میں پچھا جاتا یہ تو پھر اپنی عمر کے حوالے سے احساس کمتری کا شکار ابا تھے جن کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کسی طرح اس لڑکی کے آنسو اپنے ہلکے بڑھے ہوئے ناخنوں میں سمولیں۔ منہ تو ان کا خود کار جذبات کے نظام کے تحت یوں بھی رونے جیسا ہو گیا تھا۔

"نہ رو دو سوہنیو' بس مجھ سے دوستی کر لو' پائی کی جان وی بچ جائے گی اور میری وی۔"

"آپ کی جان...؟ کیوں آپ کو یرقان ہو گیا ہے؟" علی نے ان کے سامنے نہ ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک مکا ہوا میں رسید کیا۔ آج اسے حقیقتاً" اندازہ ہو رہا تھا کہ ہاتھ منہ دھو کر پیچھے پڑ جانے والے مردوں کے رویے سے لڑکیوں کے دل پہ کیا گزرتی ہوگی۔

"او یرقان نئیں... پر میرا دل ضرور آپ کے لیے ہلکان تے پریشان ہو گیا ہے۔"

"تو پھر دیر کس بات کی۔" علی نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ کبھی رفعت کے اس پیروہ کسی مرد سے فون ٹاک کر رہا ہوگا۔

"بس آپ کی نکی جئی ہاں کی۔" ابا نے چشم تصور سے خود کو علیشا کے کان سے لگے موبائل فون کی جگہ پایا تو اپنے آپ میں ہی سمٹ کر سکڑ سے گئے کہ یہی اب ان کی عمر کا تقاضا بھی تھا۔

"تو بس آپ میری طرف سے ہاں ہی سمجھیں۔"

"تے فیر دوستی پکی؟" ابا نے بائیں ہاتھ کی پشت سے خوشی کے آنسو پونچھے اور پھر اپنی دکھ سکھ کی ساتھی مونچھوں کو انگشت شہادت پر بٹھا کر جھولا جھلایا۔

"پہلے قلمی دوستی تو کرلیں باقی باتیں بعد میں طے کریں گے۔"

"قلمی دوستیں؟" ابا کے لیے یہ اصطلاح بالکل نئی تھی۔

"کیا اس میں دوست کے ساتھ مل کر قلمیں لگانی پڑتی ہیں؟" ابا کے معصومانہ سوال پر علی نے ناگواری سے منہ بسورا۔

"جی نہیں، صرف میرے نام کے زیادہ سے زیادہ چیک لکھنے پڑتے ہیں۔"

"ہور کوئی طریقہ نئیں ہو سکتا؟" یہی وہ بات تھی جو علی کے ذہن میں خوشیوں کے باجے بجا گئی، لیکن بظاہر ناراضگی سے بولا۔

"بھائی کی جان بچانے کے لیے پیسے نہیں تو کیا بتاشے مانگوں لوگوں سے؟"

"معاف کرنا جی... قسمے میرا یہ مطبل نئیں تھا۔" اپنے سے ڈبل عمر کے مرد سے شادی کرنے کا ایک کھلم کھلا فائدہ تو یہ ضرور ہوتا ہے کہ وہ دیگ کی کھرچن کی طرح ہمیشہ پیچھے لگے رہتے ہیں اور اس پر بھی خوش ہو کر خود کو دنیا کا خوش نصیب ترین انسان سمجھتے ہیں۔ بیگم کی نہ ناراضی برداشت کرتے ہیں نہ آوارگی... ہر صورت صلح کا پرچم بلند رکھتے ہیں ناراضی کی صورت میں بیگم سے اور آوارگی کی صورت میں بیگم کے متاثرین سے۔

راحت فتح علی خان کو اپنی عمر کے تمام مردوں کے حقوق کا علمبردار قرار دیتے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ اس کے ہم عمر ہیں بلکہ اس لیے کہ اس نے "دل تو بچہ ہے جی" گا کر ان کے دل کے بقایا تین وال میں سے ایک میں گھر کرلیا ہے۔ باقی ایک پر بیگم کا اور آخری وال پر ان تمام کا قبضہ تھا جو بیگم بن جانے سے بال بال بچ گئی تھیں۔

"تو پھر کیا مطلب تھا؟"

"مطبل تے جو سوتھا سوتھا، پر میں پیسے بھیج دوں گا۔" کچھ پانے کے لیے ابا کچھ کھونے پر تیار نظر آئے تھے۔

"چلیں، دیکھتے ہیں اگر ایسا ہوا تو..."

"بس جی فیر آپ مجھے دیکھنا تے میں آپ کو۔" ابا نے خوش کن خیالات کے زیر اثر کہا۔

"میں انتظار کروں گی۔" علی نے منہ چڑاتے ہوئے، مگر بے حد لگاوٹ سے کہا تو ابا خود کو اڑتا ہوا محسوس کرنے لگے۔

"مجھے دیکھنے کا؟"

"نہیں پیسوں کے پہنچنے کا۔" خود پر مزید جبر نہ کرنے کے خیال سے علی نے ان کا جواب سنے بغیر فون بند کیا اور اپنی کامیاب کوشش پر ہوا میں یاہو کا نعرہ بلند کردیا۔

"تو بس... اب آیا نا اونٹ پہاڑ کے نیچے۔" موبائل اوپر اچھال کر کیچ کرتے ہوئے وہ مسکرایا۔ اور خود سے ہی بولا۔

"ویسے کتنے چیکو ہوتے ہیں نا یہ مرد۔"

بات کرنے کے دوران ہی آئینے پر اچانک نظر پڑتے ہی آنکھیں خود آپ سے چار ہوئیں تو یاد آیا کہ کچھ بھی ہو، لیکن وہ خود بھی تو ایک مرد ہے۔ اس لیے اجتماعی رائے قائم کرنا ہرگز ٹھیک نہیں ہوگا۔ جب ہی کھسیاتے ہوئے شرمندگی سے بولا۔

"میرا مطلب ہے کہ کوئی کوئی مرد اتنے چیکو، لفنٹر اور ٹھرکی ہوتے ہیں ورنہ باقی تو سب بہت ہی اچھے ہوتے ہیں۔"

(باقی آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

✡ ✡

ناولٹ
اُمِ طیفور
سانس در سانس

چار عورتیں ساس کے روپ میں میرے سر پر مسلط ہوں گی! اگر اس بات کی مجھے ذرا بھی بھنک پڑ گئی ہوتی تو مرتی مرجاتی مگر بیاہ نہ کراتی اور مزے سے ساری عمر اباجی کے سینے پر مونگ دلتی جنہوں نے مجھ یتیم سے نہ جانے کس زمانے کا بدلہ لیا تھا۔ میں نو سال کی تھی جب میرے خود کے اباجی گزر گئے تھے میرے دادا نے بڑی محبت سے ہم بچوں کو اپنے کرتے کے دامن میں سمیٹ لیا تھا۔۔۔ (ظاہر ہے اب آنچل میں سمیٹ لیا تھا یا مرغی کی طرح پروں میں چھپا لیا تھا۔۔۔ ایسا کہنے سے تو رہی!) اور تب ہی سے میں نے دادا کو اباجی کہنا شروع کیا تو میرے بھائیوں نے بھی دادا کو ایسے ہی بلایا۔

خالص پنجابی خوراک پر پلی بڑھی تھی۔ سچے دودھ کی دھاریں حلق میں اتاری تھیں ایک من وزن تو آرام سے اٹھا لیتی تھی دودھ' دہی' مکھن پیڑے کھانے والی لڑکی تھی لہٰذا اٹھان بھی خوب تھی۔

پڑھائی میں دل تو خوب لگتا تھا مگر کوئی استانی کبھی دل کو نہیں لگی۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ میرا دماغ پڑھائی کرنے لائق ہے ہی نہیں۔ جب ہی تو رو پیٹ کر ایف اے کیا اور وہ بھی پرائیویٹ۔ جب تک اسکول جاتی رہی' میرا کسی نہ کسی سے پھڈا ہوتا ہی رہا۔ بس استانیوں اور گھر والوں کے دل شکن رویے نے پڑھائی سے میرا دل ایسا اچاٹ کیا کہ دنیا ایک عدد "پی ایچ ڈی" ڈاکٹر سے محروم رہ گئی۔ کیوں کہ میرا کا ارادہ تھا کہ ایک دن آئے گا جب میرے نام سے پہلے بھی ڈاکٹر لگے گا مگر۔۔۔ حق ہاہ!

پر میری لگن کا یہ عالم تھا کہ میں نے رسالوں سے ہی دیکھ دیکھ کر ایسے نادر اور بے حساب ہومیوپیتھک نسخے یاد کیے اور اتنے لوگوں کو علاج کی غرض سے بتائے کہ رفتہ رفتہ میں اپنے ہی محلے میں ڈاکٹنی کے نام سے مشہور ہو گئی۔ ذرا کسی کو کوئی مسئلہ ہوا نہیں۔۔۔ وہ بھاگا آتا تھا کیوں کہ میرے پاس حکیمی نسخوں کی بھی ایک کتاب موجود تھی جس سے میں بوقت ضرورت بھرپور استفادہ کرتی تھی۔ ڈاکٹر بننے کے لیے گلے میں گھنٹا (اسٹیتھسکوپ) پہننا ضروری تھوڑا ہی ہے۔

خیر میری فطانت و ذہانت تو ایک الگ قصہ ہے۔۔۔ اصل مدعے پر آجاتے ہیں۔ ایف اے کے بعد اماں نے میرے لیے رشتے ڈھونڈنے شروع کیے تو میں نے صاف شرط رکھ دی کہ لڑکے کی ماں نہ ہو۔۔۔!

"بیڑہ غرق!" بات ابھی میرے منہ میں تھی اور گھر والوں نے ہاتھوں میں ڈنڈے اٹھا لیے۔ اماں نے دو جوتے مار کر کہا کہ

"کل کو بھابھی لائے گی تو ماں کو بھی زہر دے دینا۔ آخر کو میں بھی تو ساس ہی ہوں گی نا۔۔۔!"

اباجی نتھنے پھلاتے اور سینہ کھڑکھڑاتے ہوئے بولے۔

"کڑیے! ایک لمبی ڈوری تو سوگنڈاں مارتے فیران کو کھول۔۔۔ فیر بار بغیر کھول۔۔۔!"

میں نے متجسس ہوتے ہوئے اباجی سے پوچھا۔

"اباجی! ایسا کرنے سے کیا میری ہونے والی ساس پار لگ جائے گی؟" مجھے لگا اباجی نے کسی عامل سے کوئی عمل پوچھا ہے۔ بولے

"نہیں۔۔۔! مرن جو گیے تیرے میں صبر پیدا ہو گا۔"

لو بھلا جاؤ۔۔۔ لے کر دماغ کا دہی بنا دیا۔ اباجی مجھ میں صبر پیدا کرنا چاہ رہے تھے اور میں ساس پر صبر کرنے کی خواہاں تھی۔ پرانے بابوں کی بھی نرالی ہی منطق ہوتی ہے۔ میری اور اباجی کی تو ویسے بھی بچپن سے ٹھنی ہوئی تھی۔

اماں بتاتی ہیں میرے پیدا ہونے پر اباجی کی لاڈلی مہج (بھینس) گزر گئی۔ سب سے زیادہ دودھ دیتی تھی وہ اباجی کو پیاری اس لیے تھی کہ میری دادی کی نشانی تھی وہ۔ میرے جوان ہونے تک اباجی کو اس کا قلق نہیں گیا۔ میری صورت دیکھتے تو اکثر دکھی سی لمبی آہ سینے سے نکلتی اور مجھے یاد دلا جاتی ایک دن مجھے کہنے لگے۔

"میرے لیے تو بھوری (بھینس) بالکل رشیدہ کی طرح تھی اسے دیکھ کر احساس ہوتا تھا جیسے رشیدہ میرے آس پاس ہی ہو۔" اس کے بعد اباجی کو بھوری کے مرنے کا قلق رہا ہو یا نہ ہو مگر اپنے اس جذباتی بیان

کا قلق ساری عمر رہے گا میری مرحومہ دادی کو بھینس سے ملا دیا۔ میں نے جا کر یہ بات سیدھے چچا شوکی کے کان میں پھونک دی۔

یہ تھے میرے سب سے چھوٹے چچا۔ دادی مرحومہ کے بے انتہا لاڈلے اور ابا جی کے بقول سارے جہان کا نکما اور ویلا مسٹنڈا! دونوں سوکنوں کی طرح لڑتے تھے۔ باپ بیٹا کم محسوس ہوتے تھے۔ ہر وقت ایک دوسرے کا شریکا بنے رہتے۔ ابا جی کو چچا کی آوارہ پھرنے پر اعتراض تھا۔ اتنی عمر ہونے کو آئی تھی اور شادی بھی نہیں کرائی تھی جبکہ ابا جی ابھی بھی لنڈورے جو ہے کو کسی مستقل کڑکی میں پھنسانا چاہتے تھے، مگر چچا ٹھہرے پرلے درجے کے غیر مستقل مزاج۔ وہ ہم گھر والوں کی شکلیں زیادہ دن دیکھتے رہتے تو اوب کر کہتے۔

"دنگ آ گیا ہوں میں وہی روٹین کی بوتھیاں دیکھ دیکھ کر کچھ دن شہر سے دور جاؤں۔ شاید دل کی بے زاری ختم ہو۔"

اب ایسے میں وہ بیوی کی شکل کیسے برداشت کرتے جسے صبح بھی دیکھنا تھا، شام بھی۔ سونے سے پہلے بھی جس کی شکل دکھنی تھی اور سوتے سے اٹھنے کے بعد بھی اسی کا دیدار ہونا تھا۔

ہنر مند تھے، مگر ٹک کر کام نہیں کرتے تھے۔ جیب بھری ہوتی تو ہزاروں روپے باہر جھانکتے پھرتے اور خالی ہونے پر آتی تو سکوں کی کھنک کو بھی ترستے۔ اکثر کڑکی کے دنوں میں گھر کے بچوں کو آنے بہانے لوٹتے پائے جاتے۔ گھر والوں پر لٹاتے بھی خوب تھے سو کبھی کوئی بدمزا نہیں ہوا، مگر ابا جی کو چچا کے زندگی گزارنے کے ڈھب پر شدید اعتراض تھا۔ دادی کے لاڈ پیار نے چچا کو تھوڑا بد لحاظ بھی کیا تھا جو بھی تھا ماں کے مرنے کے بعد بھی چچا ابھی تک انہیں یاد کر کے روتے تھے ان کے خلاف نہ کچھ سن سکتے تھے اور نہ سہ سکتے تھے۔ ایسے میں جب میں نے چچا کو بتا دیا کہ ابا جی بھوری کو دادی جیسا ہی سمجھتے تھے اور بھوری کے کھرے میں انہیں دادی کا... آہو!

تو بس پھر وہ آڑا لگا دونوں پیو پتر کا کہ حد نہیں۔ ابا جی اور چچا نے ایک دوسرے کو خوب چھبال دیں۔ میں اندر کمرے میں بیٹھی گچک کھاتی رہی اور چچا چھوٹا سا سفری بیگ ہاتھ میں تھام یہ جا... وہ جا!

بعد میں ابا جی نے اماں کے ساتھ مل کر میری خوب گت بنائی۔ تب ہی، تب ہی ابا جی نے مجھے غصے میں کہا تھا۔

"تینوں تے میں اوتھے سٹاں گاں جتھے پانی وی نہ لبے۔"

(تجھے تو میں وہاں پھینکوں گا جہاں پانی بھی نہ ملے)

اور آنے والے وقت نے یہ ثابت کیا کہ ابا جی نے مجھے ایسی جگہ پھینکا جہاں پانی تو وافر تھا، مگر کم بخت چار چار ساسوں کو دیکھ کر میں بوند بوند روئی۔ حالانکہ میں کتنا کلپی تھی کہ میں وہاں شادی کراؤں گی جہاں ساس نام کا ٹنٹنا نہ ہو اور سر پر ہر وقت برستا کسی کا ڈنڈا نہ ہو۔ سال کے سال مرحومہ ساس کا ختم بڑے چاؤ سے دلانا تو مجھے منظور ہے، مگر خود ساس کے ہاتھوں ختم ہونے کا خدشہ نہ ہو...!

مگر... ہوا کیا! ہوا یہ کہ ہوتے ہوتے مجھے چھبیسواں سن لگ گیا۔ رشتے آئے اور وافر آئے، مگر آنے والے ہر رشتے ساس کے بگھار کے ساتھ ہی ہوتا تھا لہٰذا میری طرف سے جھٹ پٹ انکار ہو جاتا تھا۔ آس پڑوس والیوں کے ہاتھ بھی شغل آ گیا تھا کبھی ایسا بھی ہوا کہ رشتہ دیکھنے کے لیے آنے والی عورتوں کو کوئی ہمسائی ٹکرا گئی اور پھر سلام دعا سے بات شروع ہوتی جس کا اختتام یہاں پر ہوتا کہ مائی! بیٹا ادھر بیاہتا ہے تو اپنے لیے قبر کی بکنگ کروا لو کیوں کہ جدھر کا منہ کر رہی ہو ادھر والوں کو ساس نہیں راس۔! یہ سنتے ہی باجماعت آنے والا رشتہ واپس نکل لیتا یوں اچھی خاصی خوب صورت ہونے کے باوجود میرا معاملہ کھٹائی میں پڑتا جا رہا تھا۔ پھر یوں ہوا کہ مجھے چھبیسواں سن لگا میرے سر میں چار سفید بال اور دوسری طرف میری بچپن کی سہیلی کم دشمن رجو کا چوتھا بچہ اکٹھے ہی وارد ہوئے۔ مجھے تو جی سیاپا پڑ گیا۔ وہ رولا ڈالا میں نے کہ اماں کو لگا مجھے دورہ پڑ گیا ہے اور پھر میں نے صاف

صاف کہہ دیا کہ میرے سر میں پانچواں بال اور رجو کا پانچواں بچہ آنے سے پہلے پہلے میرا بیاہ ہونا چاہیے۔ کنوؤں میں بانس ڈلواؤ یا ڈیموں میں بندے اتارو... مجھے میرا مطلوبہ "خاوند" چاہیے... بس!

میری دی گئی تڑی (دھمکی) نے اباجی کو مزید تاؤ دلا دیا وہ صاف کہنے لگے کہ ایسی دیدہ ہوائی لڑکی میری سات پشتوں نے نہ دیکھی ہوگی۔ (اب اباجی سے کوئی پوچھتا آیا انہوں نے خود اپنی سات پشتیں دیکھیں ہیں...!)

چند دن گزرے اور ظہر کی نماز پڑھ کر واپس آتے اباجی کے ہمراہ ایک لحیم شحیم خاتون دکھائی دیں۔

وہ ٹوپی برقعے والی خاتون میری دادی کے منصب پہ... درحقیقت میرے لیے بن ساس کا رشتہ لے کر آئی تھیں، مگر میری زبان کے جوہر دیکھتے ہوئے اللہ توبہ... اللہ توبہ کررہی تھیں۔ لڑکا خاتون کی بیٹی کا محلے دار تھا اور بن ماں کا بچہ تھا۔ مجھے جیسے ہی یہ پتا چلا... میں جھٹ پٹ جاکر چائے بنا کر لے آئی ساتھ میں بھابھی نے بھائی کے لیے تین شامی تل کر رکھے تھے وہ بھی ٹرے میں سجا لیے بس آخری شامی ٹھونسنے تک خالہ کا دل میرے لیے کافی صاف ہوگیا تھا تب ہی پورا شامی منہ میں ڈالنے کے بعد اسی بھرے منہ سے میرا رشتہ ڈال دیا۔

میری تو مانو لاٹری لگی تھی۔ لڑکا اکلوتا تھا اور ماں کو مرے آٹھ برس بیت چکے تھے۔ نانی اور خالہ میں مل ملا کر رشتے کے لیے کوشش کررہی تھیں جو کہ آخر کار بار آور ثابت ہوئیں اور مجھ جیسا گوہر نایاب انہیں بھا گیا۔

ان دنوں اباجی بھی بے حد خوش تھے اور آتے جاتے بلغم زدہ آواز میں میرے سر پر تھپکی دیتے ہوئے کہتے۔

"خوش ایں ناں... ہون اگے جاکر موجاں ماریں..."

اور یہ تو مجھے غفران سرور سے بیاہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اباجی کس قسم کی موجوں کی بات کررہے تھے۔ یہ کوئی موج مستی والی موجیں نہیں تھیں یہ تو آنے والے حالات کی ستم گر موجیں تھیں جو مجھے کنارے پر بھی پٹخ سکتی تھیں اور بیچ منجدھار میں ڈبو بھی سکتی تھیں۔

فی الوقت راوی میرے لیے چین ہی چین لکھتا تھا... تین ماہ رہنے والی منگنی میں میں نے اترا اترا کر اور اٹھلا اٹھلا کر جوڑ جھیلے کرلیے تھے۔ غفران سرور کا دھانسو قسم کا نام ہی بہت تھا جسے زبان سے ادا کرتے وقت میری شوخیاں عروج پر ہوتی تھیں کہ ایسا بھاری بھرکم اور خوب صورت نام دور و نزدیک نہ میرے کسی کزن کا تھا اور نہ میری کسی سہیلی کے خاوند کا، خود رضیہ کے میاں کا نام اشفاق تھا جسے سب شاکا نائی بلاتے تھے کیوں کہ پیشے کے اعتبار سے وہ نائی تھا اور لوگوں کے بال کاٹتا تھا۔ چار گلیاں چھوڑ کر ہی اس کی دکان تھی۔ سارے بڑے چھوٹے اسی کے پاس ٹنڈیں کروانے جاتے تھے اور کلموہی رضیہ فخر سے گردن اکڑا کر بولتی۔

"کل اشفاق کے "سیلون" میں بڑا رش تھا۔ اشفاق اپنے "سیلون" کی ایک اور برانچ کھول رہے ہیں۔"

دو ٹوٹی کرسیوں اور ایک خستہ سی کسٹر سیٹ والی گندی اور اکھڑے سیمنٹ والی دکان کو کمینی نے "سیلون" کا نام دے رکھا تھا۔

ایسے میں جب رضیہ کو میں نے اپنے منگیتر کا بھاری اور رعب دار نام بتایا تو اسے دہرانے میں ہی رضیہ کی زبان بل کھا گئی تھی۔ رہی سہی کسر تصویر نے پوری کردی، دیکھتے ہی چہرہ جلن کے مارے جامنی سا ہوگیا۔

بڑے سہانے دن تھے صبح شام مستی سی چھائی رہتی تھی۔ ساس کے نہ ہونے کا احساس مجھے ہرنی کی طرح قلانچیں بھرنے پر مجبور کرتا۔

"ایک میں، ایک تو۔" کا خوب صورت سفر شروع ہونے کو تھا، مگر مجھے تو ولیمہ والے دن پتا چلا کہ اس سفر میں ساس نامی چار عدد بریکر میرے منتظر ہیں جنہوں نے میرے وجود کی چولیں ہلا ڈالنی تھیں۔

✲ ✲ ✲

شادی کی رات تو غفران سرور کے موٹے موٹے ڈکار سنتے ہی گزر گئے عجیب آدمی تھا خود ہی مجھے ہنس ہنس کر بتاتے رہے کہ بارات کا کھانا بہت لذیذ تھا اور میں نے انوں (اندھوں) کی طرح کھایا ہے۔ کچھ نہیں دیکھا' ہڈی نگلی یا... بس ایک ہی دھن تھی کہ جی بھر کر کھالوں کہ زندگی میں اپنی ہی بارات کا کھانا "دوبارہ" کھانا ہر خوش قسمت کو نصیب نہیں ہوتا۔

اور پھر ساری رات کمرے میں "ڈکار بینڈ" بجتا رہا جس میں کسی کسی وقت موٹے موٹے خراٹوں کے سر کا اضافہ ہوجاتا تھا اور میں کمرے کی کثافت زدہ فضا میں اباجی کو یاد کرتی رہی۔

☼ ☼ ☼

ولیمہ کی صبح میری آنکھ معمول سے کہیں دیر سے کھلی۔ میرے میکے میں سحری کے وقت جھوصبح ہوجاتی اور نماز کے بعد تو اباجی گویا پہرے پہ بیٹھے رہتے کہ کوئی بندہ سونے نہ پائے۔

میں نے گھڑی دیکھی تو دن کے پونے آٹھ بج رہے تھے۔ ساری رات ڈھنگ سے آنکھ نہیں لگی تھی لہٰذا اس وقت بھی ذہن بے حد بوجھل سا تھا۔ کسل مندی سے کروٹ بدلی تو دھک سے رہ گئی۔ صاحب بہادر کروٹ کے بل لیٹے نیم وا آنکھوں اور نیم وا ہونٹوں سے مجھے ہی تک رہے تھے۔ اللہ قسم پہلا خیال یہی آیا کہ گزر گئے۔ ایک رات کی بیوہ' منحوس' سبز قدم اور پتا نہیں کون کون سے القابات دل و دماغ میں ہلچل مچانے لگے۔ چند لمحوں بعد اپنے خیالات کو پرے مارا اور ان کے "بڑے گھیر" والے چہرے کے قریب اپنا چہرہ کیا اور آتی جاتی سانسوں کو محسوس کرکے سکون کا سانس لیا' مگر ان کو اس طرح دیکھ دیکھ کر بھی وحشت سی ہورہی تھی۔ تھوڑا ہلایا' ٹھوکا دیا' پاؤں میں گدگدی کرلی' مگر نہ جی کوئی نا... ! ٹس سے مس نہ ہوئے۔ ساری رات کمرے میں "ڈرم" بجاتے رہے تھے' پل بھر کو بھی چین سے آنکھ نہ لگنے دی اور اب ایسی گہری نیند میں بھی مجھے دہشت زدہ کیے دے رہے تھے اٹھانے کی ساری کوششیں ناکام ہوتی دیکھ' غصہ نہ آتا تو اور کیا ہوتا۔ بمشکل انہیں اٹھایا اور واش روم میں دھکیلا۔

اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ اٹھ کر کھولا تو کیا سونامی کا بہاؤ ہوگا جو ایک بہت بڑے ٹولے کی صورت میرے کمرے میں کارپٹ روندتا داخل ہوا تھا۔ غفران کی "رشتے داریوں" کا یہ ٹولا جم کر میرے بیڈ پر ڈھیر ہوگیا۔ کسی نے ناشتے کے لوازمات سے بھرے تین چار ٹرے سینٹر ٹیبل پر دھر دیے جو یقیناً" میرے میکے سے آیا تھا۔

"اے پالی! ایسے آڑے کیوں کھڑی ہوگئی ہو۔ ٹل بھی پڑو کہ سہارا دے کر لائیں۔"

میں جو ابھی تک حیران تھی اس باٹ دار آواز والی کو دم بخودسی دیکھنے لگی۔ غفران کی شاید کوئی کزن تھی۔ دیکھنے میں "سومو پہلوان" سے مشابہ۔ یہ چنی چنی سی آنکھیں' موٹاپے سے لبریز جسم' کھوپڑی کے عین وسط میں اونچی سی جوڑی اور مٹیالا گندمی سا رنگ روپ' جسے خوب بیس تھوپ کے گورا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی کیوں کہ گرمی نے بیس کا پانی بنادیا تھا۔ موٹے موٹے بلوں والی گردن میں پھنس کر ذخیرہ ہوچکی تھی۔

اتنے میں کسی اور خاتون نے مجھے پچکار کر پاس بلایا۔ یہ قدرے بہتر حلیے اور رویے والی خاتون تھیں۔ میں سکون سے انہیں کے پاس جا ٹکی۔ وہ سب یوں ٹوٹ کر ناشتے پر پڑیں کہ میں احتیاطاً" دو فٹ پرے ہوکر بیٹھ گئی۔ وہ پلیٹ سے پلیٹ بجی' گلاس سے گلاس ٹکرایا کہ جیسے پورے سال کے بھوکے اس وقت میرے جہیز کی سینٹر ٹیبل کے گرد ناچ رہے تھے۔ کوئی حلوہ پوری کی چکنائیوں سمیت میری نرم ملائم کبوتر کے پروں جیسی سفید بیڈ شیٹ پر چڑھ گئی اور کسی نے کارپٹ پہ پائے کے سالن میں نان ڈبو ڈبو کر مقابلے کا اسٹارٹ لیا۔ حد تو یہ کہ ایک خاتون کی آٹھ دس سالہ بچی نے شوربے سے بھری پلیٹ منہ کو لگانا چاہی' مگر شاید اس کے گمان میں اس کا منہ ٹھوڑی پہ لگا تھا سارا شوربہ بہتا بہاتا بچی کی گردن سے تھرکتا میز کارپٹ پر گر کر پرسکون ہوگیا۔ ستیاناس! آف وائٹ قالین پہ گاڑھے گاڑھے

شوربے نے میرا دل راکھ کردیا۔ جی تو چاہا کہ ہاتھ میں پکڑی خالی پلیٹ اس بچی کی پیٹھ پہ دے ماروں۔۔۔ مگر میرے کرنے سے پہلے ہی اس بچی نے ایک اور کمال کر دکھایا' پاس رینگتے آٹھ' نو ماہ کے بچے کو اچک کر زبردستی کارپٹ پہ گرے شوربے پر بٹھادیا۔ بچہ مچلا' ٹھنکا مگر بچی نے پورا زور بیٹھائے رکھا جب تک کہ شوربہ یقینی طور پر بچے کی نیکر میں جذب نہیں ہوگیا پھر مسکینی بن کر اس کی ماں کا دھیان بچے کی جانب دلا دیا۔ وہ عورت نوالہ منہ میں لے جانا بھول کر بیٹے کی "کارروائی" کو بغور دیکھنے کے بعد یک دم جیسے ہوش میں آئی۔

☼ ☼ ☼

ولیمہ ہوگیا اور بہت عمدہ طریقے سے ہوا ایسا شاندار رش رہا اسٹیج پر کہ سالوں لوگ یاد کریں گے۔ چار عمر رسیدہ عورتوں نے اسٹیج پر دھرے صوفوں کو جیسے اپنے ہی نام الاٹ کرا رکھا تھا۔ یوں بیٹھیں گویا جم ہی گئیں۔ ان میں سے ایک نے تو مجھے بھی بڑی مشکل سے صوفے پہ بیٹھنے لائق جگہ فراہم کی تھی کہ آخر جو بھی تھا ولیمہ کی دلہن تو تھی ہی نا! اتنا تو مجھے اندازہ ہو ہی گیا تھا کہ چاروں غفران کی قریبی عزیز ہیں جب ہی اتنے حق سے صوفے پر بیٹھی تھیں جس جس عورت نے بھی مجھے سلامی دی۔۔۔ بے چاری کو تصویر بنوانے کے لیے صوفے کی ہتھی پر بیٹھنا پڑا کہ تو سیٹر صوفے کی ایک سیٹ پر میں تھی اور دوسری پر ان چاروں میں سے ایک جو چہرے مہرے سے ہی خاصی خرانٹ سی لگی تھیں۔ وہ گویا فکس تھیں اوپر سے میرے سیٹ بیک پر عورتوں اور بچوں کا بھرتا رش۔۔۔ اللہ! اللہ!

حد تو یہ تھی کہ غفران کو بھی کسی نے اوپر آنے کا موقع نہیں دیا۔ جہاں سے اوپر چڑھنے کی کوشش کرتے وہیں سے بے مروتی سے کہہ دیا جاتا "جگہ نہیں ہے۔۔۔" اور وہ بے چارے کوئی دوسرا راستہ تلاش کرنے لگتے۔

میں تو یہ صورت حال دیکھ کر دنگ تھی دنگ تو میں ان چاروں عورتوں کو دیکھ کر بھی تھی جنہوں نے اس تمام ہڑبونگ میں بھی اپنا "کھونٹا" نہیں چھوڑا تھا' مگر میں کر بھی کیا سکتی تھی للذا دانت پیستی رہی اور اس تقریب کے ختم ہونے کی دعائیں مانگتی رہی۔

☼ ☼ ☼

دن چڑھے کافی وقت ہو چلا تھا' مگر آج میں ڈٹ کر سوئی تھی۔ مجھے بھلا کس نے اٹھانا تھا۔ یہ کام تو ساس ہوتی تو کرتی' مگر ساس ایسی پھانس تو تھی نہیں سو سکون سے نیند پوری کی۔ البتہ غفران پتا نہیں کس گھڑی اٹھ کر باہر جاچکے تھے شاید ناشتا وغیرہ تیار کر رہے ہوں (آخر ساسوں والے ناز کچھ دن تو میرے اٹھانے تھے نا) اسی خوش فہمی میں' میں کروٹ بدل کر پھر لیٹ گئی۔ سامنے دیوار پر گھڑی لگی تھی جس پر ساڑھے گیارہ کا وقت تھا سوچا آدھا گھنٹہ اور آنکھ لگالوں پھر سکون سے گھر کا جائزہ لوں گی۔ ابھی یہی سوچتی ہوئی دوبارہ آنکھیں موند ہی رہی تھی کہ دروازہ اس زور سے بجا جیسے بجانے والے نے توڑنے کی نیت سے بجایا ہو۔

میں یک دم ہڑبڑا کر اٹھی۔ خالی گھر میں کون ہو سکتا ہے۔ غفران ہوتے تو بھلا دروازہ کیوں بجاتے؟ لگتا ہے ابھی کوئی سسرالی عزیز گھر میں دندنا رہا ہے ابھی سوچ کے گھوڑے دوڑا رہی تھی کہ اس دفعہ دروازہ بجانے کی زحمت بھی نہیں کی گئی اور دھاڑ سے دروازہ پھلانگتی وہی خاتون نمودار ہوئیں جو ہمارے ولیمہ میں میرے صوفے پر میرے ساتھ چپکی بیٹھی رہی تھیں۔

"کیا ہے دلہن۔۔۔ اتنی پوستی ہو تم افیم کھا کر سوئی تھیں کیا۔۔۔ کل سے ذرا جلدی اٹھ جایا کرنا۔ اماں جی کو ست گائے جیسی عورتیں بالکل نہیں پسند۔۔۔ اب جلدی سے تیار ہو کر باہر چلی آؤ۔ بارہ بجے کی چائے سب اکٹھے پئیں گے۔"

بات پوری کر کے واپس مڑیں پھر پلٹیں اور بولیں۔

"اب نہانے میں صبح سے شام مت کردینا۔" وہ تڑتڑ بولتی بالتی یہ جا وہ جا۔۔۔ اور میں "ہاہا" کے انداز میں منہ کھولے تیور ملاحظہ کرتی رہ گئی۔

خوب سج بن کر میں جب کمرے سے باہر نکلی تو پہلے تو کچھ سوجھا ہی نہیں کہ جاؤں کدھر۔ منہ اٹھائے ایک طرف کو چل پڑی تو چند قدم پہ ہی برتنوں کی کھڑ پڑ اور باتوں کی آوازوں نے سمت کا تعین کر دیا۔ یہ ایک ڈائننگ روم تھا جہاں ہر ٹو تنگ مچی تھی ان چار مخصوص خواتین کے علاوہ چند دوسرے لوگ بھی ناشتا کرنے میں بری طرح مصروف تھے (یہ مجھے بعد میں پتا چلا کہ یہ سب بارہ بجے کی چائے کا اہتمام تھا) مجھے دیکھ کر ان چار میں سے ہی ایک آگے بڑھی اور مجھے ساتھ لگاتے ہوئے میز تک لے آئی اور پھر باری باری سب کا تعارف کروانے لگیں۔

"بیٹا یہ غفران کے تایا، تائی ہیں' یہ چھوٹی پھوپھی ہیں۔ ان کے میاں گزر چکے ہیں جبکہ یہ دونوں غفران کی تایا زاد بہنیں ہیں۔" یہ تو ہوا باقیوں کا تعارف۔۔۔ میری سوالیہ نظروں کو اپنی جانب دیکھا تو کھلکھلا کر ہنسیں اور بولیں۔

"میں غفران کی سب سے بڑی خالہ ہوں۔ میرا نام زاہدہ ہے اور یہ دونوں۔۔۔" اشارہ ان دو کی طرف تھا جن میں سے ایک نے میرے ساتھ اسٹیج پر چپکے رہنے کی قسم کھائی تھی اور دوسری وہی جو صبح مجھے اٹھانے آئی تھیں۔ سنسناتی گولی جیسی بارودی آواز والی خاتون۔۔۔!

"یہ دونوں غفران کی چھوٹی خالائیں ہیں۔ دونوں جڑواں ہیں لہٰذا مزاج بھی ایک سے ہیں اور یہ جو ہیں۔۔۔"

اشارہ اب کی بار سب سے معمر خاتون کی جانب تھا جن کا سر برف سے سفید بالوں سے بھرا ہوا تھا اور منہ دانتوں سے خالی تھا جب کہ ایک واحد سامنے کا دانت بڑھ کر نچلے ہونٹ کو چھوتا تھا۔

"یہ ہیں غفران کی نانی یعنی تمہاری نانی ساس۔۔۔ بلکہ ہم سب ہی تمہاری ساسیں ہیں۔۔۔ ہم سب غفران کے ساتھ ہی رہتی ہیں۔ لڑکیوں کی ایک ہی ساس ہوتی ہے تمہاری چار چار ہیں۔۔۔ تمہیں چار ساسوں کا پیار نصیب ہوگا۔ ہاہاہا۔ ہاہا!" بات مکمل کر کے وہ ہنسنے لگیں پھر سب ہی ہنسنے لگے۔ مجھے لگا یہ سب مجھ پر ہی ہنس رہے ہیں۔ مجھے در و دیوار گھومتے محسوس ہو رہے تھے۔ چاروں اور سے ساسوں کی پلٹن جیسے مجھ پر حملہ آور ہونے کو تیار تھی اور میں بے بسی سے ابا جی کو "دعائیں" دیتی چکراتے سر کو سنبھالتی زمین بوس ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

کیسا بھرپور انتقام لیا تھا ابا جی نے مجھ سے۔ کہاں تو میں ایک ساس کو راضی نہیں تھی اور کہاں ابا جی نے یکمشت چار چار کے وبال میں مجھے دھکیل دیا تھا۔

غفران کی اماں کو مرے آٹھ سال بیت چکے تھے اور والد بہت پہلے بچپن میں ہی گزر گئے۔ ان کے جانے کے بعد غفران کی والدہ اپنے والدین کے پاس آ گئیں جہاں ابھی تک ان کی تین بن بیاہی بہنیں موجود تھیں۔ زمین جائیداد پر دیوروں کا قبضہ ہوا اور غفران کے ہاتھ بمشکل ایک فیکٹری آئی جو آج تک رزق کا وسیلہ تھی تینوں خالائیں غفران کے دھیان لگیں تو شادی نہ ہونے کا دکھ دھندلا سا گیا۔ شکل و صورت بھی معقول تھی اور مالی وسائل بھی تھے۔۔۔ بس نصیب کا چکر تھا ورنہ محلے کی کم شکل سہیلیاں تک بیاہی گئی تھیں۔ غفران کی بڑی خالہ زاہدہ بڑے دھیمے مزاج کی تھیں اور غفران زیادہ انہی کے ہاتھوں میں پلا تھا جبکہ دونوں چھوٹی خالائیں ایک تو جڑواں تھیں اور پھر بلا کی تنگ مزاج۔ تنزیلہ اور راحیلہ کو بیاہ نہ ہونے کا خاصا قلق تھا اور اکثر اپنے نصیبوں کو کوستی دکھائی دیتی تھیں حالانکہ پڑھی لکھی تھیں۔ اپنے وقت کا میٹرک کر رکھا تھا مگر پڑھائی نے عقل نہیں سکھائی تھی محض سند تھمائی تھی اپنی ہم جولیوں کو جب بچوں کے ہمراہ خوش باش دیکھتیں تو اکثر دلوں کو غصے کا غبار لپیٹ میں لے لیتا جو یکا یک دماغ کو چڑھ جاتا اور نتیجتاً" محلے میں ایک شاندار معرکہ دیکھنے کو ملتا۔ آئے دن کے ان جھگڑوں سے غفران کی نانی' والدہ اور بڑی خالہ بے حد تنگ تھے لہٰذا

دونوں کے بیاہ کی کوششیں اور تیز کردی گئیں مبادا بات میاں جی (غفران کے نانا) کے کانوں میں پہنچ جائے کہ وہ غصے کے بے حد تیز تھے۔ بڑی خالہ پینتیس کا ہندسہ عبور کر بیٹھی تھیں اور جس دور میں لڑکیاں بیس سے پہلے پہلے بیاہ دی جاتی ہوں وہاں پینتیس والی کی دال کیسے گلتی۔ لہٰذا تنزیلہ خالہ اور راحیلہ خالہ کو پتہ سوال لگنے سے پہلے پہلے ہی ڈولی چڑھانا ضروری تھا ورنہ وہ گھر والوں کو سولی چڑھانے کے لیے پرعزم تھیں۔ زاہدہ خالہ نے تو اپنا دل مار لیا تھا اور اپنی زندگی کا مقصد غفران کو بنالیا تھا' لیکن بہنوں کو ان کے گھروں کا کرنے کے لیے بساط بھر کوشش انہوں نے کرڈالی۔ اپنی سہیلیوں سے کہا' مدرسے والی آپاجی کے کان میں بھی بات ڈالی اور تو اور چندا چمارن کو جسے آگے پیچھے کوئی منہ نہیں لگاتا تھا' اسے بھی ترلے منتیں کرکے اچھے رشتوں کا کہا۔ رہی سہی کسریوں پوری ہوئی کہ قسمت کی یاوری سے اس دوران خالہ زاہدہ کے تین رشتے آئے جو انہوں نے بڑی فیاضی سے بہنوں کی طرف ریفر کیے' لڑکے والوں کو جب پتا لگتا کہ اس چھتیس سالہ عورت نما لڑکی کی دو چھوٹی بہنیں بھی ہیں (اوپن آپشن میں) تو ان کی رال ٹپک پڑتی وہ بخوشی رشتہ ڈال جاتے' مگر یہاں پر دونوں چھوٹیوں کا دماغ الٹ جاتا' دونوں جلتے توے پر جا بیٹھتیں۔ اعتراض اٹھتا کہ ان کے لیے طلاقتے اور رنڈوے ہی رہ گئے ہیں سو انکار ہو جاتا۔

بس۔۔۔! ساری بات قسمت کی تھی جو ہر دفعہ عقل پر پردہ پڑجاتا ورنہ رشتے اتنے بے جوڑ بھی نہ تھے۔

ہوتے ہوتے نوبت یہاں تک آگئی کہ دونوں چھوٹیوں نے بھی صبر کی بھاری سلیں "اسٹینڈ بائے" پوزیشن میں سینوں پر دھرلیں۔ گویا انتظار ختم نہیں ہوا تھا محض واویلا تھم گیا تھا۔

وقت کا پردہ دھیرے دھیرے سرکتا گیا اور زندگی کے اسٹیج پر شام کا سورج منڈلانے لگا۔ نانا گزر گئے' غفران کی والدہ بھی چپکے سے نکل لیں۔ غفران نے تعلیم مکمل کرکے اپنی واحد آبائی جائیداد فیکٹری کو ہی سنبھال لیا تو نانی کو ہڑکا لگا نواسے کے بیاہ کا زاہدہ خالہ بھی خوش ہوگئیں کہ ماں سے زیادہ خود انہی کے ہاتھوں میں غفران پلا بڑھا تھا اور ان سے مانوس بھی بے حد تھا' اس کی شادی کی ان سے زیادہ کسے خوشی ہوسکتی تھی البتہ بات جب چھوٹیوں کے سامنے دھری گئی تو اعتراضات کی ایک بوچھاڑ تھی جس میں باقی افراد خانہ بھیگ گئے۔

اصل تکلیف تو یہ تھی کہ بھانجے کو حیا نہ آئے گی تین کنواری خالاؤں کے ہوتے بیوی کے ساتھ گلچھرے اڑاتے' مگر دونوں میں کھل کر ماں اور بڑی بہن کے سامنے یہ بات دہرانے کی زیادہ ہمت نہ ہوسکی لہٰذا دبے لفظوں میں اس اعتراض کو کہہ سنانے کے بعد اسے ریپر کیا گیا ایک دوسرے قابل ذکر اعتراض میں۔۔۔ جو یہ تھا کہ ایک ہی ایک مرد ہے گھر کا اور ہم چاروں عورتیں اس کی محتاج۔۔۔! ایسے میں اگر کوئی آئی بوا اڑے ڈالنے والی لڑکی تو ہمارا کیا بنے گا۔ ہمارے لڑکے کو ورغلا کے اسی کے ہاتھوں ہمیں دھکے دلوا سکتی ہے۔ اوپر سے ہم تینوں بہنوں نے اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد غفران کے نام کردی ہے تو ایسے میں ہمارا آخری ٹھکانہ ویلفیئر ہومز میں ہی ہوگا۔۔۔!

تھا تو یہ خاصا ہولناک نقشہ۔۔۔! مگر آفرین تھا زاہدہ خالہ اور نانی پر کہ ساری بات کے دوران سر دھنتی رہیں جیسے خوب متفق ہوں' مگر آخر میں ٹھوک کر کہہ دیا کہ غفران کی شادی ہوگی اور چھ ماہ کے اندر اندر ہوگی۔ دونوں چھوٹیاں کئی دن تک اداس اور غمگین سی پھرتی رہیں۔

نانی اور زاہدہ خالہ نے میری بڑی دلجوئی کی اور مجھے بھرپور یقین دلایا کہ اس گھر میں مجھے ان چاروں کی وجہ سے کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوگی' کوئی بھی میری روٹین میں اور روز مرہ کے معمولات میں مداخلت نہیں کرے گا' مگر دونوں چھوٹیوں کے تیور بتاتے تھے کہ ان کا ارادہ قطعا" مجھے سکون سے رہنے دینے کا نہیں ہے اور یہ سب "آپاجی" کی وجہ سے ہوا تھا۔ ہر ناگہانی میں مجھے وہی یاد آتے تھے اور اس وقت کی

صورت حال تو میرے لیے چکرا دینے والی تھی میرے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔۔۔ ہائے' ابا جی۔۔۔!

☼ ☼ ☼

آنے والے دنوں میں یہ ثابت ہوگیا کہ دونوں جڑواں خالہ میرے لیے کئی ساسوں کے برابر تھیں۔ نانی اور خالہ زاہدہ تو بے حد بے ضرر تھیں جبکہ یہ دونوں مجھے ضرر دینے اور گھر میں شر پھیلانے کا اعزاز بڑے شوق سے حاصل کرتی تھیں۔ چند ہی دنوں میں میری مت مار کر رکھ دی تھی دونوں نے' غفران کی شادی کو لے کر دونوں میں جو ایکا ہوا تھا۔ وہ تڑک کر کے ٹوٹ چکا تھا اور اب پھر دونوں ایسے لڑتی تھیں جیسے بہنیں نہیں سوکن ہوں اک دوجے کی۔ میرا تو ہر وقت قیمہ کیے رکھتی تھیں خاص طور پر جب سے کچن میں جھونکا تھا مجھے۔۔۔!

یہ بھی ان کی مہربانی تھی کہ شادی کے دوسرے ہفتے ہی مجھے کچن کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ ایسی ایسی ڈشیں پکانے کو کہتیں جن کی نسل کا بھی انہیں پتا نہیں ہوتا تھا' مگر مجھے سجا بنا کر سامنے دھرنی ہوتی تھیں۔ میں بھی اپنے نام کی ایک تھی۔ مجال ہے' جو ایک بھی ڈش ذائقے دار بنائی ہو' مگر جہاں میں برا پکانے میں مستقل مزاج تھی وہیں وہ میرے پکے کو کھانے میں۔ یہ تو مجھے بعد میں پتا چلا کہ ان بے چاریوں کو لگتا تھا کہ اس ڈش کا ذائقہ ہے ہی ایسا۔۔۔ پہلے کبھی کھا کے جو نہ دیکھا تھا سو میرا پکایا ضائع ہونے کی بجائے ان کے (پیٹ) میں چلا جاتا تھا اسی بہانے میرا ہاتھ صاف بھی ہوتا گیا' مگر میرے لیے کچن میں کام کرنا بذات خود بہت بڑا امتحان ہوتا تھا۔

☼ ☼ ☼

میں بڑی دیر سے غفران کا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے انہیں جلدی بلایا تھا' خالہ زاہدہ کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا تھا۔ بڑے دن سے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی' مستقل بخار تھا جو کم زیادہ ضرور ہو جاتا' مگر اترتا نہیں تھا اس وقت بھی وہ سو رہی تھیں' میں نانی کو ان کے قریب ہی لٹا کر کمرے سے باہر آگئی۔

دبے پاؤں میں چلتی ہوئی کچن میں جا رہی تھی جب مجھے لاؤنج سے دونوں "ڈاریوں" کے ہنسنے کی آواز آئی۔ اللہ خیر کرے۔۔۔ یہ کوئی نیک شگون نہیں تھا۔ دونوں جب مل کر بیٹھتی تھیں کوئی سیاپا ہی کھڑا کرتی تھیں۔ ابھی صبح ناشتے سے پہلے ہی تو ان بھینسوں کے سینگ لڑے تھے۔ کھڑے کھڑے میری نظروں کے سامنے سارا منظر پھر گیا۔ جب صبح اپنی اور غفران کی چائے لے کر میں کچن سے نکلی تھی تو ان دونوں کو میں نے صحن میں دیکھا تھا۔ دونوں ایک بڑا سا پیالہ مہندی کا رکھے ایک دوسرے کا سر رنگنے میں مصروف تھیں۔ تنزیلہ خالہ کو مہندی لگ چکی تھی وہ سر پر مہندی کا ونی سا ٹوپا بنائے اب بڑی محبت کے ساتھ راحیلہ خالہ کو مہندی لگا رہی تھیں' میں جلدی سے غفران کو چائے کا کپ پکڑا کر خود وہیں ان کے پاس صحن میں چلی آئی اور تھوڑے فاصلے پر کرسی رکھ کر بیٹھ گئی۔

دونوں کو بغور دیکھتے ہوئے میں سوچنے لگی کہ کیا ہی اچھا ہوتا جو ان دونوں کی شادی ہو چکی ہوتی کم از کم میری دو سے تو جان چھوٹتی گو کہ نانی اور زاہدہ خالہ بھی ساس نہیں بنی تھیں پر یہ دونوں میرے گلے کی پھانسی بننے کا موقع نہیں جانے دیتی تھیں۔ عمر دونوں کی پچاس تھی پر لگتیں چالیس سے نیچے تھیں کیوں کہ بے حد چست اور صحت مند تھیں قد کاٹھ بھی اچھا۔ پیٹ کی آنت اور منہ کے دانت دونوں سلامت' کہیں کہیں چیدہ چیدہ بالوں کی سیاہی اڑ گئی تھی جس کے لیے دونوں مہندی کا لیپ کرتی تھیں۔ تنزیلہ خالہ خود کو مہندی لگانے کے بعد راحیلہ خالہ کو لگا رہی تھیں جو کہ جھوم جھوم جا رہی تھیں۔ انہیں پتا نہیں کس چیز کی خماری دماغ کو چڑھ رہی تھی' باقاعدہ نیند کے جھونکے آ رہے تھے۔ خالہ تنزیلہ نے بڑے پیار سے کہ کر ان کا سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا اور ایسا کرنے کی دیر تھی راحیلہ خالہ بیچ میں سو گئیں۔ میری ان گناہ گار آنکھوں نے خود دیکھا کہ تنزیلہ خالہ نے جان بوجھ کر راحیلہ خالہ کا ماتھا اور کان مہندی سے بھرے تھے۔۔۔! اللہ' اللہ! پہلی نظر میں دیکھنے والے کو بالکل ایسا

محسوس ہوتا جیسے خالہ راحیلہ نے ہیلمٹ پہن رکھا ہے۔ میں تصور میں خالہ راحیلہ کا دھلا ہوا چہرہ لے آئی جب خالہ کے بالوں کے ساتھ آدھا چہرہ بھی مالٹے رنگ کا ہوگا اس چالاکی اور دیدہ دلیری پر میری آنکھیں حیرت سے پھٹنے کے قریب تھیں اور ہنسی بھی کسی بھی وقت حلق پھاڑتی باہر کا منہ کر سکتی تھی' مگر تنزیلہ خالہ کی ایک زوردار گھوری نے مجھے نارمل کر دیا۔ پھر انہوں نے کارروائی مکمل کرنے کے بعد فرش پر ہلکا سا پاؤں مار کر مجھے بھگایا تھا اور میں واقعی سیدھی اپنے کمرے میں بھاگی تھی۔ اس کے بعد کیا کہنی اور کیا سنانی۔۔۔!

راحیلہ خالہ کو جب "ہوش" آیا تو پہلے تو انہوں نے ایک ہزار ایک دفعہ اپنی گہری نیند پر لعنت بھیجی اور پھر یہ لعن طعن تنزیلہ خالہ کی طرف منہ کر گئی۔ صحن میں وہ شر مچا کہ ارد گرد کی خلقت اکٹھی ہو گئی۔ بیمار خالہ زاہدہ اور بوڑھی نانی ان دو خوفناک بلاؤں میں بیچ بچاؤ کروانے کے چکر میں اپنے انجر پنجر ڈھیلے کرتی رہیں جب کہ میں نے یہ سارا تماشا کمرے کی کھڑکی سے دیکھا کہ مجھ میں باہر جانے کی ہمت ہی نہیں تھی کیوں کہ راحیلہ خالہ کا کھٹے مالٹے جیسے منہ دیکھ کر ہی مجھے بے تحاشا ہنسی آرہی تھی۔ سامنے چلی جاتی تو ہنسنے کے بدلے جوتے کھاتی۔

"فرید چاچا! آج کلو دودھ زیادہ دے دو بلکہ اب سے روز کلو زیادہ دے دیا کرو۔"

فرید چاچا سے دودھ لیتے ہوئے میں نے انہیں تاکید کی۔ زاہدہ خالہ کو میں دن میں تین ٹائم دودھ دیتی تھی۔ صحت تھی کہ گرتی جارہی تھی ڈاکٹر کے پاس گئیں۔ ٹیسٹ کہے تھے اب بس انہیں کروانے میں سستی دکھا رہی تھیں۔

"تو پتر جی میری طرف سے دو کلو بڑھا لو۔۔۔ میرے لیے خوشی کی بات ہوگی۔ میں نے کون سا مول دینا ہوتا ہے' اپنے دل کی خوشی کے لیے ہمیشہ سے دیتا آرہا ہوں اور آئندہ بھی دیتا رہوں گا۔"

فرید چاچا نے لمبا چوڑا جواب دیا تھا ساتھ ہی ساتھ میرے پیچھے بھی نظریں دوڑا رہے تھے۔ مجھے محسوس تو ہوا مگر جتایا نہیں۔ پلٹنے لگی تو پھر روک لیا۔

"پتر! غفران کی نانی کی طبیعت کیسی ہے؟ بڑے دن ہوئے نظر نہیں آئیں۔ بڑی اچھی ہے میری یہ چاچی۔۔۔ صبر والی! غفران کی ماں کا بڑا غم کرتی تھی۔ دونوں میاں بیوی مجھے اپنا منہ بولا بیٹا کہتے تھے۔ حق ہاہ! بڑے چنگے بندے تھے غفران کے نانا۔ بس دونوں کو اولاد کی خوشی دیکھنی نصیب نہیں ہوئی۔ بیٹیاں گنوں والی ہو کر کنواری رہ گئیں اور ایک جوانی میں بیوہ ہو کر پلٹ آئی بس جی۔ امشیت ہے میرے رب کی۔۔۔"

فرید چاچا کو میں جواب میں اب کیا کہتی بس سر ہی ہلاتی رہی اور ان کی نظروں کو پیچھے صحن میں منڈلاتا محسوس کرتی رہی گیٹ بند کر کے جیسے ہی پلٹی تو خالہ تنزیلہ کو ایک جھٹکے سے میں نے دروازے کی آڑ میں ہوتے دیکھا تھا اور یہ تیسری دفعہ تھا دو دفعہ پہلے بھی خالہ تنزیلہ کو میں نے فرید چاچا کے آنے پر ایسے ہی اوٹ میں ہوتے دیکھا تھا اور آج فرید چاچا کا انداز بھی خاصا مشکوک تھا کچھ تو گڑبڑ تھی! کیا؟ یہ مجھے جلدی معلوم کرنا تھا۔

✡ ✡ ✡

فرید چاچا ذات کے گجر تھے۔ دودھ دہی کا بڑا پھیلا ہوا کاروبار تھا۔ اپنی ذاتی بہتر بھینسیں' اٹھارہ بیل اور دیگر بھیڑ بکریوں پر مشتمل لمبی چوڑی "جائیداد" تھی۔ غفران کے نانا اور فرید چاچا کے ابا لنگوٹیے تھے۔ اسی ناتے نانا جی فرید چاچا کو اپنا بھتیجا مانتے تھے اور نانی بھی بیٹا نہ ہونے کا قلق فرید چاچا کے لاڈ اٹھا کر دور کرتی تھیں۔ گھروں میں آنا جانا تو تھا ہی' اس آنے جانے نے رنگ دکھایا' فرید چاچا اور تنزیلہ خالہ کی آنکھ لڑ گئی۔۔۔ بات ہوتے ہوتے بڑوں تک پہنچی تو جو پہلے کروانا چاہیے تھا اس پر بعد میں دھیان کیا گیا۔۔۔ یعنی پردہ!

مگر اب کیا فائدہ! خالہ تنزیلہ نے سینہ ٹھوک کے ماں کو کہہ دیا کہ فرید کے گھر ہی ڈولی اترے گی تو دوسری طرف تو تھا ہی گجروں کا لڑکا۔۔۔ نانا جی کو اعتراض کہ ہم آرائیں اور وہ گجر۔۔۔ چاہے ماری جائے یا ری مگر نسل

میں ملاوٹ نہیں کرنی۔ چچا فرید کے ابا ذرا سیانے تھے' اٹھرا بیل ہو یا گھر کا لونڈا۔ منکا ناتھوں میں دے کر نکیل ڈالنا جانتے تھے' بیٹے کی خوشی یاری پر سے وار کے بھی شاد رہے۔ ناناجی کو تسلی دلاسے کے بعد مہینے کے اندر بیوی کی بھتیجی کو بہو بنا کر لے آئے۔ تنزیلہ خالہ کو بارات اترتی دیکھ کر دورہ سا پڑا۔ شام تک خوب چیخ پکار مچی رہی اور پھر جیسے ہی نانا گھر میں داخل ہوئے خالہ بالکل فٹ ہو گئیں۔ ان کے غبارے کی ہوا پھر پھرا کر نکل گئی۔

دھیرے دھیرے تنزیلہ خالہ کی عمر بڑھتی گئی اور فرید چچا کے گھر ان کے "ککے" "کاکیوں" کی تعداد بڑھتی گئی۔ محسوس ہوتا تھا جیسے فرید چچا' تنزیلہ خالہ سے شادی نہ ہونے کا غم یوں غلط کرتے تھے کہ سال کے سال آبادی بڑھاتے تھے۔ بچے ہوتے ہوتے تیرہ کی پلٹون تیار ہو گئی۔ ناناجی گزر گئے' فرید چچا کے ابا گزر گئے۔ دونوں کی ضدیں ان کے ہمراہ قبروں میں جا پڑیں' مگر ملوں کے نیچے سے بہت سا پانی گزر کر دلوں کی زمین بنجر کر گیا۔ فرید چچا اپنی گھر والی اور گھرداری میں کھبتے چلے گئے اور ادھر تنزیلہ خالہ اور زاحیلہ خالہ کی کر پڑ کر آتے چند رشتوں کے لیے ہونے والی تلخ کلامی ہمیشہ کے لیے دلوں کو تلخ کر گئی۔ اور اب گزشتہ چار سال سے فرید چچا "فارغ البال" تھے' بچے اپنے اپنے سلسلوں میں کھپ چکے۔ اب بس بڑی سڑک کے نکڑ پر بڑی سی دودھ دہی کی دکان پر بیٹھا کرتے۔ اولاد عزت کرتی تھی' مگر بیوی نہ رہی تو گھر جاتے جھجکنے لگے۔ بہوؤں کے تیور نہ بگڑ جائیں اسی لیے زیادہ وقت دکان پر بیٹھے رہتے۔ صرف ایک غفران کا گھر ایسا تھا جہاں وہ گزشتہ چار سال سے پابندی سے دودھ دہی پہنچا جاتے تھے وہ بھی بلا معاوضہ......! چند پھونکوں نے دبی چنگاری ادھر بھی بھڑکا دی۔ تنزیلہ خالہ ایک بار پھر چھپ چھپ کر "دم گجر" کا دیدار کرنے لگیں' مگر راحیلہ خالہ کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی کیوں کہ ان سے کچھ بعید نہ تھا کہ کوئی نیا ہی تماشا کھڑا کر دیتیں۔ پچاس سالہ یہ دونوں عورتیں آج بھی سولہ سالہ جذبات رکھتی تھیں' مگر یہ معرکہ سر کون کرے......!

زاہدہ خالہ یہ ساری داستان سنا کر کب کی سو چکی تھیں جبکہ میں ان کی پائنتی بیٹھی یہ سوچ رہی تھی کہ وقت اگر خوش قسمتی سے زندگی کو ایک بار پھر پرانے ڈگر پر لے جا کھڑا کرے تو موقع گنوانا نہیں چاہیے بلکہ سرپٹ دوڑ لگا دینی چاہیے اور اس دفعہ وقت پھر دھیرے دھیرے تنزیلہ خالہ کی مٹھی میں سما رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

جس رات زاہدہ خالہ نے مجھے یہ سارا قصہ سنایا اس رات ان کی طبیعت قدرے بہتر تھی اور میں نے کافی سے زیادہ وقت ان کے کمرے میں گزارا تھا۔ یہاں تک کہ غفران بھی یہیں آ کر سو گئے تھے' مگر ہماری باتیں ختم نہ ہوئی تھیں۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ زاہدہ خالہ کو اس رشتے کے نہ ہونے کا افسوس تھا اور اگر ایسا تھا تو یہ ان کا بڑا ظرف تھا۔ وہ ابھی بھی شاید کہیں بہت اندر سے چاہتی تھیں کہ فرید چچا' تنزیلہ خالہ کو بیاہ لیں۔ وہ اپنی بڑھاپے میں داخل ہو چکی بہنوں کے لیے آج بھی بر کے انتظار میں تھیں۔

ان کے سونے کے بعد بھی میں کتنی ہی دیر اس سارے ہیر پھیر میں چکریاں کھاتی رہی۔ کتنا ہی اچھا ہو جو یہ دو عدد کنواری' بوڑھی سانسیں ٹھکانے لگیں۔ زندگی کتنی سہل ہو جائے۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ جس دن ایسا ہوا میں گھی کے دیے جلاؤں گی...... نیاز بانٹوں گی' ابرار الحق کا "اٹھ جا یادام رنگیے" اونچی آواز میں پورے مہینے چلاؤں گی...... آہو!

خیالوں ہی خیالوں میں' میں نے تنزیلہ خالہ کو فرید چچا کے سنگ قرآن کے سائے میں رخصت بھی کر دیا۔

☆ ☆ ☆

میں باہر برآمدے میں بیٹھی چاول چن رہی تھی۔ ذہن مسلسل ادھر ادھر کی سوچوں میں بھڑا تھا تھوڑی دیر پہلے میں نے اپنے میکے فون کیا تھا۔ سب سے بات چیت کے بعد بڑا دل مار کر آخر میں ابا جی سے بھی بات

کی تھی ورنہ میں ان سے سخت ناراض تھی۔ شادی کے بعد پانچ ماہ میں ایک دفعہ بھی نہیں گئی تھی۔۔۔ وجہ! وہی کہ لباجی نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مجھے ساسوں کی بھٹی میں جھونکا تھا۔ آج انہی کی وجہ سے مجھ پر یہ وقت آیا تھا کہ میں اپنی دو عدد "سمپل چوٹی" قسم کی ساسوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے رستے تلاش کرتی پھر رہی تھی۔

فرید چچا بھی چند دن سے پتا نہیں کیوں۔۔۔ غائب تھے اس لیے بھی مجھے غصہ سا چڑھا رہتا تھا۔ وہ آتے تو میں کسی بہانے انہیں "ٹھلاپے" کا احساس دلاتی اور شاید میری باتیں سن کر وہ چند دن میں اپنے بچوں کے ہمراہ دلہا بنے چلے آتے' مگر یہاں تو "چاند" ہی بادلوں میں جا چھپا تھا اور "چکوری" (تنزیلہ خالہ) نے بھی نامعلوم وجوہات کی بنا پر گیٹ کے ارد گرد منڈلانا چھوڑ رکھا تھا۔

اتنے میں کسی نے زور سے گیٹ دھڑ دھڑایا۔ گیٹ کے دوسری طرف اونچی نیچی آوازیں بھی ابھر رہی تھیں۔

ایک بار پھر گیٹ زور سے بجایا گیا تو میں نے گھبرا کر رب کا نام لے کر گیٹ کھولا تو کیا دیکھتی ہوں کہ فرید چچا کی بیٹیاں' بہوئیں اور چند دوسرے رشتے دار ڈھیروں مٹھائی لیے دروازے پہ کھڑے تھے۔

اللہ تیری شان! میں تیرے قربان! خواب یوں بھی پورے ہوتے ہیں۔ کوئی عقل کا اندھا بھی جان لیتا کہ یہ مجروں کا ٹولہ "ٹھکے" کے لیے۔۔۔ میرا مطلب ہے خالہ کے لیے آیا ہے۔

کچھ ہی دیر بعد ہمارے گھر میں خوشی کی محفل خوب گرم تھی۔ ہکا بکا تائی اور راحیلہ خالہ کو غفران اور زاہدہ خالہ نے کچھ کہنے سننے کا موقع ہی نہیں دیا اور پندرہ دن کی مہلت پر رخصتی کی تاریخ دے دی۔ "لال بھبھوکا" تنزیلہ خالہ کو میں ہی اندر کمرے سے لے کر آئی کیوں کہ جتنی خوش میں تھی اتنی تو تنزیلہ خالہ بھی نہ ہوں گی۔ تائی بے چاری کچھ پریشان اور کچھ کچھ شرمندہ سی کہ اس عمر میں بنی بیاہی جا رہی تھی۔ یہ کوئی اتنا چھلانگیں مارنے کا موقع بھی نہیں تھا۔ ان کے تو دل و دماغ کے کونے کونے میں بھی اب اپنی ان دو بیٹیوں کو بیاہ دینے کا گمان نہیں تھا اور رہ گئی راحیلہ خالہ۔۔۔ تو ان کی شکل اس وقت ایسے تھی جیسے بس کوئی ذرا سا چھیڑے اور وہ بھاں بھاں کر کے رو دیں اس دفعہ تو چھینا جھپٹی کی بھی گنجائش نہیں تھی کہ رشتہ زور و شور سے آیا ہی تنزیلہ خالہ کے لیے تھا اور فرید چچا کے بچے کھلے بندوں "نئی امی" "نئی امی" کا راگ الاپ رہے تھے' میں سب کو مٹھائی کھلانے کے بعد سکون کا سانس خارج کرتی صوفے پر جا بیٹھی اس وقت خوش گپیوں کی محفل عروج پر تھی۔ تائی اپنی فکریں بھلائے اور شرمندگی منائے اور زاہدہ خالہ اپنی بیماری دبائے اس وقت مکمل طور پر نئے نئے رشتے داروں میں مگن تھیں۔ ایسے میں اچانک میری نظر راحیلہ خالہ پہ جا ٹھہری۔۔۔ کیا کچھ نہیں تھا ان کی چہرے پر۔ ناامیدی' مایوسی' دکھ اور تشنگی!

میرے دل کو کچھ ہوا' پہلی دفعہ میں نے بہو کی عینک اتار کر ایک عام عورت کے "لیزرز" فٹ کر کے دیکھا تو مجھے وہ خاصی مظلوم لگیں۔ فطری بات تھی کہ جیسا جیک تنزیلہ خالہ کا اس عمر میں لگا تھا ایسا نادر موقع قسمت ہر کسی کو تھال میں رکھ کر فراہم نہیں کرتی۔ ضروری تو نہیں تھا کہ راحیلہ خالہ کے لیے بھی کوئی ایسی ہی افسانوی صورت حال منتظر تھی۔ وہ بھی زندگی کے پچاس سال بے رنگ اور بے کیف سال گزار لینے کے بعد۔

میں نے چند منٹ راحیلہ خالہ کو بغور دیکھتے ہوئے یہی کچھ سوچا تھا اور اب میں انہیں دوبارہ بغور دیکھتے کچھ بہت ہی ہٹ کر سوچ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

تنزیلہ خالہ کو رخصت ہوئے پورا ہفتہ بیت گیا۔ میں نے آج صبح صبح مشین لگا کر پورے ہفتے کے کپڑے دھو ڈالے تھے کیوں کہ رات ہی مجھے راحیلہ خالہ نے کہا تھا کہ میں کل ان کے ساتھ بازار چلوں۔

آج کل وہ مجھ پر خاصی مہربان تھیں پتا نہیں انہیں یہ وہم کیسے ہو گیا تھا کہ تنزیلہ خالہ کی شادی میں میرا ہاتھ ہے۔ تنزیلہ خالہ کے اس ایک ہفتے میں تین چکر لگ چکے تھے اور وہ میکے گھر میں داخل ہوتے سب سے پہلے میرا ماتھا چومتی تھیں ان کا عاجزانہ اور دمکتا خوش باش چہرہ اور بات بات میں مجھے پکارنا' گرم جوشی اور الفت سے میرا ہاتھ دبانا۔۔۔ راحیلہ خالہ کو یہ ثابت کر گیا کہ میں رشتے کرانے والی مائی ہوں اور کسی کا بھی۔۔۔ کسی بھی عمر میں کیسے بھی رشتہ کرا سکتی ہوں۔ اسی بنا پر وہ مجھ پر کچھ زیادہ ہی مہربان ہیں۔

خالہ راحیلہ کی شادی کے اس سلسلے کی پہلی کڑی جالی تھی اسی ساڑھی والی سے۔۔۔ جو رخصتی کے بعد مجھے گاڑی سے نکلتے نکلتے لڑائی کے نتیجے میں اپنی دھوتی نما ساڑھی سمیت چھپڑ میں جا گری تھی۔

تین ماہ پہلے ہی اس کی والدہ کے فوت ہونے کی اطلاع آئی تھی بس اچانک ہی چوٹ ہو گئی تھیں اولاد میں چار بیٹیاں ہی تھیں' ایک بیاہی گئی تھی اور اب اس ساڑھی والی ثوبیہ کی باری تھی جو منگنی شدہ تھی باقی دو چھوٹی تھیں اور انہیں یقیناً" ماں کی اشد ضرورت ہو گی' مگر اللہ کی مرضی کہ بچیوں کے ابا جی بیوہ ۔۔۔ میرا مطلب ہے رنڈوے ہو چکے تھے اچھے صحت مند آدمی تھے' راحیلہ خالہ سے عمر میں چار چھ سال چھوٹے ہی ہوں گے' مگر کیا فرق پڑتا ہے انہیں کون سا جوان بچیوں کے ہوتے مزید بچوں کی ہڑک ہو گی۔ جوڑ برا نہیں تھا۔ بچیوں کو "مستری بادشاہ" ٹائپ کی ماں مل جاتی۔

بس میں نے ثوبیہ کو ہی قائل کرنا تھا۔ باقی وہ جتنی چلتر تھی' مجھے امید تھی کہ کھڑے کھڑے اپنا ابا بیاہ دے گی اسی لیے آج میں نے اسے خاص طور پر بلوایا تھا۔ ایک ہی گلی محلے کی تھی سو کبھی بھی آ جا سکتی تھی یہ اور بات کہ میری شادی کے بعد وہ تین چار دفعہ آئی مگر میں نے اسے منہ ہی نہیں لگایا۔ میرا خیال تھا وہ مجھ سے خاصی متاثر تھی اس لیے آج خاص بلاوے پر سر کے بل آ گئی۔ ویسے بھی راحیلہ خالہ' زاہدہ خالہ کے ساتھ اسپتال گئی تھیں۔ ان کے کچھ ٹیسٹ کیے تھے ڈاکٹر نے ہیپاٹائٹس سی بتایا تھا اب مزید کچھ اور ٹیسٹ کروانے کو کہا تھا ہم سب گھر والے آج کل ان کی بیماری کو لے کر بے حد پریشان تھے۔ خاص کر عفران! جنہیں ڈاکٹر نے کوئی امید نہیں دلائی تھی اور اب یہ بات صرف میں جانتی تھی ان دونوں کو گئے کافی دیر ہو چکی تھی اور اب کبھی بھی واپسی ہو سکتی تھی۔ اتنا ہی ٹائم مجھے ثوبیہ کم بخت کو بلائے ہو چلا تھا' مگر آج تو وہ جیسے پہاڑوں پر چڑھ رہی تھی آگے نہیں دے رہی تھی۔ ابھی میں اسے دوبارہ پیغام بھجوانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ نواب زادی ٹہلتی ہوئی آ گئیں۔ آج انداز و اطوار کچھ کچھ آپے سے باہر تھے' مگر میں نے پروا نہیں کی کہ اس وقت مجھے مطلب تھا۔ سکون سے کمرے میں بٹھا کر میں کوک کا ایک گلاس پکڑ لائی جو اس نخرے باز نے گردن جھٹک کر تپائی پر رکھ دیا۔ میرے نتھنے پھولنے لگے۔۔۔ پر خود کو ٹھنڈا کیا اور بڑے دلار سے کہا۔

"پیاری بہنا! مجھے تم سے ہے کچھ کہنا' ماں ہوتی ہے گھر کا گہنا' مگر سدا کسے ہے دنیا میں رہنا' ہر کسی کو ہے یہ دکھ سہنا۔ اس لیے میری پیاری بہنا۔۔۔"

"آنٹی۔۔۔ یہ کیا پڑھ رہی ہو۔۔۔ نظم یا مرثیہ۔۔۔!"

بے ہودہ' بدتمیز نے ٹوک کر سارا لہو ہی خراب کر دیا اور اوپر سے مجھے ۔۔۔۔۔۔ "آنٹی" بنا دیا۔ یہ میری برداشت سے باہر تھا۔

"آنٹی" ہو گی تو شرم نہیں آتی مجھے آنٹی بولتے تم مجھ سے سال دو چھوٹی ہی ہوں گی۔ سیدھی طرح آپی بول۔"

"ارے واہ۔۔۔! وہ کیوں بھلا!
تم شادی شدہ اور میں کنواری
بڑی بہن کے بعد ہے اب میری باری
گھر میں چل رہی ہے میرے بیاہ کی تیاری
جو رہے گی پورا سال جاری
جب بیاہ کی میرے ہو جائیں گی رسمیں ساری
پھر کہلاؤں گی میں برابر کی تمہاری۔۔۔!"

اللہ اللہ! لڑکی تھی کہ شعروں کی پٹاری۔ بچی میری تو مت گئی ماری۔۔۔!

میں منہ کھولے پتھرئی اسے تک رہی تھی وہ فاتحانہ نظروں سے مجھے گھورتی ہوئی پھر سے بولی۔

"کیوں آنٹی۔۔۔! ایسی تھی میری تیاری
مجھے صرف آتی نہیں باندھنی ساڑھی
ورنہ کسی کام میں نہیں ہوں میں بے چاری!"

آخری "پھول" ٹانک کر اس نے کوک کا گلاس اٹھانا چاہا اور میں گلا پھاڑ کر بولی۔

"رکھ۔۔۔ رکھ اسے ادھر! نکل شاباش ادھر سے۔ بڑی آئی کسی شاعر کی پوتی۔۔۔ چل رکھ گلاس واپس، میرے دماغ کی چٹنی بنا کر اب مزے سے گلاس ڈکارنے لگی ہے۔ اب اس کو میں پیوں گی۔۔۔ بلڈ پریشر نارمل کرنے کے لیے تو نکل ادھر سے۔ چل۔۔۔ چل!"

میں نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر کھڑا کیا اور باہر کو دھکیلا۔۔۔ وہ اب کی بار بوکھلائی گئی اور پوچھتی رہی کہ میں نے اسے کیوں بلایا تھا آخر۔۔۔ مگر میں نے بھی اسے خدا حافظ کہہ کر دم لیا۔ مجھے نہیں کرانی تھی راحیلہ خالہ کی شادی یہاں پر۔ وہ خود کیا کم تھیں کہ شادی کے بعد میں اس کی صورت ایک اور عذاب مول لیتی۔ میں نے گھونٹ گھونٹ کوک پیتے خود کو ٹھنڈا کیا۔۔۔ ایک بار پھر دماغ کھنگالا۔۔۔ کیا کیا جائے اب راحیلہ خالہ کی شادی ہونی بڑی ضروری تھی ورنہ مجھے لینے کے دینے پڑ سکتے تھے۔ اپنے حساب سے انہیں یہ یقین تھا کہ میں ہر حال میں ان کی شادی کروا دوں گی جیسے تنزیلہ خالہ کی کروائی۔ سوچ بچے سوچ۔۔۔ کچھ سوچ! میں نے خود کو گھرکی دی۔۔۔

آخر گھونٹ بھرتے ہی جیسے میرے دماغ کی بتی روشن ہو گئی بھلا یہ خیال مجھے پہلے کیوں نہیں آیا اپنے چچا شوکی! لو بھلا اس سے اچھا جوڑ کہاں ملنے والا تھا مجھے۔ آہا۔۔۔ ابا جی!

☆ ☆ ☆

"ہائے۔۔۔ ہائے میں مر گیا! ہائے۔۔۔ ابا جی۔ کڑیے ذرا گردن پہ ٹکور کر، میرا منکا پن دیا ہے اس پہلوان کی اولاد نے۔ خامخواہ تیرے بلاوے پر چلا آیا میں تو۔۔۔ ایسی کون سی آفت آئی تھی۔ جو تو نے یہ آفت توڑنے میرے سر پر مجھے بلایا۔۔۔"

شوکی چچا مسلسل دہائیاں دے رہے تھے اور میں خاموشی سے انہیں سنتی گرم ریت کی پوٹلی سے ان کی ٹکور کر رہی تھی۔ فی الحال میرے پاس انہیں تسلی دینے کے لیے لفظ نہیں تھے۔

"ہائے۔ ہائے بے بے! میرا تو سر پولا کر دیا اس مرد مار عورت نے۔ دیکھ تو۔۔۔ میرے سر پر کہاں کہاں الوبنا دیے ہے۔"

شوکی چچا نے ہلکی آواز میں مجھ سے کہا۔ اب کے میں ذرا اٹک کر بولی۔

"کچھ نہیں ہوا چچا آپ کی چندیا کو اتنی بھاری تو وگ پہنتے ہیں آپ اور آپ کو کس سیانے نے کہا تھا کہ پہلی دفعہ میرے گھر آتے ہی میری جان کو سیاپا ڈال دیں، بے سوچے سمجھے بولنے کی عادت ہے ایک آپ کو اور دوسری میری خالہ ساس کو بھلا اس کام کے لیے بلایا تھا میں نے آپ کو۔۔۔!"

میری لمبی چوڑی جھاڑ کے جواب میں شوکی چچا نے پلٹ کر مجھے گھورا اور بولے۔

"تاں تو اور تو نے مجھے کیوں بلایا ہے بھلا۔۔۔ کچن کا نل مرمت کروانا تھا یا کوئی گٹر کھلوانا تھا۔۔۔ لے کر زخمی کر دیا مجھے۔"

میں نے ان کے ماتھے پہ پڑے گومڑ کو پوٹلی سے زور سے دبایا اور ان کے چیخنے سے پہلے ہی میں نے انہیں ساری بات کہہ سنائی۔ پہلے تو وہ بری طرح بدکے کہ آخر ساری عمر کے رسیاں تڑوا کر بھاگے ہوئے تھے۔ اب کہاں ہاتھ آتے اور پھر جس کو سر منڈھ رہی تھی اس کے اطوار ادھر آتے ہی ملاحظہ کر لیے تھے۔

دو دن پہلے میں نے ڈائریکٹ چچا کو فون کھڑکا کر ایمرجنسی میں بلایا تھا پہلے تو انہوں نے آنا کانی کی مگر پھر میں نے دھونس سے راضی کر لیا۔ میری شادی پہ بھی یہ موجود نہیں تھے لہٰذا اسی دن کی غیر حاضری یاد کروا کر

میں نے انہیں جذباتی کیا اور پھر راضی کیا۔ نتیجتاً" آج گیارہ بجے وہ میرے گھر کا گیٹ زور زور سے بجا رہے تھے۔ صفائی والی کے نہ آنے کی وجہ سے میں نے خود ہی صاف صفائی کا کام ختم کیا تھا اور جس وقت میں صحن دھو کر وائپر لگانے لگی تو پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے دانستہ غائب راحیلہ خالہ یک دم نمودار ہو گئیں۔ میرے منع کرنے کے باوجود بھی وہ انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام کرانے پہ بضد تھیں۔ میری ہمدردی میں تحفں! میں نے اپنی محنت کے منہ بولتے ثبوت لشکتے پشکتے پورے گھر پہ نظر ڈالی اور پھر ڈھائی مرلے کے صحن پہ۔۔۔ جس پہ اب صرف وائپر ہی تو لگانا تھا۔ ناچار وائپر پکڑایا اور نہانے چلی گئی۔ اسی دوران شوکی چچا گیٹ پر وارد ہوئے۔ راحیلہ خالہ نے ذرا سا گیٹ کھول کر باہر جھانکا تو چچا انہیں دیکھ کر بولے۔

"اے ماسی! اندر میری بھتیجی کو اطلاع دے کہ میں آیا ہوں ذرا جلدی بتا۔۔۔ لمبے سفر سے تھکا ہوا ہوں۔"

"میں کون۔۔۔؟"

"میں کون کی لگتی۔۔۔ تیری مالکن کا چچا اور کون۔۔۔ ملازمہ ہو کر سوال جواب کرتی ہے کام سے جواب دلوا دوں گا تجھے۔۔۔ چل بھاگ اطلاع دے جلدی سے۔"

"دم بھی دیتی ہوں۔" راحیلہ خالہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ رکھ کے سر پر وائپر دے دیا۔

"اور دوں کیا کہ ایک ہی بڑا ہے؟" دو دفعہ اور ٹکا دیا لو بھلا پھر بارنا تھا تو پوچھا ہی کیوں۔۔۔!

جس وقت راحیلہ خالہ شوکی چچا کو گریبان سے پکڑ کر صحن میں گھسٹ چکیں اسی وقت اللہ بھلا کرے، نانی فرشتہ بن کر آئیں۔ چچا سے واقف تھیں سو فوراً" آگے بڑھ کر انہیں چھڑایا۔ راحیلہ خالہ کو دو پولے پولے بوڑھے ہاتھوں سے تھپڑ لگائے اور مجھے آوازیں دینے لگیں۔

میں جو بڑے سکون سے نہا کر بالوں میں برش پھیر رہی تھی بوکھلا کر باہر آئی تو صحن میں چچا زخمی مرغی کی طرح پھڑپھڑا رہے تھے۔

اور یہ میرا دل گردہ تھا کہ تکور کرنے کے بعد کیسے کیسے ہاتھ پاؤں جوڑ کر خوشامدیں کر کے مستقبل کی خوب صورت (خوف ناک) تصویر دکھا کر (پچھلے رخ سے) میں نے چچا کو "بروسلی" کے اس زنانہ ورژن سے شادی پر راضی کیا تھا۔

یعنی میرے بھی سکھ بھرے دن آنے والے تھے۔

راحیلہ خالہ اب شوکی چچا کے بعد اباجی کے حوالے۔ اباجی نے مجھے ان کے پلے ڈالا تھا۔۔۔ میں نے انہیں اباجی کے پلے ڈال دیا۔ ایک پنتھ' دو کاج۔ راحیلہ خالہ کا گھر بھی بس جائے گا' شوکی چچا بھی ٹھکانے لگیں گے اور اباجی نے جو میرے ساتھ کی اب وہی ان کے ساتھ ہونی تھی۔ مجھ سے تو کہا تھا۔

"ونیتوں میں او تھے سٹاں گاں جتھے پانی وی نہ لبے۔۔۔"

مگر میں پورے کا پورا کنواں ادھر روانہ کرنے والی تھی۔

☆ ☆ ☆

زاہدہ خالہ کو زبردستی تھوڑا سا دودھ پلا کر لٹایا تھا۔ ڈاکٹرز نے تقریباً" جواب دے دیا تھا۔ زاہدہ خالہ اپنی حالت سے باخبر تھیں' مگر انہوں نے نانی اور باقی گھر والوں کو بتانے سے سختی سے منع کر رکھا تھا ان کے نزدیک ماں پہلے ہی جوان بیٹی کی موت کا غم سہہ چکی تھی اب دوسری بھی ان کی نظروں کے سامنے گھلتی جارہی تھی۔ اس کی یقینی موت کا ضعیف عورت کو بتا دینا سراسر زیادتی تھی۔ بے شک وہ ماں تھیں اور بیٹی کی بیماری کلیجہ کاٹتی تھی۔ ناسمجھ تو نہیں تھیں کہ سمجھ نہ سکتیں۔ اس کے باوجود میں اور غفران زاہدہ خالہ کے کہے کا پاس رکھے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر کے بے حد اصرار کے باوجود بھی زاہدہ خالہ اپنا باقاعدہ علاج کروانے اسپتال داخل نہیں ہو رہی تھیں انہیں گھر پر ہی مرنا تھا یہ ان کا آخری فیصلہ تھا اور اسی چکر میں دن بہ دن گزر رہے تھے خوراک نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ اس وقت بھی بڑی مشکل سے چند گھونٹ دودھ ان کے حلق سے اترا تھا۔ اب جو ڈیڑھ گھنٹے بعد باہر نکلی تو کچن

کی طرف جاتے یک دم نظر صحن کی طرف اٹھی تو اٹھی ہی رہ گئی۔

واہ جی واہ...! شوکی چچا نے تو میدان ہی مار لیا تھا۔ دونوں بڑے سلوک و اتفاق کے ساتھ آلو بخاروں کی ٹوکری تپائی پر رکھے کھٹی میٹھی باتوں میں مصروف تھے۔ میں نے صحن میں کھلتے جالی والے دروازے کو کان لگائے تو مجھے شوکی چچا کی بلغمی آواز سنائی۔

"راحیلہ جی... ساری عمر گزار دی شوکی نے' اپنی عمر کی زنانی کے لیے' مگر میرا دل آج تک کسی پر نہیں ٹھہرا' در در بھٹکا ہوں جی اور آخر آپ کے در پر آگیا ہوں۔"

شوکی چچا نے نیم وا آنکھوں سے ڈائیلاگ جھاڑے تھے اور جواب میں راحیلہ خالہ نے شرماتے مسکراتے ہوئے کھائے ہوئے آلو بخارے کی چچپاتی ہوئی گٹھلی ادا سے انہیں دے ماری تھی۔ (مزا آجاتا جو یہ سالم آلو بخارہ ہوتا)

"ارے شوکی جی... وہ دیکھیں درخت پر کیسا خوب صورت توتا بیٹھا ہے نا۔ یقیناً" آس پاس کہیں مینا بھی ہوگی۔ ہائے میرا بڑا جی کرتا ہے اس جوڑی کو اپنے پاس پنجرے میں رکھوں' ان کی پیاری پیاری چہکار سنوں۔" یہ خواہش میں نے آج پہلی بار سنی تھی ورنہ میرا تو خیال تھا راحیلہ خالہ کو نیزے بھالے اکٹھے کرنے کا شوق ہوگا۔

"جی آپ کے شوق پہ یہ شوکی قربان! میں تو آپ کے لیے چاند توڑلاؤں' تارے نوچ لوں..."

"ارے شوکی جی آپ تو شوخی پر ہی اتر آئے۔"

"نہیں جی نہیں... مجھے اشارہ تو کریں میں ابھی کے ابھی درخت پر کسی نوجوان کی طرح چڑھ کر آپ کے لیے توتا مینا کو پکڑ سکتا ہوں جی...!" شوکی چچا نے سینہ پھلاتے ہوئے کہا اور شاید زیادہ ہی پھلا لیا... زور کی کھانسی آگئی۔ راحیلہ خالہ جھٹ کھڑی ہو کر کمر سہلانے لگیں۔

بری گھڑی ٹلی تھی تو راحیلہ خالہ نے خود ہی شوکی چچا کو اس حرکت سے باز رکھا۔ دونوں سکون سے دوبارہ بیٹھے سپنے بننے لگے۔ ان کے پاس ڈھیروں باتیں تھیں' مگر میرے سننے کی ایک بھی نہیں تھی اس لیے میں راحیلہ خالہ کی رخصتی پر پہننے والے جوڑے کے متعلق سوچتی کچن میں چلی آئی کہ اس شادی کو اب ہو کر ہی رہنا تھا۔

☼ ☼ ☼

صبح سے سارا گھر الٹا پڑا تھا۔ چیخ پکار مچی تھی۔ کسی کو استری چاہیے تھی۔ کوئی نہانے کو خالی واش روم جھانک رہا تھا۔ کسی کو چائے چاہیے تھا اور کوئی چھوٹے بچوں کے دودھ کے لیے بھاگ دوڑ میں لگا تھا۔ تیار ہونے والے ہو چکے تھے سستی کے مارے چائے کے "سوٹے" لگانے کے بعد اٹھنے کا سوچ رہے تھے۔ میں بھی تقریباً" تیار تھی پوری اس لیے نہیں کہ ابھی مجھے میک اپ کرنا تھا میں نے صرف نیا جوڑا پہنا تھا اور میک اپ کرنے سے پہلے میں نے راحیلہ خالہ کو ان کی "عمر" کے حساب سے مناسب سا تیار کرنا تھا۔ آج ان کی رخصتی تھی۔

کوئی انہونی تھی جو ہونی میں بدل گئی تھی۔ جو کام ساٹھ سال سے اٹکا پڑا تھا۔ میں نے چھ ماہ میں کر دکھایا تھا۔ پورا گھرانہ مانو میرا "مرید" ہو گیا تھا۔ دونوں خالائیں آتے جاتے میری بلائیں لیتی تھیں۔ تنزیلہ خالہ کو تو بونس میں تیرہ بچے... ڈھیروں پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں ملے تھے۔ انہوں نے بھی جی جان لگا دیا تھا ان سب کو اپنا بنانے میں۔ راحیلہ خالہ کی رخصتی یوں تو بے حد سادگی سے کرنے کا ارادہ تھا سوچا تھا چار بندے گھر کے اور چار بندے لڑکے والے... اللہ اللہ خیر صلا!

مگر تنزیلہ خالہ نے رولا ڈال دیا کہ مجھے اور میرے پورے "ٹبر خاندان" کو خصوصی بلوایا جائے۔ سو اس وقت گھر کی چار منزلہ عمارت موٹی موٹی صحت مند عورتوں اور گول مٹول چھوٹے چھوٹے ڈھول جیسے بچوں سے بھری ہوئی تھی۔

نانی کو اس موقع پر ہول سے اٹھ رہے تھے۔ ان کا

بلڈ پریشر نارمل ہونے میں نہیں آرہا تھا۔ بیٹیوں کو ان کے گھر بار کا کرنے کی خواہش عمر کے کس حصے میں پوری ہوئی تھی۔ وہ شکر ادا کرتیں اور ساتھ روتی جاتیں۔ کیا تھا جو بیٹیاں بوڑھی ہو چکیں۔ عمر کے چند سال تو شادی شدہ زندگی کا مزا لیں گی۔ مریں گی تو کوئی یہ تو نہ کہے گا کہ کنواری مر گئیں۔

میں نے نانی کو دودھ گرم کر کے ساتھ میں بلڈ پریشر کی گولی کھلائی اور راحیلہ خالہ کے پاس آگئی۔ وہاں الگ ہی شور مچا تھا۔ راحیلہ خالہ ہلکے کاسنی اور سی گرین بنارسی پٹی کے خوب صورت جوڑے کے ساتھ ٹیکہ لگانے پہ اڑی تھیں جبکہ نحیف و نزار زاہدہ خالہ انہیں منع کر رہی تھیں۔ اتنے میں تنزیلہ خالہ بھی چلی آئیں۔ وہ بھی ساری بات سن کر بولیں۔

"اور راحیلہ۔۔۔ سیدھا سیدھا جوڑا پہن کر سرخی لگا یہ ٹیکہ شیکا رہنے دے اتنا ہی شوق ہو رہا ہے تو محلے کا ڈسپنسر بلوا کر طاقت کا ٹیکا لگوا لے۔"

"تو چپ کر تنزیلہ۔۔۔ میری باری بڑھ بڑھ کر بڑ بڑ نہ کر۔ تجھے تو اگلے لان کے جوڑے میں ہی لے گئے تھے مگر شوکی جی کے کچھ ارمان ہیں۔"

راحیلہ خالہ نے چمک کر کہا تو زاہدہ خالہ نے جھٹ تنزیلہ خالہ کا ہاتھ دبایا۔ ورنہ لڑائی بڑھ جاتی تھی اس خوشی کے موقع پر۔

"راحیلہ میری بہن! تیرے لیے ہی کہہ رہے ہیں۔ اب اس موقع پر تجھے کسی نے کچھ کہہ دیا تو سب سے زیادہ تو نے ہی کڑھنا ہے۔ عمر کے حساب سے چلو تو اچھا لگتا ہے۔"

زاہدہ خالہ نے آخری کوشش کی تو جواباً" راحیلہ خالہ بدلحاظی سے بولیں۔

"آپا۔۔۔! کہنے دیں جو کچھ کہتا ہے' اب لوگوں کے لیے میں آج بھی اپنا دل ماروں۔ آپ کو کیا خبر عمر چاہے کوئی بھی ہو اس دن کا شوق ہی الگ ہوتا ہے' یہ وقت آپ پر تھوڑا ہی کبھی آیا ہے جو آپ کو میرے دل کا احساس ہو۔"

لفظ تھے کہ توپ کا گولہ۔۔۔ زاہدہ خالہ کا لمحے میں خون نچڑ سا گیا۔ تنزیلہ خالہ کا چہرہ بھی غصے سے لودینے لگا۔ میں نے موقع کی نزاکت دیکھتے فوراً" آگے بڑھ کر راحیلہ خالہ کو تیار کرنا شروع کیا۔ نظریں میری ساتھ ساتھ زاہدہ خالہ کو بھی دیکھ رہی تھیں جو سینہ مسلتی باہر نکلنے کو تھیں۔ کچھ بڑبڑاتی ہوئیں۔

"ہاں سچ میں مجھے کیا پتا۔۔۔ میں کبھی دلہن تھوڑا ہی بنی ہوں۔ مجھے کیا پتا دلہن بننے والیوں کے کیسے ارمان ہوتے ہیں۔۔۔! مجھے کیا پتا۔۔۔!"

☼ ☼ ☼

سب کچھ خیر خیریت سے ہو گیا تھا شوکی چچا ٹھیک وقت پر بوسکی کا سوٹ سجائے' گنجے سر پر وگ لگائے' منہ میں نئی بتیسی پھنسائے نئے نکور سے بن کر پہنچے تھے۔

بارات میں میرے ہی تو گھر والے تھے لہٰذا خوشی دیدنی تھی۔ کتنے ماہ بعد تو میری ملاقات ہو رہی تھی سب سے میرے چاچو' چاچیاں' اماں' بھائی' کزنز اور میرے اباجی۔۔۔!

میں اور اباجی یوں ملے جیسے مدتوں کے بچھڑے تھے۔ چند لمحوں میں میرے دل سے ہر گلہ شکوہ مٹ گیا۔ ویسے بھی سچی بات تھی کہ ڈھیرے ڈھیرے میرے دل میں یہ خیال بیٹھ گیا تھا کہ اگر یہ سب یوں نہ ہوتا تو اتنی بڑی نیکی میرے حصے میں کیسے آتی۔ حالانکہ مجھے معلوم تھا لوگوں نے بے حد باتیں بھی بنائی تھیں۔ طعنے بھی دیے تھے' مگر کوئی بھی ہونی ٹال نہیں سکتا تھا۔

اباجی تو اتنے خوش تھے کہ کانپتے ڈولتے کبھی ادھر بیٹھتے تو کبھی ادھر۔ مجھے پچکارتے ہوئے کہتے۔

"پتر تو نے مجھے میری بھوری کا غم بھلا دیا۔۔۔ میں کدی سوچیا بھی نہ تھا کہ ایس عمرے پتر دا ویاہ ویکھاں گا۔ تو میرا دل ٹھنڈا کر دتا۔ اپنے سوہرے گھر دا چانن مینوں دیٹی ایں پتر۔۔۔ بڑا سکھ پائیں گی۔"

اباجی دعاؤں پر دعائیں دیتے جاتے تھے اور میں منہ پھیر کر ہنسی روکتی کہ یہ تو اباجی کو ہفتہ دو نکل کر پتا چلے گا کہ راحیلہ خالہ ہمارے گھر کا "چانن" تھیں یا جھگڑے

کو آگ دکھانے والا "بالن" مگر ابھی جو بھی تھا سب کے لیے خوشی کا باعث تھا۔ ہر کوئی اپنی جگہ مطمئن اور پرسکون تھا۔ غفران گھر کے واحد مرد ہونے کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری پوری خود اعتمادی سے نبھا رہے تھے انہیں اپنی خالاؤں میں اس عمر میں بیاہتے کوئی شرمندگی نہیں تھی میری اماں نے البتہ میری کمر میں ہلکا سے ٹہوکا دیتے ہوئے کہا۔

"مہیں نی... اے جنانی تے بڑی تیز لگدی اے' کس طراں پٹر پٹر سب دیاں شکلاں ویکھدی اے پئی... اے کڑیئے! سچی دس اے کی شے متھے مارن لگی ایں ساڈے... مروا میں گی ساریاں نوں...!"

"اماں مجھے مت کچھ کہیں۔ جو بھی ہوا ہے مائی بابے کی مرضی سے ہوا ہے۔ اب تو گلے ڈھول ڈال لیا ہے لہٰذا زور زور سے بجائیں اور خوشی کے گیت گائیں۔"

میں نے جواب دیا اور ساتھ میں ایک زوردار قہقہہ بھی لگا ڈالا جو کہ میری بھرپور مسرت کا آئینہ دار تھا۔ اماں نے میری ٹانگ پر زور کا "مکا" دھیرے سے مارا اور منہ پھیر کر کینہ توز نظروں سے دیورانی کو جانچنے میں مصروف ہو گئیں۔

ہنستا ماحول' ہنستے چہرے... مکمل زندگی۔ اس مکمل تصویر میں کہیں کسی کے اندر سب کچھ ادھورا تھا۔ ادھورے ارمان... ادھوری خواہشات اور ادھوری زندگی گزار بیٹھی زاہدہ خالہ...!

یک دم میری نظر ان پر پڑی تھی اور پلٹنا بھول گئی تھی۔ ایک کونے میں لگیں' بیمار' مضمحل اور حسرت ویاس کی وحشت ناک تصویر۔ راحیلہ خالہ کی بات ان کے دل کو سخت ٹھیس لگا گئی تھی۔ آنکھیں روئی روئی اور بے حد سرخ تھیں۔ میں نے ان کی آنکھوں میں جھانکا... ان آنکھوں میں کچھ نہیں تھا سوائے مردہ خوابوں کے۔

☆ ☆ ☆

زاہدہ خالہ مر گئیں۔ اسی رات کے آخری پہر اپنے دکھوں کا توشہ لیے ہمیشہ کے لیے سو گئیں۔ نانی کا بوڑھا وجود غم سے پتھر ہو گیا' راحیلہ خالہ اگلی صبح انہیں قدموں بہن کو رونے پہنچ گئیں۔ تنزیلہ خالہ اونچی اونچی کرلاتی رہیں اور غفران کی تو ہاں جیسے مری ہی آج تھی۔ اتنا سگی ماں کی گود میں نہیں کھیلے تھے جتنا خالہ کی گود میں بیٹھ کر لاڈ اٹھوائے تھے۔ رونا' سسکنا مرے ہوئے کو واپس نہیں لاتا' مگر زندہ لوگوں کو واپس اپنے اپنے گھروں کو لوٹنا پڑتا ہے۔

زاہدہ خالہ کے دسویں کے بعد دونوں بہنیں اپنے اپنے گھروں کو چلی گئیں۔ پیچھے میں' غفران اور بوڑھی بیمار نانی رہ گئے۔ اتنے بڑے ڈھنڈار گھر میں صرف ہم تین نفوس۔

بڑے دنوں کی چھائی سستی اور اداسی کو پرے پھینکتی میں زاہدہ خالہ کے کمرے میں چلی آئی۔ نانی نے کہا تھا کہ ان کی ہر ہر چیز صدقہ کروں' ان کی روح کے ایصال ثواب کے لیے... سوچا آج ہی کیوں نہ کچھ چھانٹی کر دوں۔

بیڈ پر بیٹھ کر سائیڈ ٹیبل کا دراز کھولا تو اندر فریم میں لگی ایک تصویر اوندھی پڑی تھی۔ یہ ان چاروں بہنوں کی جوانی کی تصویر تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ زاہدہ خالہ اپنی سب بہنوں میں زیادہ خوب صورت تھیں' مگر نصیب پیارے نہیں تھے۔ دنیا کے ہیر پھیر ہیں سارے۔ یہاں کئی دفعہ خوب صورتی بین ڈالتی ہے اور کرم ہنستے ہیں۔ پچھلے چھ ساڑھے چھ ماہ میں' میرا سب سے زیادہ ٹائم زاہدہ خالہ کے ساتھ گزرا تھا۔ میری بہت سی یادیں ان سے جڑی تھیں۔ ان کا دل شیشہ تھا میں جو ساس کے وجود سے نالاں تھی... سسرال آتے ہی چار چار ساسوں سے واسطہ پڑا تو یہ زاہدہ خالہ ہی تھیں جنہوں نے میرے سر سے ساس کے ڈر کا بھوت اتارا۔ انہوں نے بڑے سکون اور پیار سے مجھے رام کیا۔ اپنی دونوں بہنوں کی فطرت سے مجھے آگاہ کیا اور صبر کرنے کی تاکید کی۔ خود ہمیشہ میری ڈھال بنیں۔ انہیں اپنی دونوں بہنوں سے بہت پیار تھا اور اب تک جو بھی ہو چکا تھا اور جو کوشش میری طرف

سے ہوئی تھی۔ ان دونوں کے بیاہ کی تو اس کے پیچھے صرف اور صرف زاہدہ خالہ تھیں۔

انہوں نے ہی ایک رات مجھ سے درخواست کی تھی کہ ان کی بہنوں کے لیے ان کی عمر کے رشتے ڈھونڈوں اور یہ اسی رات کی بات ہے جس رات انہوں نے فرید چچا سے متعلق ہر بات مجھے بتائی تھی اور پھر انہی کے کہنے پر میں نے فرید چچا سے بات کی۔ میرے ڈھکے چھپے انداز سے ہی وہ بات کی تہ میں جا اترے اور ٹھیک ہفتے بعد انہوں نے رشتہ بھیج دیا تھا۔

ایک بہن سے فارغ ہونے کے بعد انہیں دوسری کی فکر تھی۔ وہ جانتی تھیں کہ راحیلہ خالہ بے چین ہیں۔ وہ بھی گھر بسانا چاہتی ہیں مگر جب میں نے ایک آدھ جگہ ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد مایوسی ظاہر کی تو زاہدہ خالہ نے قدرے **جھجکتے** ہوئے میرا دھیان شوکی چچا کی طرف دلایا اس کے بعد کے سارے مرحلے خود ہی حل ہوتے چلے گئے۔ اپنی بیماری سے لڑنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے مجھے پوری کمک فراہم کیے رکھی۔ میری پشت پہ پورے قد سے کھڑی رہیں' لڑکھڑائیں نہیں...!

اور وہ ابھی بھی نہ ڈولتیں مگر راحیلہ خالہ کی طراری اس گرتی دیوار کو آخری دھکا ثابت ہوئی۔

ایک دفعہ میں نے بے تکلفی سے زاہدہ خالہ سے پوچھا تھا کہ خالہ آپ کا اپنا گھر بسانے کو جی نہیں چاہتا تو کہنے لگیں۔

"جب چاہتا تھا تو جرات نہ تھی اور آج جب جرات ہے تو "جی" کے تمام ہونے کی مدت پوری ہونے والی ہے۔"

وہ جو اپنے گھر کی آس میں
زمین اوڑھ کر سو لیے...

☆ ☆ ☆

تو یہ تھی قارئین چار ساسوں کی کہانی میری زبانی مگر کہانی اور حقیقت میں بڑا فرق ہے۔ کہانی بھلائی جاسکتی ہے' چٹکیوں میں اڑائی جاسکتی ہے۔ مگر حقیقت زندگی کی آخری سانس پر "نزع" کی ہچکی کی صورت نم سے جدا ہوتی ہے۔ ساس اور بہو کا رشتہ ہماری زندگی کی اصلیت ہے۔ نسلوں کی کڑی ہیں یہ دونوں رشتے۔ آپ میں سے بہت سی ایسی ہوں گی جو ساس سے تنگ ہوں گی اور بہت سی بہوؤں سے۔ مگر جب رہنا اکٹھے ہے...

چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں' گھر کا مرد بیٹے اور خاوند کی صورت میں چیونگم کی طرح کھینچا جاتا ہو... کبھی ایک طرف تار لمبا ہو جائے تو دوسرا سرا ٹوٹ جائے اور کبھی دوسری جانب یہی عمل دوہرایا جاتا ہو تو۔ اپنے بیٹے اور بہو کے خاوند کو بلڈ پریشر کا مریض بنانے سے بہتر نہیں کہ چند باتوں پر دل مار کر ساس اور بہو خود ہی ایک ہار ہو جائیں۔

بہو اگر ساس کو "پھانس" نہ سمجھے... گھر کی "ساس" مانے تو کیا تھوڑا بہت مسئلہ حل نہیں ہو جاتا۔ ساس اگر اپنے دل سے حسد' کینہ اور تعصب کی "باس" مار کر بہو کے "پاس" آنے کی کوشش کرے تو یہ دونوں ایک دوجے کو "راس" نہ آجائیں۔

زاہدہ خالہ ایک بات بڑے گر کی بتاتی ہیں۔

"اس "گھر" کے لیے ساس اور بہو کی لڑائی کا کیا فائدہ جس گھر کو بہو نے بھی اپنی "بہو" کے حوالے کر جانا ہے۔ بہتر ہے ایک دوسرے کے دلوں میں گھر کرنے کے لیے ایک دوسرے کے حق کے لیے لڑو...."

اب میں اپنی نانی ساس کے بالوں میں تیل لگا کر کنگھی پٹی کر آؤں پھر دودھ پتی کا کپ پکڑا کر سکون سے کام نبٹاؤں گی کہ یہ واحد بوڑھا وجود میرے گھر کی اصل برکت ہے۔

☆ ☆

شبانہ شوکت

محبت تم سے ہے

۱

"یار اسید مجھے تو لگتا ہے میں اس پارک والی لڑکی کے عشق میں مبتلا ہو گیا ہوں' کیونکہ وہ میرے حواسوں پر چھائی ہوئی ہے۔"

نائل نے اسید سے حال دل بیان کیا' اس نے کل سے ممی اڑائی تھی۔ نائل بری طرح سلگا تھا۔

"تم سن رہے ہو میں نے کیا کہا ہے؟"

"بالکل سن رہا ہوں' آج سے نہیں تب سے جب سے تم جواں ہوئے ہو' یہی کچھ سنتا آرہا ہوں' ہر لڑکی کے بارے میں کم و بیش یہی رائے ہوتی ہے تمہاری۔"

اس کے طنز نے اسے صدمہ پہنچایا تھا۔

"اب ایسا تو نہ کہو' یقین مانو میری یہ فیلنگز تو کبھی بھی نہیں ہوئی تھیں جو اس لڑکی کے لیے ہیں۔"

"تو ٹھیک ہے جسٹ سمپل' اس سے بات کر کے دیکھو اگر وہ ایگری کرتی ہے تو اپنے پیرنٹس کو رشتے کے لیے بھیجو۔"

"واٹ۔۔۔" وہ اچھل پڑا "ابھی سے شادی نہیں یار ابھی تو۔۔۔" اسید نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی تھی "تو پھر تم کیا بتانا چاہ رہے ہو' تم اس لڑکی کے عشق میں مبتلا ہو چکے ہو تو اس کا کوئی منطقی حل نکالو' جہاں تمہیں اسے یوں دیکھنے کا تردد بھی نہ کرنا پڑے۔"

"کیا بات ہے آج انگارے کیوں چبا رہے ہو؟" اس بار نائل نے بغور اسے دیکھا جو سنجیدگی و بے زاری کا مظہر بنا بیٹھا تھا۔

"کچھ نہیں یار' بس یونہی کبھی کبھی ڈپریسڈ ہو ہی جاتا ہے بندہ۔" وہ بے دلی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"کوئی ٹینشن ہے تو شیئر کر لو ہو سکتا ہے میں کچھ ہیلپ کر سکوں۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے' تم کب جوائن کر رہے ہو اپنے بابا کا آفس۔" اس نے بات کا رخ موڑ دیا نائل بھی سمجھ گیا اور اس سے اسی موضوع پر بات کرنے لگا۔ دونوں نے ہی آرکیٹیکٹ کا انتخاب کیا تھا۔ نائل ایک ویل آف فیملی سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے بابا کی کنسٹرکشن فرم تھی اور وہ اسے ہی جوائن کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اسید بھی کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ نائل نے اسید کو بھی اپنے بابا کی فرم میں جاب آفر کی تھی مگر وہ گورنمنٹ جاب میں انٹرسٹڈ تھا اور وہاں اپلائی کر چکا تھا۔

"جاب مسئلہ نہیں ہے' میرے کچھ اور مسائل ہیں" یہ اور بات کہ وہ اپنے مسائل کی بھنک بھی نائل کے کانوں تک نہیں پہنچنے دیتا تھا۔ اس شام وہ دونوں اکٹھے بیٹھے تھے جب اسید نے کہا "میری ایک کزن ہے' ڈاکٹر بن چکی ہے اور اب F.R.C.S بنی ہے' ہمارے پورے خاندان میں اتنی ٹیلنٹڈ لڑکی نہیں ہے۔"

نائل کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا یہ اسید کہہ رہا تھا۔ اسید اور کسی لڑکی کی اتنی تعریف کرلے' یہ تو سورج مغرب سے نکلنے والی بات تھی۔

"خیر تو ہے' تم اور کسی لڑکی کی اتنی تعریفیں' کیا چکر ہے؟"

"کیا مطلب؟" اسید نے اسے گھورا۔

"تم جیسے زاہد خشک کے منہ سے اتنی تعریفیں سن کر میں تو ٹھیک ٹھاک مشکوک ہو گیا ہوں۔" وہ شرارت سے بولا۔

"جو تعریف کے قابل ہو' اس کی تعریف کرنی ہی پڑتی ہے اس میں لڑکے اور لڑکی کی کیا تخصیص؟"

"مجھے تو ہضم نہیں ہو رہی۔"

"ہو جائے گی آہستہ آہستہ' کیوں کہ میں ابھی اس کی مزید تعریفیں کرنے والا ہوں۔"

"یا اللہ" نائل تو بے ہوش ہونے کو تھا "یہ تمہیں ہوا کیا ہے؟"

"یار اپنی بہترین کزن کی خوبیاں بیان کرنا کوئی اتنی حیرت کی بات تو نہیں ہے؟"

"پہلے تو صنف نازک کا ذکر خیر ہی ممنوع تھا' اب یکایک اس تبدیلی کے پیچھے کچھ تو ہے' اور جو ہے میں اسے ڈھونڈنا چاہتا ہوں۔"

"میں خود ہی بتا دیتا ہوں' ایکچولی میں چاہتا ہوں تم اگر شادی کے لیے سیریس ہو تو عائشہ کو بھی ذہن میں رکھ لینا۔"

نائل کو سچ مچ کا کرنٹ لگا تھا۔ "تت' تم... تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟"

"الحمد للہ" وہ بدستور اطمینان سے تھا۔

"میں دراصل اس پارک والی لڑکی کے لیے بہت سیریس ہو رہا ہوں آج کل میں اس سے بات کر کے دیکھتا ہوں' اگری کرتی ہے تو بات آگے بڑھاتا ہوں۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اسید نے ناراضی سے اسے دیکھا۔ "اور جب میں نے یہی سب کہا تو تم نے کیا جواب دیا کہ ابھی سے شادی۔"

"وہ تو... ایکچولی میں نے اسے کم از کم دیکھا تو ہے' اب یہ تمہاری کزن' پتا نہیں کیسی شکل و صورت' کس قسم کی عادت کی مالک ہے۔ نہ بابا یہ تو رسک ہے۔"

"کیسا رسک؟" اسید کی آواز میں سرد مہری تھی۔

"تم نے مائنڈ کیا تو سوری لیکن میں اسے دیکھوں گا' پھر اگر وہ مجھے پسند آئی تو..."

"وہ تمہیں ہنڈرڈ پرسنٹ پسند آئے گی' وہ اتنی اچھی' اتنی گریڈ اور ویل مینرڈ ہے کہ تم اسے ریجیکٹ کر ہی نہیں سکتے۔" نائل نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

"اتنی اچھی ہے تو تم خود کیوں نہیں اس سے شادی کر لیتے؟"

"بس..." اس کا چہرہ لہو رنگ ہو گیا تھا۔ "ایک لفظ مزید مت کہنا' وہ میرے لیے بہن جیسی ہے اور ویسے بھی میں انگیجڈ ہوں۔"

"پہلے تو تم نے کبھی نہیں بتایا؟"

"پہلے کبھی نوبت ہی نہیں آئی۔" وہ بہت سنجیدہ تھا۔

"تو پھر مجھے ملواؤ اپنی کزن سے۔"

"نہیں ہرگز نہیں' اوکے پھر ملتے ہیں۔" اسید کی آواز مدھم ہو گئی تھی۔

اسید نے گہرا سانس لیا تھا "اوکے' میں دیکھتا ہوں کہ کیا صورت بنتی ہے ملاقات کی' تمہیں بتا دوں گا۔"

"اگر وہ مجھے پسند نہیں آئی تو تمہاری اور میری دوستی پر تو کوئی فرق نہیں پڑے گا نا۔" نائل نے پیش بندی کی۔

نائل نے اپنی بہن نائلہ سے یہ بات ڈسکس کی تو وہ تو مارے ایکسائٹمنٹ کے اچھل ہی پڑی تھی۔ نائل نے نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھا تھا۔

"اس کا مطلب ہے وہ خود اس سے محبت کرتا ہے لیکن کسی نہ کسی وجہ سے قربانی دیتے ہوئے اس کی شادی نائل سے کروانا چاہ رہا ہے' کیا نائل اس لڑکی کو بیوی بنا لے گا جو اس کے دوست کی محبت رہی ہو بلکہ شاید وہ بھی اسی سے محبت کرتی ہو یہ اسید اس کا کیسا امتحان لینے لگا تھا۔

"تم فوراً" انکار کردو' تمہارے لیے کیا ایسی ہی لڑکی رہ گئی ہے اسید بھائی کیا دوسروں کو ایسا ہی بے وقوف سمجھتے ہیں کہ وہ جیسے کہیں گے' ویسے ہی سب کریں گے۔"

نائل بہت رنجیدگی اور غصے سے وہاں سے اٹھا تھا۔

"میری طرف سے معذرت ہے' میں تمہاری کزن سے شادی نہیں کرسکتا۔"

اس نے صاف الفاظ میں کہا تھا' اسید کچھ دیر کے لیے چپ ہوگیا تھا۔ "تم نے اسے دیکھا بھی نہیں اور منع کردیا۔"

"ہاں کیوں کہ میرا خیال ہے تم اسے بہتر سمجھتے ہو' اس لیے تم خود اس کے لیے بہترین پرپوزل ہو" اس نے دوٹوک بات کی۔

"میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ وہ میرے لیے بہن جیسی ہے۔"

"سگی بہن تو نہیں ہے نا..." اس نے بات کاٹ دی تھی۔

"ہمارے اسلامی معاشرے میں یہ بنائے ہوئے رشتے ویسے بھی قابل قبول نہیں ہوتے' اس لیے یہی بہتر ہوگا کہ تم اسے اپنالو۔" اسید نے دانت پر دانت جما کر خود کو مزید کچھ کہنے سے روکا تھا۔

☆ ☆ ☆

نائل اس وقت ڈیپارٹمنٹل اسٹور سے گروسری شاپنگ کررہا تھا' جب اس کی نظر اسید اور اس کے ساتھ موجود لڑکی پر پڑی' وہ دوسرے کاؤنٹر پر کھڑے تھے' نائل لڑکی کو دیکھ کر چونک گیا' وہ وہی پارک والی لڑکی تھی۔ وہ ان کے پاس جا پہنچا' "ہیلو اسید۔"

"اوہ ہیلو۔" وہ چونکا تھا۔ لڑکی بھی متوجہ ہوئی' اسید نے ایک نظر لڑکی پر ڈالی پھر جیسے مجبوراً" تعارف کروایا تھا۔

"یہ عائشہ ہے اور یہ نائل ہے میرا دوست۔"

"عائشہ" نائل بری طرح چونکا تھا' عائشہ نے خوشدلی سے اسے سلام کیا' جس کا بمشکل ہی وہ جواب دے پایا تھا۔

"بھائی ایک منٹ" وہ اندر کی طرف بڑھ گئی۔ نائل پھر چونکا تھا۔ اسید اس سے یونہی ہلکی پھلکی سی باتیں کرنے لگا' اس کے انکار کا کوئی منفی ردعمل اسید کی طرف سے سامنے نہیں آیا تھا۔ اس کا رویہ حسب معمول تھا۔

"چلو یار' یہ سامان تو جب تک گاڑی میں رکھ لیں۔"

وہ باہر آکر اپنی گاڑی میں سامان رکھنے لگے کہ نائل کو یاد آیا کہ وہ اپنا شیونگ کے سامان کا شاپر تو وہیں کاؤنٹر پر بھول آیا ہے' وہ تیزی سے اندر گیا' اپنا شاپر اٹھا کر مڑا تو عائشہ نظر آئی "بھائی کہاں ہیں؟"

"وہ باہر گاڑی میں آپ کا انتظار کررہے ہیں۔" وہ مسکرایا' وہ بھی جواباً" مسکرائی (نائل کا تو دل ہی لٹ گیا)

"آپ اسید کو بھائی کہتی ہیں؟"

"تو بھائی کو بھائی نہ کہوں تو اور کیا کہوں؟" وہ حیران رہ گئی تھی۔

"نہیں' وہ تو آپ کے کزن ہیں نا تو اس لیے؟"

"جی' کزن؟" وہ بے اختیار ہنس پڑی' کھلکھلاتی ہنسی' نائل نے بمشکل نگاہ چرائی تھی۔

"اسید بھائی میرے سگے بھائی ہیں۔ اسید مرتضیٰ اور عائشہ مرتضیٰ۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتی ہوئی بولی اور تیزی سے باہر چلی گئی تھی۔ نائل وہیں کھڑا رہ گیا تھا' کسی سنگی مجسمے کی طرح۔

"بہن' سگی بہن' اس نے نائل سے کیوں کہا کہ کزن' کیا مطلب تھا اس جھوٹ کا۔" اس کے ذہن میں جھکڑ سے چل رہے تھے۔

"عائشہ تمہاری کزن ہے نا؟"

نائل نے چبھتے ہوئے لہجے میں اسید سے پوچھا تھا' اسید نے صرف نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"میں نے کیا پوچھا ہے؟"

"جب تم نے اس کے لیے منع کر دیا ہے تو پھر تمہیں اس سے کیا مطلب کہ وہ میری کیا لگتی ہے؟"

اس کا لہجہ بھی تلخ تھا۔

"تم نے اپنی بہن کو کزن بتا کر کیوں پیش کیا؟"

"مجھے عائشہ نے بتایا تھا کہ تم اسے میری کزن سمجھ رہے تھے تو اس نے تمہیں بتایا ہے کہ وہ میری بہن ہے' مجھے پتا تھا کہ تم ضرور پوچھو گے کہ میں نے غلط بیانی کیوں کی' مجھے دراصل سمجھ نہیں آرہا تھا کہ میں اپنی بہن کا پرپوزل تمہارے سامنے کیسے رکھوں۔ تم نے خود بھی دیکھ لیا تھا کہ وہ چلتے ہوئے تھوڑا سا لنگڑاتی ہے' ہے تو یہ معمولی نقص لیکن ______ میرے والدین کے لیے پریشانی کا باعث بنی ہوئی ہے۔ خاندان میں اس کے جوڑ کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ باہر سے جو آئے' وہ یہ دیکھ کر لوٹ گئے' عائشہ خود بھی بہت گلٹی فیل کرتی ہے' میں بھائی ہو کر اس کے لیے کیا کر سکتا ہوں' یہ سوچا تو تمہارا خیال آیا' میری سمجھ میں یہی آیا کہ پہلے تمہیں راضی کر لوں پھر حقیقت بھی بتا دوں گا مگر شاید ابھی اس کے نصیب میں آزمائش ہے۔

بہرحال تم سے میں معذرت خواہ ہوں کہ تمہیں پریشان کیا۔"

"اسید" نائل نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا "یار میں تم سے سوری کرتا ہوں۔ میں ایکچوئلی غلط سمجھا تھا' میں تمہیں سب بتاتا ہوں۔"

اس نے اسید کو وہ سب اندازے جو عائشہ کو اس کی کزن سمجھ کر وہ لگاتار رہا تھا بتائے' اسید ہنس پڑا تھا۔

"حد ہو گئی یار' مجھ میں تو کم از کم اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ جس سے محبت کروں' اسے کسی اور کے حوالے کر دوں۔"

"ایک اور بات بھی ہے بتانے کے لیے۔" نائل ہلکے سے کھنکارا۔

"عائشہ وہی پارک والی لڑکی ہے' جس کے لیے میں پہلی بار سیریس ہوا ہوں۔" اسید کا منہ کھل گیا' نائل نے جلدی سے اس کے کھلے منہ پر ہاتھ رکھا تھا "میں ممی سے بات کر کے انہیں جلد ہی تمہارے گھر بھیجوں گا اور نائلہ کو بھی کلیئر کر دوں گا ورنہ وہ قصے کے تانے بانے کسی اور کہانی سے ملاتی رہے گی۔"

اسید اس بار کھل کر ہنسا تھا' سرشار سی ہنسی' جس میں نائل نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا' ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں عائشہ کی چال میں موجود لنگڑاہٹ دیکھ کر ایک لمحے کو نائل چونکا تھا لیکن اس میں اتنا حوصلہ' اتنا ظرف تھا کہ وہ اس معمولی خامی کو نظر انداز کر کے اس لڑکی کی ان تمام خوبیوں کو جو اس کی ذات میں موجود تھیں' اپری شیٹ کرے اور اسے اپنا لے' سب سے بڑی بات کہ وہ اس کے دل کی مکین بھی تھی اور اس کے بہترین دوست کی بہن بھی وہ ہر طرح سے خوش تھا۔ اسے یقین تھا کہ عائشہ بھی اس کے ساتھ بہت خوش رہے گی۔ اس کی مام بھی بہت کھلے ذہن کی عورت تھیں سو انہیں بھی کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ اس کے ظرف کی وسعت نے اس کے دوست کو اس کی خوشیاں لوٹا دی تھیں۔ اس نے محبت سے اسید کو دیکھا اور مسکرا دیا۔

✿ ✿

نجمہ وسیم

اولاد

"خالہ نسیم' خالہ نسیم کدھر ہو۔"

آنٹی صفیہ آواز دیتی ہوئی ٹی وی لاؤنج میں آگئیں جہاں میری ساس محترمہ نسیم بیگم ڈرائی فروٹ نوش فرما رہی تھیں اور میں کچن میں صبح سے کھڑی ابھی تک تختہ مشق بنی ہوئی تھی۔ پہلے سسر صاحب کو انڈا پراٹھا چائے بنا کر ناشتا کرایا۔ پھر میاں صاحب کو مولی والے پراٹھے رائتہ بنا کر ناشتا کرایا۔ پھر جٹھانی کے تین بچے جو اسکول جا کر بریک ٹائم میں لنچ کرتے تھے ان کی ٹفن علیحدہ علیحدہ انڈہ جیم سلائس بنا کر پیک کیا۔ پھر ساس صاحبہ کو پہلے دار چینی کا قہوہ پھر آملیٹ پراٹھا اور دودھ پتی کا پیالہ بنا کر دیا اور خود نو بجے میاں صاحب کے بچے ہوئے مولی کے پراٹھے کے دو چار نوالے کھا کر ایک کپ چائے پی اور گندے برتن دھونے لگی۔ دس بجے جٹھانی صاحبہ کی کچن آمد ہوئی تو میں کچن دھو دھا کر صاف کر چکی تھی۔

میرے جیٹھ اور سسر کی بارونق مارکیٹ میں کپڑے کی دکان تھی ہول سیل کے کام کرتے تھے۔ جبکہ میرے میاں ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں سیلز ایڈوائزر تھے۔ جبکہ تین عدد نندیں تھیں جن میں دو شادی شدہ تھیں ایک یونیورسٹی میں ماسٹرز کر رہی تھی۔ وہ اپنا ناشتا خود بناتی تھی۔

جٹھانی صاحبہ دس بجے آ کر اپنی مرضی کا ناشتا بناتیں جبکہ جیٹھ صاحب بازار سے ناشتا کرتے۔ ویسے بھی وہ دیسی مرغ چنے' حلوہ پوری' سری پائے' بونگ پائے' کلیجے رغبت سے کھاتے تھے۔ میری جٹھانی کا نام رباب ہے اور میرا نام عائشہ ہے۔ رباب نے کچن میں آ کر کہا

"عائشہ! آنٹی صفیہ امی جان کو بھلا کیا کہہ رہی تھیں۔ کچھ معلوم ہے۔" میں نے کہا۔

"نہیں بھائی صاحبہ میں تو کچن سے باہر نہیں نکلی۔ کیا کہہ رہی تھیں۔ آنٹی صفیہ۔"

"آنٹی صفیہ کہہ رہی تھیں کہ اس منگل کو تیار رہنا۔ وہ پیر کرامت شاہ کے آستانے پر تم کو لے کر جائیں گی۔ جہاں بے اولاد لوگ من کی مرادیں حاصل کرتے ہیں۔" جٹھانی کی یہ بات سن کر میری آنکھیں نم ہو گئیں۔

میری شادی کو آٹھ سال ہو گئے تھے اور ابھی تک میرے آنگن میں پھول نہیں کھلا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز فراوانی سے عطا کی۔ حسن' صحت' دولت' خوشگوار زندگی۔ مگر اولاد دینے میں نجانے کیوں پیچھے رکھا اور اولاد نہ ہونے کا دکھ وہی محسوس کر سکتے ہیں۔ جو بے اولاد ہوتے ہیں۔ میری ساس صاحبہ نے اچھی سے اچھی گائنا کولوجسٹ اور انفرٹیلٹی کے ماہرین سے بھی رابطہ کیا مگر جو رزلٹ سامنے آیا تو ساس صاحبہ آگ بگولا ہو گئیں۔

ہاں میرے میاں میں کمی تھی۔ اب یہ بات ساس صاحبہ مر کر بھی تسلیم نہ کرتیں۔ "جھوٹ ہے بکواس ہے مرد' مرد ہی ہوتا ہے۔ صرف عورتوں میں نقص ہوتا ہے۔" میڈیکل رپورٹس دیکھ کر میرے شوہر بھی اللہ کی رضا پر راضی تھے مگر میری ساس اور نندیں میرے شوہر کی دوسری شادی کرانے پر مصر تھیں اور میں نے بھی اب روز روز کی بک بک جھک جھک سے تنگ آ کر اپنے میاں کو کہہ دیا تھا کہ آپ دوسری شادی

کر لیں۔ مگر وہ ہرگز راضی نہ تھے۔ کیونکہ وہ بات کی گہرائی تک اتر کر ہی فیصلہ کرتے تھے اور اس بار بھی ان کا فیصلہ اٹل تھا۔

جب ڈاکٹروں سے فیصلہ کن جواب مل گیا تو ساس صاحبہ ان نام نہاد پیر فقیروں اور جھاڑ پھونک کرنے والے نقشی نما بابوں کے آستانوں پر حاضری دینا شروع کر دی۔ ساتھ ساتھ میری بھی شامت آگئی اور کبھی کسی شہر کے نامور جن نکالنے والے جنوں کے گرو۔ کبھی چڑیلوں کو قابو کرنے والے مہا گرو بابا۔ کبھی مردوں کو زندہ کر دینے والی بنگالی جادو گر بابا کبھی کوئی نجومی کبھی کوئی کوڈے شاہ۔ کبھی باجی بنگالن۔

اب آنٹی صفیہ بڑے دعوے کے ساتھ آئی تھیں کہ ان کی گیارہ سال سے بانجھ بہو کی گود ہری ہو گئی ہے۔ اور اس کا علاج پیر و مرشد بابا کرامت شاہ 80 سالہ تجربہ کار بے اولادی کے سپیشل بابا۔ وہ علاج کریں گے اور میری ساس صاحبہ تو ان کی بہو کی گود ہری ہونے پر ہی نہال تھیں۔

آنٹی صفیہ کی بہو کی خود ساری رپورٹس ٹھیک تھیں۔ مگر ان کے شوہر نے ابھی تک اپنا معائنہ نہیں کرایا تھا۔

☼ ☼ ☼

منگل کا دن آیا۔ میں اور میری ساس اور آنٹی صفیہ بابا کرامت شاہ کے آستانے جا پہنچے۔ وہاں بے پناہ رش تھا۔ ٹوکن لینا پڑا اور دو سو روپیہ ہدیہ ٹوکن دینا پڑا۔ صبح

دس بجے ہم گئے اور ایک بجے ہماری باری آئی۔ سارا صحن اب خالی ہو رہا تھا۔ جہاں دو سو کے قریب عورتیں تھیں۔

بابا کرامت کمرے میں آلتی پالتی مارے آنکھیں بند۔ بھنویں ڈاڑھی مونچھ صفاچٹ۔ ٹینڈ لش لش کر رہی تھی اور شکل سے وہ بزرگ کم نوجوان زیادہ لگ رہے تھے۔ کمرے میں پردے ڈال کر اندھیرا سا کیا ہوا تھا اور جنات کی بڑی بڑی تصویریں پردوں کے ساتھ لٹک رہی تھیں۔

اتنے میں ایک خرانٹ شکل کی مکار صورت عورت پردے کے پیچھے سے آکر بابا جی کے پاس آکر بیٹھ گئی اور منمناتی آواز میں کہا کہ "بچی بے اولاد ہے۔ آٹھ سال سے دھکے کھا رہی ہے۔ رحم کرو۔ اولاد دے دو۔"

"استغفار۔" میں دل میں اسے صلواتیں دے رہی تھی۔ بابا جی نے اپنی سرخ آنکھیں کھول کر مجھ کو دیکھا اور کہا۔ "تمہاری کوکھ پر بندش ہے۔ کس نے تکون چھوڑ رکھی ہے۔ اور تکون بے حد منحوس ہے۔ مگر توڑ دوں گا تمہاری تکون توڑ دوں گا۔" اس کی یہ بے سروپا بکواس سر کے اوپر سے نکل گئی۔ اور آنکھیں بند کر کے کہا "رحمت چار نمبر والا نسخہ انہیں دے دو۔"

وہ خرانٹ عورت بڑے ادب کے ساتھ بابا جی کے ہاتھ چوم کر ہم کو باہر لے گئی اور کہا۔ "آپ کا کام ہو جائے گا۔ آپ نے چار منگل یہاں آنا ہے۔ صرف پہلے منگل کو گیارہ کلو دیسی بکرے کا گوشت پانچ کلو دیسی گھی۔ اتھان چیئرمین لٹھا اور ایک کلو دیسی گھی کی مٹھائی یہ ہدیہ ہے جو جنات کھائیں گے اور ہمارا کام کریں گے۔ جبکہ بابا جی کا ہدیہ بچہ ہونے کے بعد جو آپ کا دل چاہے۔ دے دینا۔ کوئی پابندی نہیں۔"

میری ساس تو نہال ہو گئیں۔ لو جی دس سے پندرہ ہزار روپے میں بچہ مل جائے تو اور کیا چاہیے۔

میں اس کی شکل دیکھتی رہ گئی۔ کہ اس بات کا کیا مطلب ہے۔ "بی بی جی کوکھ پر وظیفہ تیر کی طرح اثر کرتا ہے۔" اس کی ذو معنی بات پر میں کھول کر رہ گئی۔

پہلے منگل کو میری ساس اس کی مطلوبہ چیزیں لے کر آستانے پہنچ گئیں اور بابا جی یعنی جوان بابا جی نے مجھ پر پھونک مار کر علاج شروع کر دیا۔ دوسری منگل کو پھر پھونک ماری اور بس۔ تیسری منگل کو پیغام بھیجا تو جواب آیا۔ تھا کر آپ پانچ دن بعد آجائیں۔ میرا دل دھڑک رہا تھا۔ کہ آج تک کسی آستانے پر ایسا نہ ہوا تھا کہ ایسا کرنا ہے ویسا کرنا ہے۔ خیر ٹھیک پانچ دن بعد اپنی ساس اور آنٹی صفیہ کے ساتھ آستانے پر تھی۔

آج میری باری جلدی آگئی۔ بابا جی نے تین بار پھونک ماری اور پھر کہا۔

"دس منٹ کا ایک جلالی وظیفہ ہے جو صرف تم نے کرنا ہے۔ لہذا آپ دونوں خواتین باہر برآمدے میں تشریف رکھیں۔" اور اندر میں اکیلی وظیفہ مکمل کر کے باہر جاؤں۔"

میری ساس اور آنٹی صفیہ فوراً" ہی سرہلاتی باہر چلی گئیں۔ میری چھٹی حس بے دار ہو گئی۔ اب کیا ہونا ہے۔ مجھ کو اپنی گزشتہ زندگی میں دوسروں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات اور ایسی ہی خرافات۔ جو سن رکھی تھیں۔ نگاہوں کے سامنے چل پڑیں۔ تنہائی اور شیطان لازم و ملزوم ہیں۔

بابا جی نے کہا "اب تم وہ کرو جو میں کہوں اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"بے غیرت اللہ سے نہیں ڈرتا۔ اور لڑکیوں کی عزتیں خراب کرتا ہے۔ اور سن ہر لڑکی مجبور نہیں ہوتی۔"

"تمہارا میاں اولاد نہ ہونے پر تم کو طلاق دے دے گا۔" بابا جی نے آخری پتا پھینکا۔

"اور اولاد ہونے پر وہ ویسے بھی طلاق دے دے گا۔ کیونکہ وہ اپنے بارے میں سب جانتا ہے۔" اور اس کے منہ پر تھوک کر میں باہر آگئی۔ جہاں میری ساس اور آنٹی صفیہ میرا انتظار کر رہی تھیں۔

اولاد واقعی بہت بڑی نعمت ہے مگر اولاد اپنی ہی ہو۔ جو اللہ پاک کا حکم ہے۔ ورنہ جہنم ٹھکانہ ہے۔

☆ ☆

شعاع عُزیر

اے پروردگار ہم کو اپنا فرماں بردار بنائے رکھنا

اے پروردگار ہم کو اپنا فرماں بردار بنائے رکھنا۔ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا فرماں بردار بنائے رکھنا اور (پروردگار) ہمیں ہماری عبادت کا طریقہ بتا اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما۔ بے شک تو توجہ فرمانے والا مہربان ہے۔

اے پروردگار ان (لوگوں) میں 'انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرما جوان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب اور دانائی کی باتیں سکھایا کرے اور ان (کے دلوں) کو پاک صاف کرے۔ بے شک تو غالب اور صاحب حکمت ہے۔

(سورۃ البقرہ 2۔ ترجمہ آیات 128 تا 129)

امینہ ملک۔۔۔ کراچی

دو طرح کے آدمیوں پر رشک

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''رشک دو آدمیوں پر ہو سکتا ہے' ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اسے مال کو راہ حق میں لٹانے کی پوری طرح توفیق ملی ہوئی ہے اور دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت دی ہے اور وہ اس کے ذریعے فیصلے کرتا ہے اور (دوسروں کو) اس کی تعلیم دیتا ہے۔''

(صحیح بخاری شریف۔ باب ماجاء فی اجتھاد القضاۃ الخ)

کھجور کے برابر نیکی کرنا

حضرت عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے بات نہ کریں اور اس دوران بندے اور رب کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔ پھر بندہ اپنی دائیں طرف دیکھے گا تو اسے اپنے اعمال نظر آئیں گے' بائیں طرف دیکھے گا تو اس طرف بھی اس کے کیے ہوئے اعمال ہی ہوں گے۔ پھر جب سامنے کی طرف دیکھے گا تو اسے دوزخ نظر آئے گی۔ لہٰذا اگر کسی میں اتنی بھی استطاعت ہو کہ وہ خود کو کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر دوزخ کی آگ سے بچا سکے تو اسے چاہیے کہ ایسا ہی کرے۔'' (نیکی چھوٹی سے چھوٹی ہو اسے ضرور کرنا چاہیے' چاہے راستے میں کوئی پتھر کا ٹکڑا پڑا ہو اس کو ہٹا دینا یا کھجور کے برابر کوئی چیز صدقہ کر دینا۔)

(جامع ترمذی شریف۔ باب ماجاء فی شان الحساب و القصاص)

رشیدہ فیض۔ جام پور

اللہ کا شکر کیسے ادا کروں؟

کسی نے حکیم بوعلی سینا سے پوچھا۔ ''آپ کے دن کیسے گزر رہے ہیں۔''

جواب دیا ''گناہ گار ہونے کے باوجود اللہ کی نعمتیں مجھ پر برس رہی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں' نعمتوں کی کثرت پر یا گناہوں سے در گزر کرنے پر؟''

طلعت سلام۔۔۔ کراچی

موتی مالا

☆ انسان بزدل اتنا ہے کہ خوابوں میں ڈر جاتا ہے۔ اور بے خوف اتنا ہے کہ جاگتے میں ہی اپنے رب سے نہیں ڈرتا۔

☆ رشتوں کی خوب صورتی ایک دوسرے کی بات کو برداشت کرنے میں ہے بے عیب انسان تلاش کرو گے تو اکیلے رہ جاؤ گے۔

☆ کسی سے نیکی کرتے وقت بدلے کی توقع نہ رکھو کیونکہ اچھائی کا بدلا انسان نہیں اللہ دیتا ہے۔

☆ مجھے وہ دوست پسند ہے جو محفل میں میری غلطیاں چھپائے اور تنہائی میں میری غلطیوں پر مجھے سمجھائے۔

☆ ہمیشہ چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا اچھے دل سے استقبال کرو کیونکہ انہی کے پیچھے محبتوں کا سیلاب ہوتا ہے۔

☆ برا وقت وہ شفاف آئینہ ہے۔ جو بہت سے چہرے واضح کر دیتا ہے۔

☆ انسان کی دو ہی کمزوریاں ہیں۔ بنا سوچے عمل کر دینا اور سوچتے رہنا عمل نہ کرنا۔

☆ کائنات میں کوئی اتنی شدت سے کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ جتنا اللہ اپنے بندے کی توبہ کا کرتا ہے۔

امن عامر... کراچی

نصیب والے

جھڑکیاں دینے والا رعب جمانے والا دھمکیاں دینے والا بھول چکا ہوتا ہے کہ وہ بھی انسان ہے' انسانوں پر رعب جمانے اور انہیں جھڑکی دینے کا کوئی حق نہیں۔ ہر نفلی استحقاق صرف غرور نفس کا دھوکا ہے اور غرور کسی انسان میں اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک وہ بد قسمت نہ ہو کیونکہ نصیب والے قسمت والے ہمیشہ عاجز و مسکین رہتے ہیں۔

(واصف علی واصف)

نسیم سردار... گوجرانوالہ

نئیں ہوندے

پتھر ذہن گلاب نئیں ہوندے
کورے کاغذ کتاب نئیں ہوندے
جے کرلائی یاری بھلیا
فریاواں نال حساب نئیں ہوندے

(بابا بھلے شاہ)

روبی... کراچی

گوہر آبدار

☆ چیزوں کی محبت دلوں میں مستقل بس جائے تو اندھی دیواروں جیسی ہو جاتی ہے۔ باقی عمران سے رہائی نہیں ملتی۔

☆ ہم اکثر اتنے اچھے نہیں ہوتے جتنا وہ محبت ہمیں اچھا کر دیتی ہے جو ہمارے دلوں میں اپنے پیاروں سے ہوتی ہے۔

☆ اچھی کتابوں سے محبت دل سے چاہے بنا نہیں ہو سکتی جیسے نیکی کی توفیق بنا طلب کے نہیں ملتی۔

☆ محبت چہروں سے نہیں دلوں سے روحوں سے کی جاتی ہے چہرے روپ بدل سکتے ہیں مگر روح روپ نہیں بدلتی۔

☆ غلط فہمی اگر دل میں زیادہ دیر رہے تو بدگمانی کو جنم دیتی ہے اور بدگمان فاصلوں کا باعث بنتی ہے۔

☆ اعتدال بہترین راہ ہے کیونکہ پاؤں آگ کے الاؤ میں ہو یا برف کی سل پر دونوں صورتوں میں تپش ہمارا مقدر بنتی ہے۔

☆ خوشی میں کوئی دوست شامل ہو تو خوشی بڑھ جاتی ہے اور غم میں اگر دوست ساتھ دے تو غم گھٹ جاتا ہے۔

نوشابہ منظور... بھریا روڈ

ایک حکایت' ایک سبق

شیخ مصلح الدین سعدی رحمت اللہ حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کے مکان کی چھت میں شہد کی مکھیوں نے چھتا بنا لیا' ایک دن اس شخص نے ارادہ کیا کہ اس سے پہلے کہ یہ شہد کی مکھیاں ضرر پہنچائیں'

یہ چھتا توڑ دینا چاہیے، لیکن اس کی بیوی نے مخالفت کی۔ بیوی نے کہا کہ یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ شہد کی مکھیوں کا چھتا توڑ کر انہیں بے گھر کیا جائے۔ اپنی بیوی کی یہ بات سن کر وہ شخص اپنے ارادے سے باز آیا اور کاروبار کے سلسلے میں شہر سے باہر چلا گیا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ اس شخص کی بیوی اس چھتے کے پاس سے گزری تو شہد کی مکھیاں اس سے چمٹ گئیں اور ڈنک مار مار کر اس کا سارا بدن سوجا دیا۔ شوہر گھر لوٹا اور اپنی بیوی کی یہ حالت دیکھی تو کہا "اب کیوں فریاد کرتی ہو، اگر تم مخالفت نہ کرتیں تو میں ان موذی مکھیوں کا کب کا صفایا کر چکا ہوتا' یاد رکھ نیک بخت! بروں پر رحم کرنا اچھوں پر ظلم کرنے کے برابر ہے، عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ سانپ کو دیکھتے ہی اس کا سر کچل دیا جائے۔"

شیخ سعدی کی اس حکایت کا مقصد یہ ہے کہ برائی کو ابتدا ہی میں نہ روکا جائے تو وہ آگے چل کر مزید فساد کا باعث بنتی ہے۔ اسی طرح کوئی انسان جس کے شر سے اللہ کی مخلوق کو مسلسل نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اسے معاف کرنے کے بجائے سزا دینا زیادہ بہتر ہے کیوں کہ بسا اوقات مصلحت پسندی اور ظلم پر خاموشی سے جابر اور ظالم طاقت ور ہو جاتے ہیں تو کمزوروں کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے، لہٰذا برائی کے رستے پر چلنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنے کے بجائے ان کی حوصلہ شکنی کی جانی چاہیے۔ عربی زبان کا مقولہ ہے ظالم کو معاف کرنا مظلوم کے ساتھ ظلم ہے۔ کسی مفکر کا قول ہے کہ برے آدمی کے ساتھ نیکی کرنا نیک آدمی کے ساتھ برائی کرنے کے مترادف ہے، لہٰذا نیکی بھی سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے کیوں کہ ظالم کے ساتھ نیکی کرنا اور اسے معاف کرنا مظلوم کے ساتھ ظلم ہے۔

رفعت جبیں۔۔۔ ملتان

دولت

○ اگر دنیا میں سکون دولت سے حاصل ہوتا تو سارے دولت مند انسان ہمیشہ پر سکون ہی رہتے اور غریب ہمیشہ بے سکون رہتے۔

○ علم اگر دولت سے حاصل ہوتا تو غریبوں کی اولاد ان پڑھ ہی رہتی۔

○ دولت کو ہمیشہ پاؤں کی نوک پر رکھو کیونکہ اگر اس کا نشہ دماغ پر چڑھ جائے تو انسان مجنوں بن جاتا ہے۔

○ دولت کو جتنا زیادہ غریبوں و ضرورت مندوں میں تقسیم کرو گے یہ اتنی ہی تیزی سے تمہارے پاس آئے گی۔

○ اگر دولت سے دکھوں اور غموں کا علاج ممکن ہوتا تو دولت مند طبقہ غم اور دکھ سے صدا نا آشنا رہتا۔

عارفہ نذیر۔۔۔۔ بہرام پور

سوچ لو

سنو! ذرا پھر سوچ لو!
میرا ہاتھ تھامنے سے پہلے
کہ عشق سمندر میں
اک دوجے کا ہاتھ
پکڑ کر چھوڑا نہیں جاتا
پار لگنے کا امکان کم ہوتا ہے
اور ڈوبنے والے کے ساتھ
ڈوبنا پڑتا ہے
میرا ہاتھ تھامنے سے پہلے
ذرا پھر سوچ لو!

بشریٰ مزمل۔۔۔ بھائی پھیرو

آنکھیں

"آنکھیں" تین قسم کی ہوتی ہیں۔

1 جسمانی آنکھیں، یہ انسان اور حیوان دونوں کو حاصل ہیں۔ ان کا کام صرف دیکھنا ہے۔

2 عقلی آنکھیں، یہ صرف انسان کے لیے مخصوص ہیں اور اسے بصیرت دیتی ہیں۔

3 روحانی آنکھیں یہ آنکھیں صرف خدا پرستوں

کو ملتی ہیں۔ یہ دنیاوی اشیا کی ماہیت کو واضح طور پر آنکھوں کے سامنے لانے کے علاوہ عالم بالا کا بھی نظارا کراتی ہیں۔ (افلاطون)

حرا قریشی۔۔۔ بلال کالونی ملتان

یقین

حضرت علی فرماتے ہیں۔
"اگر آپ کسی کو بہت زیادہ چاہو اور وہ آپ کو "چھوڑ" کر چلا جائے؟
اور آپ کی "آنکھوں" سے "آنسو" نکل آئیں تو۔
اس یقین سے صاف کر لینا کہ زندگی کے کسی پل آپ کو یاد کر کے وہ آپ سے زیادہ روئے گا۔"

شازیہ گلزار۔۔۔ منڈی ٹاؤن بھکر

ایک دسمبر

ایک دسمبر میرے اندر
پتھر جیسی آنکھ کی دھرتی
اور دل سات سمندر
سوچ کی لہریں ٹھہریں ایسے
چاند دکھے بس کھنڈر
مجھ میں آن بسا دسمبر

فوزیہ ثمرین۔۔۔ گجرات

انتباہ

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور کرن میں ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔
اس ادارہ سے شائع ہونے والے پرچوں کی کسی بھی تحریر کو انٹرنیٹ پر اپ لوڈ نہ کیا جائے۔ کسی بھی فرد یا ادارہ کی جانب سے اس مجرمانہ عمل پر قانونی کارروائی کی جائے گی۔

حکایت سعدی

ایک سانپ نے کسی آدمی کو ڈس لیا لڑکا مر گیا۔ آدمی نے سانپ کو لاٹھی ماری، جس سے اس کی دم کٹ گئی۔ ایک عرصے بعد آدمی نے سانپ کو دیکھا تو کہنے لگا۔
"آؤ پھر سے دوستی کر لیں۔"
سانپ یہ کہہ کر بھاگ گیا۔ "جب تک تمہیں اپنے لڑکے کا غم ہے اور مجھے اپنی دم کا ہم میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کا دوست نہیں بن سکتا۔"

ثمینہ محمود۔ سعدی عرب

کیا ہوا

عشق منت کش قرار نہیں
حسن مجبور انتظار نہیں
تیری رنجش کی انتہا معلوم
حسرتوں کا مری شمار نہیں
اپنی نظریں بکھیر دے ساقی
مے باندازہ خمار نہیں
زیر لب ہے ابھی تبسم دوست
منتشر جلوہ بہار نہیں
اپنی تکمیل کر رہا ہوں میں
ورنہ تجھ سے تو مجھ کو پیار نہیں
چارہ انتظار کون کرے
تیری نفرت بھی استوار نہیں
فیض زندہ رہیں وہ ہیں تو سہی
کیا ہوا اگر وفا شعار نہیں

(فیض احمد فیض)
روبینہ شریف۔ کراچی

پھر راہ سے راہبر سے مسافت سے گلہ کیا
جب حکم پلٹ جانے کا منزل سے ملا ہو

فوزیہ ثمرین۔ گجرات

نصیحت

ایک حکایت ہے کہ تین شخص ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب رخصت ہونے لگے تو بزرگ نے فرمایا۔ "ہاتھی کا گوشت مت کھانا۔" وہ یہ نصیحت سن کر رخصت ہوگئے۔ اتفاق سے وہ راستہ بھول کر ایک جنگل بیابان میں جا نکلے' اسی سرگردانی میں زاد راہ بھی ختم ہوگیا۔ جب بھوک سے مرنے لگے تو ایک ہاتھی کا بچہ نظر آگیا' وہ اس کو ذبح کرکے کھانے لگے۔ ان میں سے ایک آدمی نے ان کو اس کام سے روکا اور بزرگ کی ہدایت یاد دلائی۔ دونوں نے کہا کہ "یہ گوشت اس وقت تک حرام تھا' جب تک اضطرار کی حالت پیدا نہیں ہوئی تھی' اب تو ہم مر رہے ہیں چنانچہ ہمارے لیے یہ گوشت حلال ہے۔" تیسرے نے کہا۔ "میں تو بزرگ کی بات پر عمل کروں گا اور یہ گوشت ہرگز نہیں کھاؤں گا۔" اور وہ بھوکا ہی سو گیا۔

کچھ دیر کے بعد ایک ہتھنی وہاں آئی۔ تین آدمیوں کو سوتے ہوئے دیکھ کر وہ ان کے قریب گئی اور ہر ایک کا منہ سونگھنے لگی۔ جن کے منہ سے بچے کے گوشت کی بو آئی' ان دونوں آدمیوں کی ٹانگیں پکڑ کر چیر ڈالیں اور جس آدمی نے گوشت نہ کھایا تھا' اس کو اپنی پشت پر ڈال کر سیدھے راستے پر ڈال گئی۔

(مولانا سید زوار حسین شاہ کی کتاب "مقامات فضیلہ" سے اقتباس۔)

رفعت جبین۔۔۔ ملتان

تروینی

نہ ہر سحر کا وہ جھگڑا' نہ شب کی بے چینی
نہ چولہا جلتا ہے گھر میں' نہ آنکھیں جلتی ہیں
میں کتنے امن سے گھر میں اداس رہتا ہوں
(گلزار)

فرزانہ۔ کراچی

سروے رپورٹ

ایک شخص نے اخبار میں سروے رپورٹ پڑھتے پڑھتے سر اٹھا کر اپنے دوست سے کہا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے ملک میں اسی لاکھ ٹی وی اور ساٹھ لاکھ باتھ روم ہیں۔"

"اچھا۔۔۔! دوست نے کہا۔ "مگر اس سے کیا ثابت ہوتا ہے؟"

"یہی کہ بیس لاکھ آدمی نہائے بغیر ٹی وی دیکھ رہے ہیں۔" ان صاحب نے سر کھجاتے ہوئے تشویش سے کہا۔

عفت ارشد۔۔۔ ڈیرہ غازی خان

مجبوری

ایک بچے کو دکانوں سے چھوٹی چھوٹی چیزیں چرانے کی عادت پڑ گئی تھی۔ اس کے والد اسے سمجھا سمجھا کر ہار گئے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ اسے خوفزدہ کرنے کے لیے چند گھنٹوں کے لیے حوالات میں بھجوا دیا جائے۔

انہوں نے تھانیدار سے بات کی' جس نے تجویز مان لی اور بچے کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔

اس وقت حوالات میں ایک اور پختہ عمر کا مجرم بھی بند تھا۔ اس نے لڑکے سے پوچھا۔ "تمہیں کس جرم میں یہاں لایا گیا ہے؟"

"میں دکانوں سے چھوٹی موٹی چیزیں چراتا ہوں۔" لڑکے نے بتایا۔

"بے وقوف۔۔۔! تم کوئی بینک کیوں نہیں لوٹتے؟" مجرم نے کہا۔

"کیا کروں جناب۔۔۔ مجھے اسکول سے تین بجے چھٹی ہوتی ہے۔ تب تک بینک بند ہو چکے ہوتے ہیں۔" لڑکے نے بے بسی سے کہا۔

شبانہ افضل۔۔۔ قصور

بشریٰ محمود

فوزیہ ثمر بٹ، کی ڈائری میں تحریر
امجد اسلام امجد کی نظم

آخری چند دن دسمبر کے

ہر برس ہی گراں گزرتے ہیں
خواہشوں کے نگار خانے میں
کیسے کیسے گماں گزرتے ہیں
رفتگاں کے بکھرے سایوں کی
اک محفل سی دل میں سجتی ہے
کتنے نمبر پکارتے ہیں مجھے
جن سے مربوط بے نوا گھنٹی
اب فقط میرے دل میں بجتی ہے
کس قدر پیارے پیارے ناموں پر
رینگتی بدنما سی لکیریں
میری آنکھوں میں پھیل جاتی ہیں
دوریاں دائرے بناتی ہیں
دھیان کی سیڑھیوں پر کیا کیا عکس
مشعلیں درد کی جلاتے ہیں
نام جو کٹ گئے ہیں ان کے حرف
ایسے کاغذ پر پھیل جاتے ہیں
حادثے کے مقام پر جیسے
خون سوکھے نشانوں پر
چاک سے لائنیں لگاتے ہیں
پھر دسمبر کے آخری دن ہیں
ہر برس کی طرح اب کے بھی
ڈائری ایک سوال کرتی ہے
کیا خبر اس کے آگے تک
میرے ان بے چراغ صفحوں سے
کتنے ہی نام کٹ گئے ہوں گے
کتنے نمبر بکھر کے رستوں میں
گرد ماضی میں اٹ گئے ہوں گے
خاک کے ڈھیروں کے دامن میں
کتنے طوفان سمٹ گئے ہوں گے
ہر دسمبر میں سوچتا ہوں

ایک دن اس طرح بھی ہونا ہے
رنگ کو روشنی میں کھونا ہے
اپنے اپنے گھروں میں رکھی ہوئی
ڈائری دوست دیکھتے ہوں گے
ان آنکھوں کے خاک دانوں میں
ایک صحرا سا پھیلتا ہوگا
اور کچھ بے نشاں صفحوں سے
نام میرا بھی کٹ گیا ہوگا

شازیہ ہاشم، کی ڈائری میں تحریر
فیض احمد فیض کی غزل

کب یاد میں تیرا ساتھ نہیں، کب ہاتھ میں تیرا ہاتھ نہیں
صد شکر کہ اپنی راتوں میں اب ہجر کی کوئی رات نہیں

مشکل ہیں اگر حالات وہاں، دل بیچ آئیں جاں دے آئیں
دل والو کوچہ جاناں میں کیا ایسے حالات نہیں

جس دھج سے کوئی مقتل گیا، وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جاں کی کوئی بات نہیں

میدان وفا دربار نہیں، یاں نام و نسب کی پوچھ کہاں
عاشق تو کسی کا نام نہیں، کچھ عشق کسی کی ذات نہیں

گر بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنا ہارے بھی تو بازی مات نہیں

ظلِ ہما، کی ڈائری میں تحریر
محسن نقوی کی نظم

دسمبر مجھے راس آتا نہیں،

کئی سال گزرے، کئی سال بیتے
شب و روز کی گردشوں کا تسلسل
دل و جاں میں سانسوں کی پرتیں الٹتے ہوئے

زلزلوں کی طرح ہانپتا ہے
چٹختے ہوئے خواب
آنکھوں کی نازک رگیں چھیلتے ہیں
مگر میں ہر اک سال کی گود میں جاگتی صبح کو
بے کراں چاہتوں سے اٹی زندگی کی دعا دے کے
اب تک وہی جستجو کا سفر کر رہا ہوں
گزرتا ہوا سال جیسے بھی گزرا
مگر سال کے آخری دن نہایت کٹھن ہیں

میرے ملنے والو
نئے سال کی مسکراتی ہوئی صبح گر ہاتھ آئے تو ملنا
کہ جاتے ہوئے سال کی ساعتوں میں، یہ بجھتا ہوا دل
دھڑکتا تو ہے مسکراتا نہیں
دسمبر مجھے راس آتا نہیں

فردوس فہیم، کی ڈائری میں تحریر
حبیب جالب کی غزل

یہ اور بات تیری گلی میں نہ آئیں ہم
لیکن یہ کیا کہ شہر تیرا چھوڑ جائیں ہم

مدت ہوئی ہے کوئے بتاں کی طرف گئے
آوارگی سے دل کو کہاں تک بچائیں ہم

شاید بقید زیست یہ ساعت نہ آسکے
تم داستانِ شوق سنو اور سنائیں ہم

بے نور ہو چکی ہے بہت شہر کی فضا
تاریک راستوں میں کہیں کھو نہ جائیں ہم

اس کے بغیر آج بہت جی اداس ہے
جالب چلو کہیں سے اسے ڈھونڈ لائیں ہم

نوشابہ منظور، کی ڈائری میں تحریر
ایک نظم

سال کا یہ آخری دن ہے
ابھی کچھ دھوپ ہے لیکن
ذرا سی دیر کو طے ہے کہ آخر شام ہونا ہے
حقیقت یا کہانی جو بھی ہے انجام ہونا ہے
چلو مل بیٹھ کے اپنے خسارے بانٹ لیتے ہیں
سبھی رنگ، جگنو اور ستارے بانٹ لیتے ہیں
ذرا سی دیر کو طے ہے کہ آخر شام ہونا ہے
حقیقت یا کہانی جو بھی ہے انجام ہونا ہے
تو کیوں نہ شام سے پہلے
کسی انجام سے پہلے
جو کچھ گھڑیاں
میسر ہیں
ان ہی میں
زندگی کر لیں
کسی احساس
کی شمع جلا کر
ان اندھیروں میں
کوئی دم
روشنی کر لیں
چلو ہم
دوستی کر لیں
چلو ہم
دوستی کر لیں

شگفتہ سلیمان

وردہ پروین ———— کراچی

نصیب دیکھیے ساحل پہ ہم پہنچ نہ سکے
خبر پہنچ گئی کشتی کے ڈوب جانے کی

عائشہ ———— گوجرہ

اس کی خواہش ہے کہ آنگن میں اترے سورج
بھول بیٹھا ہے کہ خود موم کا گھر رکھتا ہے

لائبہ، ایمن ———— مظفر آباد

اک اک کر کے ہونے جاتے ہیں تارے روشن
میری منزل کی طرف تیرے قدم آتے ہیں

خدیجہ سلیم ———— کے ڈی اے

اب بھی اوجھل ہے نگاہوں سے نشانِ منزل
زندگی تو ہی بتا کتنا سفر باقی ہے

عظمیٰ نبیل ———— کراچی

کچھ جہد مسلسل سے تھکاوٹ نہیں لازم
انسان کو تھکا دیتا ہے سوچوں کا سفر بھی

آمنہ ناز محمد ———— میرپور ساکرو

بکھری ہوئی لاشوں پہ سیاست نہ کرو تم
انسان کو اس درجہ تماشا نہ بناؤ

جاسمہ مریم نوید ———— کورنگی کراچی

سچ کہوں مجھ کو یہ عنوان برا لگتا ہے
ظلم سہتا ہوا انسان برا لگتا ہے
کس قدر ہو گئی مصروف یہ دنیا اپنی
ایک دن ٹھہرے تو مہمان برا لگتا ہے

اقصیٰ ناصر ———— کراچی

اک ملاقات بھی کافی ہے سمجھنے کے لیے
ظرف انسان کا ماتھے پہ لکھا ہوتا ہے

تابش ریحان ———— کراچی

میرے اندر کا تو انسان ابھی زندہ ہے
جھوٹ بولوں گا تو سولی پہ چڑھا دے گا مجھے

تحسین ناز ———— ڈی۔ جی خان

سرد ہوائیں کیا چلیں میرے شہر میں
ہر طرف یادوں کا دسمبر بکھر گیا

ندا ———— قصور

بجھا بجھا، زرد زرد، مدھم مدھم چاند
شاید نسبت اسے بھی دسمبر سے ہے

فرح اسد ———— اسلام آباد

ایک کیا کم تھی تری یاد ستانے کے لیے
سردیاں آ گئیں میرا درد بڑھانے کے لیے

ردبی ———— کراچی

ریزہ ریزہ کیا تھا گزشتہ دسمبر نے میرا وجود
اب کے پھر آیا ہے خدا خیر کرے

فرح ———— پھول نگر

دل میں ہوتا تو کسی طور نکل بھی جاتا
اب تو وہ شخص بہت دور تلک ہے مجھ میں

حسینہ مبارک ———— لاہور

جو بات ہم کہہ نہیں سکتے اسے ہم فرض کرتے ہیں
چلو ہم فرض کرتے ہیں ہمیں تم سے محبت ہے

سدرہ وزیر ———— خوشاب

دسمبر کی شب آخر نہ پوچھو کس طرح گزری
یہی لگتا تھا کہ ہر پل وہ ہمیں کچھ پھول بھیجے گی

مدیحہ فہیم ———— کورنگی کراچی

ٹھٹھرتی ہوئی شب سیاہ وہ بھی طویل تر
محسن ہجر کے ماروں پہ قیامت ہے یہ دسمبر

حفصہ اکبر ———— کراچی

آنکھوں سے نیند چھیننے والے کو کیا خبر
کیسے گزارتا ہوں میں شب انتظار کی

مدیحہ نورین مہک ـــــــ برنالی

نہ چاہت کے جذبات الگ
نہ خوشیوں کے لمحات الگ
ہے ساری بات لکیروں کی
تیرے ہاتھ الگ میرے ہاتھ الگ

فوزیہ ثمر بٹ ـــــــ گجرات

ملا تھا ہجر کے رستے میں صبح کی مانند
بچھڑ گیا تھا مسافر سے رات ہونے تک
میں اُس کو بھولنا چاہوں تو کیا کروں آخر
وہ مجھ میں زندہ ہے میری ذات ہونے تک

نوشابہ منظور ـــــــ بھریا روڈ

اُس نے توڑا وہ تعلق جو میری ذات سے تھا
اُس کو رنج نہ جانے میری کس بات سے تھا
لاتعلق رہا لوگوں کی طرح وہ بھی
جو اچھی طرح واقف میرے حالات سے تھا

سعدیہ عرفان ـــــــ گارڈن

اپنا مٹی کا دیا توڑ نہ لینا یارو
جب کبھی چاند کو آنگن میں اترتے دیکھو

صدف عمران ـــــــ کے ڈی اے

کبھی تو دیکھے گا مڑ کر پکارتے ہی رہو
کبھی تو جیت ہی جاؤ گے ہارتے ہی رہو

عظمیٰ ـــــــ کراچی

اسے بھی دکھ ہے تعلق کے ٹوٹ جانے کا
وہ جا رہا ہے مگر ہاتھ ملتا جاتا ہے

عاصمہ ندیم ـــــــ کراچی

لوگ کہتے ہیں کہ تو اب بھی خفا ہے مجھ سے
تیری آنکھوں نے تو کچھ اور کہا ہے مجھ سے

مہوش ملک ـــــــ شیخوپورہ

کیا ایسے کم سخن سے کوئی گفتگو کرے
جو مستقل سکوت سے دل کو لہو کرے
اب تو ہمیں بھی ترک مراسم کا غم نہیں
پر دل یہ چاہتا ہے کہ آغاز تو کرے

فرحت ـــــــ فیصل آباد

لب پر سجا لیے ہیں تو تھی اجنبی سے نام
دل میں تمام زخم کسی آشنا کے تھے

صائمہ جبیں ـــــــ کراچی

اس روز و شب میں اُلجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں
گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

نمرہ، اقرا ـــــــ گوجرہ

اے اجل ایک دن آخر تجھے آنا ہے
آج آتی شب فرقت میں تو احسان ہوتا

نرمین، سیمی، بینا ظفر ـــــــ کراچی

اپنی ہستی کا بھی انساں کو عرفاں نہ ہوا
خاک پھر خاک تھی اوقات سے آگے نہ بڑھی

ناہید راشد ـــــــ کراچی

سجدہ آدم کو ملائک نے کیا روز اوّل
ہیں فرشتوں سے سوا مرتبے انسانوں کے

ثنا شہزاد ـــــــ کراچی

اس کو کچھ تو بنا دیا ہے
ہم نے تھوڑا سا دھیان دے کر

رانی ـــــــ کراچی

خاک اڑتی ہے رات بھر مجھ میں
کون .. پھرتا ہے در بدر مجھ میں
مجھ کو مجھ میں جگہ نہیں ملتی
وہ ہے موجود اس قدر مجھ میں

ثنا ـــــــ کراچی

مجھ کو تہذیب کے برزخ کا بنایا وارث
یہ الزام بھی میرے اجداد کے سر جائے گا

شہلا احمد ـــــــ سیالکوٹ

خلقت نہیں ہے ساتھ تو پھر بخت بھی نہیں
کچھ دن ہی رہے گا تو یہ تخت بھی نہیں
مایوس ہو کے دیکھ رہے ہیں خلائیں گھر
اتنی تو یہ زمین مگر سخت بھی نہیں

امبر خان ـــــــ کراچی

تھک گیا ہے دل وحشی مرا فریاد سے بھی
جی بہلتا نہیں اے دوست تری یاد سے بھی
اے ہوا کیا ہے جواب نظم چمن اور ہوا
صید سے بھی ہیں مراسم ترے صیاد سے بھی

ریحانہ امجد بخاری

مقام

بیوی شوہر سے "تم میرے لیے بہت محترم ہو، تم جہاں بیٹھو گے میں اس سے نچلے مقام پر بیٹھوں گی۔"
شوہر "اگر میں بیڈ پر بیٹھوں تو؟"
بیوی "میں اسٹول پر بیٹھوں گی"
شوہر "اگر میں اسٹول پر بیٹھوں تو؟"
بیوی "میں پیڑھی پر بیٹھوں گی"
شوہر "اگر میں پیڑھی پر بیٹھوں تو؟"
بیوی "میں زمین پر بیٹھوں گی"
شوہر "اگر میں زمین پر بیٹھوں تو؟"
بیوی "میں گڑھا کھود کر بیٹھوں گی"
شوہر "اور اگر میں گڑھے میں بیٹھوں تو؟
بیوی "غصے سے"
"میں تمہارے اوپر مٹی ڈال دوں گی، تمہیں عزت راس نہیں آتی۔"

نورین ظفر۔۔۔ڈی جی خان

سیاست دان

بیوی نے شوہر سے پوچھا کہ "آپ کو کس بات سے اندازہ ہوا کہ ہمارا بڑا منا بڑا ہو کر سیاست دان بنے گا؟"
"منا در اصل ایسی باتیں کرتا ہے کہ جو کانوں کو بھلی لگتی ہیں مگر ان کا مفہوم نہیں نکلتا۔"
شوہر نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

خواب

نوکر "میں نے خواب دیکھا کہ آپ نے رات مجھے دو ماہ کی تنخواہ پیشگی دی ہے۔"
مالک "بہت خوب اب میں تمہیں دو ماہ تک تنخواہ نہیں دوں گا۔"

مدیحہ نورین مہک۔۔۔ برنالی

صحیح طریقہ

باپ نے کہا "ہم نے لڑکی سے کہہ دیا کہ اگر اس نے اپنی مرضی سے شادی کی تو اسے میری جائیداد سے کچھ نہیں ملے گا؟"
بیوی بولی "اس سے کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں نے لڑکے سے کہہ دیا تھا اور وہ اس دن کے بعد سے گھر نہیں آیا۔"

حساب

ٹیچر "دو میں سے دو نکلے تو کیا بچا؟"
اسٹوڈنٹ "ہم کو سوال سمجھ نہیں آیا؟"
ٹیچر "تمہارے پاس دو روٹیاں تھیں، تم نے ان کو کھا لیا اب تمہارے پاس کیا بچا؟"
اسٹوڈنٹ "سالن"

صلح

دو لڑکیاں بس میں سیٹ کے لیے لڑ رہی تھیں۔
کنڈیکٹر "کیوں لڑ رہی ہو جو عمر میں بڑی ہے وہ سیٹ پر بیٹھ جائے۔"
بس پھر کیا تھا۔
دونوں پورے راستے کھڑی رہیں۔

فوزیہ۔۔۔ اکاڑہ

عادت

شادی ہونے کے پندرہ دن بعد بیوی سے خاموش

نہ رہا جاسکا۔ معمول کے مطابق شام ہوتے ہی شوہر بن ٹھن کے جانے لگا تو بیوی نے موٹے موٹے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔

"تمہیں میرا ذرا خیال نہیں رہا۔ میں روزانہ دو بجے تک تمہارا انتظار کرتی ہوں اور جب تم واپس آتے ہو تو بات کرنا گوارا نہیں کرتے۔"

"قصور میرا نہیں تمہارا ہے۔" شوہر نے بگڑتے ہوئے کہا۔

"پچھلے تین سال میں تم سے ملنے کے لیے سرِ شام ہی نکل جاتا تھا۔ نصف شب تک تمہاری محبت بھری باتیں سنا کرتا تھا۔ چنانچہ رات گئے تک میری باہر رہنے کی عادت اتنی پختہ ہو چکی ہے کہ میں سورج غروب ہونے کے بعد ایک لمحے کے لیے بھی گھر میں نہیں ٹھہر سکتا۔"

سحرش خان۔۔۔۔ بکھر

دہشت

شادی کی تقریب میں جن آگیا۔

جن کو دیکھ کر لڑکیوں کی چیخیں نکل گئیں

ایک بابا جی نے لڑکیوں کو وضو کرنے کو کہا

لڑکیاں وضو کر کے آئیں تو۔۔۔

جن کی چیخیں نکل گئیں۔

کاہلی

ماسٹر صاحب نے کاہلی پر مضمون لکھ کر لانے کے لیے کہا۔

ایک شاگرد کی کاپی چیک کی تو تمام صفحات خالی تھے۔ آخری صفحے کے نیچے لکھا تھا۔

"اسے کہتے ہیں کاہلی۔"

حرا ناز۔۔۔ لاہور

سوالیہ

ایک سیلز مین نے ایک لڑکی کو سینڈل کی قیمت پانچ سو روپے بتائی مگر لڑکی کے پاس صرف تین سو روپے تھے۔ لہٰذا اس نے وہی روپے سیلز مین کو دیے اور کہا۔

"باقی دو سو روپے کل آ کر دوں گی۔"

سیلز مین نے روپے لے کر سینڈل کا ڈبا لڑکی کے حوالے کر دیا اور وہ چلی گئی۔

دکان کے مالک نے سیلز مین پر غصہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم بہت بے وقوف ہو اب وہ کبھی نہیں آئے گی۔"

"اس کے تو اچھے بھی آئیں گے۔"

سیلز مین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نے اسے دونوں جوتے بائیں پیر کے دیے ہیں۔"

ثمینہ اعجاز۔۔۔۔ سعودی عرب

گھنٹی

ایک صاحب نے ماہر نفسیات سے اپنی پریشانی بیان کرتے ہوئے کہا۔

"سب سے بڑی مصیبت میرے خواب ہیں۔ میں خواب میں ہمیشہ ایک ہی منظر دیکھتا ہوں کہ ایک اسکول میں بہت ساری لڑکیاں ادھر سے ادھر بھاگتی پھرتی ہیں۔ کچھ کھیلنے میں مصروف ہو جاتی ہیں اور کچھ باتیں کرنے میں پھر اچانک اسکول گھنٹی بج اٹھتی ہے۔ اور میری آنکھ کھل جاتی ہے۔"

"ہوں تو آپ چاہتے ہیں کہ میں اپنے علاج سے آپ کو یہ خواب دیکھنے سے روکوں۔"

ماہر نفسیات نے ان صاحب کی الجھن سمجھتے ہوئے سوال کیا۔

"جی نہیں میں چاہتا ہوں کہ آپ اسکول کی گھنٹی بجوانا بند کر دیں۔"

ان صاحب نے قدرے شرماتے ہوئے جواب دیا۔

فوزیہ ثمرین۔۔۔۔۔ گجرات

بے بسی

امریکہ میں ایک خوش پوش نوجوان بار میں گیا اور

آرڈر دینے کے بعد بے اختیار قہقہے لگانے لگا۔ بار میں بیٹھے ہوئے تمام افراد کی نگاہیں اس پر جم گئیں۔ اچانک وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھوڑی دیر بعد وہ پھر قہقہے لگانے لگا۔ کافی دیر تک اس کی یہ ہی حالت رہی' کبھی قہقہے لگاتا اور کبھی پھوٹ پھوٹ کر روتا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ اس کیفیت سے نکلا تو سوالیہ چہرے سے بار میں بیٹھے تمام افراد سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

"معاف کرنا دوستو! مجھے ایک چیز کے جانے کا بے حد خوشی ہے اور ایک چیز کے جانے کا بے حد رنج ہے۔ مجھ پر بیک وقت دو احساسات طاری ہیں۔ نہ میں اپنی خوشی دبا سکتا ہوں اور نہ اپنے شدید غم کو ضبط کر سکتا ہوں۔"

لوگوں کے چہروں پر اب بھی سوالیہ نشان بنے رہے تو اس نے مزید وضاحت دی۔

"دراصل میری زیر تربیت ساس میری نئی کار ڈرائیو کرتے ہوئے عمودی چٹانوں والے رستے پر چلی گئی ہیں۔ اور اب کسی وقت بھی دونوں کے خاتمے کی خبر آنے والی ہے۔"

حنا فرحان۔۔۔ راجن پور

سمجھدار

دو ماہ کی چھٹیاں گزرنے پر ملازم نے اگلے روز جب اپنی شادی کے لیے دو دن کی درخواست دی تو مالک نے حیرت سے پوچھا۔

"دو مہینوں کی چھٹیوں میں تم نے شادی کیوں نہیں کی؟"

جواب میں ملازم نے کہا "جی چھوٹے' کون اپنی چھٹیاں غارت کرواتا۔"

فرزانہ۔۔۔ کراچی

ناقابل برداشت

"اختر بھائی سے تمہاری لڑائی کس بات پر ہوئی؟" ایک شخص نے اپنے دوست سے پوچھا۔

"برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔" دوست نے شکوہ کیا۔ "میں نے کبھی بھی انہیں اپنی شرٹ' سوٹ اور جوتے پہننے سے نہیں روکا مگر جب کل ڈائننگ ٹیبل پر میرے ہی دانت لگا کر انہوں نے مجھ پر ہنسنا شروع کیا تو میں برداشت نہ کر سکا۔"

غزل۔۔۔ ملتان

ڈراپ سین

ایک شخص نے مرتے وقت وصیت کی۔ "زاہد بیٹا' ڈیفنس والی بیس کوٹھیاں تم لے لینا اور عابد تم میرے سب سے چھوٹے اور پیارے بیٹے ہو' اس لیے کینٹ والے پندرہ بنگلے تمہارے اور بیگم تم۔۔۔ تم کلگشت والی بائیس کوٹھیاں رکھ لینا۔"

اس شخص کی وصیت سن کر نرس اس کی بیوی سے کہنے لگی۔ "لگتا ہے' آپ کے شوہر کے پاس بہت ساری جائیداد ہے۔"

اس کی بیوی نے بے زاری سے جواب دیا۔ "کہاں کی جائیداد' یہ تو دودھ فروش ہے اور اپنے گاہکوں کے گھر بتا رہا ہے۔"

ریحانہ۔۔۔ شور کوٹ

ادب کی انتہا

مرزا غالب کے زمانے میں دو دوست کلاس روم میں جھگڑا کر رہے تھے۔ ایک نے کہا۔ "دیکھیے! ہم آپ کی ہمشیرہ اور والدہ ماجدہ کی شان میں گستاخانہ کلام پیش کریں گے' اس لیے بہتر ہو گا کہ آپ ہمارا قلم بمع روشنائی ہمارے حوالے کر دیجیے۔"

دوسرے دوست نے کہا۔ "اگر آپ نے ہماری والدہ اور ہمشیرہ کی شان میں نازیبا کلمات کہے تو ہم آپ کے رخسار پر ایسا طمانچہ رسید کریں گے کہ آپ کا رخسار مانند گلاب لال ہو جائے گا اور آپ شدت درد سے چلا اٹھیں گے۔"

اتنے میں استاد صاحب آ گئے۔ وہ بولے۔ "ہم کافی دیر سے آپ کی تکرار سماعت فرما رہے ہیں مگر اب ہم

میں مزید سکت نہ رہی کہ آپ کی تلخ کلامی برداشت فرمائیں' لہٰذا آپ لوگوں کو مکتب کے دروازے پہ بہ طور گارڈ ان تین تین دن کے لیے مقرر کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ آپ میری سزا کو سرِ تسلیم فرمائیں گے۔"

کہکشاں... فیصل آباد

شادی کے بعد

ایک نئی نویلی دلہن نے اپنی سہیلی سے کہا۔ "واقعی لوگ درست کہتے ہیں۔ شادی کے بعد عورت کی قدر نہیں رہتی۔ اب یہی دیکھ لو جب سے میری شادی ہوئی ہے 'اسلم نے سیدھے منہ بات تک نہیں کی۔"

سہیلی نے تشویش سے پوچھا۔ "پھر تو تمہیں اسلم سے طلاق لینے سے متعلق سوچنا چاہیے۔"

دلہن نے جواب دیا۔ "لیکن اسلم سے میں طلاق کیسے لے سکتی ہوں کیونکہ میری شادی اس سے ہوئی ہی نہیں۔"

فوزیہ... اکاڑہ کینٹ

ہری مرچیں

فائزہ نے اپنی دوست ثمینہ کو بتایا۔ "میرا منگیتر بہت ہی بے تکلف ہے۔"

"واقعی... اس میں کوئی شک نہیں۔" ثمینہ نے تصدیق کی۔ "کل مہندی کی ایک تقریب میں اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ مجھے بار بار اس کو یقین دلانا پڑا کہ اس کی منگنی مجھ سے نہیں تم سے ہوئی ہے۔"

✡ ✡ ✡

استاد نے شاگرد سے پوچھا۔ "وہ کون سا محکمہ ہے' جہاں عورت کام نہیں کر سکتی؟"

شاگرد نے جواب دیا۔ "جناب فائر بریگیڈ۔"

استاد نے پوچھا۔ "وہ کیسے؟"

شاگرد نے جواب دیا۔ "وہ اس لیے... کہ عورت کا کام آگ لگانا ہے' بجھانا نہیں۔"

✡ ✡ ✡

ایک ٹریفک انسپکٹر نے لڑکی کو غلط ڈرائیونگ کرنے پر روک کر کہا۔ "میں آدھے گھنٹے سے آپ پر نظر رکھے ہوئے ہوں۔"

"اوہ تھینک گاڈ!" لڑکی نے پرسکون ہوتے ہوئے کہا۔ "میں سمجھی تھی کہ غلط ڈرائیونگ پر آپ میرا چالان کرنے والے ہیں۔"

کشور منیر... کراچی

باعث حیرت

ہوٹل میں دو آدمی گفتگو کر رہے تھے۔

ایک نے کہا۔ "یار! جب تم رات گئے گھر جاتے ہو تو تمہاری بیوی کیا کہتی ہے؟"

دوسرے نے جواب دیا۔ "کچھ نہیں.... دراصل ابھی میری شادی نہیں ہوئی۔"

"پھر تم اتنی دیر تک باہر کیوں رہتے ہو؟" پہلے شخص نے حیرانی سے کہا۔

دانیہ... ڈیرہ غازی خان

سخن فہم

شاعر صاحب نے چند دن پہلے جو غزلیں لکھی تھیں انہیں پورے گھر میں ڈھونڈتے پھر رہے تھے لیکن وہ نہیں مل رہی تھیں۔

"میرا خیال ہے وہ بچوں نے چولہے میں پھینک دی ہوں گی۔" آخر کار وہ مایوسی اور اندیشوں سے لرزتی آواز میں بولے۔

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔" بیوی نے انہیں ڈانٹا۔

"بچوں کو ابھی پڑھنا کہاں آتا ہے۔"

✡ ✡

کرن کا دسترخوان

خالدہ جیلانی

چنے کی دال کا حلوہ

اشیا :

چنے کی دل	1/2 کلو
گھی	2 کپ
چینی	1/2 کلو
کھویا	1/2 پاؤ
بادام کی گری	1/2 پاؤ
پستہ	1 چھٹانک
ناریل	1 چھٹانک
دودھ	1 کلو
کیوڑہ	4 چائے کے چمچے
الائچی	12 عدد

ترکیب :

چنے کی دال صاف کر کے بھگو دیں دو گھنٹے بعد اس کا پانی نکال دیں اور دودھ ڈال کر پکنے رکھ دیں جب دال گل جائے تو دودھ خشک کر لیں اور اتار لیں۔ اس دال کو باریک پیس لیں اب گھی میں الائچی کے دانے ڈال کر کڑکڑائیں اور اس میں پسی ہوئی دال ڈال کر بھونیں جب دال کا رنگ سرخی مائل ہو جائے تو اس میں کھویا ڈال کر بھونیں۔ تھوڑی دیر کے بعد اس میں چینی اور ناریل کاٹ کر ڈال دیں اور بھونتے جائیں جب گھی چھوڑے تو اتارنے سے پہلے کیوڑہ ڈال کر تھوڑا چلا لیں اور اتار لیں اور اوپر سے بادام اور پستے کی ہوائیاں چھڑک دیں لیجیے مزے دار حلوہ تیار ہے۔

گاجر کا حلوہ

اشیا :

گاجریں	3 کلو
دودھ	1 کلو
چینی	45 گرام
انڈے	8 عدد
گھی	100 گرام
الائچی	5 عدد
بادام/پستے	حسب ضرورت

ترکیب :

دودھ کو الائچی ڈال کر ابال لیں گاجروں کو کدوکش کر کے دودھ میں شامل کر لیں اور ہلکی آنچ پر پکائیں۔ گاجریں گل جائیں تو آنچ تیز کر لیں اور دودھ خشک کر لیں۔ پھر اس میں گھی ملا کر خوب بھونیں جب اچھی طرح بھون لیں تو اس میں چینی شامل کر لیں چینی کا پانی خشک ہونے پر انڈوں کو پھینٹ کر گاجروں میں اچھی طرح مکس کر لیں اور دس منٹ پکنے دیں لذیذ حلوہ تیار ہے اس پر بادام پستے سجا کر پیش کریں۔

ناریل اور سوجی کا حلوہ

اشیا :

مکھن	1/2 کپ
چینی	3/4 کپ
میدہ	1/2 کپ
سوجی	سوا کپ
ناریل کدوکش کرلیں	1/2 کپ
دودھ	3/4 کپ
بیکنگ پاؤڈر	1 چائے کا چمچہ
ونیلا ایسنس	1 چائے کا چمچہ
بادام	حسب پسند سجانے کے لیے

شیرہ بنانے کے لیے اشیا

چینی	1/2 کپ
پانی	دو تہائی کپ
لیموں کا رس	1 چائے کا چمچہ

ترکیب :

شیرہ بنانے کے لیے چینی پانی اور لیموں کے رس کو ایک برتن میں مکس کر کے ابال آنے تک پکائیں پھر آنچ ہلکی کر کے دس منٹ پکائیں پھر اتار کر ٹھنڈا کر لیں۔ اب ایک الگ برتن میں مکھن ڈال کر ہلکی آنچ پر پگھلائیں اور تمام اشیا۔ ڈال کر اچھی طرح مکس کریں۔ اب اس آمیزے کو کیک بنانے والے سانچے میں ڈال کر پھیلا لیں اور c 280° پر 25 منٹ کے لیے بیک کر لیں۔ اب اس کے تکون ٹکڑے کاٹ کر اوپر سے ٹھنڈا شیرہ ڈال کر کچھ دیر چھوڑ دیں' بادام سے سجا کر پیش کریں۔

سوہن حلوہ

اشیا :

نشاستہ	1/2 کلو
چینی	2 کلو
پانی	2 لیٹر
گھی	حسب ضرورت
الائچی	1 چھٹانک
ٹاٹری	ایک چٹکی برابر
جائفل	2 عدد
جاوتری	ذرا سی
زردے کا رنگ	1/2 چائے کا چمچہ
بادام کی گری	1 چھٹانک
پستے کی گری	آدھی چھٹانک

ترکیب :

چینی کو سوا کلو پانی میں حل کر لیں اور اس میں جائفل' جاوتری اور ٹاٹری پیس کر ملا دیں۔ چھوٹی الائچی چھیل کر آدھے دانے پیس کر ڈال دیں چولہے پر چڑھا کر چاشنی تیار کر لیں باقی تین پاؤ پانی میں نشاستہ اور زردے کا رنگ حل کر کے کپڑے میں چھان لیں اب نشاستہ ملا مرکب چاشنی میں ڈال کر ہلکی آنچ پر پکنے کے لیے رکھ دیں اور چمچے سے خوب ہلائی جائیں تھوڑا پکنے کے بعد اس میں بادام' پستہ چھیل کر ڈال دیں اور پکنے دیں جب قوام حلوے کی طرح ہو جائے اور اس میں چمچہ چلانا مشکل ہو جائے تو اس میں گھی کا ایک ایک چمچہ ڈال کر چمچہ چلاتی جائیں یہاں تک کہ حلوہ گھی چھوڑ دے اور مزید گھی نہ مانگے تو اسے ایک ٹرے میں پلٹ دیں اور ایک برابر کر دیں ٹھنڈا ہونے پر حسب پسند ٹکڑے کر لیں۔

روے کا حلوہ

اشیا :

روا	1 پاؤ
چینی	10 چھٹانک
بادام، کشمش اور پستہ	آدھی آدھی چھٹانک
زعفران	4 ماشے
دودھ	1/2 پاؤ
گھی	2 کھانے کے چمچے
عرق کیوڑہ	حسب منشا

ترکیب :

چینی کا شیرہ کر کے قوام تیار کریں اور دودھ ڈال کر اس کا میل صاف کریں، پھر گھی میں روے کو بھون کر قوام میں ڈالیں اور ساتھ ہی کترے ہوئے بادام اور کشمش ڈال دیں اور پھر زعفران تھوڑے سے پانی میں گھول کر ملا دیں اور چمچہ برابر چلائیں قوام خشک ہونے لگے تو گھی ڈال دیں چند منٹوں میں حلوہ تیار ہو جائے گا۔ کڑھائی اتار کر پستے کی ہوائیاں چھڑک دیں ساتھ ہی ساتھ حسب ضرورت عرق کیوڑہ بھی ڈال دیں۔

بیسن کا حلوہ

اشیا :

بیسن	1 پاؤ
شکر	3/4 پاؤ
کشمش	1/2 چھٹانک
الائچی	6 عدد
گھی	3/4 پاؤ
کھویا	1/4 پاؤ
چاندی کے ورق	حسب پسند

ترکیب :

گھی میں الائچی ڈال کر کڑکڑائیں جب خوشبو آنے لگے تو کشمش صاف کر کے اس میں ڈال دیں ایک منٹ تک چمچہ چلائیں۔ پھر اس میں بیسن ڈال کر بھونیں، یہاں تک کہ بیسن میں سے خوشبو آنے لگے اب کھویا ڈال کر بھونیں۔ تھوڑا سا پانی ڈال کر چینی کا شیرہ تیار کر لیں اور بیسن میں ملا کر اچھی طرح چمچہ چلائیں یہاں تک کہ اچھی طرح مل جائے اور خشک ہو جائے تو اتار لیں۔ ایک ٹرے میں ڈال کر چمچے سے ہموار کریں اور پسندیدہ شیپ میں کاٹ لیں چاندی کا ورق لگا کر پیش کریں۔

شاہی حلوہ

اشیا :

انڈے پھینٹ لیں	15 عدد
دودھ ابال لیں	3 لیٹر
چینی	6 کھانے کے چمچے
بادام پستہ	حسب منشا
گھی	1 کپ
چاندی کے ورق	حسب پسند

ترکیب :

دودھ کو ٹھنڈا کر کے اس کے اندر پگھلا ہوا گھی، چینی اور انڈے شامل کر کے ہلکی آنچ پر پکائیں۔ پھر گاڑھا ہونے لگے اور کنارے چھوڑنے لگے تو کسی ڈش میں نکال کر اور بادام پستہ اور چاندی کے ورق سے سجا کر گرم گرم پیش کریں۔

☆ ☆

حسن و صحت

ادارہ
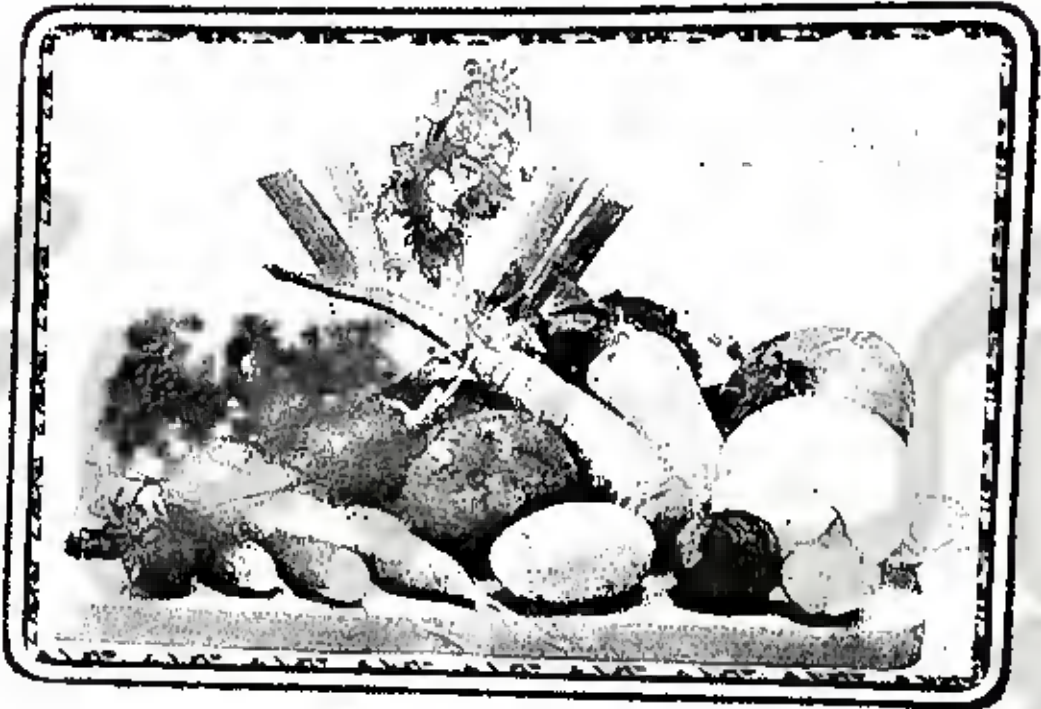
پھلوں میں پوشیدہ دلکشی

اپنی شخصیت کو خوب صورت اور جاذب نظر بنانا ہر عورت کی فطری خواہش ہوتی ہے' لیکن خوب صورتی کا تصور صحت مند جلد کے بغیر ہر گز ممکن نہیں۔ صاف اور صحت مند جلد بھی ایک حد تک شخصیت کو متاثر کن بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے' لیکن بد قسمتی سے ہمارے ہاں خوب صورتی کا تصور میک اپ سے مشروط ہے۔ حالانکہ بعض اوقات مختلف تقریبات میں تھوپنے کی شکل میں کیا گیا میک اپ شخصیت کے مثبت پہلوؤں کو بھی زائل کر دیتا ہے۔

اکثر خواتین گہرا میک اپ کرنے پر توجہ دیتی ہیں' جس کی وجہ ان کی جلد پر موجود مہاسے' داغ دھبے اور چھائیاں ہوتے ہیں جو گہرے میک اپ کے ذریعے چھپائے جاتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ مختلف جلدی مسائل کی شکار خواتین کی جلد کو میک اپ کے ذریعے دلکش بنانا مشکل ہے تاہم چھوٹے چھوٹے جلدی مسائل کو ضرور حل کیا جا سکتا ہے لیکن صرف وقتی طور پر بعض خواتین صرف کسی تقریب میں شرکت سے قبل کی جانے والی تیاری میں ہی جلد کی جانب متوجہ ہوتی ہیں' اس لیے عمر کے ساتھ ساتھ رونما ہونے والی غیر محسوس تبدیلیوں سے ناآشنا رہتی ہیں' جبکہ موسمی تبدیلیاں' مختلف بیماریاں اور بڑھتی عمر جلد کو سنجیدہ مسائل سے دوچار کر دیتی ہیں۔ چونکہ جلد ہمارے جسم کا سب سے نازک اور حساس حصہ ہے' جو اندرونی اور بیرونی عناصر سے براہ راست متاثر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جلد کی حفاظت کی ہر موسم اور ہر عمر میں یکساں ضرورت رہتی ہے۔

ہم میں سے بیشتر لوگ پھلوں کو صرف غذا کے طور

پر ہی استعمال کرتے ہیں اور اس بات سے آگاہ نہیں کہ پھل ہماری جلد کے لیے کس طرح فائدہ مند ثابت ہو سکتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ پھلوں کو دیکھنے سے انہیں فوری طور پر صرف کھانے کا ہی خیال ہمارے ذہن میں آتا ہے' حالانکہ انہیں جلد کی شادابی و خوب صورتی کے لیے بہترین معاون کے طور پر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

ماہرین کا خیال ہے کہ قدرتی طریقوں سے جلد کی دیکھ بھال کا سلسلہ نیا نہیں بلکہ صدیوں سے اسی طرح جاری و ساری ہے۔ اس کا سلسلہ قدیم تہذیب سے جا کر ملتا ہے۔ اس دور میں چکنی مٹی اور پھلوں کو جلد کے مردہ خلیے دور کرنے اور خوب صورتی کے لیے بہترین سمجھا جاتا ہے۔ 17 ویں صدی کے لوگ دودھ اور انڈے کے ماسک چہرے پر استعمال کرتے تھے۔ ساتھ ہی تازہ پھلوں' پھولوں اور جڑی بوٹیوں کو بھی جلد کی شادابی کے لیے استعمال میں لاتے تھے۔ آج بھی یہ طریقے کچھ جدت کے ساتھ اسی طرح استعمال کیے جاتے ہیں۔ ان طریقوں میں جدت کے باعث مسلسل استعمال کے باوجود خواتین بہترین نتائج سے کلی طور پر مستفید ہونے سے محروم رہتی ہیں۔ حالانکہ مختلف پھلوں' پھولوں اور جڑی بوٹیوں پر مشتمل کریمیں بھی بازار میں باآسانی دستیاب ہیں لیکن جو بات گھریلو طور پر تیار کیے گئے پھلوں اور دیگر قدرتی اجزا کے ماسک میں ہے' وہ ان میں نہیں مل سکتی۔ موسم کی مناسبت سے روزانہ کسی ایک پھل کا استعمال صحت کے لیے تو مفید ہے ہی ساتھ ہی ساتھ جلد کے لیے بھی مفید ثابت ہوتا ہے۔

پھلوں پر مشتمل ماسک

تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ پھلوں کے قدرتی اجزا نا صرف چہرے پر موجود داغ دھبوں' چھائیوں اور دانوں کو دور کرنے میں مدد دیتے ہیں بلکہ جلد کی تازگی اور شادابی برقرار رکھتے ہوئے اسے کم عمر بھی بناتے ہیں' تاہم اس کے لیے پھلوں کا مسلسل استعمال بنیادی شرط ہے کیونکہ بعض اوقات ان پھلوں سے نتائج تھوڑے وقفے کے بعد سامنے آنا شروع ہوتے ہیں۔ اگر اپنے روزمرہ معمولات میں سے تھوڑا سا وقت نکال کر جلد کی خوب صورتی اور صحت پر روزانہ توجہ دی جائے تو میک اپ کے بغیر ہی چمکتی دمکتی' ہموار اور صحت مند جلد ہماری شخصیت کو جاذب نظر بنا سکتی ہے۔ اگر موسم کی مناسبت سے ان پھلوں کو ماسک کی شکل میں جلد کی حفاظت اور صفائی کے لیے استعمال کیا جائے تو نا صرف حیرت انگیز نتائج حاصل ہوتے ہیں بلکہ پھلوں سے تیار کردہ ماسک' جلد کو بڑھتی ہوئی عمر کے اثرات سے بھی محفوظ رکھتے ہیں۔ پھلوں کے مثبت اثرات نا صرف ہمارے اندرونی نظام کو بہتر بناتے ہیں بلکہ ان میں موجود قدرتی اجزا ہماری صحت اور جلد کی حفاظت کا موثر ذریعہ بھی ہیں۔

پھلوں کے بے شمار فوائد کے پیش نظر یہاں ہم چند موسمی پھلوں سے ماسک بنانے اور انہیں استعمال کرنے کے طریقے بتا رہے ہیں جو جلد کی صحت اور صفائی کے ساتھ ساتھ جلدی مسائل کے لیے بھی یقیناً" بہت مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ ماسک لگانے سے پہلے ضروری ہے کہ چہرے کو پانی سے دھو کر خشک کر لیا جائے۔

سنگترے کا ماسک

خوش رنگ اور خوش ذائقہ' وٹامن C سے بھرپور یہ پھل قوت مدافعت بڑھاتا ہے اور چہرے کی جلد کو ڈھلکنے سے محفوظ رکھتا ہے۔ ایک کپ میں سنگترے کا رس نکالیں اور صاف ہاتھوں سے تمام چہرے اور گردن پر لگائیں اور اچھی طرح لگانے کے بعد خشک ہونے دیں بعدازاں چہرے کو دھولیں۔ یہ ماسک چکنی جلد کے لیے بہت مناسب ہے' جلد پر خراش یا حساس جلد کی صورت میں جلن کی شکایت ہو سکتی ہے' اس لیے ان صورتوں میں یہ ماسک استعمال نہیں کرنا

چاہیے۔ یہ ماسک جلد کی زائد چکنائی ختم کرکے اسے تروتازہ بناتا ہے۔ کھلے ہوئے مساموں کے باعث بے رونق نظر آنے والی جلد کے لیے بھی بہت مفید ہے کیونکہ یہ ماسک جلد کو تازگی بخشتا ہے۔

پپیتے کا ماسک

یہ غذائیت سے بھرپور پھل وٹامن A' B' C اور D سے بھی بھرپور ہے۔ کیلشیم' فاسفورس اور فولاد بھی پپیتے میں وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ جلد کے مردہ خلیات کی صفائی کے لیے پپیتے کا استعمال بے انتہا مفید ہے۔ پپیتے میں پایا جانے والا ایک انزائم پاپین (Papain) جلد کے مردہ خلیات کو نرمی سے صاف کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پپیتے کے اس جزسے تیار شدہ صابن صارفین میں بہت مقبول ہیں اور اکثر جلدی استعمال کی اشیا میں پپیتے کا استعمال کثرت سے کیا جاتا ہے۔ پپیتے کے گودے کو تھوڑا سا اوپر سے کاٹ لیں۔ چھلکے کے ساتھ کچھ گودا رہنے دیں۔ اب ان چھلکوں کو چہرے اور گردن پر ملیں۔ یہاں تک کہ چھلکے خشک ہو جائیں۔ اب ٹھنڈے پانی سے منہ دھولیں۔ یہ عمل متواتر کرنے سے چہرے کی شادابی میں اضافہ ہوتا ہے اور مردہ خلیات نرمی سے صاف ہو جاتے ہیں۔

سیب کا ماسک

فولاد کی وافر مقدار سے بھرپور یہ پھل جسمانی صحت کی طرح جلد کی صحت کے لیے بھی بے مثال ہے۔ ایک سیب کو کچل کر تمام رس ایک کپ میں نکال لیں' اب ایک صاف ململ کے کپڑے یا روئی کی مدد سے رس کو چہرے اور گردن پر لگائیں خصوصاً" آنکھوں کے گرد ہونٹوں کے اطراف اور پیشانی پر انگلیوں کی پوروں سے مساج کریں۔ کھلے مسام بند کرنے اور جلد کے روکھے پن کو دور کرنے کے لیے یہ نسخہ بہت کار آمد ہے۔ بہتر نتائج کے لیے سیب کے رس میں ٹھنڈے دودھ کے چند قطرے بھی شامل کیے جاسکتے ہیں۔ یاد

رہے کہ کسی بھی قسم کا نسخہ استعمال کرنے سے قبل چہرہ کسی صابن سے دھولینا چاہیے۔ رات سونے سے قبل یہ عمل کرنے سے بہتر نتائج حاصل ہوتے ہیں اور جلد خوب صورت اور دلکش نظر آتی ہے۔

گاجر کا ماسک

گاجر بے حد مفید سبزی ہے جو کہ پھل کی طرح استعمال کی جاتی ہے یعنی اسے زیادہ تر کچا ہی کھایا جاتا ہے۔ گاجر میں موجود بیٹا کیروٹین نامی مادہ صحت کے لیے بے انتہا مفید ہے۔ موسم سرما میں گاجر کو زیادہ سے زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ گاجر کا ماسک ہر قسم کی جلد کے لیے مفید ہے۔ ایک کپ گاجر کے رس میں روئی بھگو کر اسے ٹھنڈا ہونے کے لیے ریفریجریٹر میں رکھ دیں' 15۔10 منٹ بعد نکالیں۔ پہلے چند قطرے شہد کے ہتھیلی پر لیں اور انگلی کی پوروں کی مدد سے پورے چہرے اور گردن پر لگائیں' پھر روئی کی مدد سے گاجر کا رس چہرے پر لگائیں۔ جب ماسک خشک ہوتا محسوس ہو تو نیم گرم پانی سے چہرے کو دھولیں۔ شہد جلد کی صفائی کرتا ہے اور گاجر کا رس جلد کے نکھار کا باعث ہے۔ ماسک کے علاوہ گاجریں کچی بھی کھائی جائیں تو جلد اور بصارت کے لیے مفید ہیں۔

انناس کا ماسک

انناس ایک ہمہ گیر پھل ہے' جو بے حد مفید بھی ہے۔ انناس وٹامن A سے بھرپور پھل ہے۔ وٹامن

A جلد کے لیے اکسیر کا کام کرتا ہے اور قبل از وقت پڑنے والی جھریوں سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ جلدی ماہرین کا کہنا ہے کہ صحت مند جلد' ناخن اور بالوں کے لیے روزانہ مناسب مقدار میں حیاتین اے کا استعمال بے حد ضروری ہے۔ اناس کا ماسک سورج کی تپش سے متاثرہ جلد کے لیے بہت کار آمد ہے۔ اناس کے چند ٹکڑے مناسب سائز کے کاٹ لیں اور انہیں ریفریجریٹر میں رکھ دیں۔ پندرہ سے تیس منٹ کے بعد نکال لیں اور اسے صاف جلد پر رگڑیں' چند ہفتے یہ عمل کرنے سے جلد کی رنگت میں غیر معمولی نکھار پیدا ہو گا اور سورج کی تپش سے متاثرہ جلد صحت مند نظر آنے لگے گی۔ اناس میں شامل قدرتی اجزا جلد کے لیے بے حد مفید ثابت ہوتے ہیں۔

کیلے کا ماسک

کیلا ایک سدا بہار پھل ہے۔ جو نہ صرف بچوں اور بڑوں کا پسندیدہ ہے بلکہ بزرگوں کے لیے تو یہ ایک عمدہ غذا بھی ہے۔ فولاد سے بھرپور یہ پھل صحت پر مثبت اثرات مرتب کرتا ہے جبکہ کیلے کا ماسک قدرے خشک جلد پر استعمال کرنے سے بہتر نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ آدھا کیلا' تھوڑا سا دہی اور چند قطرے زیتون کا تیل باہم ملا کر آمیزہ تیار کرلیں۔ یہ آمیزہ چہرے اور گردن پر نیچے سے اوپر کی طرف لگائیں۔ اس ماسک کو آنکھوں کے قریب بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ جب سوکھ جائے تو ٹھنڈے یا سادہ پانی سے چہرے کو دھولیں لیکن صابن استعمال نہ کریں۔ بے رونق اور خشک جلد چکنی اور صحت مند نظر آنے لگے گی' خصوصاً" موسم سرما میں یہ ماسک چہرے کو خشکی سے محفوظ رکھتا ہے۔ کیلے کا یہ ماسک ہفتے میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور لگائیں تاکہ جلد پر اس مفید پھل کے خوشگوار اثرات نظر آئیں۔ کیلا جسمانی اور جلدی صحت دونوں کے لیے یکساں مفید پھل ہے۔

خوبانی کا ماسک

خوبانی ایک مزے دار اور غذائیت سے بھرپور پھل ہے۔ اس میں نمکیات کی تعداد غیر معمولی ہوتی ہے' اس لیے ہر قسم کی جلد کے لیے فائدہ مند ہے۔ اس کا استعمال بہت آسان ہے۔ دو تین خوبانیاں لے کر انہیں رات کو پانی میں بھگو دیں' اچھی طرح نرم ہو جانے کے بعد ان کو ہلکی آنچ پر پکائیں اور ٹھنڈا ہونے پر چہرے پر لگائیں۔ تقریباً" 10 منٹ کے بعد چہرہ صاف کرلیں۔ خوبانی میں جلد کو تان کر سخت بنانے کی خصوصیت ہے۔ اس کے علاوہ اس کے ماسک کو چہرہ کے بالوں کی صفائی کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ طویل عرصے تک اس کے باقاعدہ استعمال سے چہرے پر نکلنے والے بالوں میں خاصی کمی واقع ہوتی ہے اور بعض حالت میں بال بالکل ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب یہ ماسک سوکھ جائے تو اسے نوچ کر اتاریں اس طرح چہرے کے بالوں کی جڑیں خاصی کمزور ہو جاتی ہیں اور اس ماسک کے استعمال سے بال آہستہ آہستہ ختم ہو جاتے ہیں۔

کوئی بھی موسمی پھل کھائیں' اس کا ماسک بنا کر چہرے پر بھی لگالیں۔ یہ مفید ماسک جلد کی قدرتی رعنائی اور شادابی کا باعث بنتے ہیں' قدرتی اجزا جلد کی حفاظت کا بے ضرر' سستا اور سہل طریقہ ہیں۔ ان کے متواتر استعمال سے میک اپ کی مہنگی اشیاء کے استعمال کے بغیر ہی آپ کو اپنی جلد' جواں اور دمکتی ہوئی محسوس ہو گی اور مصنوعی کاسمیٹک پراڈکٹس کے استعمال کے بجائے ان قدرتی بیوٹی پراڈکٹس کو آزمانے سے نہ صرف آپ کی جلد کی شادابی و رونق میں اضافہ ہوگا بلکہ آپ کی جلد کی شادابی و رونق میں اضافہ ہوگا بلکہ آپ کی جلد بھی کیمیکلز کے مضر اثرات سے بھی محفوظ رہے گی۔

✲ ✲

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جارہے ہیں۔

شاہدہ۔۔۔ لاہور

س۔ اگر خوش قسمتی کا دیوتا آپ کا در کھٹکھٹاتا رہے اور آپ مقفل کمرے میں گہری نیند کی وادیوں میں گم رہیں تو بیداری کے بعد جب صورت حال کا پتا چلے تو آپ کیا کریں گے؟

ج۔ سمجھوں گا میری قسمت میں نہ تھا ایسا کچھ۔

شاہدہ نورین۔۔۔ رحیم یار خان

س۔ ذوالقرنین بھیا؟ یہ تو بتائیں کہ عورت اگر سکون چاہے تو میکے چلی جاتی ہے لیکن اگر مرد سکون چاہے تو کہاں جاسکتا ہے؟

ج۔ ہمیشہ کے لیے ملک سے باہر۔

فرزانہ سلیم۔۔۔ میاں چنوں

س۔ آپ کی شادی کے بعد کرن والے کرن کتاب "شادی بیاہ کے گیت" میں آپ کی شادی کی تصاویر دیں گے اور آخر میں لکھیں گے۔ شکریہ ذوالقرنین جنھوں نے ہمیں کرن کتاب کے لیے تصاویر عنایت کیں۔

ج۔ یہ کرن والوں سے ذاتی خط و کتابت کب شروع ہوئی پہلے یہ بتاؤ؟

فرحین کوثر۔۔۔ علی پور چٹھہ

س۔ اگر آئینہ ایجاد نہ ہوتا تو عورتیں میک اپ کیسے کرتیں؟

ج۔ یہ عورتوں سے کیا جانے والا سوال مجھ سے کیوں؟ اپنے آپ سے پوچھا۔

نسرین قادری۔۔۔ ٹھٹھہ

س۔ سنا ہے ایک لڑکی تم سے پیار کے بجائے صرف ادھار مانگ رہی ہے۔ دونوں میں سے ایک کام آسان ہے "سوچیے مت جلد جواب دیں؟

ج۔ اتنی جلدی میں تو صرف ادھار۔

عاصی۔۔۔ گوجرانوالہ

س۔ مسٹر ذوالقرنین کوئی آپ کی تعریف میں سوال کرے تو آپ خوش ہو کر اور کوئی آپ پر تنقیدی سوال کرے تو آپ اتنا تپ کے کیوں جواب دیتے ہیں۔ امید تو نہیں ایسے بھنائے ہوئے سوال کا جواب ملے کیوں؟

ج۔ جواب حاضر ہے۔ اب کیا خیال ہے۔

مدیحہ کرن

ثنا شہزاد..... کراچی

نومبر کا شمارہ گیارہ تاریخ کو ملا۔ حمد و نعت کے بعد "ستارے میرے نام" پڑھا تو ایک خبر نے حواس گم کر دیے فرحانہ ناز ملک کی ڈیتھ کا سن کر کتنی دیر تک تو سکتے میں بیٹھی رہی پھر امی کو بتایا۔ میں فرحانہ ناز ملک کو نہیں جانتی نہ انہیں کبھی دیکھا ہے مگر ان کے بارے میں پڑھ کر دل دکھ سے بھر گیا کیونکہ لکھاری اور قاری کا رشتہ تو الگ ہی ہوتا ہے اس میں یہ چیز نہیں دیکھی جاتی کہ ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں یا نہیں۔ اس خبر نے اتنا دکھی کیا کہ 6 دن تک تو کرن پڑھنے کا دل ہی نہیں چاہا بس فرحانہ ناز ملک اور ان کے گھر والوں کے بارے میں ہی سوچتی رہی۔ ان سب کے دل پر کیا گزری ہوگی کیسے صبر آرہا ہوگا ان کے گھر والوں کو۔ اللہ پاک ان سب کی مغفرت فرمائے آمین۔ میں نے فرحانہ ناز ملک کے ناول کی تین اقساط پڑھی تھیں سوچا تھا کہ جب دس بارہ ہو جائیں گی تو اکٹھی پڑھوں گی لیکن اس سے پہلے ہی وہ چلی گئیں اپنی کہانی کو ادھورا چھوڑ کر پتا نہیں کیا کیا سوچا ہوگا انہوں نے اپنی اس کہانی کے بارے میں کہ اسے کس طرح آگے بڑھانا ہے اور کیا اختتام کرنا ہے واقعی میں زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔

اس ماہ کے افسانے دونوں میں سے ایک بھی اچھا نہیں لگا۔ ناولٹ میں "عشق سفر کی دھول" پڑھا نہیں ہے مگر پھر بھی اندازہ ہے کہ بہت زبردست ہوگا کیونکہ لبنیٰ جدون صاحبہ کا ہے جنہوں نے بہت دنوں بعد کرن میں حاضری دی ہے۔

مکمل ناول چاروں ایک سے بڑھ کر ایک تھے کسی ایک کو ٹاپ لسٹ پر رکھنا ناممکن ہے "تیری جستجو میں" فوزیہ یاسمین صاحبہ نے بہت اچھا لکھا اس کہانی میں بینش جیسی دوست پر اتنا غصہ آیا کہ میں بتا نہیں سکتی جب ردا کو اس کی عادت کا پتا تھا تو اسے بینش پر یقین نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس نے فضول میں ولید کو سب کچھ بتا کر اپنی زندگی دشوار کرلی۔ اسے الیاس کو معاف کر کے اس کا ہاتھ تھام لینا چاہیے تھا اور بینش کے ساتھ کچھ برا ہونا چاہیے تھا۔

"راستہ ٹھہر جائے" میں مہو کا فیصلہ اسید کے حق میں بالکل درست تھا کیونکہ رامش کے ساتھ یہ ہی ہونا چاہیے تھا جس نے ماں کے کہنے پر اپنی محبت کو چھوڑ دیا "نیلا تارہ" میں ارشق کا نام اور کریکٹر دونوں بہت زیادہ اچھے تھے جبکہ عزہ خالد کے ہیرو کو کچھ زیادہ ہی خود پسند دکھایا گیا مگر پھر بھی چاروں مکمل ناول بیسٹ تھے۔ بلکہ کرن پورا زبردست ہے کرن ایک بہترین استاد ہے کوئی ماں بھی اپنی بیٹی کو اتنا نہیں سکھائے جتنا کرن سکھا رہا ہے۔ میری دعا ہے کہ میرا اور کرن کا ساتھ ہمیشہ برقرار رہے۔ آمین۔

کرن سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے اور سیکھ رہی ہوں۔ خط بہت طویل ہو گیا ہے مگر پلیز شائع کر دیجیے گا۔

شازیہ ہاشم..... کھڈیاں حضوری

موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ ہر انسان جو اس دنیا میں آیا ہے اس نے جانا بھی ہے۔ بس اللہ تبارک و تعالیٰ ناگہانی موت سے حفاظت فرمائیں۔ ہماری "شام

آرزو" کی رائٹر فرحانہ ناز ملک جب میں ان کا یہ ناول پڑھتی تھی تو تصورات و تخیلات کی دنیا میں جا کر ان کو ایک کانچ سی اور پروقار سی لڑکی کی صورت میں دیکھتی تھی۔ میں نے ان کا اپنے ہی ذہن سے ایک اسکیچ بنایا ہوا تھا۔ ابھی تو میں نے "شام آرزو" پر تبصرہ لکھنا تھا مگر۔۔۔ رانیہ سیالکوٹ نے اپنے خط میں "شام آرزو" پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک فقرہ لکھا جس کو پڑھ کر آنکھیں نم اور دل غمگین ہو گیا۔ وہ فقرہ یہ ہے کہ "جناب فرحانہ ناز آپ نے کامیابیوں کے راستے خوب چڑھ لیے۔"

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ ان کو اور ان کے بھائی خاور، بہن کرن اور والدہ محترمہ کو فردوس بریں میں اعلا مقامات عطا فرمائے۔ (آمین) دانی کو شفائے کاملہ نصیب فرمائے اور اہل خانہ کو صبر دے۔

وثیقہ زہرہ۔۔۔ سمندری

دلفریب ٹائٹل کے ساتھ کرن ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ ناول نمبر دیکھ کر دل خوش ہو گیا لیکن فہرست میں "شام آرزو" نہ دیکھ کر دل دکھ سے بھر گیا اللہ فرحانہ ناز ملک کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین) "اک ساگر ہے زندگی" بہت خوب صورتی سے آگے بڑھ رہا ہے وقت گزر جائے تو سوائے پچھتاوں کے ہاتھ کچھ نہیں آتا زینب کا انجام ابھی سے نظر آ رہا ہے۔ ناول "تیری جستجو میں" اور "راستہ ٹھہر جائے" پسند آئے ناولٹ اور افسانے بہت اچھے تھے باقی سلسلے تو ویسے بھی بہت اچھے ہوتے ہیں۔ اجازت دیجیے اس امید پر کہ آئندہ ماہ ان شاء اللہ پھر حاضر ہوں گے۔ ان شاء اللہ

ایمان، عائشہ، تحریم۔۔۔ کوٹلہ جام

سب سے پہلے تو کرن کو "مکمل ناول نمبر" اتنے بھرپور اور مکمل انداز میں پیش کرنے پر "مبارک باد" نہ صرف مکمل ناول بلکہ افسانے شعر و شاعری اور بہنوں کے خطوط سب نے اس بار کرن کو چار چاند لگائے۔

اس بار کرن کی فہرست میں فوزیہ یاسمین اور حیا بخاری کے نام دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ فوزیہ یاسمین کا ناول عمدہ رہا سبھی کردار، واقعات اور الفاظ دل کو چھو گئے۔ فوزیہ یاسمین سے فرمائش ہے کہ پلیز کوئی ہیپی اینڈ والا ناول لکھیں۔

حیا بخاری۔۔۔ آپ کا ناول "پہلا تارا" سپر ہٹ رہا ارشق کا لڑکیوں کی تصویریں دیکھنے سے انکار کرتے وقت جو الفاظ کہے میں پڑھ کر رو دی۔

"واقعی حوا کی بیٹی بے مول نہیں کہ ابن آدم اس کو تصویروں سے دیکھ اس کی صورت سے اس کے بارے میں اندازہ لگائے۔" اور فوزیہ ثمر کے خط پڑھ کر بہت مزا آتا ہے۔

فوزیہ ثمرٹ۔۔۔ گجرات

نومبر کا شمارہ تیرہ تاریخ کو ہاتھ آیا۔ سرورق ماڈل اچھی لگ رہی تھیں۔ مگر آنکھوں کا گہرا رنگ بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

حسب عادت فہرست کو دیکھا۔ نومبر کا شمارہ "ناول نمبر" تھا۔ دل خوش ہوا۔

فرحانہ ناز ملک کے بارے میں شعاع میں پڑھا تھا۔ پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ سارا دن ڈائجسٹ کو ہاتھ نہیں لگایا۔ انہیں دیکھا تو نہیں پھر بھی اک انس تو تھا نا، رب کریم سے ان سب کی مغفرت کی دعا ہے۔ اپنے ہاں بلند درجات عطا فرمائے۔ (آمین)

"مقابل ہے آئینہ" میں نشا نورین سے ملاقات اچھی رہی اور دعا ہے میری اس لڑکی کا مان نہ ٹوٹے جو اسے اپنے بھائی پر ہے۔ بھائی ہوتے ہی ایسے ہیں کہ بہنیں بے دریغ اپنی محبتیں نچھاور کرتی ہیں۔

"پیغام دوست" میں نمو کشور کا پیغام بہت دکھی کر گیا۔ سچ میں دکھوں کا اظہار کبھی کبھی بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

افسانے دو ہی تھے "جھوٹی" اچھا لگا۔ "تیری جستجو" میں دیل ڈن فوزیہ یاسمین آپ نے بہت اچھا لکھا۔ جب اینڈ میری سمجھ میں آیا تو بینش پہ شدت سے غصہ آیا۔ سچ ہے کچھ لوگ مرتے دم تک اپنی خصلت نہیں بدلتے۔ کچھ انسان دل بھی کانچ سمجھ کر توڑتے ہیں۔ بینش اور ولید دونوں ایسے ہی تھے۔

"پہلا تارہ" ناول ذرا سا بھی متاثرہ نہیں کرسکا۔ وہی پرانا موضوع پیسے کے لیے ضمیر بیچنے والے لوگ۔ ہاں عینا کی چاچی کا اعتراف محبت جو اُسے عینا سے تھی "اچھا لگا۔

مکمل ناول "وہ جو بچے تھے" اور ناولٹ "عشق سفر کی دھول" دونوں میں ہیروز کے کردار پسند نہیں آئے۔ زیان بن حسان چلو اینڈ میں اپنی فرعونیت کو ختم کردیتا ہے۔ مگر عشق سفر کا طارق سومرو۔ مرد کے پاس اگر سب کچھ ہو دولت، اقتدار، عورت تو پھر فرعون بننے میں اسے دیر نہیں لگتی۔

صد شکر رانیہ کو ٹھوکر کے بعد اپنی ماں کا احساس تو ہوا۔ شکر ہے میری طرح رائٹر صاحبہ نے بھی اس تحریر کی دو ہی اقساط سوچی تھیں۔ "اک ساگر ہے زندگی" سالار اور زیب کے تعلق کی سمجھ نہیں آرہی۔

مستقل سلسلے اس بار اچھے تھے۔ "یادوں کے دریچے" سے بھی تمام ڈائریاں پسند آئی۔ "مسکراتی کرنیں" کرن سرحد نے مسکرانے پہ مجبور کردیا۔ یاد رہے صرف مسکرانے پہ۔

"نامے میرے نام" ام ایمان اور بنت شوکت کا خط اچھا تھا۔

ایک منٹ ذرا رکنا۔ نئے سال میں نادیہ امین سے کہیے نا کوئی اچھا سا ناول لکھیں۔ شدت سے ان کی یاد اور ان کی تحریر کی طلب ہو رہی ہیں۔

عائشہ خان..... ٹنڈو محمد خان

چار ماہ کی غیر حاضری کے بعد حاضر خدمت ہوں۔ ماشاءاللہ سرورق تو ہمیشہ ہی پیارا ہوتا ہے۔ اس بار بھی فریش سی ماڈل نے تازگی جگادی۔

فرحانہ ناز ملک کا تو سوچ کر ہی دل دکھ جاتا ہے اور آنکھ بھر آتی ہے..... اللہ تعالیٰ دانیال کو صحت عطا فرمائے آمین۔

بیاد فرحانہ ناز پڑھ کر خوب ہی روئی۔

"مکمل ناول نمبر" ہے اس لیے سب سے پہلے اپنی پیاری حیا بخاری کا ناول پڑھا سب سے اچھا کردار ارشق کا لگا ارشق نام بھی بہت پیارا لگا۔ زاہرہ اور عابدہ بیگم تو آئیڈیل کردار رہے۔ ارشق کی باتیں اور خیالات بہت پسند آئے۔

چاچی جیسی خود غرض عورت کو بھی عینا نے زاہد کی بیٹی ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے معاف کردیا۔ حیا بخاری کو بہت بہت مبارک..... اتنا پیارا ناول لکھنے پر۔ اور اینڈ میں جو منظر نگاری کی ہے وہ بھی بہت پسند آئی۔ سچ پوچھیں تو گھر کی مصروفیت میں سے صرف ابھی اتنا ہی مطالعہ کرسکی ہوں حیا بخاری انٹری دیتی رہا کریں۔ اب اجازت چاہتی ہوں۔

نوشابہ منظور..... بھریا روڈ

اس ماہ کا کرن پندرہ کو ملا۔ سب سے پہلے فوزیہ یاسمین کا ناول پڑھا اور اس ناول کو پڑھ کے عجیب سے احساسات ہو رہے تھے بینش جیسے لوگ۔ جو صرف اور صرف دوسروں کو تکلف دینے کے لیے دنیا میں آئے ہوئے ہیں۔ ہمارے آس پاس بھی ایسے بہت سے لوگ ہوں گے بلکہ ہوتے ہیں کہانی پڑھتے وقت ہم لوگ کرداروں کے ساتھ ہنستے ہیں روتے ہیں اور آخر میں جو ردا محسوس کر رہی تھی ویسے ہی میں بھی کیونکہ ردا میں کہیں کہیں مجھے اپنی جھلک نظر آئی۔ غلطی ردا کی ہی تھی جس کی سزا اسے تمام عمر کاٹنی تھی کاش الیاس اسے آٹھ سال بعد بھی نہ ملتا۔

باقی مستقل سلسلے سب کے ہی اچھے تھے کسی ایک کا کیا نام لوں۔ سب اپنی اپنی جگہ اچھے تھے۔

✡ ✡